فتاویٰ حقانیہ

۳

از افادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ

نگرانی و اہتمام

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مفتی مختار اللہ حقانی

ناشر

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه (الآیۃ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد سوم

افادات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذِ حدیث

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

(جملہ حقوق واشاعت وطباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب .... فتاوی حقانیہ (جلد سوئم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۶۲۸ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد سوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
کتاب الصلوٰۃ		حرمین شریفین میں مثلین سے قبل نماز عصر پڑھنے کا حکم	۴۱
باب المواقیت	۳۳	افطاری کی وجہ سے نماز مغرب میں تاخیر کرنا	۴۲
نماز کو مقررہ وقت سے مؤخر کرنا	۳۳	مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت کے تعین کا حکم	۴۲
فجر کی نماز کا وقت	۳۳	نصف شب کے بعد عشاء کی نماز پڑھنے کا حکم	۴۳
رمضان میں فجر کی نماز تاریکی میں پڑھنا	۳۴	تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے	۴۴
نماز کے لیے مستحب وقت کیا ہے؟	۳۴	مغرب کے وقت کی مقدار	۴۵
نماز عصر میں تاخیر کی مقدار	۳۵	**باب الاذان والاقامۃ**	۴۶
ظہر کی نماز کا وقت	۳۶	اذان کا شرعی حکم	۴۶
سورج غروب نہ ہونے کی حالت میں نماز کا حکم	۳۷	بیک وقت تعدد اذان	۴۶
زوال کا وقت	۳۸	ظالم کی اذان کا حکم	۴۷
مکروہ اوقات کی مقدار حکم	۳۹	اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا	۴۸
استواء شمس کے وقت مکروہ وقت کی مقدار	۴۰	اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے آخر میں ہا ہا کہنا	۴۸
مکروہ اوقات میں نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت کا حکم	۴۰		
فجر اور عصر کے بعد قضاء نمازوں کا حکم	۴۱		

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اذان میں بھول جانا	۴۹	نومولود بچے کے کانوں میں اذان دینے کا طریقہ	۶۱
اذان واقامت کیلئے دائیں بائیں جانب کا تعین	۴۹	اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ	۶۲
اذان واقامت کی اہمیت	۵۰	لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے کا حکم	۶۲
وقت سے قبل اذان دینا	۵۱	دفع وبا کے لیے اذان دینے کا حکم	۶۳
اذان میں روانگی سنت ہے	۵۱	کلماتِ اذان میں وقفہ کی مقدار	۶۴
نشہ کی حالت میں اذان کا حکم	۵۲	الصلوٰۃ خیر من النوم کا کیا جواب ہے؟	۶۴
تہجد کے لیے اذان کا حکم	۵۳	اذان قبلہ رخ ہو کر پڑھنے کا حکم	۶۵
تثویب کا حکم	۵۳	اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو لمبا کر کے پڑھنا	۶۵
اذان سے قبل تعوذ اور تسمیہ کا حکم	۵۴		
اذان دینے کیلئے بہتر جگہ کون سی ہے؟	۵۴	مؤذن کے کلماتِ اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم	۶۶
وضو کے بغیر اذان دینا	۵۵		
نابالغ کی اذان کا حکم	۵۵	نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا	۶۶
حی علی الفلاح پڑھنے کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم	۵۵		
مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہنا	۵۶	خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہیئے	۶۷
جماعت ثانیہ کے لیے اقامت	۵۷	حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے	۶۷
امام کا اقامت کہنا	۵۷	قد قامت الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ کے تاء پر ضمہ پڑھنے کا حکم	۶۸
قد قامت الصلوٰۃ پر وقفہ کرنا	۵۸		
اذان کے دوران انگلیوں کا کانوں کے سوراخ میں رکھنے کا حکم	۵۹	بعد الاذان دعا میں ہاتھ اٹھانا	۶۸
		کیا حضرت بلالؓ اذان میں شین کو سین پڑھتے تھے؟	۶۹
ریڈیو وغیرہ سے اذان کا حکم	۵۹	**باب شروط الصلوٰۃ وارکانہا**	۷۰
مسجد کے اندر اذان دینے کا حکم	۶۰		
قد قامت الصلوٰۃ کے جواب کا حکم	۶۰		
دعا بعد الاذان میں والدرجۃ الرفیعۃ کے الفاظ کا ثبوت	۶۱	زبان سے نیت کرنے کا حکم	۷۰
		زبان سے نیت کے الفاظ میں غلطی کا حکم	۷۰

عنوانات	صفحہ
امام کی اقتداد کی نیت کا مسئلہ	۷۱
تعدادِ رکعات کی نیت ضروری نہیں	۷۱
رکوع وسجدہ میں ترتیب کا وجوب	۷۲
جیب میں نسوار کے ساتھ نماز پڑھنا	۷۲
تکبیر تحریمہ کی فرضیت	۷۲
نماز کی نیت کا حکم	۷۳
ہسپتال کی یونیفارم میں نماز پڑھنے کا حکم	۷۴
دوکان میں نماز پڑھنا جائز ہے	۷۴
جیلخانہ کی جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم	۷۵
مسجد کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا	۷۵
تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے	۷۶
تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا ارسال یا سیدھا باندھنا	۷۶
مکی کے لیے نماز پڑھتے وقت عین کعبہ یا جہتِ کعبہ کا حکم	۷۷
حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم	۷۷
سمتِ قبلہ کے تعین کے لیے قبلہ نما کے استعمال کا حکم	۷۷
ریل گاڑی میں دورانِ نماز استقبالِ قبلہ ضروری ہے	۷۸
ریل گاڑی میں بھی نماز کیلئے قیام فرض ہے	۷۹
دورانِ قیام دونوں پاؤں کے درمیانی فاصلہ کا حکم	۸۰
بلاعذر ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا	۸۰
نماز میں قرأت کا حکم	۸۰
سجدہ کو جاتے وقت زمین پر اوّلاً ہاتھ رکھنے کا حکم	۸۱
حالتِ سجدہ میں پاؤں کا اٹھانا	۸۱
کورِ عمامہ پر سجدہ کرنے کا حکم	۸۲
تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا مسئلہ	۸۳
قالین اور فوم کے گدوں پر نماز پڑھنے کا حکم	۸۳
قعدہ اخیرہ کا حکم	۸۴
قعدہ اخیرہ کی فرضیت کا منکر کافر نہیں	۸۴
ہوا خارج ہونے کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم	۸۵
باب واجبات الصلوٰۃ	۸۶
جماعت میں امام کا تنہا رہ جانا	۸۶
قعدۂ اولیٰ واجب ہے	۸۶
تعدیلِ ارکان واجب ہے	۸۷
نماز میں قومہ اور جلسہ واجب ہے	۸۷
نماز میں التحیات پڑھنے کا حکم	۸۸
وتر نماز میں دعاءِ قنوت کا حکم	۸۸
تکبیراتِ زوائد کا حکم	۸۸
باب سنن الصلوٰۃ	۸۹
تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے	۸۹

عنوانات	صفحہ
تحقیق رفع الیدین تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا	۸۹
بسم اللہ ترک کرنے سے نماز کا اعادہ نہیں	۹۰
نماز میں تسبیح کی مقدار	۹۱
سجدہ کی حالت میں عورتوں کی مسنون کیفیت کیا ہے؟	۹۲
نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ	۹۲
نماز میں آمین بالجہر کی کیفیت	۹۳
نماز میں تسویۃ الصفوف کا حکم	۹۴
تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رُخ کس طرف کیا جائے؟	۹۴
ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے	۹۵
ثناء سے قبل اور تکبیرِ تحریمہ کے بعد ادعیہ کا مسئلہ	۹۵
الحاق کعبین کا مسئلہ	۹۶
اگر تکبیراتِ انتقالات چھوٹ جائیں تو اس کا حکم	۹۷
رفع سبابہ بدعت نہیں	۹۷
التحیات میں دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائی جائے	۹۸
تشہد میں وحدہٗ لاشریک لہٗ کے الفاظ بڑھانا	۹۹
قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم	۹۹
درود شریف میں سیدنا کے اضافہ کا حکم	۱۰۰
قعدۂ اخیرہ میں دُعا چھوٹ جائے تو اس کا حکم	۱۰۰
امام کی متابعت کی وجہ سے تسبیحات پوری نہ پڑھ سکنے کا حکم	۱۰۱
خواتین سجدہ کیسے ادا کریں؟	۱۰۲
فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھنا	۱۰۲
نیت کرنے سے قبل انی وجہت وجہی الخ کے پڑھنے کا حکم	۱۰۳
بائیں طرف سلام پھیرتے وقت آواز میں آہستگی اختیار کرنا	۱۰۴
باب آداب الصلوٰۃ	۱۰۵
قیام کی حالت میں نگاہ کہاں ہونی چاہیئے؟	۱۰۵
نماز میں جمائی آنے پر منہ کو چھپانے کا حکم	۱۰۵
آدابِ صلوٰۃ ترک ہوجانے کا حکم	۱۰۶
امام اور مقتدی کس وقت نماز کے لیے کھڑے ہوں؟	۱۰۶
امام نماز کس وقت شروع کرے؟	۱۰۶
مقتدی کس وقت سلام پھیرے؟	۱۰۷
سلام کے دوران امام اور ملائکہ کی نیت کرنا	۱۰۷
فرض نماز کے بعد امام کے لیے جلد اٹھنے کا حکم	۱۰۸
نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنے کی وجہ	۱۰۹
نماز میں نگاہ کہاں ہونی چاہیئے؟	۱۰۹
تشہد میں اشارہ کرنا مسنون ہے	۱۱۰
تکبیرِ تحریمہ کے بعد ثناء سے قبل تسمیہ پڑھنے کا مسئلہ	۱۱۲
نماز کے آداب اور خاصیتیں	۱۱۳

عنوانات	صفحہ
باب تسویۃ الصفوف	۱۲۰
بوقتِ ضرورت پہلی صف خالی چھوڑنا	۱۲۰
صف میں کھڑا ہونے کا طریقہ	۱۲۰
نابالغ کا بڑوں کی صف میں کھڑے ہونا	۱۲۱
امام سے بلا ضرورت دور کھڑے ہونا	۱۲۲
نماز میں ٹخنوں اور کندھوں کو ملانے کا حکم	۱۲۲
صف میں اکیلے کھڑے ہونا	۱۲۳
پہلی صف میں کھڑے ہونا کس کا حق ہے؟	۱۲۴
پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑے ہونا	۱۲۴
باب الجماعۃ	۱۲۵
عذر کی وجہ سے جماعت ترک کرنا	۱۲۵
جماعت الثانیہ کا حکم	۱۲۵
امام کا ربنا لک الحمد پڑھنا	۱۲۶
گھر کی حفاظت کے لیے جماعت ترک کرنا	۱۲۷
بغیر عذر کے جماعت ترک کرنا	۱۲۷
تکبیرِ اولیٰ کا وقت کیا ہے؟	۱۲۸
امام کا مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیرنا	۱۲۸

عنوانات	صفحہ
مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ نماز باجماعت پڑھنا	۱۲۹
معمولی لنگڑے کا جماعت ترک کرنا	۱۳۰
نماز کے لیے رئیس محلہ کا انتظار کرنا	۱۳۰
شیعہ امام کی اقتداء کا حکم	۱۳۱
مبتدع کی اقتداء کا حکم	۱۳۲
جادو کرنے والے شخص کی اقتداء کا حکم	۱۳۲
خنثیٰ مشکل کی امامت کا حکم	۱۳۳
حنفی المسلک کے لیے غیر حنفی امام کی اقتداء کا حکم	۱۳۴
منصبِ امامت میں ارث اور وصیت کا حکم	۱۳۴
بدکردار اور مفعول کی اقتداء کا حکم	۱۳۵
منکوحہ کا نکاح پڑھانے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۳۵
عمامہ نہ پہننے والے کی اقتداء کا حکم	۱۳۶
قاتل کی اقتداء کا حکم	۱۳۷
نابالغ کی اقتداء کا حکم	۱۳۸
صاحبِ نسب نہ ہونے والے امام کی اقتداء	۱۳۹
معذور کی امامت کا حکم	۱۳۹
گانا سننے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۴۰
مقرر امام کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانا	۱۴۱
گروپ فوٹو بنوانے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۴۲

عنوانات	صفحہ
امام کے لیے محراب میں کھڑے ہونے کا حکم	۱۴۲
امامت پر اجرت لینے والے کی اقتداء کا حکم	۱۴۳
نابینے کی اقتداء کا حکم	۱۴۴
زبان میں لکنت والے کی اقتداء کا حکم	۱۴۴
قاری کی موجودگی میں غیر قاری کی اقتداء کا حکم	۱۴۵
ایک مسجد میں متعدد امام ہونا	۱۴۶
دوسرے مسلک کے مطابق نماز پڑھانا	۱۴۶
وضو کے بارے میں شک کی حالت میں نماز پڑھانا	۱۴۷
فطری طور پر مفقود اللحیۃ کی امامت کا حکم	۱۴۸
امام کے لیے ضروری صفات	۱۴۸
سودی رقم سے تنخواہ لینے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۴۹
سرخ کپڑے پہننے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۵۰
باپ کا جنازہ نہ پڑھنے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۵۰
غیر مسلم کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم	۱۵۱
صاحبِ علم کے ہوتے ہوئے چند رُوپوں کے حافظ کی اقتداء کا حکم	۱۵۲
عورتوں کی جماعت کا حکم	۱۵۲
ضعیف امام کی اقتداء کا حکم	۱۵۳
پاؤں سے معذور امام کی اقتداء کا حکم	۱۵۴
پاؤں پر صحیح طریقہ سے کھڑا نہ ہونے والے کی اقتداء کا حکم	۱۵۴
جس امام کے گھر میں شرعی حجاب نہ ہو اس کی اقتداء کا حکم	۱۵۵
دیوث کی امامت کا حکم	۱۵۵
مُردوں کو غسل دینے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۵۶
احمد رضا خان کے معتقد کی اقتداء کا حکم	۱۵۷
غیر شرعی افعال کے مُرتکب کی اقتداء کا حکم	۱۵۷
داڑھی منڈوانے والے کی اقتداء کا حکم	۱۵۸
امام مسجد کا عشاء کے وتر پڑھے بغیر نماز فجر پڑھانا	۱۵۹
کسی پر بہتان لگانے والے کی اقتداء کا حکم	۱۶۰
پٹی پر مسح کرنے والے کی اقتداء کا حکم	۱۶۰
صدقۃ الفطر جبراً وصول کرنے اور لوگوں کو مسجد سے منع کرنے والے امام کی اقتداء کا حکم	۱۶۱
باب القراءۃ	۱۶۵
الرحمن الرحیم میں اتصال ہے یا انفصال	۱۶۵
اتا کو اتۃ اور ارسلنا کو ارسلن پڑھنا	۱۶۵
فرض نماز میں تکرارِ سورۃ	۱۶۶
مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ کا پڑھنا	۱۶۷
سورۃ اور تکبیر میں وصل کرنا	۱۶۸
قرأت کی تقدیم و تاخیر	۱۶۸

عنوانات	صفحہ
فجر کی نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھنا	۱۶۹
قرآن مجید کا بہت تیز پڑھنا	۱۷۰
ظہر وعصر کی فرض نماز میں مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا	۱۷۱
قرأت میں امام کا حد سے تجاوز کرنا	۱۷۱
نماز میں ایک آیتِ طویلہ کا پڑھنا	۱۷۲
حرف ض کا صحیح تلفظ	۱۷۳
ض کی جگہ س پڑھنا	۱۷۴
سورۃ فاتحہ سے قبل بسم اللہ پڑھنا	۱۷۴
اعراب میں غلطی کرنا	۱۷۵
مس کو مشدّد پڑھنا	۱۷۶
نماز میں قرأت کی غلطی کا علم ہونے کے بعد اسے درست کرنا	۱۷۷
اذا جاء نصر اللہ کی جگہ اذا جاء النصر اللہ پڑھنے کا حکم	۱۷۸
دوسری رکعت میں ایک آیت کی زیادتی سببِ کراہت نہیں	۱۷۸
تین آیات پڑھ چکنے کے بعد مقتدی کا امام کو لقمہ دینا	۱۷۹
ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنے کا حکم	۱۷۹
باب المسبوق واللاحق	
مسبوق اور لاحق کی تعریف	۱۸۰
مسبوق کے لیے ثناء پڑھنے کا حکم	۱۸۰

عنوانات	صفحہ
دوسری رکعت میں ملنے والے مسبوق کے لیے تشہد پڑھنے کا حکم	۱۸۱
امام کے ساتھ قعدۂ اولیٰ میں ملنے کی صورت میں تشہد پڑھنے کا حکم	۱۸۲
امام کی متابعت کا حکم	۱۸۳
مسبوق سلام میں امام کی متابعت نہیں کرے گا خواہ سجدۂ سہو ہی کیوں نہ ہو	۱۸۳
مسبوق کے لیے سہواً سلام پھیر کر خارج سے لقمہ ملنے پر نماز کا حکم	۱۸۴
نماز مغرب کی جماعت میں آخری رکعت پانے والے کا حکم	۱۸۵
تین رکعات کے مسبوق کیلئے امام کے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت متصل پڑھنے سے نماز کا حکم	۱۸۶
چوتھی رکعت میں امام کو پانے والے مسبوق کی نماز کا حکم	۱۸۷
مسبوق کیلئے امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم	۱۸۷
پانچویں رکعت کے لئے سہواً امام کے قیام پر مسبوق کی نماز کا حکم	۱۸۸
مسبوق کے لیے فوت شدہ رکعات میں قرأت کا حکم	۱۹۰
امام کی سری وجہری عجلت سے مقتدی کو رکوع یا سجدہ کی تاخیر کا حکم	۱۹۰
سجدۂ سہو کیلئے سلام پھیرنا باعتبار ذات مخرج عن الصلوٰۃ نہیں	۱۹۱

عنوانات	صفحہ
مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت یا قعدہ میں شامل ہونے والے مقیم مقتدی کی نماز کا حکم	۱۹۳
لاحق کی نماز کا طریقہ	۱۹۳
مدرک کی سستی کی وجہ سے رکن رہ جانے پر اعادہ کا حکم	۱۹۴
باب مکروہات الصلوٰۃ	
شلوار یا تہبند کا ٹخنوں سے نیچے ہونا	۱۹۵
نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا	۱۹۵
مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود چھت پر نماز پڑھنا	۱۹۶
پگڑی باندھنے میں اگر سر کا درمیانہ حصہ خالی رہ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟	۱۹۷
جالی والی ٹوپی میں نماز کا حکم	۱۹۷
یہودی شدہ ٹوپی سے نماز پڑھنے کا حکم	۱۹۷
کبائے کے کپڑوں میں نماز کا حکم	۱۹۸
باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے	۱۹۹
سجدہ میں جاتے وقت شلوار اوپر اٹھانے کا حکم	۱۹۹
غیر مسلموں کے بنائے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا	۲۰۰
آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے	۲۰۰
منہ ڈھانپ کر نماز پڑھنا	۲۰۱

عنوانات	صفحہ
نسوار اور سگریٹ کے ساتھ نماز پڑھنا	۲۰۱
نماز میں تھوک آجائے تو کیا کرنا چاہیے	۲۰۲
بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۰۲
اگر مسجد میں قبر ہو تو نماز کا حکم	۲۰۳
امام کا محراب کے اندر کھڑے ہونا	۲۰۴
قضاء حاجت کی شدید ضرورت کے باوجود نماز پڑھنا	۲۰۴
لہسن، پیاز وغیرہ کھا کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۰۵
نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھنے سے نماز کا حکم	۲۰۵
مساجد میں پڑی ہوئی ٹوپیوں میں نماز کا حکم	۲۰۵
نماز میں کندھوں سے چادر کا گر جانا	۲۰۶
ٹائی باندھ کر نماز پڑھنا	۲۰۷
تشہد میں دامن کھینچ کرنا	۲۰۷
مالی نقصان ہونے کی صورت میں نماز کا توڑنا	۲۰۸
سینٹ میں الکحل کی ملاوٹ ہو تو اس کے استعمال کا حکم	۲۰۸
سوئے ہوئے شخص کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم	۲۰۹
نماز میں عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں دعائیں مانگنے کا حکم	۲۰۹
دورانِ نماز بچے کا گود میں بیٹھ جانا	۲۱۰
آستین کہنیوں سے اوپر کرکے نماز پڑھنا	۲۱۰
امام سے پہلے سلام کہنا	۲۱۱
چادر بچھا کر نماز پڑھنا	۲۱۱

عنوانات	صفحہ
مکروہ وقت میں نماز پڑھنا	۲۱۱
نماز میں ایک سورۃ کو شروع کر کے بغیر عذر کے دوسری سورۃ شروع کرنا	۲۱۲
ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم	۲۱۳
جس قالین پر صلیب کی تصویر ہو اس پر نماز پڑھنے کا حکم	۲۱۳
نماز میں کپڑوں کو صحیح کرنا	۲۱۴
امام کا محراب کے اندر کھڑے ہونے کا حکم	۲۱۴
نماز میں ذی روح چیز کی تصویر پاؤں تلے رکھنا	۲۱۵
خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصاویر سے منقش جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم	۲۱۶
باب مُفسداتُ الصلوٰۃ	۲۱۸
نماز میں پاؤں ہلانا	۲۱۸
نماز میں کھانسنا	۲۱۸
بحالتِ نماز قرآن سے دیکھ کر قرأت کرنا	۲۱۹
نماز میں قبلہ سے منحرف ہو جانا	۲۲۰
لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھنا	۲۲۰
عورت کے محاذات کا مسئلہ	۲۲۱
بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا	۲۲۲
مسجد میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوکانوں میں نماز پڑھنا	۲۲۳
نماز میں واجبات کا چھوٹ جانا	۲۲۴

عنوانات	صفحہ
زلزلہ کے وقت نماز کا توڑنا	۲۲۴
نماز میں امام کی غلطی پر لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی	۲۲۵
نماز میں باتیں کرنا	۲۲۶
نماز کے دوران عورت کے دوپٹے میں سے بال نظر آنا	۲۲۶
نماز میں درود و دعا کے الفاظ دل میں پڑھنا	۲۲۷
نمازی کے آگے کتا یا عورت کے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی	۲۲۸
نماز میں سری ذکر کرنا	۲۲۹
کپڑوں پر نجاست ہو تو نماز کا حکم	۲۲۹
زکوٰۃ کی رقم سے خریدی ہوئی صفوں پر نماز کا حکم	۲۲۹
زیر ناف بالوں کی موجودگی میں نماز کا حکم	۲۳۰
نماز میں اللہ یا انا اللہ کہنا	۲۳۱
پاگل خاتون کے محاذات سے نماز فاسد نہیں ہوتی	۲۳۱
زخم پر اسپرٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۳۲
آدھی آستین والی بنیان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ	۲۳۲
نماز میں کھانسنے کا حکم	۲۳۳
نماز میں بار بار جسم کو کھجلانے کا حکم	۲۳۴
نماز میں بار بار تعوذ پڑھنا	۲۳۴

عنوانات	صفحہ
باب الوتر	۲۳۵
وتر باجماعت پڑھنا رمضان کی خصوصیت ہے	۲۳۵
وتر کی رکعات میں شک پڑ جانا	۲۳۵
وتر میں مشہور دعاء قنوت پڑھنا بہتر ہے	۲۳۶
رمضان المبارک میں تراویح باجماعت پڑھنے کے بعد وتر منفرداً پڑھنے کا حکم	۲۳۷
رمضان کے بغیر وتر باجماعت پڑھنے کا حکم	۲۳۸
رمضان میں فرض نماز باجماعت پڑھنے کی صورت میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم	۲۳۸
وتر کی جماعت میں مقتدی کیلئے دعاء قنوت کے اتمام کے بغیر رکوع کا حکم	۲۴۰
عید الفطر کے شک کی صورت میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم	۲۴۰
وتر کی آخری رکعت میں رکوع یا رکوع سے پہلے ملنے والے کیلئے دعاء قنوت پڑھنے کا حکم	۲۴۱
ایک رکعت وتر پڑھنے والے امام کی اقتداء درست ہے	۲۴۲
عشاء کی فرض نماز فاسد ہونے کی صورت میں وتر کی قضاء کا حکم	۲۴۲

عنوانات	صفحہ
باب السنن والنوافل	۲۴۴
نماز فجر کی سنتیں زیادہ مؤکدہ ہیں	۲۴۴
سنن مؤکدہ کا ثبوت	۲۴۴
جمعہ کی سنتوں کی تعداد اور آخری دو رکعات میں جمعہ کی نیت کرنا	۲۴۵
مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے	۲۴۷
نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنے کا حکم	۲۴۷
نماز عصر سے پہلے نفل جماعت سے خاص نہیں	۲۴۸
نماز عصر سے پہلے سنن توڑ کر نماز کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	۲۴۸
اصفرار شمس کے وقت نماز عصر سے پہلے نفل پڑھنا	۲۴۹
سنن قبل الظہر کی تعداد	۲۵۰
مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا	۲۵۱
نماز مغرب کی دو رکعت سنت مؤکدہ کی نیت باندھ کر چار رکعت پڑھنے اور آخری دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کا حکم	۲۵۱
تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنا	۲۵۲
وتر کے بعد دو رکعت نفل کی شرعی حیثیت	۲۵۳
نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں درود اور تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم	۲۵۴

عنوانات	صفحہ
سُنن زوائد میں قعدۂ اُولیٰ کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء پڑھنے کا حکم	۲۵۴
سُنن اور فرائض کے درمیان دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا	۲۵۵
سُنن جمعہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنے کا حکم	۲۵۶
سنن نہ پڑھنے کا حکم	۲۵۷
نفل پڑھنے کی بجائے قضاء نمازوں کی ادائیگی بہتر ہے	۲۵۷
تہجد کی رکعات کی تعداد	۲۵۸
تہجد کی جماعت کا حکم	۲۵۹
نمازِ تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا افضل ہے	۲۵۹
تحیۃ المسجد دوسری نماز کے ضمن میں بھی ادا ہو سکتی ہے	۲۶۰
صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنے کا حکم	۲۶۱
استخارہ کی نماز کا مسنون طریقہ	۲۶۲
نفل نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا	۲۶۳
عالمِ دین کے لیے سُنتیں چھوڑنا جائز ہے	۲۶۴
حاجی نفل نماز حرم شریف میں پڑھے یا ڈیرہ میں؟	۲۶۴
نمازِ عصر کے بعد منذور نفل نماز پڑھنا	۲۶۵
تحیۃ الوضوء پڑھنے سے قبل بیٹھنا	۲۶۵
صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنے کا حکم	۲۶۶
صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات رہ جانے سے نماز کا حکم	۲۶۶

عنوانات	صفحہ
باب التراویح	۲۶۷
سحری کو تراویح پڑھنے کا حکم	۲۶۷
تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں	۲۶۷
بیس رکعت تراویح کا ثبوت	۲۶۸
بیس رکعت تراویح کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی حیثیت	۲۶۹
صلوٰۃ اللیل اور قیامِ رمضان جدا جدا نمازیں ہیں	۲۷۰
حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کا مقصد	۲۷۱
فرض نماز پڑھے بغیر نماز تراویح پڑھانے کا حکم	۲۷۲
تراویح میں شفعہ ثانیہ فاسد ہونے سے دو رکعات کی قضاء کا حکم	۲۷۲
چار رکعت تراویح قعدۂ اُولیٰ کے بغیر پڑھنے کا حکم	۲۷۳
ترویحہ خامسہ اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے سے ضعفاء کی رعایت اولیٰ ہے	۲۷۴
تراویح کے درمیان بیٹھنے کی صورت میں سکوت بھی جائز ہے	۲۷۴
چار رکعت تراویح اور ظہر کی سُنن قبلیہ کی ادائیگی میں فرق	۲۷۵
تیس رمضان کو شوال ہونے کے احتمال پر تراویح پڑھنے یا پڑھانے کا حکم	۲۷۶

عنوانات	صفحہ
حنفی المسلک آدمی کے لیے رمضان میں تراویح باجماعت پڑھانے کے لیے مستقل امام رکھنے کا حکم	۲۷۷
تراویح میں ختم قرآن کا حکم	۲۷۷
آٹھ رکعت تراویح میں مسنون ختم قرآن کا حکم	۲۷۷
آٹھ رکعت تراویح پڑھنے یا پڑھانے کا حکم	۲۷۸
ختم قرآن کا سنت ہونا تراویح کی نماز کے ساتھ خاص ہے	۲۷۸
تراویح میں کئی بار قرآن ختم کرنے کا حکم	۲۷۹
تراویح کی دو رکعت فاسد ہونے سے مسنون ختم ادا نہیں ہوتا	۲۸۰
ختم قرآن میں بسم اللہ پر جہر کا حکم	۲۸۰
رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں باجماعت نفل نماز میں قرآن ختم کرنے کا حکم	۲۸۱
تراویح باجماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے	۲۸۲
صلوٰۃ التراویح آٹھ رکعت ہیں یا نہیں؟	۲۸۳
باب ادراک الفریضۃ	۲۸۸
صرف اقامت سنتے ہی نماز نہ توڑے	۲۸۸
جماعت ملنے کی امید میں فجر کی سنتیں پہلے پڑھنے کا حکم	۲۸۸
فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم	۲۸۹
چار رکعات ظہر کی سُنّت رہ جانے کی صورت میں آخری دو رکعات سنت سے ترتیب کا مسئلہ	۲۹۰
جمعہ کے دوگانہ فرض سے قبل چار رکعت سُنتوں کا حکم	۲۹۱
ادا کی ہوئی نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم	۲۹۳
کسی کے امداد طلب کرنے یا والدین کے بلانے پر نماز توڑنے کا حکم	۲۹۴
وتر کی جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد فرض نماز پوری کرنے کا حکم	۲۹۵
باب القضاء	۲۹۶
صاحبِ ترتیب کی بحالی	۲۹۶
نفل کی جگہ قضاء نمازیں پڑھنا بہتر ہے	۲۹۶
نفل نمازیں شروع کرنے سے لازم ہوجاتی ہیں	۲۹۷
ظہر کی پہلی چار سنت رہ جانے سے فرض نماز کے بعد پڑھنا	۲۹۷
سُنن کی قضاء ضروری نہیں	۲۹۸
قضاء نمازوں میں ترتیب کی رعایت	۲۹۸
دورانِ سفر فوت شدہ نماز کی قضاء	۲۹۹
نماز فجر و عصر کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے	۲۹۹
قرأت میں ادا و قضاء کی یکسانیت	۳۰۰

عنوانات	صفحہ
وتر کی قضاء	۳۰۰
قضاء عمری کی حقیقت	۳۰۱
چوروں کے خوف سے نماز کو مؤخر کرنا	۳۰۱
کیا قضاء نمازوں کی وجہ سے سنن مؤکدہ ترک کی جاسکتی ہیں؟	۳۰۲
قضاء نماز فوراً ادا کی جائے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے؟	۳۰۲
قضاء نمازیں باجماعت ادا کی جاسکتی ہیں	۳۰۳
احتیاطاً عشاء کے وتر اور مغرب کی قضاء نمازیں کس طرح پڑھی جائیں؟	۳۰۳
وتر قضاء ہونے کے باوجود نمازِ فجر کا حکم	۳۰۴
وقت کی کمی کی وجہ سے قضاء کی بجائے ادا نماز پڑھنے کا حکم	۳۰۵
قضاء نمازوں کی ادائیگی کیلئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں	۳۰۵
باب صلوٰۃ الاستسقاءً	
بارش کے لیے سورۃ یٰس پڑھ کر اذان دینا مسنون طریقہ نہیں	۳۰۶
نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنے کا حکم	۳۰۶
نمازِ استسقاء صحراء میں پڑھنی چاہیئے	۳۰۷
نمازِ استسقاء کی دو رکعت ہیں	۳۰۷
نمازِ استسقاء کا مسنون طریقہ	۳۰۸
نمازِ استسقاء میں ہاتھ الٹے کر کے دعا مانگنا	۳۰۹
نمازِ استسقاء میں قلب رداء ثابت ہے	۳۰۹
نمازِ استسقاء کے بعد کثرتِ بارش کی وجہ سے نقصان سے بچنے کے لیے دعا کرنا	۳۱۰
نمازِ استسقاء کے لیے تین دن سے زیادہ باہر نکلنے کا حکم	۳۱۰
نمازِ استسقاء کے لیے صرف دعا پر اکتفاء کرنا جائز ہے	۳۱۱
باب سجود السہو	۳۱۲
سجدہ سہو کے لیے ایک طرف سلام پھیرنا کافی ہے	۳۱۲
سورۃ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے	۳۱۳
سورۃ فاتحہ کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہے	۳۱۴
ضمِ سورۃ رہ جانے سے سجدۂ سہو کا وجوب	۳۱۴
ضمِ سورۃ اور فاتحہ کے درمیان صلوٰۃ الوتر میں تکبیر کہنے پر سجدۂ سہو کا حکم	۳۱۵
سجدۂ ثانیہ صلاتیہ بھول جانے کی صورت میں سلام پھیرنے کے بعد پڑھ سکتا ہے	۳۱۶
رکعتِ اولیٰ وثالثہ کے بعد طویل جلسہ موجب سہو ہے	۳۱۷

عنوانات	صفحہ
مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پالنے کے بعد دوسری رکعت پر قعدۂ اولیٰ چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو کا حکم	۳۱۷
قعدۂ اولیٰ رہ جانے یا اس پر زیادتی سے سجدۂ سہو کا حکم	۳۱۸
چار رکعت نفل میں قعدۂ اولیٰ کے ترک پر سجدۂ سہو کا حکم	۳۲۰
قعدہ اولیٰ چھوڑ کر قیام میں جانے سے واپس لوٹنے پر نماز فاسد نہیں ہوتی	۳۲۱
عشاء کی آخری رکعات میں جہر موجب سجدہ سہو ہے	۳۲۲
تکرار دعاء قنوت سے سجدۂ سہو کا حکم	۳۲۳
دعاء قنوت سہواً ترک ہونے سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے	۳۲۳
قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت ملانے سے نماز کی فرضیت نفل میں بدل جاتی ہے	۳۲۴
قعدہ اخیرہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت رہ جانے کا ظن غالب یا شک	۳۲۴
قعدہ اخیرہ کے بعد رکعت خامسہ پر سجدہ کرنے یا نہ کرنے سے نماز کا حکم	۳۲۵
فرائض اور نوافل میں سجدۂ سہو کا حکم	۳۲۷
نماز کے آخر میں سلام کا حکم	۳۲۷

عنوانات	صفحہ
سجدہ سہو کے سلام میں امام کی متابعت نہ کرنے سے نماز کا حکم	۳۲۸
فاسد نماز واجب الاعادہ ہے	۳۲۹
امام کے سجدہ سہو سے فراغت کے بعد مسبوق کے لیے سجدۂ سہو کا حکم	۳۲۹
عیدین وجمعہ کی نماز میں کثرت جماعت کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کرنے کا حکم	۳۳۰
نماز میں زیادہ دیر خاموش رہنے کا حکم	۳۳۱
باب صلوٰۃ المریض	۳۳۲
بیماری کی حالت میں فوت ہوجانے والی نمازوں کی قضاء کا حکم	۳۳۲
مریض کو نماز کے لیے اٹھانا سنت ہے	۳۳۲
نماز کے قیام کے سقوط میں ڈاکٹر کے مشورہ کی شرعی حیثیت	۳۳۳
رکوع اور سجدہ پر قدرت نہ رکھنے والے مریض کے لیے قیام کا حکم	۳۳۴
معذور کی نماز کا طریقہ	۳۳۵
باب سجدۃ التلاوۃ	۳۳۶
سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے پوری آیت کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے	۳۳۶

عنوانات	صفحہ
سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت شرط ہے	۳۳۶
آیت سجدہ پڑھنے اور سننے سے سجدہ کا وجوب	۳۳۷
آیت سجدہ سننے سے بھی سجدہ واجب ہوتا ہے	۳۳۷
ٹی وی / ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت کا عدم وجوب	۳۳۸
اوقاتِ مکروہ میں سجدہ تلاوت کرنے کا حکم	۳۳۸
متعدد آیاتِ سجدہ کے لیے ایک سجدہ کافی نہیں	۳۳۹
سجدہ صلوٰتیہ کی نیت رکوع میں جائز ہے	۳۳۹
عصر اور صبح کے وقت سجدۂ تلاوت جائز ہے	۳۴۰
کیا بغیر قیام کے سجدۂ تلاوت جائز ہے؟	۳۴۱
بلا وضو سجدۂ تلاوت کرنا	۳۴۱
سوئے ہوئے آدمی سے آیتِ سجدہ سننا	۳۴۲
سورۃ حج کی دوسری آیتِ سجدہ پر سجدہ کرنا	۳۴۲
سورۃ صٓ میں آیتِ سجدہ کون سی ہے	۳۴۲
آیتِ سجدہ کو ترک کرنے کا حکم	۳۴۳
نماز سے خارج شخص کا آیتِ سجدہ پڑھنا اور نمازی کا سننا	۳۴۳
صرف آیتِ سجدہ لکھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا	۳۴۴
صرف آیتِ سجدہ کے ترجمہ سے بھی سجدۂ تلاوت لازم ہو جاتا ہے	۳۴۴
نماز میں سجدۂ تلاوت بلا تاخیر فوراً ادا کرنا ضروری ہے	۳۴۵
پرندے کی زبان سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم	۳۴۶

عنوانات	صفحہ
پاگل اور مجنون سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم	۳۴۶
سورۃ حج کی آیتِ سجدہ کی تلاوت میں شافعی المسلک امام کی متابعت کرنا	۳۴۷
آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد پانچ چھ آیتیں پڑھ کر سجدہ کرنا	۳۴۷
باب صلوٰۃ المسافر	۳۴۸
قصر نماز کے لیے مقدار سفر	۳۴۸
قصر فرائض تک خاص ہے	۳۴۸
قصر کے لیے اڑتالیس میل کی مسافت کے مقابلے میں فراسخ معتبر نہیں	۳۴۹
مسافر کا پوری نماز پڑھنے کی صورت میں ذمہ فارغ ہونا	۳۴۹
قصر نماز کے لیے سفر میں مشقت کا ہونا ضروری نہیں	۳۵۰
وطن اصلی میں تعدد ممکن ہے	۳۵۰
ایک وطن اصلی کا دوسرے وطن اصلی سے متاثر ہونا	۳۵۱
شادی کے بعد والدین کا گھر عورت کے لیے وطن اصلی نہیں رہتا	۳۵۲
وطن اصلی کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہو گا	۳۵۲

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
سامان کے ہوتے ہوئے اتنشاؤ سفر سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا	۳۵۳	عمرہ کے لیے سعودی عرب جانے والوں پر قصر نماز کا حکم	۳۶۰
مسافر جس راستہ سے جا رہا ہو اس کی مسافت معتبر ہو گی	۳۵۳	مجاہدین غلبہ کے دوران قصر کریں گے یا اتمام؟	۳۶۱
دو نمازوں کو بیک وقت پڑھنا	۳۵۴	دوران جہاد کمانڈر کا کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرنا	۳۶۲
غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیت کرنا	۳۵۴	مسافر کا سہواً پوری نماز پڑھنا	۳۶۲
مدت اقامت کی نیت کے بغیر قصر واجب ہے	۳۵۵	مسافر قصداً پوری نماز پڑھے تو اس کا حکم	۳۶۳
اقامت میں ماتحت افراد با اختیار افسران کے تابع رہیں گے	۳۵۵	قیدی مجاہدین قصر کریں گے یا اتمام؟	۳۶۳
مہاجرینِ افغانستان کی نیتِ اقامت کا حکم	۳۵۶	قصر و اتمام میں فوجی سپاہی اپنے افسرانِ بالا کے تابع ہیں	۳۶۴
دائمی مسافر کی نماز کا حکم	۳۵۷	کیا سنتِ مؤکدہ کی رکعتوں میں بھی قصر کی جائے گی؟	۳۶۴
مقیم امام کی اقتداء میں پوری نماز پڑھی جائے گی	۳۵۷	مسافر کا مقیم امام کے ساتھ نماز کے آخر میں ملنا	۳۶۵
مسافر امام کی اقتداء میں مقیم کیلئے بقیہ نماز میں قرأت نہیں	۳۵۷	بحری جہاز کے ملازمین کپتان کے تابع ہیں	۳۶۵
مسافر امام کے اتمام کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہونا	۳۵۸	سفر کی نیت نہ ہونے کے باوجود مہینوں سفر کرنا	۳۶۶
امام کی حالت سے واقفیت کی ضرورت	۳۵۸	سفر میں شاگرد یا مرید اپنے استاد اور مرشد کا تابع ہے	۳۶۶
میدان عرفات میں حنفی المسلک کیلئے مقیم امام کی اقتداء کا حکم	۳۵۹	فرمانبردار بالغ بیٹا باپ کا تابع ہے	۳۶۷
مسافر کا غلطی سے چار رکعت کی نیت کرنا	۳۶۰	پشاور کا رہنے والا کراچی میں سسرال کے ہاں دورانِ قیام قصر کرے گا یا اتمام	۳۶۷
باپ بیٹا مختلف شہروں میں رہتے ہوں تو ان کی نمازوں کا حکم	۳۶۰		

عنوانات	صفحہ
اغوا ہونے والا شخص قصر کرے گا یا اتمام؟	۳۶۸
کیا مفرور شخص کی نیتِ اقامت صحیح ہے؟	۳۶۸
دارالعلوم حقانیہ میں مقیم بلوچستانی طلبہ پشاور میں قصر کریں گے یا اتمام	۳۶۹
سفر کے چند مسائل کے بارے میں معلومات	۳۷۰
جس سفر کے درمیان وطنِ اقامت ہو تو اس کا حکم	۳۷۴
پندرہ دن اقامت کی نیت کے بعد ارادہ بدلنے پر قصر ہے یا اتمام	۳۷۵
کرفیو کی وجہ سے قصر و اتمام کا حکم	۳۷۵
کسی دوسرے شہر میں ذاتی مکان ہو تو اس میں قصر و اتمام کا حکم	۳۷۵

باب الجمعة والعيدين

عنوانات	صفحہ
نمازِ جمعہ کی فرضیت سے منکر کا حکم	۳۷۷
جمعہ کے وجوب کے لیے حاکم کی اجازت کی شرعی حیثیت	۳۷۷
مصر کے توابع میں نمازِ جمعہ کا حکم	۳۷۸
فناءِ مصر کی مقدار	۳۷۸
متعدد آبادیوں پر مشتمل قریہ میں جوازِ جمعہ کا حکم	۳۷۹
ہنگامی حالات کے تحت بازار میں نمازِ جمعہ پڑھنا درست ہے	۳۷۹
متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ کا حکم	۳۸۰
فوجی چھاؤنی یا کسی ممنوعہ علاقہ میں نمازِ جمعہ کا حکم	۳۸۰

عنوانات	صفحہ
دیہات میں نمازِ جمعہ و عیدین کا حکم	۳۸۱
دیہات میں جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا	۳۸۱
صحراؤں میں نمازِ جمعہ پڑھنا	۳۸۲
دیہات میں نمازِ جمعہ	۳۸۲
مسافر کے لیے جمعہ کا حکم	۳۸۳
نمازِ جمعہ و عیدین کیلئے عورتوں کی حاضری	۳۸۴
معذور پر نمازِ جمعہ واجب نہیں	۳۸۴
خطبہ جمعہ کی اذان خطیب کے سامنے دینے کا حکم	۳۸۵
جمعہ کیلئے ایک خطبہ پر اکتفاء خلافِ سنت ہے	۳۸۵
خطبہ سننے کے لیے بیٹھنے کی کیفیت	۳۸۵
منبر پر خطبہ دینا مسنون ہے	۳۸۶
دورانِ خطبہ خلفاء راشدینؓ کے تذکرہ کا حکم	۳۸۶
دورانِ خطبہ درود شریف پڑھنے کا حکم	۳۸۷
دورانِ خطبہ باتیں کرنے کا حکم	۳۸۷
دورانِ خطبہ دعا کرنے کا حکم	۳۸۸
نمازِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں	۳۸۸
عیدین کی جماعت ہونے کے بعد دوبارہ جماعت کا اہتمام کرنا	۳۸۸
عیدین کی نماز میں مسبوق کا حکم	۳۸۹
عیدین کی نماز کے لیے باہر نکلنا بہتر ہے	۳۸۹
نمازِ جمعہ کے لیے افضل وقت	۳۹۰
عیدین کے لیے صاف ستھرے کپڑے پہننا	۳۹۰
جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کا وقت	۳۹۱

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
جمعہ کی اذان کے بعد کھانا کھانے کا حکم	۳۹۱	خطبہ کے دوران خطیب کا دائیں بائیں دیکھنا	۴۰۰
عیدین کے لیے اذان دینا خلافِ سنت ہے	۳۹۲	خطبہ کے دوران سنتیں پڑھنا	۴۰۱
خطیب کی تقرری کس کا حق ہے؟	۳۹۲	دورانِ خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا	۴۰۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین جمعہ پڑھنا	۳۹۲	خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے وقت خطیب کا السلام علیکم کہنا	۴۰۲
تکبیراتِ ایامِ تشریق کن پر واجب ہیں؟	۳۹۳	کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیے؟	۴۰۲
بحری جہاز میں نمازِ جمعہ کا حکم	۳۹۴	خطبہ کے دوران بیٹھنے کا طریقہ	۴۰۳
جیل میں نمازِ جمعہ کا حکم	۳۹۴	خطبہ کے دوران وعظ کرنے کا حکم	۴۰۳
عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنا	۳۹۴	خطبہ جمعہ کے بغیر نمازِ جمعہ کا حکم	۴۰۴
خطبہ میں تعوذ اور تسمیہ جہراً کہنا	۳۹۵	سلطان یا اس کے نائب کے بغیر نمازِ جمعہ کا حکم	۴۰۴
دوسرے شخص کے تعاون کے بغیر نابینا آدمی کے لیے جمعہ کا حکم	۳۹۵	خطبہ جمعہ اور نماز کے لیے علیحدہ علیحدہ اماموں کا حکم	۴۰۵
خطبہ جمعہ میں عصا استعمال کرنا	۳۹۶	دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار	۴۰۵
نمازِ عید کے بعد دعا مانگنا	۳۹۶	جمعہ وعیدین کا خطبہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے	۴۰۶
خطبہ جمعہ کے بعد اقامت سے پہلے حدیث کا ترجمہ کرنا	۳۹۷	غیر مستقل امام یا خطیب نمازِ جمعہ وعیدین پڑھا سکتا ہے	۴۰۶
جمعہ کے دن اذانِ ثانیہ کا جواب دینا	۳۹۷	خطیب کا خطبہ کے دوران منکر سے منع کرنا	۴۰۷
نمازِ جمعہ میں تاخیر کرنے کا حکم	۳۹۷	عیدین کی نماز کا اصل وقت	۴۰۸
ایک دن میں جمعہ اور عید کے خطبہ کا حکم	۳۹۸	حنفی العقیدہ کے لیے شافعی العقیدہ امام کے پیچھے نمازِ عید پڑھنے کا حکم	۴۰۸
جمعہ کے دن نماز سے پہلے سورۃ کہف کی تلاوت کرنا	۳۹۸	عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات جہراً پڑھے یا سراً؟	۴۰۹
بارش کی وجہ سے جمعہ کی نماز کا ترک کرنا	۳۹۹	عید کی نماز اور خطبہ دو آدمیوں کے پڑھنے کا حکم	۴۰۹
مریض کی عیادت پر مامور تیمار دار کے لیے جمعہ کا حکم	۳۹۹	تکبیراتِ زوائد بھول جانے کا حکم	۴۱۰
خطبہ جمعہ کے دوران کسی کو منکر کام سے منع کرنا	۴۰۰		

عنوانات	صفحہ
تکبیراتِ زوائد پڑھنے کے بعد نماز میں شامل ہونا	۴۱۰
تکبیراتِ تشریق کی تعداد	۴۱۱
تکبیراتِ تشریق عید کی نماز کے بعد پڑھنے کا حکم	۴۱۲
تکبیراتِ تشریق بھول جانے کا حکم	۴۱۲
تکبیراتِ تشریق میں مفتیٰ بہ قول	۴۱۳
تکبیراتِ زوائد کے وقت ہاتھ باندھنا خلافِ سنت ہے	۴۱۴
دو یا تین سو افراد پر مشتمل گاؤں میں نمازِ عید کا حکم	۴۱۴
نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پیدل جانا سنت ہے	۴۱۵
ایک ہی گاؤں میں دو عیدگاہوں میں نمازِ عید کا حکم	۴۱۵
ایامِ تشریق میں قضاء نمازوں کے بعد تکبیراتِ تشریق پڑھنا	۴۱۵
احناف کے نزدیک عیدین میں تکبیراتِ زوائد کی تعداد	۴۱۶
چھوٹے گاؤں میں جاری شدہ نمازِ جمعہ کو بند کرنا	۴۱۷
خطبہ جمعہ کے بارے میں چند سوالات	۴۱۹
عیدین کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے؟	۴۲۵
احکام و مسائلِ عید و صدقۂ فطر	
نمازِ عید کے متفرق مسائل	۴۲۶
صدقۃ الفطر	۴۲۸

عنوانات	صفحہ
کتاب الجنائز	۴۳۳
نمازِ جنازہ کا حکم	۴۳۳
بغیر نیت کے نمازِ جنازہ کا کوئی اعتبار نہیں	۴۳۳
نمازِ جنازہ کے لیے طہارتِ مکان ضروری ہے	۴۳۴
ولد الزنا کا جنازہ	۴۳۴
جنازہ نہ پڑھانے کی صورت میں ماخوذ کون ہوگا؟	۴۳۵
جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون ہے؟	۴۳۵
اگر مرد موجود نہ ہوں تو خواتین نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہیں	۴۳۶
مُردے کا جنازہ کتنے دنوں تک جائز ہے؟	۴۳۶
مُرتد کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا	۴۳۷
شیعہ کی نمازِ جنازہ کا حکم	۴۳۷
جرائم کے دوران ہلاک شدگان کی نمازِ جنازہ کا حکم	۴۳۸
فاسق کی نمازِ جنازہ کا حکم	۴۳۸
خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم	۴۳۹
مجنون کے جنازے کا حکم	۴۳۹
جسم کے بعض اعضاء پر جنازہ کا حکم	۴۴۰
متعدد اموات کا ایک ہی جنازہ کافی ہے	۴۴۰
جنازہ میں ہاتھ اٹھانے کا حکم	۴۴۱
تکبیر کا رہ جانا مفسدِ جنازہ ہے	۴۴۱

عنوانات	صفحہ
جنازہ کی پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت ضروری نہیں	۴۴۱
مسجد میں نماز جنازہ کا حکم	۴۴۲
جنازہ اُلٹا رکھا گیا تو ؟	۴۴۲
نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم	۴۴۳
دوبارہ نمازہ پڑھنے کا حکم	۴۴۳
غائبانہ نماز جنازہ میں شرکت کا حکم	۴۴۴
نماز جنازہ میں درود شریف کا تعین	۴۴۴
اوقاتِ مکروہ میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم	۴۴۵
نماز جنازہ کی دعاؤں میں اخفاء سنت ہے	۴۴۶
جنازہ کی صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت	۴۴۶
جنازہ میں قدم شمار کرنے کی شرعی حیثیت	۴۴۶
تعزیت کے لیے چند منٹ کے سکوت کا حکم	۴۴۸
ولی کے لیے تیمم جائز نہیں	۴۴۸
میت کے لیے چارپائی کا استعمال کرنا	۴۴۹
جنازہ میں میت کی چارپائی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے	۴۵۰
دعا بعد الجنازہ کی شرعی حیثیت	۴۵۰
میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا	۴۵۱
شرکاء جنازہ کا ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے	۴۵۲
تجہیز و تدفین میں تاخیر کرنا	۴۵۲
عورت کی تدفین میں غیر محارم کی شرکت	۴۵۳
قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا	۴۵۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفاء اربعہؓ کی شرکت	۴۵۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی تحقیق	۴۵۴

مسائلِ شتّٰی
کتاب الجنائز

عنوانات	صفحہ
مسائلِ شتّٰی کتاب الجنائز	۴۵۵
میت کو کنگھی کرنا یا سرمہ لگانا ناجائز ہے	۴۵۵
میت کو غسل دینے کیلئے تختہ پر لٹانے کا طریقہ	۴۵۵
نماز جنازہ پڑھانے کیلئے وصیت کرنا	۴۵۶
نماز جنازہ میں درود شریف کا پڑھنا	۴۵۶
قبر میں میت کے صرف چہرے کو قبلہ رخ کرنا چاہیئے	۴۵۶
نماز جنازہ میں سلام بھول جانا	۴۵۷
شوہر بیوی کو قبر میں نہیں اتار سکتا	۴۵۷
بیوی کی وفات پر شوہر اُسے غسل نہیں دے سکتا	۴۵۸
بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے	۴۵۸
شوہر بیوی کو کفن نہیں پہنا سکتا	۴۵۸
چھوٹے بچے کا جنازہ ایک آدمی کے لیے اٹھانا جائز ہے	۴۵۹
نماز جنازہ پڑھانے کے لیے ولی کی اجازت کا حکم	۴۵۹
جنازہ اٹھانے سے قبل اجتماعی دعا کرنا	۴۶۰
قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے	۴۶۰
سوال و جواب کا سلسلہ میت کو دفنانے کے بعد ہوگا	۴۶۱
میت کو قبرستان تک لیجانے کا مسنون طریقہ	۴۶۲
رنگدار کپڑے میں میت کو کفنانا	۴۶۲

عنوانات	صفحہ
دریا میں ڈوب کر مرنے والے کو غسل دینے کا حکم	۴۶۳
آبِ زمزم سے دھوئے ہوئے کفن کے استعمال کا حکم	۴۶۳
جوتوں سمیت نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم	۴۶۴
نفل نماز پڑھنے کے دوران جنازہ حاضر ہوتے پر نماز توڑنے کا حکم	۴۶۵
غلطی سے جنازہ اُلٹا رکھ کر اس پر نماز پڑھنے کا حکم	۴۶۵
قبرستان سے سبز گھاس ختم کرنے کا حکم	۴۶۶
قبرستان میں خشک گھاس کو آگ لگانے کا حکم	۴۶۶
میت کو دفن کرتے وقت اس کا منہ غلط سمت ہوجانے پر قبر کو دوبارہ کھولنے کا حکم	۴۶۷
دفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا	۴۶۸
دو قبروں میں سے میت کون سی قبر میں دفن کی جائے؟	۴۶۸
رشتہ داروں کی قبریں ایک ساتھ ہونے کا حکم	۴۶۸
منکرِ حدیث کی نمازِ جنازہ کا حکم	۴۶۹
دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم	۴۶۹
میت کا قبر میں قبلہ رخ ہونا ضروری ہے	۴۷۰

عنوانات	صفحہ
باب فی حکم الشهید	۴۷۱
شہید کی حقیقت	۴۷۱
اُخروی اور دنیوی شہید کے درمیان فرق	۴۷۱
زخمی ہونے کے بعد کھانے پینے کا موقع ملنے سے مقتول دنیوی شہید نہیں رہتا	۴۷۲
رات کے اندھیرے میں نامعلوم افراد کے ہاتھوں مارا جانے والا شخص شہید ہے	۴۷۲
محاذِ جنگ میں بم پھٹنے سے مرنے والوں کا حکم	۴۷۳
قاتل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ارادۂ قتل مبطلِ شہادت نہیں	۴۷۳
تخریب کاری میں مرنے والے مسلمان شہید ہوتے ہیں	۴۷۴
ظلم کے تعین کے بغیر دنیوی شہید کا حکم لگانا درست نہیں	۴۷۴
آپس کے تنازعات میں مرنے والے لوگوں کا حکم	۴۷۵
دفاعی جنگ میں مرنے والوں کا حکم	۴۷۵
افغانستان کے جہاد میں مرنے والوں کا حکم	۴۷۶
شہید کو دفنانے سے قبل یا بعد اپنے وطن واپس لانا	۴۷۷
حریق بالنار کے حکم کے بارے میں تعارض کا ازالہ	۴۸۰

عنوانات	صفحہ
کتاب الزکوٰۃ	
باب وجوب الزکوٰۃ	۴۸۳
دو ہزار روپے میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟	۴۸۳
زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت کی اہمیت	۴۸۳
زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے حولان حول کی شرط	۴۸۴
زکوٰۃ کی ادائیگی میں قمری سال کا اعتبار ہوگا	۴۸۴
کئی سالوں کی زکوٰۃ کا حکم	۴۸۵
کیا زکوٰۃ علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟	۴۸۵
زکوٰۃ کی ادائیگی میں وقت کا تعین کرنا	۴۸۶
صاحبِ نصاب آدمی کے پاس سال کے درمیان میں مزید مال آجائے تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟	۴۸۶
زکوٰۃ قضا ہو جانے کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟	۴۸۷
مکان کا نہ ہونا مانع وجوبِ زکوٰۃ نہیں	۴۸۸
مہتمم مدرسہ کا ذاتی مال طلباء پر خرچ کرنے کے لیے روزانہ نیت ضروری ہے یا ایک دفعہ کافی ہے	۴۸۸
اگر یہ معلوم نہ ہو کہ آدمی کب صاحبِ نصاب بن گیا تو کیا کرنا چاہیئے؟	۴۸۹
حوائجِ اصلیہ کے لیے جمع کی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا مسئلہ	۴۸۹

عنوانات	صفحہ
حوائجِ اصلیہ سے زائد رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۴۹۱
محفوظ رقم میں ہر سال کی علیحدہ زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم	۴۹۱
زکوٰۃ کی یکمشت ادائیگی ضروری نہیں	۴۹۲
مہرِ مؤجل مانع وجوبِ زکوٰۃ نہیں	۴۹۲
حج کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم	۴۹۳
منگنی یا شادی کے مال پر زکوٰۃ کا حکم	۴۹۴
شادی کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم	۴۹۴
گھر میں استعمال ہونے والے سامان میں زکوٰۃ نہیں	۴۹۵
نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ نہیں	۴۹۶
والد کے مال سے بیٹا بلا اجازت والد زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟	۴۹۶
میت کی طرف سے زکوٰۃ دینے کا حکم	۴۹۶
نوٹ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم	۴۹۷
قرض پر دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا حکم	۴۹۸
کمیٹی کی رقم میں زکوٰۃ کا حکم	۴۹۸
قرض منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی یا قرض کی موجودگی میں؟	۴۹۹
بیٹی کے حق مہر کی رقم باپ نے لی ہو تو زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟	۵۰۰
وجوبِ زکوٰۃ کے لیے قرض کا منہا کرنا	۵۰۰
امانت میں زکوٰۃ کا حکم	۵۰۱
حلال و حرام سے مخلوط مال میں زکوٰۃ کا حکم	۵۰۲

عنوانات	صفحہ
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۳
شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۳
لمیٹڈ کمپنیوں پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۴
فکسڈ ڈیپازٹ پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۵
انعامی بانڈز پر زکوٰۃ واجب ہے	۵۰۵
پرائز بانڈ پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۶
بینک اور انشورنس سے حاصل شدہ منافع پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۶
پیشگی کرایہ کی رقم میں زکوٰۃ مالک پر ہے یا کرایہ دار پر؟	۵۰۷
زرِ ضمانت کی رقم میں زکوٰۃ کا حکم	۵۰۷
رہن پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۸
کمیٹی کی رقم میں زکوٰۃ	۵۰۹
افیون کے کاروبار پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۹
طویل المیعاد قرضوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۱۰
میت کے ترکہ سے زکوٰۃ کا حکم	۵۱۰
حکومت کا زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا	۵۱۱
نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ کا حکم	۵۱۲
زمرد و جواہرات اور دیگر قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۱۲
زیرِ مطالعہ کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۱۳
زکوٰۃ کی نیت کے بغیر فقراء اور مساکین میں رقم کی تقسیم زکوٰۃ نہیں	۵۱۳
حکومت کا اموال باطنہ سے زکوٰۃ کاٹنا	۵۱۴
سفراء مدارس کے لیے زکوٰۃ وصدقات کی رقوم سے حصہ لینا جائز نہیں	۵۱۴
سال گذر جانے کے بعد قرض مانع زکوٰۃ نہیں	۵۱۵
فوجی یونٹوں کے سرکاری فنڈز پر زکوٰۃ کا مسئلہ	۵۱۶
نصاب سے کم سونے کے ساتھ نقدی پر زکوٰۃ کا حکم	۵۱۶
عید کے موقع پر زکوٰۃ بطور عیدی دینا	۵۱۷
شوہر کے مقروض ہونے کی صورت میں بیوی سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی	۵۱۷
اسلحہ میں زکوٰۃ کا حکم	۵۱۸
زکوٰۃ لینے والے کو بتلائے بغیر زکوٰۃ دینا	۵۱۹
افغان مہاجرین کو ملنے والی امداد میں زکوٰۃ کا حکم	۵۱۹
فارمی مرغیوں اور ان کی پیداوار میں زکوٰۃ کا حکم	۵۲۰
فلور ملز اور دیگر مشینوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۲۰
خالی سلنڈر اور مائع گیس میں زکوٰۃ کا مسئلہ	۵۲۱
زکوٰۃ میں قیمتِ فروخت کا اعتبار ہے	۵۲۲
زیورات کے موتیوں کا وزن نصاب میں شامل نہیں	۵۲۲
مکان کے لیے زمین خرید کر فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم	۵۲۲
خالص حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں	۵۲۳
مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کا حکم	۵۲۴
زیورات میں زکوٰۃ ہر سال واجب ہے	۵۲۴

عنوانات	صفحہ
نفع بر موقوف تجارت کی نیت زکوٰۃ کے لیے عملی تجارت کی محتاج ہے	۵۲۵
زکوٰۃ کی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے	۵۲۶
صدقہ زکوٰۃ کی مد میں شمار نہیں ہوگا	۵۲۶
نقد رقم کی بجائے دوسری اشیاء زکوٰۃ میں دینا	۵۲۷
پینے کا پانی زکوٰۃ میں دینا	۵۲۷
زکوٰۃ کی رقم قسطوں میں ادا کرنا	۵۲۸
قرضہ وصولی کی اقساط شروع ہونے سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ کا حکم	۵۲۹
گاڑی حوائج اصلیہ میں داخل ہے	۵۳۰
سامانِ تجارت میں اندازہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی	۵۳۰
قرض پر زکوٰۃ کس کے ذمے واجب ہے؟	۵۳۱
صاحبِ نصاب نے زکوٰۃ ادا نہ کی اور پھر وہ مال مکان کی تعمیر میں خرچ کرنے کے باوجود زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی	۵۳۱
قرضہ کی وصولی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم	۵۳۲
حولانِ حول کے بعد شک گذرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم	۵۳۲
کیا ٹیکس زکوٰۃ کا متبادل ہو سکتا ہے؟	۵۳۳
کپڑوں میں سونے یا چاندی کی کڑھائی میں زکوٰۃ کا حکم	۵۳۳
سونے چاندی کے اعضاء پر وجوب زکوٰۃ کا حکم	۵۳۴
زکوٰۃ کا مال چوری ہو جائے تو؟	۵۳۵

باب زکوٰۃ فی الاموال

عنوانات	صفحہ
باب زکوٰۃ فی الاموال	۵۳۶
زکوٰۃ میں سونے کی کون سی قیمت معتبر ہے؟	۵۳۶
سونے کی مقررہ مقدار سے کم میں زکوٰۃ کا حکم	۵۳۶
میاں بیوی کے مشترکہ زیورات میں زکوٰۃ	۵۳۷
سونے چاندی کی مقدار میں علامہ عبدالحیؒ اور حضرت تھانویؒ کی عبارات کی تحقیق	۵۳۸
زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے	۵۳۹
سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں	۵۳۹
سونا چاندی سے ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے	۵۴۰
حکومت کی طرف سے عائد جرمانہ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ دینا	۵۴۰
اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۱
اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مروجہ قیمت کا اعتبار	۵۴۱
کاروبار کی جگہ کے فقراء زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں	۵۴۲
مالِ مضاربت میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۳
مسجد کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ	
مسجد کی رقم پر تجارت کرنا اور اس میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۴
جن اشیاء کے خریدنے میں تجارت کا ارادہ نہ ہو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں	۵۴۵

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۵	**باب زکوٰۃ السوائم**	۵۵۶
گاڑیوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۵	بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۶
پلاٹ کی خرید و فروخت میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۶	مویشیوں کے دودھ میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۶
اسلحہ پر زکوٰۃ کا حکم	۵۴۶	چراگاہ کی اُجرت دینے سے زکوٰۃ متاثر نہیں ہوتی	۵۵۷
گدھے اموالِ تجارت میں ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے	۵۴۷	اتحاد مرعی ضروری نہیں	۵۵۷
اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی	۵۴۷	گائے اور بھینس کی زکوٰۃ کے نصاب میں فرق ہے یا نہیں؟	۵۵۸
ضرورت کے لیے خریدی گئی زمین پر تجارت کی نیت کرنا	۵۴۸	بکریوں میں زکوٰۃ کا نصاب	۵۵۹
ذاتی استعمال کے لیے خریدی گئی مشین کو نفع پر فروخت کرنے میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۸	بھینسوں کا نصابِ زکوٰۃ	۵۵۹
کراکری کے سامان میں زکوٰۃ کا حکم	۵۴۹	گھر میں پالے ہوئے جانوروں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۶۰
مالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۰	تجارت کے لیے جانوروں میں سونا چاندی کا نصاب معتبر ہے	۵۶۰
تجارت کے لیے مکانات میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۰	زکوٰۃ میں جانور کے بجائے اسکی قیمت دینا	۵۶۱
اجارہ کئے ہوئے مکان پر زکوٰۃ کا حکم	۵۵۱	گدھوں میں زکوٰۃ کا مسئلہ	۵۶۱
کارخانہ کی زمین اور مشینوں پر زکوٰۃ کا حکم	۵۵۱	ڈیری فارم کی بھینسوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۶۱
آٹا پیسنے کی مشین اور ٹرک وغیرہ کی قیمت میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۲	گائے بیل اور دودھ کی ذاتی ضرورت کے لیے رکھی ہوئی بھینسوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۶۲
زمین کا کرایہ پیشگی دینے میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۳	بھیڑوں کے ساتھ ان کے بچے بھی نصاب میں شمار ہوں گے	۵۶۳
قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کس طرح ادا ہوگی؟	۵۵۳	گھوڑوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۶۳
زیورات کے نگینوں میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۴	اونٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب	۵۶۴
قدرتی خزانہ میں زکوٰۃ کا حکم	۵۵۴		
۲ ۱/۴ تولے سونا اور ۳۰۰ روپے نقد پر زکوٰۃ کا حکم	۵۵۵		
سائیکل اور گھڑی وغیرہ ضروریات میں داخل ہیں	۵۵۶		

عنوانات	صفحہ
باب العشر	۵۶۶
چشمہ کے پانی سے سیرابی کی صورت میں عشر کا حکم	۵۶۶
عشر کس جگہ کے حساب سے واجب ہوتا ہے؟	۵۶۶
ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی زمین میں نصف عشر کا وجوب	۵۶۷
ائمہ مساجد کو دی گئی سیری کی آمدنی میں عشر یا نصف عشر کا وجوب	۵۶۷
آئندہ سال کا عشر پیشگی دینا	۵۶۸
قومی اخراجات منہا کئے بغیر عشر واجب ہے	۵۶۸
حکومت کا عشر اور زکوٰۃ وصول کرنا	۵۶۹
پاکستانی زمین کی شرعی حیثیت	۵۶۹
قرض مانع وجوب عشر نہیں	۵۷۰
مالیہ یا آبیانہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا	۵۷۰
جبر و تشدد سے لیے ہوئے عشر کا اعادہ بہتر ہے	۵۷۱
سرکاری محصول سے عشر پر کوئی اثر نہیں پڑتا	۵۷۱
موقوفہ زمین کی آمدنی میں عشر کا حکم	۵۷۲
کرایہ پر دی ہوئی زمین میں زکوٰۃ کا حکم	۵۷۲
غصب پر عشر کا وجوب	۵۷۳
مشترکہ مال کی عارضی تقسیم مسقط زکوٰۃ نہیں	۵۷۳
ناقابل کاشت زمین میں زکوٰۃ کا حکم	۵۷۴
سال کے بعد بچ جانے والے غلہ میں زکوٰۃ کا حکم	۵۷۵
عشر کا وجوب بائع پر ہے یا مشتری پر؟	۵۷۵
پہاڑی کی آمدنی میں عشر کا مسئلہ	۵۷۶
مزارعت میں عشر کا وجوب	۵۷۶
پھل وغیرہ تیار ہونے سے قبل فروخت کرنے پر عشر کا مسئلہ	۵۷۷
کسی دوسری جگہ فصل فروخت کرنے کی صورت میں عشر کی ادائیگی کا مسئلہ	۵۷۷
فصل فروخت کرنے کی صورت میں عشر کس پر واجب ہے؟	۵۷۸
اجارہ پر دی ہوئی زمین میں عشر کس پر واجب ہے؟	۵۷۸
شفتل میں عشر واجب ہے یا نہیں؟	۵۷۹
گنے میں عشر کا حکم	۵۸۰
گڑ یا اس کی قیمت سے عشر ادا کرنا جائز ہے	۵۸۰
مونگ پھلی میں عشر کا بیان	۵۸۱
تمباکو کا عشر کب ادا کیا جائے گا؟	۵۸۱
گھر کے اندر پھلدار درختوں میں عشر واجب نہیں	۵۸۲
مزروعہ زمین کے گرد پھلدار درختوں میں عشر کا مسئلہ	۵۸۲
درختوں کے پتوں میں عشر کا حکم	۵۸۲
بھوسہ میں عشر واجب نہیں	۵۸۳
سبزیوں میں عشر کا وجوب	۵۸۴

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
افیون میں عشر کے وجوب کا مسئلہ	۵۸۴	وجوبِ عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں	۵۹۴
مقروض پر بھی عشر واجب ہے	۵۸۵	لکڑیوں میں عشر نہ ہونے کی علت کی وضاحت	۵۹۴
رفاہِ عامہ کے کاموں پر عشر کی رقم خرچ کرنا	۵۸۵	فروخت کرنے کی نیت سے اگائے ہوئے بیج پر عشر کا حکم	۵۹۵
شہد میں عشر واجب ہے یا زکوٰۃ؟	۵۸۵	فصل کے بار بار اگنے پر عشر کا حکم	۵۹۶
کیا مچھلیوں میں عشر واجب ہے	۵۸۶	درختوں اور لکڑیوں میں عشر و زکوٰۃ کا مسئلہ	۵۹۶
کافر حکمران کا مسلمانوں سے ٹیکس یا عشر وصول کرنا	۵۸۶	اجارہ کی نقد رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۵۹۷
فرنیچر اور کھیلوں کے سامان کے لیے کاشت شدہ درختوں میں عشر کا مسئلہ	۵۸۷	عشر فی الفور واجب ہے یا علی التاخیر؟	۵۹۸
ایک ہی رقم سے عشر اور زکوٰۃ دونوں ادا کرنا	۵۸۸	نہری اور بارانی پانی سے سیراب ہونے والی پیداوار میں عشر کا حکم	۵۹۸
ذاتی استعمال کے لیے کاشت کردہ سبزی میں عشر واجب ہے	۵۸۸	امارتِ اسلامیہ جبراً عشر وصول کر سکتی ہے	۵۹۹
خودرو پودوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟	۵۸۸	نابالغ کی مملوکہ اراضی میں عشر کا مسئلہ	۶۰۰
جدید طریقہ کاشت کے عشر پر اثرات	۵۸۹	محفوظ خودرو گھاس میں عشر واجب ہے	۶۰۰
فصل مقصودہ پر عشر واجب ہے	۵۹۰	فتاویٰ ہندیہ و درمختار کی عبارت "وشجر القطن" سے پیدا ہونے والے شبہ کا ازالہ	۶۰۱
بائع کا مشتری کو کچھ رقم چھوڑ دینے پر عشر کا حکم	۵۹۱	نہری زمین میں عشر اور نصف عشر کا مسئلہ	۶۰۳
جنگلات میں عشر واجب نہیں	۵۹۱	میت کے مال میں وجوبِ عشر کا مسئلہ	۶۰۸
بارانی اور چاہی زمین میں عشر کا حکم	۵۹۲		
عشر میں حولانِ حول شرط نہیں	۵۹۳		
پھل پکنے سے پہلے بیع کی صورت میں عشر مشتری پر ہے	۵۹۳		

كتاب الصلوة

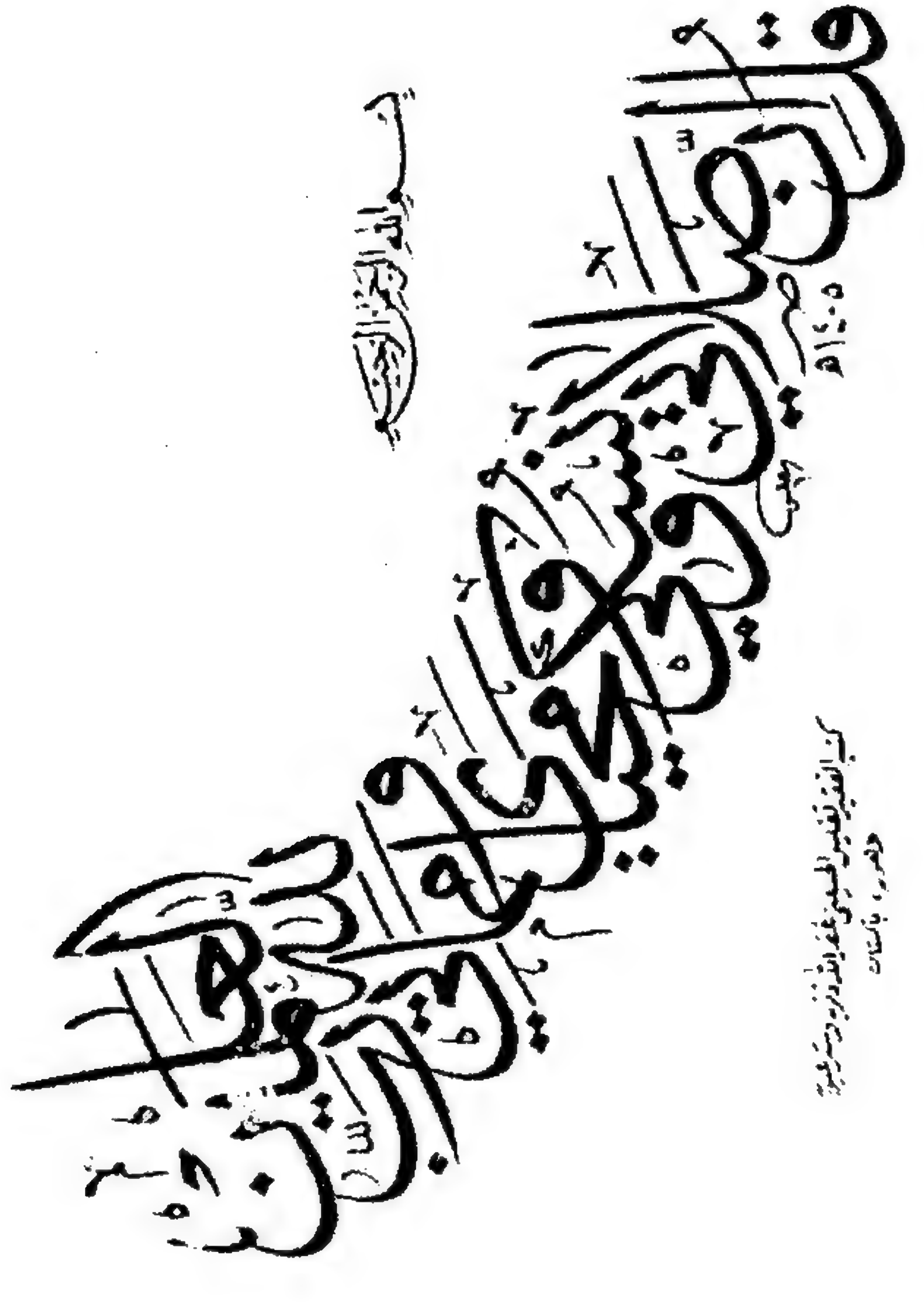

باب المواقیت

(نمازوں کے اوقات)

نماز کو مقررہ وقت سے مؤخر کرنا

سوال:۔ ہمارے علاقہ کی مساجد میں جماعت کے اوقات مقرر ہیں، لیکن بعض اوقات امام صاحب وقتِ مقررہ سے تاخیر کر کے آتے ہیں جس کی وجہ سے بعض لوگ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ کیا نمازوں کو مقررہ وقت سے تاخیر کر کے پڑھنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ نمازوں کے لیے مقرر شدہ اوقات حتمی نہیں بلکہ نمازیوں کی سہولت کو مدِنظر رکھ کر مقرر کیے جاتے ہیں، اگر ان اوقات میں کچھ تقدیم و تاخیر ہو جائے بشرطیکہ مکروہ وقت داخل نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ تاہم اگر امام تنخواہ دار ہو تو دیگر دلائل کو مدِنظر رکھتے ہوئے مقررہ وقت سے تاخیر کرنا کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ نماز مستحب وقت میں پڑھی جائے۔

قال الحصکفیؒ: (ویجلس بینهما) بقدر ما یحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب۔ (الا فی المغرب)۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۹ باب الاذان) [1]

فجر کی نماز کا وقت

سوال:۔ فجر کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ اور طلوعِ فجر اور طلوعِ آفتاب کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا ہے؟

الجواب:۔ نمازِ فجر کا وقت صبحِ صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہوتا ہے جس کی مقدار تقریباً سوا گھنٹہ ہے تاہم کمی وزیادتی بھی ممکن ہے۔ اور صبحِ صادق کی علامت یہ ہے کہ اُس وقت آسمان کے اُفق پر سفیدی سی نمودار ہوتی ہے جو آسمان کے اُفق میں پھیلی ہوتی ہے۔

---

[1] وفی الهندیة: وینتظر المؤذن الناس ویقیم للضعیف المستعجل ولا ینتظر رئیس المحلة وکبیرها کذا فی معراج الدرایة۔ ینبغی ان یؤذن فی اول الوقت ویقیم فی وسطه حتی یفرغ المتوضی من وضوئه والمصلی من صلوته والمعتصر من قضاء حاجته کذا فی التاتارخانیة۔ (الهندیة ج ۱ ص ۵۷ باب الاذان) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان۔

قال الحصکفیؒ: وقت صلاۃ (الفجر) .... (من) اول (طلوع الفجر الثانی) وھو البیاض المنتشر المستطیر لا المستطیل (الی) قبیل (طلوع ذکاء) بالضم غیر منصرف اسم الشمس۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۶۳ کتاب الصلوٰۃ) [1]

رمضان میں صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنا

سوال:۔ ہمارے علاقوں میں رمضان کے مہینے میں صبح کی نماز عموماً غلس (تاریکی) میں پڑھی جاتی ہے جس سے جماعت میں کثرت رہتی ہے، کیا فقہ حنفی کی رُو سے یہ درست ہے؟

الجواب:۔ جواز سے کسی کو انکار نہیں، لیکن فقہ حنفی میں اسفار کے استحباب میں رمضان کا استثناء کہیں نہیں لکھا ہے، اس لیے شاید وقتی مصلحت کی رُو سے بہتر ہو لیکن یقینی اعتبار سے اسفار مستحب ہے۔

لما قال شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الیمنی: ویستحب الاسفار بالفجر..... قیل ھو ان یصلی فی وقت لو صلی بقراءۃ مسنونۃ مرۃ فاذا فرغ ظھر لہ فساد فی طھارتہ امکنہ الوضوء والاعادۃ قبل طلوع الشمس وھذا کلہ فی السفر والحضر فی الازمنۃ کلھا الا یوم النحر بالمزدلفۃ للحاج۔

(الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص۵۰ کتاب الصلوٰۃ) [2]

نماز کے لیے مستحب وقت کیا ہے؟

سوال:۔ جواز سے قطع نظر نمازوں کے اوقاتِ مستحبہ کی حقیقت کیا ہے؟ تعجیل افضل ہے یا تاخیر؟

---

[1] وفی الھندیۃ: وقت الفجر من الصبح الصادق وھو البیاض المنتشر فی الافق الی طلوع الشمس ولا عبرۃ بالکاذب وھو البیاض الذی یبدو طولاً ثم یعقبہ الظلام فبالکاذب لا یدخل وقت الصلاۃ ولا یحرم الاکل علی الصائم ھٰکذا فی الکافی۔

(الھندیۃ ج ۱ ص۵۱ الباب الاول فی المواقیت) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص۲۴۴ کتاب الصلوٰۃ

[2] قال الحصکفیؒ: والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر باسفار والختم بہ ھو المختار بحیث یرتل اربعین آیۃ ثم یعیدہ بطھارۃ لو فسد وقیل یؤخر جداً لان الفساد موھوم الا لحاج بمزدلفۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۶۶ کتاب الصلوٰۃ) ومثلہ فی شرح الوقایۃ ج ۱ ص۱۲۸ کتاب الصلوٰۃ۔

الجواب:۔ مطلقاً تعجیل یا تاخیر مستحب نہیں بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فجر کا مستحب وقت اسفار ہے، اور گرمیوں میں ظہر کو مؤخر اور سردیوں میں مقدم کرکے پڑھنا افضل ہے، عصر کو گرمی وسردی دونوں میں مؤخر کرنا افضل ہے بشرطیکہ سورج متغیر نہ ہو، اور عشاء کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا افضل ہے، تاہم اگر آسمان ابر آلود ہو تو عصر وعشاء کو مقدم کرکے اور باقی کو مؤخر کرکے پڑھنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: والمستحب للرجل (الابتداء) فی الفجر (باسفار والختم به) هو المختار بحیث یرتل اربعین آیة. ثم یعیده بطهارة لو فسد وقیل یؤخر جداً لان الفساد موهوم (الا لحاج بمزدلفة) فالتغلیس افضل کمرأة مطلقاً وفی غیر الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة (وتاخیر ظهر الصیف) بحیث یمشی فی الظل (مطلقاً)...(وتاخیر (عصر) صیفاً وشتاءً توسعة للنوافل (ما لم یتغیر ذکاء) بان لا تحار العین فیها فی الاصح (و) تاخیر (عشاء الی ثلث اللیل) الی اخره۔

والمستحب تعجیل ظهر الشتاء یلحق به الربیع وبالصیف الخریف وتعجیل عصر وعشاء یوم غیم ....وتاخیر غیرهما فیه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۶۶ تا ص۳۶۹ کتاب الصلوٰة)[1]

نمازِ عصر میں تاخیر کی مقدار

سوال:۔ نماز عصر میں فقہاء نے تاخیر کرنے کو مستحب لکھا ہے، لیکن تاخیر کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے

---

[1] وفی الهندیة: یستحب تاخیر الفجر ولا یؤخرها بحیث یقع الشک فی طلوع الشمس بل یسفر بها..... ویستحب تاخیر الظهر فی الصیف وتعجیله فی الشتاء..... ویستحب تاخیر العصر فی کل زمان ما لم تتغیر الشمس.... ویستحب تعجیل المغرب فی کل زمان کذا فی الکافی....وکذا تاخیر العشاء الی ثلث اللیل والوتر الی آخر اللیل لمن یثق بالانتباه..... وفی یوم الغیم ینور الفجر کما فی حال الصحو ویؤخر الظهر لئلا یقع قبل الزوال ویعجل العصر خوفاً من ان یقع فی الوقت المکروه ویؤخر المغرب حذراً عن الوقوع قبل الغروب ویعجل العشاء کیلا یمنع مطر او ثلج عن الجماعة۔

(الهندیة ج ۱ ص۵۱ تا ۵۲ کتاب مواقیت الصلوٰة) ومثله فی شرح الوقایة ج ۱ ص ۱۴۸ کتاب الصلوٰة

بارے میں معلومات فراہم فرماویں؟

الجواب: عصر کی نماز میں بلاشک وشبہ تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر کرنا جو اصفرار الشمس تک مفضی ہو مکروہ تحریمی ہے، سورج پر زردی کے آثار ظاہر ہونے سے قبل ہی نماز عصر سے فارغ ہونا چاہیئے۔

قال الحصکفیؒ (و) اخر (العصر الی اصفرار ذکاء) فلو شرع فیه قبل التغیر فمده الیه لا یکره۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۳۶۸ کتاب الصلوٰۃ) ۱

ظہر کی نماز کا وقت

سوال: مثلِ ثانی میں ظہر کی نماز پڑھنا اداء ہے یا قضاء؟ جبکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امام صاحبؒ نے مثلِ ثانی کے قول سے رجوع کرلیا تھا لہٰذا مثلِ ثانی میں پڑھی گئی نماز ادا نہیں بلکہ قضاء ہے، حقیقت واضح فرماویں؟

الجواب: محققین احناف کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ مثلِ ثانی میں ظہر کی نماز پڑھنا ادا ہے قضاء نہیں، اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ امام صاحبؒ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ ایک افتراء ہے، البتہ احتیاط یہ ہے کہ مثلِ ثانی سے قبل ادا کی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله الی بلوغ الظل مثلیه) هذا ظاهر الروایة عن الامام نهایة وهو الصحیح بدائع ومحیط وینابیع وهو المختار وغیاثیة واختاره الامام المحبوبی وعول علیه النسفی وصدر الشریعة تصحیح قاسم واختار اصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوی وبقولهما ناخذ لا یدل علی انه المذهب وما فی الفیض من انه یفتی بقولهما فی العصر والعشاء مسلم فی العشاء فقط علی

---

۱ قال ابن نجیمؒ: (قوله والعصر ما لم تتغیر) اطلقه فشمل الصیف والشتاء لما فی ذلک من تکثیر النوافل لکراهتها بعد العصر والمراد بالتغیر ان تکون الشمس بحال لا تحار فیها العیون علی الصحیح فان تاخیرها الیه مکروه لا الفعل لانه مامور بها منهی عن ترکها فلا یکون الفعل مکروها کذا فی السراج۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۷ مواقیت الصلوٰۃ)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۵۳ مواقیت الصلوٰۃ

ما فيه وتمامه فى البحر۔ (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۳۵۹ کتاب الصلوٰۃ) ؎۱

سورج غروب نہ ہونے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال:۔ بعض اوقات مغرب کی جانب سفر کرتے وقت سورج غروب ہوتا نظر نہیں آتا، ایسی حالت یا ایسے ممالک میں جہاں پر سورج غروب نہیں ہوتا، نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جہاں پر سورج کے غروب نہ ہونے کی وجہ سے رات و دن کا امتیاز ناممکن ہو تو قریبی ممالک کے اوقات کو اعتبار دے کر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے، تاہم اگر کہیں سفر کی حالت میں وقت ممتد نہ ہو لیکن سورج کا غروب ممکن ہو تو پھر سورج کے غروب میں تاخیر سے نماز کے اوقات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصكفيؒ (وفاقد وقتهما) كبلغار فان فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى اربعينية الشتاء۔ مكلف بهما فيقدر لهما ولا ينوى القضاء لفقد وقت الاداء به افتى البرهان الكبير، واختاره الكمال وتبعه ابن الشحنة فى ألغازه فصححه فزعم المصنف انه المذهب۔

(الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۳۶۲ کتاب الصلوٰۃ) ؎۲

؎۱ قال ابن نجيمؒ (قوله والظهر من الزوال الى بلوغ الظل مثليه سوى الفئ) اى وقت الظهر ..... والاولى قول ابى حنيفة قال فى البدائع انها المذكورة فى الاصل وهو الصحيح وفى النهاية انها ظاهر الرواية عن ابى حنيفة وفى غاية البيان وبها اخذ ابوحنيفة وهو المشهور عنه وفى المحيط والصحيح قول ابى حنيفة وفى الينابيع وهو الصحيح عن ابى حنيفة وفى تصحيح القدورى للعلامة قاسم ان برهان الشريعة المحبوبى اختاره وعول عليه النسفى۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۵ کتاب الصلوٰۃ)

؎۲ لما اخرجه الامام مسلم بن حجاج القشيرى۔ عن النواس بن سمعان حديثاً طويلاً ... ما لبثه فى الارض قال اربعون يوماً۔ يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر ايامه كايامكم قلنا يارسول الله فذلك اليوم الذى كسنة أتكفينا فيه صلوٰة يوم قال لا اقدروا له قدره ... الخ۔ (الصحيح المسلم ج۲ ص۴۰۱ باب ذكر الدجال)

زوال کا وقت

سوال:- میں ایک طالب علم ہوں اور تعلیم کی غرض سے ایک شہر میں آیا ہوں، یہاں ایک بات بہت مختلف فیہ ہے، وہ یہ کہ ہماری مسجد کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ نماز ظہر کا وقت ۵۵/۱۱ سے شروع ہوتا ہے جبکہ ہم نماز ۱/۲-۱۲ بجے پڑھتے ہیں، کیا ہم اس مولوی صاحب کی بات کا اعتبار کر کے ۱/۲-۱۲ بجے سے پہلے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب:- زوال کا وقت موسم کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور اختلافِ مکان کی وجہ سے زوال کے اوقات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے تحقیق کر کے معلوم کیا جائے کہ زوال کا وقت اس وقت ہمارے بلاد میں کیا ہے؟

ہمارے بلاد میں جو نمازِ ظہر پڑھی جاتی ہے یہ مستحب وقت میں پڑھی جاتی ہے اگر کوئی اس سے قبل بھی پڑھنا چاہے تو وقتِ زوال معلوم کر کے پڑھ سکتا ہے البتہ زوال کے وقت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

والزوال ظهور زيادة الظل لكل شخص فى جانب المشرق كذا فى الكافى وطريق معرفة زوال الشمس وفئ الزوال ان تغرز خشبة مستوية فى ارض مستوية فمادام الظل فى الانتقاص فالشمس فى حد الارتفاع واذا اخذ الظل فى الازدياد علم ان الشمس قد زالت فاجعل على رأس الظل علامة فمن موضع العلامة الى الخشبة يكون فئ الزوال۔

(الهندية ج ۱ ص ۵۱ الفصل الاول فى اوقات الصلاة)

ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبات ...... وعند الانتصاف الى ان تزول۔ (الهندية ج ۱ ص ۵۲ الفصل الثالث فى بيان الاوقات التى لا تجوز فيها الصلوة وتكره فيها). [1]

---

[1] قال ابن نجيم: وفى معرفة الزوال روايات اصحها ان يغرز خشبة مستوية فى ارض مستوية ويجعل عند منتهى ظلها علامة فان كان الظل ينقص عن العلامة فالشمس لم تزل وان كان الظل يطول ويجاوز الخط علم انها زالت وان امتنع الظل من القصر والطول فهو وقت الزوال كذا فى الظهيرة۔ (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۵ باب كتاب الصلوة)

ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة الجنازة عند الطلوع والاستواء۔ (ج ۱ ص ۲۴۹ باب الاوقات)

مکروہ اوقات کی مقدار کا حکم

سوال:- طلوع اور غروبِ آفتاب کے دوران مکروہ وقت کی مقدار کتنی ہے؟

الجواب:- فقہاءِ کرام نے ان اوقات میں مکروہ وقت کی پہچان کی علامت یہ لکھی ہے کہ طلوع یا غروبِ آفتاب کے وقت جب کوئی سورج کو دیکھے تو دیر تک دیکھ سکے اور اس کی آنکھوں کو کسی قسم کی دشواری محسوس نہ ہو بشرطیکہ آسمان بالکل صاف ہو، بادل وغیرہ نہ ہوں تو یہ وقت مکروہ ہے۔ تخمینی مقدار یہ ہے کہ جب سورج ایک رمح (نیزہ جو کہ بارہ بالشت کا ہوتا ہے) کے برابر اونچا ہو جائے تو اس کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے اس سے قبل کا وقت مکروہ ہے اور غروب کے وقت جب سورج ایک رمح سے کم ہو جائے تو مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے، اس وقت صرف اُسی دن کی نمازِ عصر پڑھنی جائز ہے باقی نمازیں جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتاخیر عصر صیفا وشتاء توسعة للنوافل مالم یتغیر ذکاء بان لا تحار العین فیها فی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله فی الاصح) صححه فی الهدایة وفی الظهیریة ان امکنه النظر فقد تغیرت وعلیه الفتوٰی وفی النصاب وغیره وبه ناخذ وهو قول ائمتنا الثلاثة ومشائخ بلخ وغیرهم..... وقیل حد التغیر ان یبقی للغروب اقل من رمح۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۶۷ کتاب الصلوٰة، اوقات الصلوٰة)

قال ابن عابدینؒ ایضاً (تحت قوله مع شروق) ما دامت العین لا تحار فیها فهی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انه الاصح کما فی البحر..... اقول ینبغی تصحیح ما نقلوه عن الاصل للامام محمدؒ من انه مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهی فی حکم الطلوع لان اصحاب المتون مشوا علیه فی صلوٰة العید حیث جعلوا اول وقتها من الارتفاع ولذا جزم به فی الفیض ونور الایضاح۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۷۱ کتاب الصلوٰة اوقات الصلوٰة)[1]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وذکر فی الاصل مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهی فی حکم الطلوع واختار الفضلی ان الانسان مادام یقدر علی النظر الی قرص الشمس فی الطلوع فلا تحل الصلوٰة فاذا عجز عن النظر حلت۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۵۰ کتاب الصلوٰة، باب المواقیت)

وفی الهندیة: وعند احمرارها الی ان تغیب الا عصر یومه ذٰلک فانه یجوز اداؤه عند الغروب۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۵۲ الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لا تجوز فیها الصلوٰة)

استواءِ شمس کے وقت مکروہ وقت کی مقدار

سوال:۔ استواءِ شمس کے وقت مکروہ وقت کی مقدار کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں، بعض لوگ دو تین منٹ اور بعض بیس پچیس منٹ کا دورانیہ بتلاتے ہیں، اس سے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں، اندریں صورت مکروہ وقت کی صحیح مقدار ازروئے شرع بیان فرمائیں؟

الجواب:۔ زوال میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور نہ اس کے لیے کوئی متعین وقت مقرر ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ نصف النہار سے چند منٹ قبل اور چند منٹ بعد نماز پڑھنے سے توقف کرنا چاہیئے۔

ھٰکذا فی فتاوٰی محمودیہ جلد ۲ صـ۲۳۷ [۱]

مکروہ اوقات میں نماز جنازہ وسجدۂ تلاوت کا حکم

سوال:۔ مکروہ اوقات یعنی غروبِ آفتاب، طلوعِ آفتاب اور استواءِ شمس کے وقت نماز جنازہ پڑھنا یا سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مکروہ اوقات ہی میں اگر جنازہ تیار ہو جائے یا سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے تو ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا بلاکراہت جائز ہے البتہ اگر جنازہ پہلے سے تیار ہو یا سجدۂ تلاوت پہلے سے واجب ہو چکا ہو تو پھر ان اوقاتِ مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکرہ صلوٰۃ مطلقاً ولو قضاءً او واجبۃ او نفلاً او علی جنازۃ وسجدۃ تلاوت وسہو لا شکر قنیۃ مع شروق واستواء وغروب الاعصر یومہ ...... و سجدۃ تلاوۃ وصلوٰۃ جنازۃ تلیت فی کامل وحضرت الجنازۃ قبل لوجوبہ کاملاً فلا یتأدی ناقصاً فلو وجبتا فیھا لم یکرہ فعلھما ای تحریماً وفی التحفۃ الافضل ان لا تؤخر الجنازۃ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی التحفۃ الخ) فتثبت کراھۃ التنزیھۃ

---

[۱] قال الشیخ المحقق محمد یوسف الدھیانوی: زوال میں نو سے زیادہ منٹ نہیں لگتے لیکن احتیاطاً نصف النہار سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز میں توقف کرنا چاہیئے۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ صـ۱۰۵ اوقاتِ نماز)

فی سجدة التلاوة دون صلوٰة الجنازة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۲ تا ۳۷۴ کتاب الصلوٰة الاوقات)[1]

فجر اور عصر کے بعد قضاء نمازوں کا حکم

سوال: کیا طلوعِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک قضاء نمازیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: طلوعِ فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے صرف دو رکعت سنتیں ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نفلی نماز جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے، اور نہ عصر کی نماز کے بعد نوافل جائز ہیں، البتہ قضاء نمازیں پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ نفل قصداً ولو تحیة مسجد ولو سنة الفجر بعد صلوٰة فجر وصلوٰة عصر ولو المجموعة بعرفة ولا یکرہ قضاء فائتة ولو وتراً۔ الخ
قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله کرہ نفلؒ) والکراهیة ههنا تحریمیة ایضاً کما صرح به فی الحلیة ولذا عبر فی الخانیة والخلاصة: بعدم الجواز والمراد عدم الحل لا عدم الصحة کما لا یخفی۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۴ کتاب الصلوٰة۔ اوقات الصلوٰة)[2]

حرمین شریفین میں مثلین سے قبل نماز عصر پڑھنے کا حکم

سوال: لوگ جب حج یا عمرہ کے لیے حرمین شریفین جاتے ہیں تو وہاں

---

[1] وفی الهندیه: ثلاث ساعات لا تجوز فیها المکتوبة ولا صلوٰة الجنازة ولا سجدة التلاوة ـــ هذا اذا وجبت صلوٰة الجنازة وسجدة التلاوة فی وقت مباح واخرتا الی هذا الوقت فانه لا یجوز قطعاً اما لو وجبتا فی هذا الوقت وادیتا فیه جاز لانها ادیتا ناقصة کما وجبت.... لکن الافضل فی سجدة التلاوة تاخیرها وفی صلوٰة الجنازة التاخیر مکروہ۔
(الفتاوی الهندیه ج ۱ ص ۵۲ الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لا تجوز فیها الصلوٰة وتکرہ فیها)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۹ مواقیت الصلوٰة۔

[2] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: واما الوقتان الاخران ـــ فانه یکرہ فیهما التطوع فقط ولا یکرہ فیهما الفرض..... وهما ای الوقتان المذکوران ما بعد طلوع الفجر الی ان ترتفع الشمس فانه یکرہ فی هذا الوقت النوافل کلها الا سنة الفجر ـــ وما بعد صلوٰة العصر الی غروب الشمس لحدیث ابن عباسؓ (کبیری ص ۲۳۸ کتاب الصلوٰة، الشرط الخامس)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۱ اوقات الصلوٰة۔

عصر کی نماز مثلین سے قبل ہوتی ہے، تو کیا ہم لوگ جماعت میں شامل ہو کر عصر کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا مثلین تک تاخیر کریں؟

الجواب:۔ عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے اگرچہ اس میں جماعت فوت ہو جانے کا خدشہ ہو، مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لیے ہے، حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہو جانا چاہیئے اور مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرمین شریفین میں باجماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (وعلیہ عمل الناس الیوم) وانظر هل اذا لزم من تاخیرہ العصر الی المثلین فوت الجماعة یکون الاولی التاخیر ام لا؟ والظاهر الاول بل یلزم لمن اعتقد رجحان قول الامام۔

(ردالمحتار ج۱ ص۳۵۹ کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوٰۃ)

افطاری کی وجہ سے نمازِ مغرب میں تاخیر کرنا

سوال:۔ رمضان المبارک میں افطاری کی وجہ سے لوگ مغرب کی نماز میں تاخیر کر دیتے ہیں، کیا افطاری کی وجہ سے نمازِ مغرب میں تاخیر کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ مغرب کی نماز میں دو رکعت نماز کی مقدار تاخیر کرنا تو بالاتفاق جائز ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ رمضان المبارک میں جب بھوک زیادہ ہو تو چند منٹ کی تاخیر جائز ہے بشرطیکہ یہ تاخیر ستاروں کے کثرت تعداد میں چمکنے تک نہ پہنچے، اس لیے کہ بھوک کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کرہ ای التاخیر لا الفعل لانہ مأمور بہ تحریماً الا بعذر کسفر وکونہ علی اکل۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الا بعذر) وعبارتہ الا من عذر کسفر ومرض وحضور مائدۃ او غیم۔ (ردالمحتار ج۱ ص۳۶۹ کتاب الصلوٰۃ۔ اوقات الصلوٰۃ)[۱]

مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت کے تعین کا حکم

سوال:۔ آجکل مساجد میں نماز کے لیے دائمی کیلنڈر ہوتے ہیں اور

---

[۱] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واما المغرب فیکرہ تاخیرها اذا غربت الشمس وفی السراجیة الا بعذر السفر او بأن کان علی المائدۃ۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۱ ص۴۰۶ کتاب الصلوٰۃ المواقیت)

لوگ اس کے مطابق نماز کے اوقات تبدیل کرتے ہیں، ان میں سے بعض کیلنڈروں میں مغرب و عشاء کا درمیانی وقت پونے دو گھنٹے اور بعض میں ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت درج ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان صحیح وقت کتنا ہے؟

الجواب: مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی متعین وقت مقرر نہیں، البتہ مفتی بہ قول کی رُو سے شفقِ احمر کے غروب کے بعد عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے، جبکہ خطِ استواء کے درمیانی مقام پر معتدل ایام میں ۴۵ منٹ کے بعد شفقِ احمر غروب ہوتا ہے اور ۵۷ منٹ کے بعد سفیدی غروب ہوتی ہے، دیگر مقامات میں اس سے زیادہ وقت بھی ہو سکتا ہے اور اس زیادتی کی کوئی تحدید نہیں، البتہ مغرب کی اذان کے سوا گھنٹہ بعد عشاء کی اذان دینی چاہیئے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ووقت المغرب منه الی غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثة و الیه رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرهما فکان هو المذهب۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله الیه رجع الامام) ای الی قولهما الذی هو روایة عنه ایضًا وصرح فی المجمع بان علیها الفتوٰی۔

(رد المحتار ج۱ ص۳۶۱ اوقات الصلوٰۃ ـ مطلب فی الصلوٰۃ الوسطیٰ)[۱]

نصفِ شب کے بعد عشاء کی نماز پڑھنے کا حکم

سوال: ہم نے عام کتابوں میں پڑھا ہے کہ نمازِ عشاء کا وقت غروبِ شفق سے کر طلوعِ فجر تک ہے یعنی اس دوران نمازِ عشاء پڑھنا جائز ہے لیکن مجموعۃ الفتاوٰی اردو جلد اص ۲۰۱ (ایچ ایم سعید کراچی) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز نصفِ شب کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور صبح کے وقت نماز کا اعادہ واجب ہے، گویا کہ نصفِ شب کے بعد نماز نہیں ہوتی حالانکہ یہ وقت نماز ہی کا ہے۔

الجواب: عشاء کی نماز کو نصفِ شب تک مؤخر کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک نصفِ شب تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو بھی نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ

---

[۱] وفی الهندیة، ووقت المغرب منه الی غیبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه یفتی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۵۱ الباب الاول فی المواقیت، الفصل الاول فی اوقات الصلوٰۃ)
و مثله فی البحر الرائق ج۱ ص۲۴۶ مواقیت الصلوٰۃ۔

ادا کی جائے واجب الاعادہ ہوتی ہے، اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ اس کی علت تقلیلِ جماعت ہے، کراہت تنزیہی کا معاد خلافِ اولیٰ ہے اور یہی رائے راجح اور مفتیٰ بہ ہے اس لیے نصف شب کے بعد بھی عشاء کی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا اعادہ بھی واجب نہیں صرف خلافِ اولیٰ ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: فان اخرھا ما زاد علی النصف کرہ لتقلیل الجماعۃ ۔۔۔۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کرہ) ای تحریماً کما یأتی تقییدہ فی المتن او تنزیھاً وھو الاظھر کما نذکرہ عن الحلیۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۸ کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوٰۃ)

ایضاً وقال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الماتن ای تحریماً) کذا فی البحر عن القنیۃ لکن فی الحلیۃ ان کلام الطحاوی یشیر الی ان الکراھۃ فی تاخیر العشاء تنزیھیۃ وھو الاظھر۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۹ کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوٰۃ) [1]

تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے تہجد پڑھنے کا بہت شوق ہے لیکن نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح صادق سے پہلے اٹھنا میرے لیے بہت مشکل ہوتا ہے، اگر میں آدھی رات کے بعد تہجد پڑھ کر سو جاؤں تو کیا میری تہجد کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ تہجد کے وقت کے بارے میں اگرچہ مختلف روایات مروی ہیں مگر راجح یہ ہے کہ نصف شب کے بعد تہجد کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اگر کوئی نصف شب کے بعد دو چار رکعت پڑھ لے تو تہجد ادا ہو جائے گی چاہے وہ سویا ہو یا نہ، تاہم سو کر اٹھنے کے بعد تہجد پڑھنا افضل ہے۔

لما قال العلامۃ شاہ عبد العزیز الدہلویؒ: اول وقت آں بعد از نصف شب است سواء سبقہ النوم ام لا۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۵ کتاب الصلوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: وفی الغیاثیۃ الا اذا کان فیہ تفرق الجماعۃ وبعدہ الی نصف اللیل مباح غیر مکروہ۔ قال الطحاویؒ: وبعد نصف اللیل الی طلوع الفجر مکروہ اذا کان التاخیر بغیر عذر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۴۰۱ کتاب الصلوٰۃ۔ المواقیت)

[2] لما قال المفتی عبد الرحیم لاجپوری: مختار مذہب یہ ہے کہ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہوتا ہے خواہ اس سے پہلے سویا ہو یا نہ سویا ہو، ہاں سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۲۸۳ باب اوقات الصلوٰۃ)

مغرب کے وقت کی مقدار

سوال: نمازِ مغرب میں تعجیل کی افضلیت کو دیکھ کر بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ مغرب کا وقت نہایت مختصر ہے اس کی مقدار عموماً کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب: مغرب کا وقت فقہ حنفی کے مطابق غروب الشمس سے شروع ہو کر شفقِ احمر کے غروب تک رہتا ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک شفقِ ابیض تک رہتا ہے۔

مغرب کا وقت موسم اور علاقہ جات کے قرب و بُعد میں متاثر ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ بعض علاقوں میں گھنٹہ اور بعض علاقوں میں ایک گھنٹہ تین منٹ اور بعض میں ایک گھنٹہ پندرہ منٹ اور بعض میں ایک گھنٹہ بیس منٹ وقت ہوتا ہے، عموماً مغرب اور عشاء کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ کا وقفہ ہونا چاہیئے۔

تاہم مغرب کی نماز شفقِ احمر سے پہلے پڑھنی چاہیئے تاکہ اختلاف سے محفوظ رہے، البتہ مسافر یا دوسرے صاحبِ عذر کے لیے شفقِ ابیض میں پڑھنا مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ: (و) وقت (المغرب منه الی) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما وبه قالت الثلاثة والیه رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرها فکان هو المذهب (و) وقت (العشاء والوتر منه الی الصبح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۱ کتاب الصلوٰة) [1]

XXXXX

---

[1] وقت المغرب منه الی غیبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه یفتی هکذا فی شرح الوقایة وعند ابی حنیفة الشفق هو البیاض الذی یلی الحمرة هکذا فی القدوری وقولهما اوسع للناس وقول ابی حنیفة احوط لان الاصل فی باب الصلوٰة ان لایثبت فیها رکن ولاشرط الا بما فیه یقین کذا فی النهایة ناقلاً عن الاسرار ومبسوط شیخ الاسلام ووقت العشاء والوتر من غروب الشفق الی الصبح کذا فی الکافی۔

(الهندیة ج ۱ ص ۵۱ الباب الاول فی المواقیت)

باب الاذان والاقامۃ

(اذان اور اقامت کے بیان میں)

اذان کا شرعی حکم

سوال:- اذان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کن کن نمازوں کے لیے اذان دینی چاہیئے؟

الجواب:- اذان پانچ وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے دینا سنتِ مؤکدہ ہے، فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر پوری قوم بالاتفاق اذان ترک کر دے تو اس کے ساتھ قتال کیا جائے، البتہ پانچ وقتہ نماز اور جمعہ کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں مثلاً صلوٰۃ کسوف وخسوف، تراویح یا جنازہ وغیرہ کے لیے اذان نہیں دی جائے گی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وھو سنۃ للرجال فی مکان عال مؤکدۃ ھی کالواجب فی لحوق الاثم للفرائض الخمس فی وقتھا ولو قضاء لانہ سنۃ للصلوٰۃ حتی یبرد بہ لا للوقت لا یسن لغیرھا کعید۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کعید) ای وتر وجنازۃ وکسوف واستسقاء وتراویح، الخ

لہ {رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۴ باب الاذان
مطلب فی المواضع التی یندب لھا الاذان}

یک وقت تعدد اذان

سوال:- ہمارے شہر میں ایک مسجد ایسی ہے جس میں عشاء کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے تمام نمازی بمع امام صاحب

لہ قال العلامۃ صدر الشریعۃ: وھو سنۃ للفرائض الخمس والجمعۃ ولیس بسنۃ فی النوافل۔ قال العلامۃ عبدالحی اللکھنویؒ: (تحت قولہ ولیس بسنۃ فی النوافل) اراد بالنوافل ما سوی الفرائض فان کل ما وراء الفرائض نافلۃ ای زائدۃ علیھا۔ (السعایۃ ج۲ ص۹ باب الاذان)

ومثلہٗ فی مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۱۵۶ باب الاذان۔

پہلی صف میں اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر اذان دیتے ہیں اور مسجد کے چاروں کونوں میں پھونک مارتے ہیں، اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز شروع کرتے ہیں۔ کیا عند الشرع ایسا کرنا جائز ہے اور اس کا کوئی ثبوت ہے اور ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عشاء کی اذان اور اقامت کے درمیان متعدد بار اذان کہنا عند الشرع اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ اپنی جانب سے اختراع اور بدعت ہے، اذان صرف فرض نماز کے لیے مشروع ہے اس کے علاوہ اذان کی سُنّیت ثابت نہیں۔

قال الحصکفیؒ: لانہ سنۃ للصلوٰۃ حتّٰی یبرد بہ لا للوقت (لا) یسن (لغیرھا) کعید۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۲۸۳ باب الاذان، کتاب الصلوٰۃ)[1]

ظالم کی اذان کا حکم

سوال: ایک شخص جو خود بھی ظالم ہے اور اس کے بیٹے بھی ایک جرم کی پاداش میں گرفتار ہو گئے ہیں، ان کی رہائی کے لیے اس نے رشوت دی اور ان کو رہا کروایا۔ یہ شخص مستقل طور پر ایک مسجد کا مؤذن بھی ہے، کسی کو اذان کہنے نہیں دیتا، کیا اس شخص کی یہ اذان صحیح ہے؟

الجواب: ظلم کرنا اور رشوت دینا امورِ فسقیہ میں سے ہے ایسے شخص کی اذان مکروہ تحریمی ہے، البتہ ایسی اذان پر نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ واجب الاعادہ ہے جبکہ ایسی اذان پر نماز باجماعت بھی پڑھی جا سکتی ہے تاہم اذان کا دوبارہ پڑھنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا اذانہ علی المذھب (و) اذان (امرأۃ) وخنثیٰ (وفاسق) ولو عالماً لکنہ اولیٰ بامامۃ واذان من جاھل تقی..... ویعاد اذان الجنب ندباً۔ قال ابن عابدین (یعاد اذان جنب) زاد القھستانی والفاجر والراکب والقاعد...الخ (رد المحتار باب الاذان ج ۱ ص۳۹۲، ۳۹۳)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: الاذان سنۃ لاداء المکتوبات بالجماعۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان ولیس لغیر الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ نحو السنن والوتر الیٰ آخرہ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۵۳ باب الاذان)

[2] قال ابن نجیمؒ تحت ھٰذا القول (وکرہ اذان..... والفاسق) اما الفاسق فلان قولہ لا یوثق بہ ولا یقبل فی الامور الدینیۃ ولا یلزم احداً فلم یوجد الاعلام..... صرح بکراھۃ اذان الفاسق ولا یعاد فالاعادۃ فیہ لیقع علیٰ وجہ السنۃ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۶۳ باب الاذان) ومثلہ فی فتح القدیر ج ۱ ص۲۲۰ باب الاذان۔

اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ اذان کے جواب میں درود شریف پڑھتے ہیں، کیا اس کا پڑھنا سنت ہے؟

الجواب:۔ درود شریف کا پڑھنا ایک امر مستحسن ہے لیکن اذان کے جواب میں اس کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اذان کے جواب میں اجابت مسنون ہے، یعنی جو کلمہ مؤذن سے سُنے وہ سامع کہے البتہ چند کلموں میں اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے اذان کا جواب دیا جائے، البتہ اگر کسی نے درود شریف پڑھ لیا تو کوئی حرج نہیں تاہم اذان کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے۔

لما قال النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلّوا علیّ فانہ من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بہا عشراً۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص۱۶۶)

وفی الھندیۃ: یجب علی السامعین عند الاذان الاجابۃ وھی ان یقول مثل ما قال المؤذن الا فی قولہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح فانہ یقول مکان حی علی الصلوٰۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الیٰ اٰخرہ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۷ الفصل الثانی فی کلمات الاذان) لہ

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے آخر میں ہا ہا کہنا

سوال:۔ ہمارے علاقے میں جب اذان دی جاتی ہے تو بعض لوگ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے آخر میں ہا ہا وغیرہ کہتے ہیں تو اس پڑھنے کا حکم عند الشرع کیا ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی لفظ کی زیادتی یا کمی سے معنیٰ میں تغیرِ فاحش لازم آئے تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں، اگر تغیرِ معنیٰ نہ آئے تو یہ جائز ہے۔ مذکورہ غلطی سے فسادِ معنیٰ اگرچہ نہیں آتا لیکن بچنا لازمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: ومنھا القرأۃ بالالحان إن غیر المعنی والا لا الا فی حرف مد ولین فلو فی اعراب او تخفیف مشدد وعکسہ بزیادۃ

لہ (و) صفۃ الاجابۃ ان یقول کما قال ای مثل الفاظ المؤذن (و) لکن (حوقل) ای قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ ای لاحول لنا عن معصیۃ ولا قوۃ لنا علی طاعۃ الا بفضل اللہ (فی) سماعہ (الحیعلتین)۔ (مراقی الفلاح علی الطحطاوی ص۱۱۰)
ومثلہ فی رد المختار ج ۱ ص۳۹۸ باب الاذان)

حرف فاکنش۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۳۰ باب ما یفسد الصلوٰۃ) ۱

اذان میں بھول جانا

سوال:۔ اگر اذان میں کوئی کلمہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم و تاخیر کرے تو اختتام سے قبل اس کا ازالہ کرکے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہوا اور باتوں کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو اعادہ کیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: ولو قدم فیهما مؤخراً اعاد ما قدم فقط (ولا یتکلم فیهما) اصلاً ولو رد السلام فان تکلم استانفه۔ (در مختار ج ۱ ص۳۸۶ باب الاذان) ۲

اذان واقامت کیلئے دائیں جانب کا تعین

سوال:۔ اذان واقامت میں عموماً دائیں جانب کی رعایت کی جاتی ہے، بسا اوقات بائیں طرف اقامت کہنے یا اذان دینے پر ڈانٹا بھی جاتا ہے، از روئے شرع کیا یہ تعین درست ہے؟

الجواب:۔ اذان واقامت کے لیے کسی خاص جانب کا تعین ضروری نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ اذان ایسی جگہ پر دی جائے جہاں سے کامل طور پر سب لوگ اذان سن سکیں چاہے مسجد کی دائیں جانب ہو یا بائیں جانب۔

---

۱ اما ان قرأ حرفاً مکان حرف او زاد حرفاً او نقص او قدم المؤخر او اخر المقدم واما ان کان کلمة او زاد کلمة او نقص او قدم او اخر واما ان قرأ آية مکان آية او نقص او زاد و قدم المؤخر و اخر المقدم اما اذا قرأ حرفاً مکان حرف ولم یغیر المعنٰی بان قرأ ان المسلمین ان المسلمون لا یفسد۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی عشر فی زلة القاری)

۲ اذا قدم فی اذانه واقامته شیئاً بان قال اولاً اشهد ان محمداً رسول الله ثم قال اشهد ان لا اله الا الله فعلیه ان یقول بعد کلمة الشهادة اشهد ان محمداً رسول الله واذا اذن ومکث ساعة ثم اخذ فی الاقامة فظن انها اذان وصنع فیها ما صنع فی الاذان فقیل له هذه اقامة فانه یستقبل الاقامة من اولها۔
(خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۴۹ الفصل الاول فی الاذان)۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله ویستدیر فی المنارۃ) یعنی ان لم یتم الاعلام بتحویل وجھہ مع ثبات قدمیہ ولم تکن فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم مئذنۃ بحرؔ قلتُ وفی شرح الشیخ اسماعیل عن الاوائل للسیوطیؒ ان اول من رقی منارۃ مصر للاذان شرحبیل بن عامر المرادی وبنی سلمۃ المنایر للاذان بامر معاویۃ ولم تکن قبل ذٰلک۔ وقال ابن ابن سعد بالسند الی اُمّ زید بن ثابتؓ کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقہ من اول ما اذن الی ان بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدہ فکان یؤذن بعد علی ظھر المسجد وقد رفع لہٗ شئ فوق ظھرہ۔

(رد المختار علی در المختار ج ۱ ص ۳۸۵ باب الاذان) ؎۱

اذان اور اقامت کی اہمیت

سوال:۔ از روئے شرع اذان اور اقامت کی اہمیت کیا ہے؟ اگر سنت کے حوالہ سے کہیں چھوڑ دی جائے تو اس کا نتیجہ کیا رہے گا؟

الجواب:۔ اذان اور اقامت دین کے اہم امور میں سے ہیں، بعض کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں اور بعض کے نزدیک واجب ہیں، اگر کسی محلہ والے دائمی اذان واقامت چھوڑ دیں تو ان سے قتال کرنے کا بھی حکم ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (ھی کالواجب) بل اطلق بعضھم اسم الواجب علیہ لقول محمد لو اجتمع اھل بلدۃ علی ترکہ قاتلھم علیہ ولو ترکہ واحد ضربتہ وحبستہ و عامۃ المشائخ علی الاول والقتال علیہ لما انہ من اعلام الدین وفی ترکہ استخفافٌ ظاھرٌ بہ۔ (رد المختار ج ۱ ص ۳۸۴ باب الاذان) ؎۲

؎۱ وفی الھندیۃ والسنۃ ان یؤذن فی موضع عالٍ یکون اسمع لجیرانہ ویرفع صوتہ ولا یجھد نفسہ ..... ویقیم علی الارض ھٰکذا فی القنیۃ وفی المسجد ھٰکذا فی البحر الرائق۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۵۵ باب الاذان) وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان۔

؎۲ قال ابن نجیم (قولہ سن للفرائض) ای سن الاذان للصلوٰۃ الخمس والجمعۃ سنۃ مؤکدۃ قویۃ قریبۃ من الواجب حتی اطلق بعضھم علیہ الوجوب ولھٰذا قال محمد لو اجتمع اھل بلدٍ علی ترکہ قاتلناھم علیہ وعند ابی یوسف یحبسون ویضربون وھو یدل علی تاکدہ لا علی وجوبہ لان المقاتلۃ لما یلزم من الاجتماع علی ترکہ من استخفافھم بالدین بخفض اعلامہ لان الاذان من اعلام الدین۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان) وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ ج ۱ ص ۴۸ باب الاذان۔

وقت سے قبل اذان دینا

سوال: بعض مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ ان میں صبح کی اذان طلوعِ فجر سے پہلے دی جاتی ہے، ایسی اذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اذان قبل از وقت باتفاقِ علماء مشروع نہیں، اس کا اعادہ ضروری ہے البتہ اگر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے تو اس میں کوئی فساد نہیں آتا۔

قال الحصکفیؒ: فیعاد (اذان وقع بعضہ (قبلہ) کالاقامۃ خلافاً للثانی فی الفجر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۸۵ باب الاذان) [1]

اذان میں روانگی سنّت ہے

سوال: بعض جگہ مؤذن اذان کے ہر کلمہ کو جدا جدا کر کے کہتا ہے جبکہ مشہور یہ ہے کہ اذان میں تکبیر دو دو کلمے ملا کر کہنا چاہئے اگر کوئی شخص کلماتِ اذان اس طرح جدا جدا پڑھتا ہے تو اس سے صحتِ اذان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان میں ترسیل سنّت ہے یعنی تکبیر دو دو کلمے ملا کر کہے، البتہ اگر کسی نے ایسا نہیں کیا بلکہ جدا جدا کلمے کہے تب بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے تاکہ سنت کے مطابق اذان ادا ہو جائے۔

قال الحصکفیؒ: (ویترسل فیہ) بسکتۃ بین کل کلمتین ویکرہ ترکہ وتندب اعادتہ ــ قال ابن عابدینؒ: (قولہ بسکتۃ) أی تسع الاجابۃ مدنی عن مُلا علی قاریؒ وھذہ السکتۃ بعد کل تکبیرتین لا بینھما کما افادہ فی الامداد اخذاً من الحدیث وبہ صرح فی التاتارخانیہ (قولہ وتندب اعادتہ) ای لو ترک الترسل۔ (رد المحتار علی الدر المختار جلد ۱ ص۳۸۷ باب الاذان) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ تقدیم الاذان علی الوقت فی غیر الصبح لایجوز اتفاقاً وکذا فی الصبح عند ابی حنیفۃؒ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ وان قدم یعاد فی الوقت ھکذا فی شرح مجمع البحرین لابن الملک وعلیہ الفتوی ھکذا فی التاتارخانیہ ناقلاً عن الحجۃ (الھندیۃ ج ۱ ص۵۳ باب الاذان) ومِثلُہٗ فی بحر الرائق ج ۱ ص۲۵۵ باب الاذان)

[2] قال ابن نجیم (قولہ ویترسل فیہ ویحدر فیھا) ای یتمھل فی الاذان ویسرع فی الاقامۃ وحدہ ان یفصل بین کلمتی الاذان بسکتۃ بخلاف الاقامۃ للتوارث...... ولو جعل الاذان اقامۃ یعید الاذان ولو جعل الاقامۃ الاذان اذاناً یعید لان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ ــ قال ابن عابدین فی حاشیتہ ثم الاعادۃ انما ھی افضل۔ (بحر الرائق مع منحۃ الخالق ج ۱ ص۲۵۷-۲۵۸ باب الاذان) ومِثلُہٗ فی طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۶۱ باب الاذان۔

نشہ کی حالت میں اذان کا حکم

سوال:۔ ہماری مسجد کا ایک مؤذن ہے جو اعمال کے لحاظ سے کمزور ہے مثلاً افیون و چرس وغیرہ کا استعمال ہمیشہ کرتا ہے، اسی حالت میں اذان بھی دیتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے اور نشہ ہی کی حالت میں وہ مسجد میں سوتا بھی ہے، تو کیا عندالشرع ایسے مؤذن کی اذان درست ہے؟ نیز مؤذن کے شرائط بھی تحریر فرماویں۔

الجواب:۔ فقہاء کرام نے مؤذن کے لیے جو شرائط لکھی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مؤذن عاقل، صالح، متقی اور عالم بالسنۃ ہو، سنجیدہ اور لوگوں کے احوال کو بھی جانتا ہو اور جماعت سے متخلفین پر زجر بھی کر سکتا ہو اور خود بھی اذان پر مواظبت رکھتا ہو اور بہتر یہ ہے کہ مؤذن اسی شہر کا رہنے والا ہو

وفی الھندیۃ: وینبغی ان یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنۃ کذا فی النہایۃ وینبغی ان یکون مھیباً ویتفقد احوال الناس ویزجر المتخلفین عن الجماعات کذا فی القنیۃ ۔۔وان یکون مواظباً علی الاذان ھکذا فی البدائع والتتارخانیہ وان یکون محتسباً فی اذانہ کذا فی النہر الفائق والاحسن ان یکون اماماً فی الصلاۃ کذا فی معراج الدرایۃ والافضل ان یکون المؤذن ھو المقیم کذا فی الکافی۔

(الھندیہ ج ۱ ص۵۳ باب الاذان)

لہٰذا جو شخص چرسی، افیمی ہو تو بحکم فسق کے اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ واجب الاعادہ ہے، تاہم اذان کا دوبارہ کہنا مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ... ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا اذانہ علی المذھب (و) اذان (امرأۃ) وخنثیٰ (فاسق) ولو عالماً لکنہ اولیٰ بامامۃ واذان من جاھل تقی، ویعاد اذان جنب ندباً۔ قال ابن عابدینؒ تحت (قولہ یعاد اذان الجنب) زاد القھستانی والفاجر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۹۳،۳۹۲ باب الاذان) [۱]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ تحت ھذا القول وکرہ اذان .... والفاسق (اما الفاسق فلان قولہ لایوثق بہ ولایقبل فی الامور الدینیۃ ولایلزم احداً فلم یوجد الاعلام۔ (بحر الرائق ج ۱ ص۲۶۳ باب الاذان)

تہجد کے لیے اذان کا حکم

سوال:۔ تہجد کے لیے اذان دینا کیا حیثیت رکھتی ہے؟ بعض مساجد میں اس کا اہتمام حرمین میں دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

الجواب:۔ ابتداء اسلام میں تہجد کے لیے اذان دی جاتی تھی لیکن بعد میں صحابہ کرامؓ نے چھوڑ دی، اس لیے احناف کے ہاں تہجد کی اذان منسوخ ہے اور دینا خلافِ سنت ہے۔

اخرج الامام الطحاوی عن ابراھیم قال شَیَّعنَا علقمۃ الی مکّۃ فخرج بلیل فسمع مُؤذّنًا یؤذّنُ بلیل فقال اَمّا ھٰذا فقد خالف سنۃ اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لوکان نائمًا کان خیرًا لہٗ فاذا طلع الفجر اذّن فاخبر علقمہ ان التاذین قبل طلوع الفجر خلاف لسنۃ اصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم۔[1]

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۰۱ باب التاذین للفجر ای وقت ھو بعد طلوع الفجر او قبل ذٰلک)

تثویب کا حکم

سوال:۔ تثویب (یعنی مسنون اذان کے بعد دوبارہ نماز کے لیے بلانے) کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔

الجواب:۔ تثویب ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے البتہ فقہاء کرام نے عوام الناس کی سستی کو دیکھ کر اس کو جائز کہا ہے، لہٰذا اس دور میں اگر تثویب کی جائے تو اس پر بدعت کا اطلاق کرنا مناسب نہیں البتہ اس کو عادت بنانا بھی مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ) ای کل الصلوٰۃ لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوٰۃ سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما راٰہ المسلمون حسنًا فھو

---

[1] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ ھو سنۃ مؤکدۃ للفرائض الخمس فی وقتھا ولو قضاء لانہ سنۃ للصلوٰۃ حتّٰی یبرد بہٖ لا للوقت ولا یسن لغیرھا کعید فیعاد اذان وقع قبلہ قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی (قولہ کعید) ادخلت الکاف الوتر والجنازۃ والکسوف والاستسقاء والتراویح والسنن الرواتب۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۸۵ باب الاذان) ومثلہٗ فی منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ باب الاذان۔

عند اللہ حسنًا۔ (رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص۳۸۹ باب الاذان) [۱]

اذان سے قبل تعوذ اور تسمیہ کا حکم

سوال:۔ اذان سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ آجکل اکثر مساجد میں ایسا ہوتا ہے، آیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟

الجواب:۔ اذان سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہراً پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں یہ زیادۃ علی الشرع کے مترادف ہے لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے، تاہم خفیہ طور پر پڑھنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

قال الحصکفیؒ (ھو) لغۃ الاعلام وشرعاً (اعلام مخصوص) لم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتۃ وبین یدی الخطیب (علی وجہ مخصوص بالفاظ کذٰلک) ای مخصوصۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۸۳ باب الاذان) [۲]

اذان دینے کیلئے بہتر جگہ کونسی ہے

سوال:۔ اذان کے لیے کونسی جگہ موزوں ہے؟ اگر کسی اونچی جگہ سے اذان دینے میں قرب وجوار میں سے بے پردگی کا احتمال ہو تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اذان کے لیے بہتر یہی ہے کہ مسجد کے باہر اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر دی جائے البتہ اگر ایسا کرنے سے بے پردگی کا احتمال ہو تو احتیاط بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ قاضی خان وینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد۔ (الفتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۷۸) [۳]

---

[۱] وفی الھندیۃ: والتثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلوٰۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلوٰۃ بین الاذان والاقامۃ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۵۶ باب الاذان) ومِثْلُہٗ فی بحر الرائق ج ۱ ص۲۶۱ باب الاذان۔

[۲] وفی الھندیۃ اذان خمس عشرۃ کلمۃ وآخرہ عندنا لا الٰہ الا اللہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ (ج ۱ ص۵۵ باب الاذان) ومِثْلُہٗ فی قاضی خان علی ھامش فتاویٰ ھندیہ ج ۱ ص۷۸)

[۳] قال ابن نجیمؒ: وینبغی للمؤذن ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران ویرفع صوتہ ولا یجھد نفسہ لانہ یتضرر بذٰلک وفی الخلاصۃ ولا یؤذن فی المسجد۔ (بحر الرائق ج ۱ ص۲۵۵ باب الاذان) ومِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۵۵ باب الاذان۔

وضو کے بغیر اذان دینا

سوال:۔ وضو کے بغیر اذان دینے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں اذان کا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب:۔ اذان کے لیے بذاتِ خود طہارت شرط نہیں اسلئے بلا وضو اذان دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی واجب الاعادہ ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ بلا وضو اذان دینے کو عادت نہ بنایا جائے۔

قال الحصکفیؒ: ویکرہ اذان جنب واقامۃ واقامۃ محدث لا اذانہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۲ باب الاذان) [1]

نابالغ کی اذان کا حکم

سوال:۔ نابالغ کی اذان عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر صبی (بچہ) قریب البلوغ ہو اور عاقل ہو تو اس کی اذان جائز ہے اور اگر صبی غیر عاقل ہو تو اس کی اذان جائز نہیں بلکہ واجب الاعادہ ہے۔

لما قال العلامہ التمرتاشی یجوز اذان صبی مراھق وعبد واعمیٰ وولد الزنا واعرابی.... ویعاد اذان جنب لا اقامتہ وکذا اذان امرأۃ وسکران وصبی لا یعقل۔

(تنویر الابصار یعنی ردّ المحتار ج ۱ ص ۳۹۲ باب الاذان) [2]

حیَّ علی الفلاح پڑھنے کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ کی بعض مساجد میں لوگ اقامت کے وقت صفوف میں آکر بیٹھ جاتے ہیں اور جب مؤذن حیَّ علی الفلاح پر پہنچتا ہے تو اس وقت کھڑے ہوتے ہیں، اس عمل کے ثبوت کے لیے بہت سی کتب مثلاً عالمگیری، شرح وقایہ، بحر الرائق کا حوالہ دیتے ہیں اور اس بیٹھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، جبکہ مسجد میں بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اور اس کے عامل کو مبتدعین میں شمار کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا حیَّ علی الفلاح کے وقت یا اس سے قبل اٹھنا سنت ہے؟

---

[1] وفی الھندیۃ: ولا یکرہ اذان المحدث فی ظاھر الروایۃ ھٰکذا فی الکافی۔ (ھندیہ ج ۱ ص ۵۴ باب الاذان) وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۳ باب الاذان۔

[2] واذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھۃ فی ظاھر الروایۃ ولکن اذان البالغ افضل واذان الصبی الذی لا یعقل لا یجوز ویعاد۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۵۴ باب الاذان) ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۳ باب الاذان۔

الجواب:۔ حَیَّ علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا شرعاً مندوب ہے البتہ اس کو سُنّت مؤکدہ سمجھنا یا اس کو لازمی سمجھنا بدعت ہے۔

کتبِ فقہ میں قیام الی الصلوٰۃ کے لیے مختلف قسم کی روایات منقول ہیں' عند الاقامۃ، وسط الاقامۃ اور عند الفراغ عن الاقامت، جس وقت بھی تسویہ صفوف ہو جائے نماز کو شروع کر دینا بہتر ہے البتہ اگر کوئی حَیَّ عَلَی الفلاح سے قبل کھڑا ہو جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں اور نہ ہی یہ واجب العتاب ہے بلکہ حَیَّ عَلَی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے والے کو بدعتی کہنا صحیح نہیں جبکہ وہ اس کو سُنّت یا واجب قرار نہ دیتا ہو۔

قال الحصکفیؒ: (لها اداب) ترکه لا یوجب اساءة ولا عتابا کترك سنة الزوائد لکن فعله افضل... (و القیام) لامام و مؤتم (حین قیل حی علی الفلاح خلافاً لزفر فعنده عند حی علی الصلوٰة ... (و شروع الامام) فی الصلوٰة (مذ قیل قد قامت الصلوٰة) ولو اخر حتی اتمها لا بأس به اجماعاً وهو قول الثانی والثلاثة وهو اعدل المذاهب کما فی شرح المجمع لمصنفه وفی القهستانی معزیا للخلاصة انه الاصح - (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۷) [1]

مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کرنا

سوال:۔ اقامت کے لیے مؤذن کا ہونا ضروری ہے یا کوئی اور بھی اقامت کہہ سکتا ہے؟ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ غیر مؤذن کی اقامت کو لوگ اقامت ہی تصور نہیں کرتے، ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہتر یہی ہے کہ مؤذن اقامت کہے، اگر مؤذن موجود نہ ہو تو غیر مؤذن کی اقامت بلا کراہیت درست ہے۔ اگر مؤذن موجود ہو اور کسی دوسرے کی اقامت کو بُرا محسوس نہیں کرتا تو اقامت بلا کراہیت درست ہے اگر بُرا محسوس کرتا ہے تو مع الکراہیۃ التنزیہیۃ

---

[1] من الادب (شروع الامام) الی احرامه (مذ قیل) ای عند قول المقیم (قد قامت الصلوٰة) عندهما وقال ابو یوسف یشرع اذا فرغ من الاقامة فلو اخر حتی یفرغ من الاقامة لا بأس به فی قولهم جمیعاً۔ (مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی ص۱۵۱ اداب الصلوٰة) ومثله فی الفتاوی التاتارخانیه ج ۱ ص۵۳۰ کتاب الصلوٰة اداب۔

درست ہے البتہ اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ فلا بأس بذلک جوهرة (اقام غیر من اذن بغیبته) ای المؤذن (لا یکره مطلقاً) وان بحضوره کره ان لحقه وحشة کما کره مشیه فی اقامته۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۵ باب الاذان) لہ

جماعتِ ثانیہ کے لیے اقامت

سوال:۔ جماعتِ ثانیہ کے لیے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر جماعتِ ثانیہ کسی ایسی مسجد میں ہو جہاں پر قوم نے باقاعدہ اپنی نماز اقامت اور اذان سے پڑھی ہو تو شرائطِ رخصت کی رعایت کرتے ہوئے دوبارہ جماعت کیلئے اذان واقامت مکروہ ہے البتہ مسجد سے باہر یا راستہ کی ایسی مسجد جہاں قوم و امام دونوں نہ ہوں تو وہاں جماعتِ ثانیہ کے لیے اذان واقامت مسنون ہے۔

لما قال الحصکفیؒ بل یکره فعلهما وتکرار الجماعة الا فی مسجد علی طریق فلا بأس بذلک۔ قال ابن عابدینؒ تحت قوله (الا فی مسجد علی طریق) هو ما لیس له امام ومؤذن راتب فلا یکره التکرار فیه باذان واقامة بل هو الافضل۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۵ مطلب کراهیة تکرار الجماعة) ۲ے

امام کا اقامت کہنا

سوال:۔ کیا اقامت سے جاہل مقتدیوں کی موجودگی میں امام خود اقامت کرسکتا ہے؟

الجواب:۔ ویسے تو بہتر یہ ہے کہ اذان اور اقامت ایک شخص کہے اور امامت کوئی

لہ والافضل ان یکون المؤذن هو المقیم کذا فی الکافی وان اذن رجل واقام اخران غاب الاول جاز من غیر کراهة وان کان حاضراً یلحقه الوحشة باقامة غیره یکره وان رضی به لا یکره عندنا کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۴)۔ ومِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۵۰۔

۲ے قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ۔ واذا لم یکن للمسجد امام ومؤذن راتب فلا یکره تکرار الجماعة فیه باذان واقامة بل هو الافضل ذکره قاضی خان اما لو کان له امام ومؤذن معلوم فیکره تکرار الجماعة فیه باذان واقامة۔ (کبیری ص ۶۱۴)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۱ ص ۳۶۶ باب الامامة۔

دوسرا کرائے لیکن بوقتِ ضرورت جب مقتدی اقامت سے جاہل ہوں تو امام کے لیے اقامت کہنے میں کوئی قباحت نہیں، فقہی ذخائر میں اس کے نظائر موجود ہیں جیسا کہ ایک آدمی خود اذان اور اقامت دے کر نماز پڑھے۔

قال ابن عابدینؒ: فی الخانیۃ لو لم یکن لمسجد منزلہ مؤذن فانہ یذھب الیہ ویؤذن فیہ ویصلی ولو کان وحدہٗ لان لہ حقًا علیہ فیؤدیہ۔

(ردالمختار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۹ احکام المساجد) [1]

قَدْقَامَتِ الصَّلوٰۃ پر وقف کرنا

سوال:۔ قَدْقَامَتِ الصَّلوٰۃ پڑھنے کی کیا کیفیت ہے؟ ہر کلمہ پر وقف ضروری ہے یا پہلے کلمہ کا وصل کرکے دوسرے پر وقف کیا جائے؟

الجواب:۔ اذان اور اقامت پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن کرکے پڑھے اذان میں حقیقتاً وقف کیا جائے اور اقامت میں بہ نسبت وقف ساکن پڑھا جائے، اسی طرح قد قامت الصلوٰۃ کو بھی دونوں مرتبہ بہ نیت وقف ساکن کرکے پڑھا جائے، البتہ اذان واقامت کے تکبیرات میں ہر دو تکبیر ایک کلمہ شمار ہوتا ہے۔

لما قال العلامۃ عالم بن علاء الانصاری یترسل فی الاذان ویحدر فی الاقامۃ ..... الترسل ان یقول اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ویقف ثم یقول مرۃ اخری مثلہ وکذٰلک یقف بین کلمتین الی اخر الاذان والحدر الوصل والسرعۃ۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۵۱۸ باب الاذان) [2]

---

[1] وفی الخلاصۃ: وان لم یکن لمسجد منزلہ مؤذن فانہ یؤذن ویصلی وان کان ھناک واحد فان کان لایحضر احد کیف یصنع المؤذن قال یؤذن ویقیم ویصلی وحدہٗ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۸)

[2] قال العلامۃ الشرنبلالیؒ (ویتمھل) یترسل فی الاذان بالفصل بسکتۃ بین کل کلمتین ویسرع ای یحدر فی الاقامۃ للامر بھما فی السنۃ قال السید احمد الطحطاوی (تحت قولہ بین کلمتین) ای جملتین الا فی التکبیر الاول فان السکتۃ تکون بعد تکبیرتین۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۵۷، ۱۵۸ باب الاذان) ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۶۔

اذان کے دوران انگلیوں کا کانوں کے سوراخ میں رکھنے کا حکم

سوال:۔ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا سنت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اذان کی آواز میں تیزی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ آجکل کے دور میں لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اب یہ علت و سبب اختیار کرنے کی وجہ مفقود ہے اس لیے کہ بدون اس کے آواز بلند ہوتی ہے مگر تواتر کی وجہ سے آج بھی یہی عمل سنت ہے۔

لما قال العلامہ ابن نجیم المصریؒ: ولما کان ذٰلک ابلغ فی الاعلام لان الصوت یبدأ من مخارج النفس فاذا سدّ اذنیہ اجتمع النفس فی الفم فخرج الصوت عالیاً من غیر ضرورۃ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۶۰ باب الاذان) [1]

ریڈیو وغیرہ سے اذان کا حکم

سوال:۔ آجکل ریڈیو میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہے کیا اس اذان پر اکتفاء کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں، اسی طرح ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی کیسٹوں کے ذریعے دی گئی اذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں اذان دینے والے کا عاقل ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ صبی لا یعقل کی اذان کالعدوم ہے۔ چونکہ ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور ٹی وی میں یہ شرائط موجود نہیں اس لیے ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو وغیرہ کی اذان اذان نہیں، اس سے اذان کی سنیت ادا نہ ہوگی۔

قال العلامہ ابوبکر الکاسانیؒ: واما اذان الصبی الذی لا یعقل فلا یجزئ ویعاد لان ما یصدر لا عن عقل لا یعتد بہ کصوت الطیور۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۵۰ فصل بیان سنن الاذان) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ویجعل اصبعیہ) لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال رضی اللہ عنہ اجعل اصبعیک فی اُذنیک فانہ ارفع لصوتک وان جعل یدیہ علی اُذنیہ فحسن۔ (رد المحتار ج ۱ ص۲۸۵ باب الاذان)

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ان اذان الصبی الذی لا یعقل لا یجزئ ویعاد لان ما یصدر لا عن عقل لا یعتد بہ کصوت الطیور۔ (رد المحتار ج ۱ ص۲۹۰ باب الاذان)

مسجد کے اندر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ یہاں دیہات میں مساجد کے اندر اذانیں دی جاتی ہیں، کیا مساجد کے اندر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ مسجد سے باہر اذان دینے پر اصرار کرتے ہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں اذان دینا بالاتفاق جائز ہے البتہ اس کی کراہت اور عدم کراہت میں علماء کا قدرے اختلاف ہے، بعض بلا کراہت جواز کے قائل ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ مسجد میں اذان دینا تو جائز ہے مگر کراہت تنزیہی کے ساتھ۔

لما قال فخر الدین القاضی خانؒ: و ینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد۔ (الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۷۸ باب الاذان ومسائل الاذان) [1]

قد قامت الصلوٰۃ کے جواب کا حکم

سوال:۔ اذان کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں تو اقامت کے دوران قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں کیا کہنا چاہیئے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اقامہا اللہ وادامہا فرماتے تھے، اس لیے اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اقامہا اللہ وادامہا کہنا چاہیئے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویجیب الاقامة ندبا اجماعا کالاذان ویقول عند قد قامت الصلوٰۃ اقامها الله وادامها۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله ویقول الخ) ای کما رواه ابوداؤد وزیادة مادامت السمٰوٰت والارض وجعلنی من صالحی اهلها۔

(رد المحتار ج۱ ص۴۰۰ باب الاذان) [2]

---

[1] لما فی الهندیة: وینبغی ان یؤذن علی المأذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۵ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة)

ومثله فی کتاب الاصل ج۱ ص۱۳۱ باب الاذان۔

[2] لما فی الهندیة: واجابة الاقامة مستحبة هکذا فی فتح القدیر: واذا بلغ قوله قد قامت الصلوٰۃ یقول السامع اقامها الله وادامها مادامت السمٰوات والارض وفی سائر الکلمات یجیب کما یجیب فی الاذان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۷ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة)

دعا بعد الاذان میں والدرجۃ الرفیعۃ کے الفاظ کا ثبوت

سوال: اکثر مؤذنین سے سنا گیا ہے کہ وہ اذان کے بعد دعا میں والدرجۃ الرفیعۃ... وارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ انک لاتخلف المیعاد کے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں، کیا یہ الفاظ احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں یا نہیں ؟

الجواب: مستند اور معتبر کتب حدیث میں اذان کے بعد کی دعا ان الفاظ سے مروی ہے:
اللّٰھم ربّ ھٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰتِ محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودن الّذی وعدتہ ۔ امام بیہقیؒ نے انک لا تخلف المیعاد کی زیادتی نقل فرمائی ہے، اس کے علاوہ اِس دعا میں دیگر الفاظ کی زیادتی بے اصل ہے ان کو نہیں پڑھنا چاہیئے ۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ ، وروی البخاری وغیرہ من قال حین یسمع النداء اللّٰھم ربّ ھٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمدنِ الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودن الّذی وعدتہ حلت لہٗ شفاعتی یوم القیٰمۃ ۔وزاد البیہقی اِنّک لا تخلف المیعاد وتمامہ فی الامداد والفتح وقال ابن حجر فی شرح المنہاج وزیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ وختمہ بیا ارحم الراحمینَ لا اصل لھما۔ (ردالمحتار ج۱ ص۳۹۸ باب الاذان) [1]

نومولود بچے کے کانوں میں اذان دینے کا طریقہ

سوال: نومولود بچے کے کانوں میں اذان دینے کا کیا حکم ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: نومولود بچے کے کانوں میں اذان اور اقامت کہنا سنت ہے، طریقہ یہ ہے کہ بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر قبلہ رُخ کھڑے ہو کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے اور حسبِ معمول حیّ علی الصلوٰۃ کہتے وقت دائیں طرف اور حیّ علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف منہ پھیرا جائے ۔

لما قال العلامۃ السندی : فیرفع المولود عند الولادۃ علی یدیہ مستقبل القبلۃ

---

[1] قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ : واما زیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ المشتھرۃ علی الالسنۃ فقال السخاوی لم اراہ فی شئ من الروایات وزاد البیہقی فی روایۃ انک لا تخلف المیعاد واما زیادۃ ارحم الراحمین فلا وجود لھا فی کتب الحدیث۔ (بذل المجہود ج۱ ص۳۰۲ باب ما جاء فی الدعاء عند الاذان)
وَ مِثْلُہٗ فی اعلاء السنن ج۲ ص۱۲۵ باب الدعاء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الاذان ۔

ویؤذن فی اُذنه الیمنٰی ویقیم فی الیسرٰی و یلتفت فیھما بالصلوٰۃ لجھۃ الیمین وبالفلاح لجھۃ الیسار وفائدۃ الاذان فی اُذنه انه یدفع ام الصبیان عنه ۔

(تقریرات الرافعی ج۱ ص۵۱ باب الاذان)

اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

سوال:۔ اذان کے دوران جب مؤذن اشھد ان محمد رسول اللہ پڑھے تو سُننے والوں کیلیے اُس وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ صرف اذان کے وقت جب اذان ہورہی ہو تو اشھد انّ محمد رسول اللہ کے سننے پر شفاءِ عینین کے حصول کے لیے بغیر نیتِ ثواب اور سنت، واجب سمجھے کے انگوٹھے چومنا جائز ہے، اگرچہ بعض نے مستحب لکھا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ عمل صرف اذان کے ساتھ خاص ہے دیگر مقامات میں نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قوله لولم یجبه حتّٰی فرغ لم ارہ) یستحب أن یقال عند سماع الاولٰی من الشھادۃ: صلی اللہ علیک یارسول اللہ۔ وعند الثانیۃ منھا: قرت عینی بک یارسول اللہ۔ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائدًا له الی الجنّۃ۔

(ردالمحتار جلد ۱ ص۳۹۸ باب الاذان) لہ

لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ آجکل لاؤڈ سپیکر کو اذان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ آواز دُور تک پہنچ سکے، شرعًا اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان کی مشروعیت کا مقصد نماز کیلئے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نماز کی اطلاع دی جائے، اسلیئے فقہاء کرام نے مسجد کے مینارہ پر چڑھ کر اذان کہنے کی ترغیب دی ہے

لہ قال العلامۃ الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: یستحب ان یقول عند سماع الاولٰی من الشھادتین للنّبی صلی اللہ علیه وسلم صلی اللہ علیک یارسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرّتْ عینی بک یارسول اللہ اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ابھامیه علی عینیه۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۶۵ باب الاذان) وَمِثْلُهٗ فی السعایۃ ج۲ ص۱۱۱ باب الاذان۔

اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ موڑنے کو سنت قرار دیا ہے چونکہ موجودہ آلہ (لاؤڈ سپیکر) سے یہ مقصد بطریقِ احسن حاصل ہو سکتا ہے اسلئے لاؤڈ سپیکر پر اذان دینا جائز ہے۔

قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: ویحول وجہہ للصلوٰۃ والفلاح یمنۃ ویسرۃ لانہ خطاب للقوم فیواجہہم وان استدار فی صومعتہ فحسن ومرادہ اذا لم یستطع تحویل الوجہ یمیناً وشمالاً مع ثبات قدمیہ مکانہما کما ہو السنۃ بان کانت الصومعۃ متسعۃ فاما من غیر حاجۃ فلا والافضل للمؤذن ان یجعل اصبعیہ فی اُذنیہ بذلک امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالاً ولانہ ابلغ فی الاعلام۔ (الہدایۃ ج۱ ص۷۲ باب الاذان) [1]

دفعِ وبا کیلئے اذان دینے کا حکم

سوال:۔ وبائی امراض کے رفع کیلئے بطور علاج اذان دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ نماز کے علاوہ بعض مواقع ایسے ہیں جن میں سلف صالحین سے اذان دینا عملاً چلا آ رہا ہے۔ مثلاً جہاد کے دوران، غم اور انتہائی پریشانی کے وقت، غضب کے وقت، جب مسافر راہ بھول جائے، مرگی آ جائے، جانور یا انسان کی بدخلقی ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح وبائی امراض کے پھیلاؤ کے وقت اذان دینا بھی منقول ہے اسلئے ان مواقع میں فی ذاتہٖ اذان دینا مباح ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: وفی حاشیۃ البحر للخیر الرملی: رأیت فی کتب الشافعیۃ انہ قد یسن الاذان لغیر الصلوٰۃ کما فی اُذن المولود والمہموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بہیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق ..... عند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیہ اقول: ولا بعد فیہ عندنا۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۸۵ باب الاذان، مطلب فی المواضع التی یندب لہا الاذان) [2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب ان یجعل اصبعیہ فی اُذنیہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلالؓ اجعل اصبعیک فی اُذنیک فانہ ارفع لصوتک۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۱۰۶ باب الاذان)

[2] قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانویؒ: ان مواقع میں اذان سنت ہے: فرض نماز، بچہ کے کان میں بوقت ولادت، آگ لگنے کے وقت، جنگ کفار کے وقت، مسافر کے پیچھے، جب شیاطین ظاہر ہو کر ڈرائیں، غم کے وقت، غضب کے وقت، جب مسافر راہ بھول جائے، جب کسی کو مرگی آوے، جب کسی آدمی یا جانور کی بدخلقی ظاہر ہو۔ اس کو صاحب رد المحتار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض و خوف غرق کے بھی دیکھا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۱ ص۱۰۱ باب الاذان)

ومثلہٗ فی کفایت المفتی ج۳ ص۱۱ باب الاذان۔

کلماتِ اذان میں وقفہ کی مقدار

سوال:- جناب مفتی صاحب! مؤذن اذان دیتے وقت کلماتِ اذان میں کتنی دیر وقفہ کرے؟ یا بلا وقفہ کے مسلسل اذان دیتا رہے؟ شریعتِ مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:- یہ اذان کے آداب میں سے ہے کہ مؤذن کلماتِ اذان کے درمیان اتنی دیر وقفہ کرے کہ جواب دینے والا پڑھے گئے کلمات کا جواب آسانی سے دے سکے۔

قال العلامة عبد الحی اللکھنوی رحمہ اللہ: ویترسل فیہ ای فی الاذان بان یفصل بین کل الکلمتین ولا یجمع بینھما فانہ سنة۔ (السعایة ج۲ ص۱۳ باب الاذان) لہ

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا کیا جواب ہے

سوال:- جوابِ اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ وحَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے مقابلے میں تو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ پڑھا جائے گا لیکن فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کے جواب میں کیا پڑھا جائے گا؟

الجواب:- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب مؤذن اذانِ فجر میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کہے تو جواب دینے والا جواباً صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کے الفاظ یا مَاشَآءَ اللہ کے الفاظ کہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ: فی اذان الفجر قال المجیب صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ بفتح الراء الاولیٰ وکسرھا او یقول مَاشَآءَ اللہ عند قول المؤذن فی اذان الفجر اَلصَّلٰوۃُ

لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: (ویتمھل) یترسل فی الاذان بالفصل بسکتة بین کل کلمتین۔ قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: (تحت قولہ بین کلمتین) ای جملتین الا فی التکبیر الاول فان السکتة تکون بعد تکبیرتین۔
(طحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۱۵۸ باب الاذان)
وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیة ج۱ ص۵۱۸ باب الاذان۔

خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم۔ (مراقی الفلاح علی ہامش طحطاوی ص۱۱۰ باب الاذان) لہ

اذان قبلہ رُخ ہو کر پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اذان دیتے وقت قبلہ رُخ کھڑے ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مؤذن کو چاہیئے کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر اذان دے، شریعتِ اسلامی میں یہی طریقہ متوارث چلا آرہا ہے اس کے خلاف اذان نہ دی جائے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب ان یکون المؤذن صالحاً ای متقیاً لانہٗ امین فی الدین......... مستقبل القبلۃ کما فعلہ الملک النازل۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۱۵۸ باب الاذان) ۲ہ

اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو لمبا کرکے پڑھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض مؤذنین اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھتے ہیں، تو کیا لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان میں لفظ اللہ کے الف کو لمبا کرکے پڑھنے سے ہمزہ استفہام پیدا ہونے کا خوف ہوتا ہے جو کہ تغیرِ معنیٰ کا سبب ہے اسلئے فقہاءِ کرام نے لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کرکے پڑھنے سے منع کیا ہے

لہ وفی الھندیۃ: وکذا قول المؤذن اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم لایقول السامع مثلہٗ ولکن یقول صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کذا فی المحیط۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۷ الباب الثانی فی الاذان)

وَمِثْلُہٗ فی السعایۃ ج۲ ص۵۱ باب الاذان۔

۲ہ قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: والمستحب للمؤذن ان یستقبل القبلۃ استقبالاً ھٰکذا روی عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ عن النازل من السماء۔ وفی شرح الطحاوی ولو ترک استقبال القبلۃ اجزاہ ویکرہ۔
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۱ ص۵۱۵ باب الاذان)

لہٰذا ان دونوں جگہ الف پر مدّ نہ کیا جائے۔

قال العلامۃ عبد الحی اللکھنوی ؒ: لا یقول المؤذن آللّٰہ اکبر بمد الالف فانہٗ استفھام وانہ لحن شرعی الخ (السعایۃ ج۲ ص۱۵ باب الاذان) [1]

مؤذن کے کلماتِ اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم

سوال:۔ اذان کے کلمات کا جواب کب دیا جائے؟ یعنی اگر کوئی شخص مؤذن کے کلماتِ اذان مکمل طور پر پڑھنے سے قبل جوابی کلمات پڑھے تو کیا اس سے اذان کا جواب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اذان کا جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مؤذن کے کلماتِ اذان ختم کرنے کے بعد ان کا جواب دیا جائے، اور اگر کوئی شخص مؤذن کے کلماتِ اذان مکمل پڑھنے سے قبل ان کا جواب دیدے تو یہ فلسفۂ جوابِ اذان کے خلاف ہے۔

قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی: ان یقول مثلما یقول مثنیٰ مثنیٰ عقب کل جملۃ الا فی الحیعلتین فیحوقل۔الخ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۱ ص۵۵۳ باب الاذان) [2]

نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی نومولود کے کانوں میں اذان دیتے والے کے لیے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا ضروری ہے یا کہ منہ پھیرے بغیر بھی یہ سنت ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ کسی نومولود کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا

---

[1] وفی الھندیۃ: والمد فی اول التکبیر کفر وفی آخرہ خطأ فاحش۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۵۶ الفصل الثانی فی الاذان)

[2] فی الھندیۃ: یجب علی السامعین عند الاذان الاجابۃ وھی ان یقول مثل ما قال المؤذن الا فی قولہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ فانہ یقول مکان حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۵۷ الباب الثانی فی الاذان الفصل الثانی)

سنت ہے البتہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا ضروری نہیں بغیر منہ پھیرے ہی سُنت ادا ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: قال جماعۃ من اصحابنا یستحب ان یؤذن فی اذنہ الیمنی ویقیم الصلوٰۃ فی اذنہ الیسریٰ وقد روینا فی کتاب ابن السنی عن الحسین بن علی رضی اللہ عنہما مرفوعًا من ولد لہ مولود فاذن فی اذنہ الیمنی واقام فی اذنہ الیسری لم تضرہ ام الصبیان۔ قال المصنفؒ تحتہٗ وما ذکرہ بعض الفقہاء من تحویل الوجہ فی ھذا الاذان یمینًا وشمالًا لم اجد لہٗ اصلًا ولا یصح قیاسہ علی التحویل فی الاذان للصلوٰۃ لانہٗ للاعلام ولا حاجۃ الیٰ مثل ھذا الاعلام ھٰھنا۔ (اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۱۲۳ باب تفضیلۃ ذبح الشاۃ فی العقیقۃ)

خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہیئے

سوال: جس طرح مرد اذان کا جواب دیتے ہیں تو خواتین کے لیے بھی اسی طرح اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان کا جواب جس طرح مرد دیتے ہیں اسی طرح خواتین بھی اذان کا جواب دے سکتی ہیں بلکہ ان کی بھی یہ دینی ذمہ داری بنتی ہے کہ اذان کا جواب دیا کریں۔

عن میمونۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام بین صف الرجال والنساء فقال یامعشر النساء اذا سمعتن اذان ھذا الحبشی واقامتہ فقلن کما یقول فان لکن بکل حرف الف الف درجۃ قال عمرؓ فھذا للنساء یا رسول اللہ فما للرجال قال ضعفان یا عمرؓ۔ (الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۱۵ الترغیب فی اجابۃ المؤذن)[1]

حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے

سوال: کیا خواتین حالتِ حیض میں اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان

---

[1] قال العلامۃ عبد الحی اللکھنویؒ: قلتُ یستنبط منہ ان الاجابۃ باللسان واجبۃ علی النساء الطاھرات ایضًا وھو ظاھر عبارات فقہائنا۔
(السعایۃ ج ۲ ص ۵۱ باب الاذان)

کا جواب دینا صحیح نہیں ۔

لما قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : لا یجیب الجنب ولا الحائض لعجزهما عن الاجابۃ بالفعل۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۶۳ باب الاذان) [۱]

قد قامت الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ کے تاء پر ضمہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اقامت کہتے وقت اکثر مقیمین (اقامت کہنے والے) قد قامت الصلوٰۃ کے تاء پر پیش اور دوسرے جملہ قد قامت الصلوٰۃ کے تاء پر سکون (جزم) پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب:۔ اقامت کہتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہر کلمہ کے آخر میں پیش کی جگہ جزم (سکون) پڑھی جائے چاہے وہ اللہ اکبر کی راء ہو یا قد قامت الصلوٰۃ کی تاء، اس لیے الصلوٰۃ کی تاء پر پیش پڑھنا صحیح نہیں بلکہ جزم پڑھی جائے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وروی ذلک عن النخعی موقوفاً علیه ومرفوعاً الی النبی صلی اللہ علیه وسلم قال الاذان جزم والاقامۃ جزم والتکبیر جزم وفیه: وفی الامداد ویجزم الراء ای یسکنها فی التکبیر الخ

(رد المحتار ج ۱ ص۳۸۶ باب الاذان، مطلب فی الکلام علی حدیث الاذان جزم) [۲]

بعد الاذان دعا میں ہاتھ اٹھانا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اذان کے بعد دعا وسیلہ کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ اذان کے بعد دعا وسیلہ (مسنون دعا) کرتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے جائیں

---

[۱] قال العلامۃ عبد الحی اللکھنویؒ: لا یجیب الحائض والنفساء لعجزهما عن الاجابۃ بالفعل فکذا بالقول۔ (السعایۃ ج۲ ص۵ باب الاذان)

[۲] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: (تحت قوله یترسل فیه ویحدر فیها) یسکن کلمات الاذان والاقامۃ لکن فی الاذان ینوی الحقیقۃ وفی الاقامۃ ینوی الوقف ذکره الشارح وفی المبتغی والتکبیر جزم۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۵۸ باب الاذان)

ومثله فی السعایۃ ج۲ ص۱۲ باب الاذان۔

بلکہ بغیر ہاتھ اٹھائے دُعا مانگی جائے تاہم اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی سنت کے خلاف ہے۔

قال الشیخ مولانا محمد اشرف علی التھانویؒ: بالتخصیص دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا مگر مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ وفعلیہ مرفوعہ وموقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے من غیر تخصیص بدعاء دون دُعاء پس دعائے اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۵ باب الاذان)

کیا حضرت بلالؓ اذان میں شین کو سین پڑھتے تھے؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک صاحب سے سُنا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے وقت اَشْھَدُ کی بجائے اَسْھَدُ یعنی شین کی جگہ سین پڑھتے تھے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کی جگہ سین پڑھتے تھے لیکن علماء محققین نے اس کی تردید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ فصیح اللسان اور تیز وتُند آواز والی شخصیت تھے، اور جو بات ان کے بارے میں مشہور ہو چکی ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

قال العلامۃ عبدالحی الکھنویؒ: اشتھر علی السنۃ العوام ان بلالاً کان یبدل الشین المعجمۃ سیناً مھملۃ ولیس کذٰلک قال المزنی علیٰ ما نقلہ عنہ البرھان السفاقشی انہ قد اشتھر علی الالسنۃ ولم نرہ فی شیٔ من الکتب۔ وقال ابن کثیر لا اصل لہٗ ولا یصح۔ (السعایۃ ج ۲ ص ۷ باب الاذان)

باب شروط الصّلوٰۃ وارکانہا

(نماز کے شرائط و ارکان کا بیان)

زبان سے نیت کرنے کا حکم

سوال:۔ نماز کی نیت اگر صرف زبان سے کی جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز کے لیے دل سے نیت کرنا فرض ہے البتہ متاخرین فقہاء کرام نے زبان سے نیت کو مستحسن قرار دیا ہے تاکہ دل و دماغ دونوں حاضر ہو جائیں، البتہ اگر صرف زبان سے نیت کرے مگر دل کی نیت نہ ہو تو یہ نیت لغو اور بے کار ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: والتلفظ عند الارادۃ بہا مستحب ھو المختار۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۳۰۶ شروط الصلوٰۃ۔ بحث النیۃ) ۱؎

زبان سے نیت کے الفاظ میں غلطی کا حکم

سوال:۔ ہمارے ساتھ اکثر یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ ہم جلدی میں ایک وقت کی نماز میں شامل ہوتے ہیں مگر زبان پر غلطی سے کسی دوسرے وقت کی نماز کے الفاظ کا اجراء ہو جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے، نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ نیت دل کا عمل ہے، اگر دل میں اسی وقت کی نماز کا ارادہ ہو تو نماز ہو جائے گی اگرچہ زبان پر غلطی سے دوسرے وقت کی نماز کا اجراء ہو جائے ایسی غلطی کا کوئی اعتبار نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: والخامس النیۃ بالاجماع وھی الارادۃ المرجحۃ..... لا مطلق العلم فی الاصح..... والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۳۰۵ باب شروط الصلوٰۃ، مطلب بحث النیۃ) ۲؎

۱؎ وفی الھندیۃ: ولا عبرۃ للذکر باللسان فان فعلہ لتجتمع عزیمۃ قلبہ فھو حسن۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۶۵ الفصل الرابع فی النیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی السعایۃ فی حل شرح الوقایۃ ج۲ ص۹۹ باب شروط الصلوٰۃ۔

۲؎ وفی الھندیۃ: النیۃ ارادۃ الدخول فی الصلوٰۃ والشرط ان یعلم بقلبہ ای صلوٰۃ یصلی وادناہا ما لو سئل لامکنہ ان یجیب علی البدیھۃ..... ولا عبرۃ للذکر باللسان۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۶۵ الفصل الرابع فی النیۃ)

وفیہ ایضاً عزم علی الظہر وجری علی لسانہ العصر یجزیہ۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۶۶ الفصل الرابع فی النیۃ)

امام کی اقتدار کی نیت کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو مگر اس نے امام کی اقتدار کی نیت نہ کی تو کیا اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ امام کی اقتدار کی نیت صحتِ صلوٰۃ کے لیے شرط نہیں بلکہ تحصیلِ ثواب کے لیے شرط ہے۔ اگر کسی نے امام کی اقتدار کی نیت نہیں کی صرف نماز کی نیت کرکے امام کی اقتدار میں نماز پڑھی تو نماز تو ہو جائے گی مگر امام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا یشترط لصحۃ الاقتداء نیۃ امامۃ المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء احد بہ قبلہ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لنیل الثواب) معطوف علی قولہ لصحۃ الاقتداء ای بل یشترط نیۃ امامۃ المقتدی لنیل الامام ثواب الجماعۃ۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۲۴ شروط الصلوٰۃ مطلب بحث النیۃ) ؎۱

تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں

سوال:۔ کیا نماز میں تعداد رکعات کی تعیین کرکے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرض نمازوں کی ادائیگی میں وقت کا تعین کرنا ضروری ہے اس کے علاوہ رکعات کی گنتی ضروری نہیں بغیر نیت تعداد رکعات کے بھی نماز ہو جائے گی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا بد من التعیین عند النیۃ ------- لفرض ...... ولو قضاء لکنہ یعین ظہر یوم کذا علی المعتمد ... وواجب انہ وتر اونذر اوسجود تلاوۃ وکذا شکر بخلاف سہو دون تعیین عدد رکعاتہ لحصولہا ضمناً فلا یضر الخطأ فی عددھا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۴۱۸ باب شروط الصلوٰۃ) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا، پس حصول ثوابِ امامت کے لیے تو امامت کی نیت ضروری ہے۔
(امداد الفتاویٰ ج۱ ص۱۳۳ باب شروط الصلوٰۃ)

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: لان نیۃ عدد الرکعات لیست بشرط فی الفرض والواجب لان قصد التعیین مغن عنہ ولو نوی الظہر ثلاثاً والفجر اربعاً جاز۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۸۲)

رکوع وسجدہ میں ترتیب کا وجوب

سوال:۔ اگر کوئی شخص رکوع کیے بغیر سجدہ میں چلا گیا تو دوبارہ رکوع کی ادائیگی پر سجدہ کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رکوع وسجدہ میں ترتیب چونکہ واجب ہے اس لیے اگر کوئی شخص رکوع سے پہلے سجدہ کرے تو یہ سجدہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ رکوع کی طرف لوٹ کر رکوع ادا کرنے کے بعد از سر نو سجدہ کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: الترتیب بین الرکوع والسجود مثلاً فانہ فرض حتی لو سجد قبل الرکوع لم یصح سجود ھٰذہ الرکعۃ لان اصل السجود یشترط ترتبہ علی الرکوع فی کل رکعۃ کترتب الرکوع علی القیام۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۴۳۲ واجبات الصلوٰۃ) لہ

جیب میں نسوار کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ جیب میں نسوار یا سگریٹ رکھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے لیے مکان (جگہ) بدن اور کپڑوں کی پاکیزگی شرط ہے، اور نسوار فی ذاتہ ایک پاک چیز ہے اس میں نجاست کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اگر کسی کی جیب میں نسوار وغیرہ ہو تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

تطھیرا لنجاسۃ من بدن المصلی وثوبہ والمکان الذی یصلی علیہ واجب۔ ھٰکذا فی الزاھدی فی باب الانجاس۔ (الھندیہ ج ۱ ص ۵۸ الفصل الاول فی الطھارۃ) ۲ہ

تکبیر تحریمہ کی فرضیت

سوال:۔ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ شرط ہے یا سنت یا مستحب، اگر کوئی تکبیر نہ کہے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

لہ فالترتیب فیھا فرض حتی لو رکع قبل القیام او سجد قبل الرکوع لایجوز۔

(الھندیۃ ج ۱ ص ۷۱ واجبات الصلوٰۃ) ومثلہٗ فی البحرالرائق ج ۱ ص ۲۹۶ واجبات الصلوٰۃ۔

۲ہ قال الحصکفیؒ: (طھارۃ بدنہ) ای جسدہ لدخول الاطراف فی الجسد دون البدن فلیحفظ (من حدث) بنوعیہ وقدّمہ لانہ اغلظ و خبث مانع کذٰلک وثوبہ۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۱ ص ۴۰۲ باب شروط الصلوٰۃ)

ومثلہٗ فی الاختیار ج ۱ ص ۴۵ باب مایفعل قبل الصلوٰۃ۔

الجواب: تکبیرِ تحریمہ نماز کے فرائض میں سے ہے، بغیر تکبیرِ تحریمہ کے نماز نہیں ہوتی۔
قال الحصکفیؒ: من فرائضها التی لاتصح بدونها التحریمة قائماً وهی شرط فی غیر جنازة علی القادر
به یفتی۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله علی القادر) متعلق بشرط لتضمنه معنی الفرض ای وهی
شرط مفترضٌ علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۲ باب صفة الصلوٰة) ؎۱

نماز کی نیت کا حکم

سوال: ہمارے علاقہ میں چونکہ پشتو زبان بولی جاتی ہے اور اکثر نمازی پشتو میں ہی نیت کے الفاظ کہہ لیتے ہیں، اور ایسے ہی بعض لوگ دل میں نیت کر لیتے ہیں، کیا شرعاً دل میں نیت کرنا کافی ہے یا زبان سے بھی نیت کرنا ضروری ہے؟

الجواب: نیت نماز کے فرائض میں سے ہے لیکن نیت کا دائرہ بنیادی طور پر دل تک محدود ہے، تاہم عوام الناس اس سے غافل رہتے ہیں لہٰذا ان کے لیے دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کرنا بہتر ہے تاکہ زبان پر بولنے سے دل کے ارادے کا اظہار ہو سکے۔

ولاعبرة للذکر باللسان فان فعله لتجتمع عزیمة قلبه فهو حسن کذا فی الکافی ومن عجز عن احضار القلب یکفیه اللسان کذا فی الزاهدی۔
(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۶۵ باب شروط الصلوٰة) ؎۲

؎۱ منها التحریمة ...... وهی شرط عندنا حتی ان من یحرم للفرائض کان له ان یؤدی بها التطوع هکذا فی الهدایة۔
(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۶۸ باب صفة الصلوٰة۔ الفصل الاول)
ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹ باب صفة الصلوٰة۔

؎۲ قال الحصکفیؒ: والمعتبر فیها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذکر باللسان ان خالف القلب لانه کلام لانیة الا اذا عجز عن احضاره لهموم اصابته فیکفیه اللسان۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۱۵ شروط الصلوٰة)
ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۷۷ باب شروط الصلوٰة۔

ہسپتال کی یونیفارم میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص ہسپتال میں ملازم ہے وہ ہر وقت زخمیوں کو اٹھاتا ہے اور ان کو دوائیاں وغیرہ دیتا ہے، ان زخمیوں کی وجہ سے اس کے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں۔ کیا اس شخص کے لیے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز پڑھنے کے لیے چند شرائط ہیں جن میں کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اس لیے اگر ہسپتال کے ملازم کے کپڑے زخمیوں کے خون یا پیپ کے ذریعے ناپاک ہوئے ہوں تو یہ کپڑے تبدیل کرکے دوسرے کپڑوں میں نماز پڑھے، البتہ اگر دوسرے پاک کپڑے مہیا نہ ہوسکتے ہوں تو بوجہ مجبوری انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: الشرط شرعًا مايتوقف عليه الشئ ولا يدخل فيه هي ستة طهارة بدنه .... وكذا مايتحرك بحركته او يعد حاملاً له كصبي عليه نجس ... الخ (الدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ ص۴۰۲ باب شروط الصلوٰة) [۱]

دوکان میں نماز پڑھنا جائز ہے

سوال:۔ میری دوکان کے اوپر دوسری منزل میں ایک میوزک سنٹر ہے، کیا میں اپنی دوکان میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ جبکہ بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تمہاری نماز نہیں ہوتی اس لیے کہ دوکان میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

الجواب:۔ نماز کے لیے طہارتِ مکان ضروری ہے خواہ وہ کوئی بھی جگہ ہو، چاہے دوکان ہو یا گھر، مسجد ہو یا حجرہ، بشرطیکہ پاک ہو، اس لیے دوکان میں نماز پڑھنا درست ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: الشرط شرعًا مايتوقف عليه الشئ ولا يدخل فيه هي ستة طهارة بدنه اي جسده لدخول الاطراف في الجسد دون البدن من حدث بنوعيه وقدمه لانه اغلظ وخبث مانع كذلك ثوبه ..... ومكانه اي موضع قدميه او احداهما ان رفع الاخرى وموضع سجوده اتفاقاً في الاصح ۔ الخ

(الدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ ص۴۰۲ باب شروط الصلوٰة) [۲]

---

[۱] وفي الهندية: تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۵۸ الباب الثالث في شروط الصلوٰة، الفصل الاول في الطهارة)

[۲] وفي الهندية: تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۵۸ الباب الثالث في شروط الصلوٰة، الفصل الاول في الطهارة)

جیل خانہ کی جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: مجھے پشاور سنٹرل جیل سے ایک دوست نے ایک جائے نماز بھیجی ہے، کیا میں اس پر نماز پڑھ سکتا ہوں جبکہ وہاں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں؟

الجواب: نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز کا پاک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ پاکی یقینی ہوتی ہے جو شک سے زائل نہیں ہوتی، اس لیے جیل سے آیا ہوا جائے نماز پاک ہے اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: لوشك في نجاسة ماء اوثوب او طلاق اوعتق لم يعتبر۔ قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله ولوشك) في التاتارخانية من شك في انائه اوثوبه او بدنه اصابته نجاسة اولاً فهو طاهر ما لم يستيقن الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۱۵۱ قبيل المطلب في ابحاث الغسل) [۱]

مسجد کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

سوال: آجکل لوگوں کا ایک دستور بن چکا ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے اپنی ٹوپیاں یا رومال وغیرہ ساتھ نہیں لاتے بلکہ مسجد میں پڑی ہوئی ٹوپی پہن کر نماز پڑھ لیتے ہیں، جبکہ بازار یا دیگر مقامات میں ان ٹوپیوں کے ساتھ آنے جانے کو عار سمجھتے ہیں، تو کیا مساجد میں پڑی ہوئی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز ایسی اہم عبادت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوتی ہے اس لیے نماز پڑھنے کے لیے عمدہ اور بہترین لباس پہننا افضل ہے ورنہ کم ازکم ایسا لباس پہننا چاہیئے کہ جس کے ساتھ دیگر مقامات میں جانے کو عار نہ سمجھا جائے، اسلئے فقہاء کرام نے ثیابِ بذلہ یعنی گندے لباس کے ساتھ نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر نمازی اپنی ٹوپی ساتھ لائے ورنہ بصورتِ دیگر مساجد کی ٹوپیاں استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں، تاہم نماز ہو جائے گی۔

---

[۱] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: من شك في انائه اوثوبه اوبدنه اصابته نجاسة أم لا فهو طاهر مالم يستيقن۔
(الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص۱۲۶ كتاب الطهارة الوضوء ما نوع مسائل الشك)

تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اُٹھایا جائے

سوال: تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ تفصیلاً ارشاد فرمائیں۔

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مختلف روایات مروی ہیں، فقہ حنفی کی تحقیق کے مطابق کانوں کی لَو تک ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے۔

بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ انگلیوں کے سروں کو کانوں کی لَو کے برابر کیا جائے جبکہ انگوٹھوں کو کندھوں کے مقابل کیا جائے تو دونوں روایات پر عمل ہو جائے گا۔

روا ہ ابو داوٗد السجستانیؒ: عن وائل بن حجر قال رأیت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع ابہامیہ فی الصلوٰۃ الیٰ شحمۃ اُذنیہ۔ (بذل المجہود شرح ابی داوٗد ج۲ ص۱۸ باب افتتاح الصلوٰۃ) [1]

تکبیرِ تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا ارسال یا سیدھا باندھنا

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر پھر باندھتے ہیں، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب: تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر باندھا جائے یا بغیر لٹکائے باندھا جائے دونوں طرح درست ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیرِ تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھا جائے لٹکانا نہیں چاہیئے، یہی افضل ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ووضع الرجل یمینہ علیٰ یسارہ تحت سرتہ اخذاً رسغہا بخنصرہ وابہامہ ہو المختار تضع المرأۃ والخنثیٰ الکف علی الکف تحت ثدییہا کما فرغ من التکبیر بلا ارسال فی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ (تحت قولہ بلا ارسال) ہو ظاہر الروایۃ۔

(رد المحتار ج۱ ص۴۸۶ ارکان الصلوٰۃ، مطلب فی بیان المتواتر والشاذ) [2]

---

[1] عن مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا کبر رفع یدیہ حتیٰ یحاذی بہما اُذنیہ وفی روایۃ حتیٰ یحاذی بہما فروع اُذنیہ۔

(اعلاء السنن ج۱ ص۱۰۸ باب افتراض التحریمۃ وسننہا)

وَمِثْلُہٗ صحیح مسلم ج۱ ص۱۶۸ باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین۔

[2] قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: (تحت قولہ تحت سرتہ) وعند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ یضع کما فرغ من التکبیر ولا یرسل وبہ جزم قاضیخان فی فتاواہ ولم یذکر خلافاً الخ (السعایۃ ج۲ ص۱۵۶ باب صفۃ الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج۱ ص۴۷۱ باب صفۃ الصلوٰۃ)

مکی کیلئے نماز پڑھتے وقت عینِ کعبہ یا جہتِ کعبہ کا حکم

سوال:۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مکی کے لیے عینِ کعبہ اور آفاقی کیلئے جہتِ کعبہ ضروری ہے، لیکن آجکل شہر مکہ میں بڑی بڑی عمارتیں مسجد حرام اور مصلی کے درمیان حائل ہیں، اس صورت میں سمتِ قبلہ کی تعیین کس طرح کی جائے ؟

الجواب:۔ یہ حکم اُس مکی کے لیے ہے جس کو کعبۃ اللہ دکھائی دیتا ہو تو اس پر لازمی ہے کہ وہ عین کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے اور جس کو کعبہ دکھائی نہ دیتا ہو تو اس کے لیے بھی آفاقی کی طرح جہتِ کعبہ کافی ہے اگرچہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی رہتا ہو۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فللمکی اصابۃ عینھا بیعم المعاین وغیرہ لکن فی البحر انہ ضعیف والاصح ان ما بینہ وبینھا حائل کالغائب۔[1]

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ا صـ۴۲۷، ۴۲۸ باب شروط الصلوٰۃ)

حطیم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ ہم نے کتابوں میں دیکھا ہے کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے، لہٰذا اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگرچہ خبر احاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ ہے لیکن یہ امر ظنی ہے اور استقبالِ قبلہ قطعی الثبوت دلیل سے ثابت ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرے تو نماز نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کاستقبالہ احتیاطاً) فانہ اذا استقبلہ المصلی لم تصح صلوٰتہ لان فرضیۃ استقبال القبلۃ ثبتت بالنص القطعی وکون الحطیم من الکعبۃ ثبتت بالاحاد فصار کانہ من الکعبۃ من وجہ دون وجہ۔ (رد المحتار ج۲ صـ۴۹۶ بحث الطواف)[2]

سمتِ قبلہ کی تعیین کے لیے قبلہ نما کے استعمال کا حکم

سوال:۔ دورِ حاضر میں لوگ قبلہ کی تعیین کے لیے قبلہ نما استعمال کرتے ہیں اس کی

---

[1] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: وفی الدرایۃ من کان بینہ وبین الکعبۃ حائل الاصح انہ کالغائب۔ (کبیری صـ۲۱۷ الشرط الرابع)

[2] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: الکعبۃ اسم للعرصۃ.... ولو صلی الی الحطیم وحدہ لا یجوز۔ (کبیری صـ۲۲۵ الشرط الرابع فروع فی شرح الطحاوی)

شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ نماز پڑھنے کے لیے ایک اہم رُکن شہروں اور دیہاتوں میں استقبالِ قبلہ ہے یا جہتِ قبلہ ہے۔ فقہاءِ کرام نے اس کی پہچان کے لیے پہلے زمانے کی مساجد اور ان کے محرابوں کو دلیل ٹھہرایا ہے اور صحراؤں میں ستاروں کو دلیل قرار دیا ہے جس سے غالب گمان ہوتا ہے کہ قبلہ اس طرف ہے۔ چونکہ موجودہ دور کا یہ آلہ (قبلہ نما) ظنِ غالب کی تحصیل کے لیے زیادہ کارآمد ہے اس لیے قبلہ کی تعیین کے لیے اس کا استعمال شرعاً درست ہے اور اس سے قبلہ کا صحیح رُخ متعین ہو جاتا ہے۔

لما قال فی الھندیۃ: وجھۃ الکعبۃ تعرف بالدلیل والدلیل فی الامصار والقریٰ المحاریب التی نصبھا الصحابۃ والتابعون فعلینا اتباعھم فان لم تکن فالسؤال من اھل ذلک الموضع واما فی البحار والمفاوز فدلیل القبلۃ النجوم۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۶۳ الفصل الثالث فی استقبال القبلۃ)[له]

ریل گاڑی میں دورانِ نماز استقبالِ قبلہ ضروری ہے

سوال:۔ ریل گاڑی میں سفر کے دوران نماز کا وقت بھی آتا ہے لیکن اس میں قبلہ کا بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ قبلہ کا صحیح پتہ نہیں چلتا اور اگر چل بھی جائے تو ریل گاڑی کا کبھی کبھی عین نماز کے دوران قبلہ کی طرف سے رُخ مڑ جاتا ہے تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بعض ٹرینوں کی وضع اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ مسلمان کے لیے ان میں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہوتا ہے لہٰذا شروع نماز سے اختتام تک قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھے۔ اگر ابتداء میں قبلہ رُخ ہو کر نماز شروع کی اور درمیان میں ریل گاڑی قبلہ رُخ سے ہٹ گئی تو نمازی دورانِ نماز اپنا رُخ قبلہ کی طرف پھیرے، تاہم اگر ریل گاڑی میں ہجوم اتنا زیادہ ہو کہ رُخ پھیرنا ممکن نہ ہو تو بصورتِ مجبوری نماز ہو جائے گی، اس کی مثال فقہی ذخائر میں لنگر انداز کشتی جیسی ہے۔

له وتعرف بالدلیل وھو فی القریٰ والامصار محاریب الصحابۃ والتابعین وفی المفاوز والبحار النجوم کالقطب: قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کالقطب)...... وعلیٰ ما وضعوہ لھا من الآلات کالربع والاصطرلاب فانھا لم تفد الیقین تفید غلبۃ الظن للعالم بھا وغلبۃ الظن کافیۃ فی ذلک۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۴۳۰ کتاب الصلوٰۃ، ارکان الفرائض)

قال العلامة الحصکفیؒ :...... والمربوطة بلجة البحران کان الریح یحرکها شدیداً فکالسائرة والا فکالواقفة ویلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وکلما دارت۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۱۰۱ باب صلوٰۃ المریض)[1]

ریل گاڑی میں بھی نماز کیلئے قیام فرض ہے

سوال:۔ ہم پشاور سے کراچی تک کا سفر ریل گاڑی سے کرتے ہیں، ریل گاڑی میں کثرتِ ازدہام کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے، ایسی صورت میں ہم بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قیام فرض ہے بغیر شرعی عذر کے اس کا ترک کرنا درست نہیں، اسلئے پہلے تو اپنے ہمسفر لوگوں سے درخواست کر کے نماز کے لیے جگہ مانگی جائے، اگر وہ جگہ نہ دیں تو پھر بیٹھ کر نماز ادا کر لی جائے مگر اس کا اعادہ لازم ہے، البتہ اگر سر ٹکرانے یا گر جانے کا خطرہ ہو تو پھر بلا اعادہ جائز ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: الاسیر فی ید العدو اذا منعه الکافر عن الوضوء والصلوٰة یتیمم ویصلی بالایماء ثم یعید اذا خرج...کالمحبوس لان الطهارة التیمم تظهر فی منع وجوب الاعادة ثم قال فعلم منه ان العذر ان کان من قبل الله تعالیٰ لاتجب الاعادة وان کان من قبل العبد وجب الاعادة۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۴۹ باب التیمم)

---

[1] وقال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: اگر کسے در ریل نماز فرض خواند پس استقبالِ قبلہ وقیام ورکوع وسجود وغیرہ جملہ ارکانِ صلوٰۃ ادا کردن ضروری است ومحض از سواری ریل استقبال ساقط نمی شود چرا کہ باوجود تحویل الواح بہ قدرے وقت وتکلف استقبال ممکن است، اگر بلا مجبوری ترکِ استقبال کرد نماز جائز ادا نمی شود واگر مستقبل قبلہ بودہ نماز شروع کرد و در حالتِ صلوٰۃ سمتِ قبلہ مبدل گردد پس مصلی را ضروری است کہ آں ہم متوجہ قبلہ بودہ نماز تمام کند کہ جملہ ارکانِ صلوٰۃ ادا شوند ومصلی ریل را در نماز فرض قعود قطعاً جائز نیست ودر صلوٰۃِ نفل جائز است، البتہ اگر فی الحقیقت ہجوم ایں قدر باشد کہ حرکت رکوع وسجود ممکن نیست ونیز بر صلوٰۃ از خارج ریل قادر نیست بلا استقبال وبلا قیام ادا کند وایں صورت نادر است۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۴۶ ارکان الصلوٰۃ فصل ثالث استقبالِ قبلہ)

دورانِ نماز قیام میں دونوں پاؤں کے درمیانی فاصلہ کا حکم

سوال:۔ حالتِ قیام میں نمازی کو دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہیے؟ بعض لوگ دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت تک فاصلہ رکھتے ہیں، ان کا ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ یہ نماز کے آداب میں سے ہے کہ نمازی دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کے برابر فاصلہ رکھے، اتنا فاصلہ نہ رکھے جس سے توازن بگڑ جائے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ (تحت قولہ منھا القیام) وینبغی ان یکون بینھما مقدار اربع اصابع الید لانہ اقرب الی الخشوع۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۴۴ فرائض الصلوٰۃ)[1]

بلا عذر ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نماز میں ایک پاؤں پر بلا عذر شرعی کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں دونوں پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے، فقہاء کرام نے ایک پاؤں پر بلا عذر کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں سستی اور کاہلی ظاہر ہوتی ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ومنھا القیام) ویکرہ القیام علیٰ احد القدمین فی الصلوٰۃ بلا عذر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۴۴ فرائض الصلوٰۃ)[2]

نماز میں قرأت کا حکم

سوال:۔ نماز میں قرأتِ قرآن کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں قرآنِ کریم کی قرأت لا علی التعیین فرض ہے جس کی مقدار ایک آیت ہے، اس مقدار کی قرأت نفل، وتر اور سنن کے جمیع رکعات میں فرض ہے اور فرائض کی دو رکعات میں البتہ تین آیات یا سورت اور فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں واجب ہے۔

---

[1] قال العلامۃ عبدالحی الکھنویؒ: ویستحب ان یکون بین الرجلین عند القیام مقدار اربعۃ اصابع کما فی البزازیۃ وغیرھا لکونہ اقرب الی الخشوع۔ (السعایۃ ج۲ ص۱۱۱ باب صفۃ الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۵۳ فصل اول، باب صفۃ الصلوٰۃ)

[2] وفی الھندیۃ: ویکرہ القیام علیٰ احد القدمین من غیر عذر، وتجوز الصلوٰۃ وللعذر لا یکرہ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۶۹ الباب الرابع فی صفۃ الصلوٰۃ، الفصل الاول)

وَمِثْلُہٗ فی الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص۵۸ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله منها القرأة) ای قرأة آیة من القرآن وهی فرض عملی فی جمیع رکعات النفل والوتر وفی رکعتین من الفرض کما سیأتی متناً فی باب الوتر والنوافل واما تعیین القرأة فی الاولیین من الفرض فهو واجب وقیل سنة لا فرض کما سنحققه فی الواجبات واما قراءة الفاتحة والسورة او ثلاث آیات فهی واجبة ایضاً۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۶ فرائض الصلوٰة) [1]

سجدہ کو جاتے وقت زمین پر اولاً ہاتھ رکھنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ سجدہ کو جاتے وقت زمین پر اولاً ہاتھ رکھتے ہیں اور پھر گھٹنے حالانکہ ہم نے علماء کرام سے سُنا ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھنے چاہئیں پھر ہاتھ، تو کیا مذکورہ صورت جائز ہے اور اس طرح سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ میں دونوں طرح کی صورتیں مروی ہیں۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں وضع الرکبتین قبل الیدین (گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے) کے الفاظ ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں وضع الیدین قبل الرکبتین کا ذکر ہے۔ مگر علماء احناف نے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت کو دیگر مؤیدات کی وجہ سے راجح قرار دیا ہے اسلیے سُنت یہ ہے کہ پہلے زمین پر گھٹنے رکھے جائیں اور پھر ہاتھ، البتہ اگر کوئی عذر ہو تو پہلے ہاتھ رکھے جا سکتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ویسجد واضعا رکبتیه اولا لقربهما من الارض ثم یدیه الا لعذر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۷ فصل اذا اراد الشروع) [2]

حالتِ سجدہ میں پاؤں کا اُٹھانا

سوال:۔ نماز میں سجدہ کے دوران بعض لوگ دونوں پاؤں اوپر اٹھا لیتے ہیں، اس طرح کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑے

---

[1] قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ : وفرض القرأة آیة۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۱ ص ۳۳۸ باب صفة الصلوٰة)

[2] قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ : ثم کبر ووضع رکبتیه ثم یدیه ثم وجهه بین کفیه قال ابن نجیم المصریؒ : (تحت قوله ثم کبر ووضع الخ) لما کان یفعله علیه السلام ..... انه اذا اراد السجود یضع اولا ما کان اقرب الی الارض فیضع رکبتیه اولاً ثم یدیه ... الخ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۱۷ باب صفة الصلوٰة)

گیا نہیں؟

الجواب:۔ سجدہ میں قدمین کا کوئی بھی حصہ زمین پر رکھنا ضروری ہے اگرچہ ایک انگلی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر قدمین میں سے کوئی بھی حصہ زمین پر نہ رکھا گیا تو سجدہ صحیح نہ ہوگا جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

قال الحصکفیؒ: ومنها السجود بجبهتہ وقدمیہ ووضع اصبع واحدۃ منهما شرط۔
قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وقدميه) يجب اسقاطه لان وضع اصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد وافاد انه لولم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود وهو مقتضى ما قدمناه آنفا۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۴۷ بحث الركوع والسجود)[1]

کورِ عمامہ (پگڑی کے بل) پر سجدہ کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جو عمامہ پہنتے ہیں وہ عمامہ کے کور پر ہی نماز میں سجدہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے نہ ناک زمین پر لگتی ہے اور نہ پیشانی، تو اس طرح سجدہ کرنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عمامہ کا کور پیشانی پر ہو تو اسی حالت میں عمامہ کے کور پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، اور اگر کورِ عمامہ پیشانی سے اوپر ہو اور سجدہ کورِ عمامہ پر کیا جائے تو اس صورت میں سجدہ ادا نہیں ہوا اس لیے کہ پیشانی یا ناک زمین پر نہیں رکھی گئی لہٰذا اس صورت میں نماز پڑھنا درست نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: کما یکرہ تنزیہا بکور عمامتہ الا بعذر وان صح عندنا بشرط کونہ علی جبهتہ کلها او بعضها کما مر اما اذا کان الکور علی راسہ فقط وسجد علیہ مقتصراً ای ولم تصب الارض جبهتہ ولا انفہ علی القول بہ لا یصح لعدم السجود علی محلہ الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۰۰ فصل اذا اراد الشروع)[2]

---

[1] وفی الهندیۃ: ولو سجد ولم یضع قدمیہ علی الارض لا یجوز ولو وضع احدهما دون الاخری جاز مع الکراهۃ ان کان بغیر عذر۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص۷۰ الباب الرابع فی صفۃ الصلوٰۃ۔ الفصل الاول)

وَمِثْلُہٗ فی کبیری ص۲۸۴ الخامس السجدۃ۔

[2] قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: وکرہ باحدهما وبکور عمامتہ اھ قال ابن نجیمؒ (تحت قولہ وکرہ باحدهما الخ) ان صحۃ السجود علی الکور اذا کان الکور علی الجبهۃ او بعضها اما اذا کان علی الرأس فقط وسجد علیہ ولم تصب جبهتہ الارض علی القول بتعینها ولا انفہ علی القول بعدم تعینها فان الصلوٰۃ لا تصح لعدم السجود علی محلہ وکثیر من العوام یتساهل فی ذلک۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۱۹ باب صفۃ الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۱۱۴ فصل شروط الصلوٰۃ وارکانها۔

تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ آجکل لڑکیوں کے والدین شادی کے وقت جہیز میں یا لڑکے والے اس کے لیے فرنیچر میں نماز پڑھنے کے لیے ایک تخت بنواتے ہیں جس کو پشتو میں "تختہ پوش" کہا جاتا ہے، شرعاً اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ ایسے تخت لکڑی سے بنائے جاتے ہیں جو کہ سخت ہوتی ہے، حالت سجدہ یا رکوع یا قیام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس لیے ایسے "تختہ پوش" پر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ زمین پر رکھا ہوا ہو۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: لا یصح لعدم السجود علی محله وبشرط طهارة المکان وان یجد حجم الارض ۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قوله ان یجد حجم الارض) تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلك فصح علی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة ان کانت علی الارض لا علی ظهر حیوان کبساط مشدود بین اشجار۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۰ فصل اذا اراد الشروع) [1]

قالین اور فوم کے گدوں پر نماز کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد میں ایک صاحب خیر نے نمازیوں کے لیے قالین بچھایا ہے جو بہت نرم ہے، کیا اس قالین پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے۔ لہٰذا اگر قالین پر سجدہ کے دوران نیچے کی زمین کی سختی کا ادراک ہو سکتا ہو تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں، چونکہ آجکل کے قالینوں میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے اس لیے قالین کارپٹ، دری وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ موٹے اور لچکدار فوم پر نماز جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: لا یصح لعدم السجود علی محله وبشرط طهارة المکان وان یجد حجم الارض ۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قوله ان یجد حجم الارض) ...... او حشیش الا ان وجد حجمه

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: والاصل کما انه یجوز السجود علی الارض یجوز علی ما هو بمعنی الارض مما تجد جبهته حجمه وتستقر علیه وتفسیر وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلك فیصح السجود علی الطنفسة والحصیر والحنطة والشعیر والسریر والعجلة ان کانت علی الارض لانه یجد حجم الارض ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۱۹ باب صفة الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۵۲ فصل اول صفة الصلوٰة ۔

ومن هنا یعلم الجواز علی طراحة القطن فان وجد الحجم جاز والا فلا ۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۰ فصل اذا اراد الشروع) [1]

قعدۂ اخیرہ کا حکم

سوال:۔ نماز میں قعدۂ اخیرہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی فرض ہے یا واجب؟

الجواب:۔ قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور بعض فرض کہتے ہیں، بعض کی رائے رُکنیت کی ہے جبکہ بعض اس کو شرط قرار دیتے ہیں، راجح یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض اور شرط ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ومنها القعود الاخیر والذی یظهر انه شرط لانه شرع للخروج کالتحریمة للشروع۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله والذی یظهر) اختلف فی القعدة الاخیرة قال بعضهم هی رکن اصلی۔ وفی کشف للبزدوی: انها واجبة لا فرض لکن الواجب هنا فی قوة الفرض فی العمل کالوتر وفی خزانة الروایات انها فرض ولیست برکن اصلی بل هی شرط للتحلیل وجزم بانها فرض فی الفتح والتبیین۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۸ فرائض الصلوٰة فی بحث القعود الاخیر) [2]

قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر کافر نہیں

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد میں دو آدمیوں کے درمیان بحث ہو رہی تھی، ایک نے کہا کہ جو شخص نماز میں قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر ہو تو وہ کافر نہیں اور دوسرا اس کو کافر کہہ رہا تھا، اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کی بات صحیح ہے اور کون حق پر ہے؟

الجواب:۔ قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف روایات فقہاء کرام سے مروی ہیں

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: والاصل کما انه یجوز السجود علی الارض یجوز علی ما هو بمعنی الارض مما تجد جبهته حجمه وتستقر علیه وتفسیر وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلك۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۱۹ باب صفة الصلوٰة)

[2] قال العلامة بدر الدین العینی: وذکر فی الایضاح اما القعدة الاخیرة فمن جملة الفروض ولیست من الارکان لان الشیٔ مایتقوم به ذلك الشیٔ وتفسیر الصلوٰة لا یقع بالقعدة وانما یقع بالقیام والقراءة والرکوع والسجود وانما انعدمت الرکنیة فی القعدة لانها اعتدت نفیرها لا لعینها لان الصلوٰة لتعظیم وهو بالقیام وذا بالرکوع ویتناهی بالسجود والقعدة للخروج۔ (البنایة ج ۲ ص ۱۶۸ باب صفة الصلوٰة)
ومثله فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۱۲۸ باب شروط الصلوٰة وارکانها۔

کشف الاسرار للبزدوی میں ہے کہ قعدۂ اخیرہ واجب ہے فرض نہیں لیکن یہ وجوب فرضیت کے حکم میں ہے۔ اور صاحب خزانۃ الروایات فرماتے ہیں کہ فرض ہے اور اسی کو ابن الہمامؒ اور فخر الدین الزیلعیؒ نے راجح قرار دیا ہے۔

بناء بریں اختلاف اگر کوئی نماز میں قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا منکر ہو تو کافر نہیں البتہ مشروعیت کا منکر کافر ہے، اس لیے اول شخص کی بات صحیح ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لا یکفر منکر) الظاھر ان المراد منکر فرضیتہ لانہ قیل بوجوبہ کما فی القھستانی واما منکر اصل مشروعیتہ فینبغی ان یکفر لثبوتہ بالاجماع بل معلوم من الدین بالضرورۃ افادہ ویؤیدہ ما قالوا فی السنن الرواتب من لم یرھا حقاً کفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۲۸ فرائض الصلوٰۃ فی بحث القعود الاخیر)[1]

خارج ہونے کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کو دورانِ نماز سجدہ کرنے وقت ہوا خارج ہونے کی بیماری ہے لیکن قیام اور رکوع کی حالت میں درست اور صحیح رہتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے نماز میں سجدہ کرنا ضروری ہے یا صرف اشارے سے سجدہ کرلے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ عذرِ شرعی کی کیفیت ہے اس لیے یہ شخص نماز میں قیام اور رکوع کے بعد اشارے سے سجدہ کرے، اگر کھڑے ہو کر اشارے سے سجدہ کرنا آسان ہو تو کھڑے ہو کر اشارے سے سجدہ کرے ورنہ بیٹھ کر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ الشرنبلالیؒ: وان تعذر الرکوع والسجود وقدر علی القعود ولو مستنداً صلی قاعداً بالایماء للرکوع والسجود برأسہ ولا یجزیہ مضطجعاً وجعل ایماءہ برأسہ للسجود اخفض من ایماءہ برأسہ للرکوع۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۳۵ باب صلوٰۃ المریض)

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وحکم الواجب استحقاق العقاب بترکہ عمداً وعدم اکفار جاحدہ والثواب بفعلہ ولزوم سجود السہو لنقص الصلوٰۃ بترکہ سہواً۔ اھ

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۹۹،۲۰۰ فصل فی واجبات الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص۶۲۲ الفصل الخامس ارکان الصلوٰۃ۔

باب واجبات الصلوٰة

(نماز کے واجبات کے بیان میں)

جماعت میں امام کا تنہارہ جانا

سوال:- اگر کہیں امام کے مقتدی دورانِ جماعت امام کو اکیلے چھوڑ کر بھاگ جائیں تو امام تکبیرات میں جہر کرے گا یا اخفاء؟

الجواب:- مقتدیوں کے بھاگ جانے سے امام کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اس صورت میں امام کی حالت ایک منفرد کی ہو جائیگی، لہٰذا سری نمازوں میں اخفاء کرے اور جہری نماز میں جہر بھی جائز ہے۔

وان کان منفرداً ان کانت صلوٰة یخافت فیها یخافت حتما هو الصحیح وان کانت صلوٰة یجهر فیها فهو بالخیار والجهر افضل ولکن لایبالغ مثل الامام لانه لایسمع غیره کذا فی التبیین ولا یجهر الامام نفسه بالجهر کذا فی البحر الرائق۔

(الفتاویٰ الهندیه ج۱ ص۷۲ واجبات الصلوٰة، الفصل الثانی) ؎۱

قعدۂ اولیٰ واجب ہے

سوال:- تین یا چار رکعت فرض نماز میں تو قعدۂ اولیٰ واجب ہے کیا نفل نماز (صلوٰۃ التسبیح وغیرہ) میں بھی قعدۂ اولیٰ واجب ہے؟

الجواب:- قعدۂ اولیٰ جس طرح تین یا چار رکعت فرض نماز میں واجب ہے اسی طرح نوافل، سُنن اور وتر میں بھی واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولها واجبات..... والقعود الاول ولو فی نفل فی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۶۵ باب صفة الصلوٰة مطلب واجبات الصلوٰة) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن عابدینؒ: والاسرار یجب علی الامام والمنفرد فیما یسر فیه وهو فی صلوٰة الظهر والعصر۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۶۹ واجبات الصلوٰة)

ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۳۰۲ واجبات الصلوٰة۔

؎۲ قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: ومن الواجبات القعدة الاولیٰ لما مر (الکبیری ص۲۹۶ واجبات الصلوٰة)

ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۳۰۰ واجبات الصلوٰة باب صفة الصلوٰة۔

تعدیلِ ارکان واجب ہے

سوال :۔ بعض لوگ نماز کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ مُرغ دانوں پر ٹھونگے مارتا ہے، اس قسم کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ کا تعلق واجباتِ صلوٰۃ سے ہے۔ نماز میں ارکانِ نماز کو طمینان اور تعدیل سے ادا کرنا واجب ہے، جو نماز تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا نہ کی جائے تو وہ واجب الاعادہ ہے، البتہ اگر سہواً متروک ہوجائے تو سجدہ سہو سے نماز درست ہوجائے گی۔

قال الحصکفیؒ: لہا واجبات لا تفسد بترکہا وتعاد وجوباً فی العمد والسہو ان لم یسجد لہ وان لم یعدہا یکون فاسقاً اثماً..... وھی قرأۃ الفاتحۃ الکتٰب۔ وتعدیل الارکان۔[1]
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۶ و ۴۶۴ مطلب واجبات الصلوٰۃ)

نماز میں قومہ اور جلسہ واجب ہے

سوال :۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز میں رکوع سے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ براہِ راست رکوع سے ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بھی پوری طرح نہیں بیٹھتے بلکہ ایک سجدہ سے پوری طرح سر نہیں اٹھایا کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے گئے، کیا نماز کو اس طرح ادا کرنا جائز ہے؟ الجواب: قومہ (یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا) اور جلسہ (یعنی دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) دونوں واجب ہیں، اگر سہواً رہ جائیں تو سجدہ سہو کفایت کرجاتا ہے اور عمداً ترک کیا جائے تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولہا واجبات..... وھی قرأۃ فاتحۃ الکتاب..... تعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منہما علی ما اختارہ الکمال۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وکذا الرفع) ای یجب التعدیل ایضاً فی القومۃ من الرکوع والجلسۃ بین السجدتین وتضمن کلامہ وجوب نفس القومۃ والجلسۃ ایضاً الخ..... حتی لو ترکہا او شیئاً منہا ساہیاً یلزمہ السہو ولو عمداً یکرہ اشد الکراھۃ ویلزمہ ان یعید الصلوٰۃ۔ (رد المحتار جلد ۱ ص ۴۶۴ باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب واجبات الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: وعندھما تعدیل الارکان من الواجبات لا من الفرائض۔ (کبیری ص ۲۹۴ باب صفۃ الصلوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹۹ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: قال الشیخ کمال الدین بن الھمامؒ وینبغی ان تکون القومۃ والجلسۃ واجبتین للمواظبۃ۔ (کبیری ص ۲۹۴ باب الثامن تعدیل ارکان)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۰ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

نماز میں التحیات پڑھنے کا حکم

سوال:۔ نماز میں تشہد پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے سہواً چھوٹ جانے کی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے، عمداً ترک کرنے سے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ومنها قرأة التشهد فانها واجبة فى القعدتين الاولى والاخيرة ..... فاوجب السجود بترك التشهد فى القعدة الاولى كما فى القعدة الاخيرة وهو ظاهر الرواية۔ (كبيرى ص۲۹۶ واجبات الصلوٰة) [1]

وتر نماز میں دعاء قنوت کا حکم

سوال:۔ وتر میں دعاء قنوت کا کیا حکم ہے؟ اگر سہواً رہ جائے تو پھر کیا حکم ہوگا؟

الجواب:۔ وتر میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے اگر سہواً رہ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوجائے گا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وقرأة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۶۸ باب صفة الصلوٰة۔ مطلب واجبات الصلوٰة) [2]

تکبیراتِ زوائد کا حکم

سوال:۔ عیدین میں تکبیراتِ زوائد کتنی ہیں؟ اور یہ سنت ہیں یا واجب اور فرض؟

الجواب:۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں تکبیراتِ زوائد چھ ہیں اور یہ واجباتِ صلوٰۃ میں میں داخل ہیں، اگر سہواً یہ تکبیرات چھوٹ جائیں تو سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وتكبيرات العيدين وكذا احدها وتكبيرة ركوع ركعته الثانية كلفظ التكبير فى افتتاحه لكن الاشبه وجوبه فى كل صلوٰة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۴۶۹ مطلب واجبات الصلوٰة) [3]

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت قوله ولها واجبات ---- (والتشهدان) اى تشهد القعدة الاُولى وتشهد الاخير۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۶۶ مطلب واجبات الصلوٰة)

[2] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: ومنها قرأة القنوت فى الوتر۔ (كبيرى ص۲۹۶ واجبات الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج۱ ص۳۰۱ واجبات الصلوٰة باب صفة الصلوٰة۔

[3] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ:۔ ومنها تكبيرات العيدين للمواظبة عليها من غير ترك والمراد التكبيرات الزوائد لاجميع (كبيرى ص۲۹۶ واجبات الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج۱ ص۳۰۱ واجبات الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة۔

باب سنن الصلوٰۃ

(نماز کی سُنتوں کے بیان میں)

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا سُنّت ہے

سوال:۔ تشہد کی حالت میں سبابہ سے اشارہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ اس کی حرمت کے قائل ہیں جبکہ روایات اس کے ثبوت اور استحباب وسُنّت پر دال ہیں؟

الجواب:۔ تشہد میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت سبابہ (سواکی اُنگلی) سے اشارہ کرنا احادیث اور فقہی ذخائر سے ثابت ہے اس لیے نماز میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت اُنگلی سے اشارہ کرنا مسنون ہے۔ جو حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں اُن کی رائے احادیثِ صریحہ کے مخالف ہے۔

عن عبداللہ بن الزبیر عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد یدعو وضع یدہ الیمنیٰ علی فخذہ الیمنیٰ ویدہ الیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ و اشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطیٰ ویلقم کفہ الیسریٰ رکبتہ۔[1]

(الصحیح المسلم ج۱ ص۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ)

تحقیق رفع الیدین

سوال:۔ دورانِ نماز رفع الیدین یا ترکِ رفع الیدین میں سے کون سا عمل روایاتِ صحیحہ کے موافق ہے؟

الجواب:۔ احادیث میں رفع الیدین اور ترک رفع الیدین دونوں کے متعلق روایات موجود ہیں، لیکن احناف کی تحقیق کے مطابق ترکِ رفع الیدین اولیٰ و افضل ہے

---

[1] عن وائل بن حجر قال قلت لانظرن الی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... وحلق بشر الابہام والوسطیٰ واشار بالسبابۃ۔

(سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۰۵ باب رفع الیدین)

وَمِثْلُہٗ فی الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۵۰۸ آداب الصلوٰۃ۔

عن براء بن عازب قال ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اُذنیہ ثم لا یعود۔ (ابی داؤد ج ۱ ص ۱۰۹)

عن علقمۃ قال قال لنا ابن مسعود الا اُصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیر الافتتاح۔ رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ) ؎۱

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا

سوال: تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کا مسنون وقت کون سا ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اگر تکبیر کہنے سے پہلے یا اس کے بعد اور یا تکبیر کے ساتھ اٹھا دیئے جائیں تو اس سے رفع یدین کی سنت ادا ہو جاتی ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اُٹھائے اور بعد میں تکبیر کہے۔

قال الحصکفیؒ (و رفع یدیہ) قبل التکبیر وقیل معہ قال ابن عابدینؒ (قولہ رفع الیدین) للتحریمۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۷ سنن الصلوٰۃ) ؎۲

؎۱ عن عبد اللہ بن عمر قال، رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسہ من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین۔ (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ رقم حدیث ۶۱۴، احادیث عبد اللہ بن عمر بن الخطاب)

ومثلہ فی الجامع الترمذی ج ۱ ص ۵۹ باب رفع الیدین عند الرکوع۔

؎۲ قال المرغینانیؒ یرفع یدیہ مع التکبیر وھو سنۃ لان النبی علیہ السلام واظب علیہ وھذا اللفظ یشیر الی اشتراط المقارنۃ وھو المروی عن ابی یوسفؒ والمحکی عن الطحاوی والاصح انہ یرفع یدیہ اولا ثم یکبر لان فعلہ نفی الکبریاء عن غیر اللہ تعالیٰ والنفی مقدم ویرفع یدیہ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۰ صفۃ الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۷۳ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ۔

بسم اللہ ترک کرنے سے نماز کا اعادہ لازم نہیں

سوال :۔ نماز کی ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ اور اگر کسی سے پڑھنا رہ جائے تو کیا اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں اور اگر کوئی قصداً و عمداً بسم اللہ پڑھنا ترک کر دے تو کیا نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب :۔ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا ایک مسنون عمل ہے اور مسنون عمل کے ترک کرنے سے نہ فساد لازم آتا ہے اور نہ قضاء و اعادہ۔ اسلئے اگر کسی سے بسم اللہ سہواً یا عمداً چھوٹ جائے تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں تاہم قصداً و عمداً ترک کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصکفی وسمی غیر المؤتم بلفظ البسملۃ سراً فی اول کل رکعۃ ولو جھریۃ بحذف یسیر۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار۔ ۱۔ ۳۶۳)

وقال ایضاً (وسننھا) ترک السنۃ (لا یوجب فساداً) ولا سھواً بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف وقال الاساءۃ ادون من الکراھۃ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۱۔ ۳۵۰ مطلب سنن الصلوٰۃ)

نماز میں تسبیح کی مقدار

سوال :۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے پیش امام رکوع و سجود میں تسبیح پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں جبکہ بعض مقتدی اس بات پر مصر ہیں کہ تین مرتبہ پڑھنی چاہیئے، پانچ مرتبہ پڑھنے سے بہت دیر ہو جاتی ہے۔ کیا شرعاً تین مرتبہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب :۔ اگر کوئی شخص رکوع و سجود میں تین مرتبہ تسبیح پڑھ لے تو اس سے سنت ادا ہو جاتی ہے اور اس سے زائد پڑھنا استحباب کا درجہ رکھتا ہے۔

• تکبیر الرکوع وتسبیحہ ثلاثاً۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۷۲ سنن الصلوٰۃ)

البتہ امام صاحب کو چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کا لحاظ رکھ کر نماز ادا کریں اور نماز میں تین مرتبہ ہی تسبیح پر اکتفاء کرے۔

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا صلی احدکم للناس

لما قال العلامۃ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی :۔ وتسن التسمیۃ اول کل رکعۃ قبل الفاتحۃ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفتتح صلاتہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ۱/۳۵۲۔ فصل فی بیان سننھا)

و مثلہ فی الھندیہ ۱/ ۷۲ الفصل الثالث سنن الصلوٰۃ

فلیخفف فان فیھم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۱ باب ما علی الامام) لہ

سوال:۔ سجدہ میں عورتوں کو کیا کیفیت اختیار کرنی چاہیئے؟ | سجدہ کی حالت میں عورتوں کی مسنون کیفیت کیا ہے؟

کیا عورتیں بھی مردوں کی ہیئت کی طرح سجدہ کریں گی یا عورتوں کے لیے سجدہ کی کوئی خاص ہیئت ہے؟ خاص کر قدمین میں ان کی ہیئت کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب:۔ سجدہ میں عورتوں کی کیفیت مردوں سے الگ ہے، بہتر یہ ہے کہ عورتیں سجدہ کرتے وقت قدمین کو نہ اٹھائیں، پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر سجدہ کریں جبکہ بازوؤں کو جسم کے ساتھ ملا کر زمین پر رکھیں یعنی جو کیفیت زیادہ استر ہو اختیار کریں۔

قال الحصکفیؒ: (والمرأۃ تنخفض) فلا تبدی عضدیھا (وتلصق بطنھا بفخذیھا) لانہ استر وحرر نا فی الخزائن انھا تخالف الرجل فی خمسۃ وعشرین۔

ذکر فی البحر: انھا لا تنصب اصابع القدمین کما ذکرہ فی المجتبیٰ۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۴ باب صفۃ الصلوٰۃ) ؎۲

سوال:۔ نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ کیا ہے؟ بعض اوقات | نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ

لہ وفی المسلم: عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فی الناس الضعیف والسقیم وذا الحاجۃ۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

قال القدوری: یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلثا ذٰلک ادناہ۔

(مختصر القدوری ص ۳۳ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البخاری ج ۱ ص ۹۷ باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء ـــ الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۶۲ باب صفۃ الصلوٰۃ

لہ والمرأۃ لا تجافی فی رکوعھا وسجودھا وتقعد علی رجلیھا وفی السجدۃ تفترش بطنھا علی فخذیھا کذا فی الخلاصۃ۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۷۵ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۱ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

ہاتھ باندھتے وقت دُوسرے ہاتھ کی کلائی پر گھڑی ہوتی ہے، اس سے نماز میں کوئی کراہیت تو لازم نہیں آتی؟

الجواب:۔ نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کے باطن کو بائیں ہاتھ کے ظاہر پر رکھے اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے اس کی کلائی کو پکڑے اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔

البتہ گھڑی کوئی مقصود بالذات نہیں اور نہ ہی اس کے باندھنے سے کسی قسم کی کاوٹ ہوتی ہے لہٰذا اس سے کوئی کراہیت نہیں آتی۔

قال الحصکفیؒ: (ووضع) الرجل (یمینہ علی یسارہٖ تحت السرۃ آخذ رسغھا بخنصرہ وابھامہ) ھو المختار۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص۴۸۶ صفۃ الصلوٰۃ) [۱]

نماز میں آمین بالجہر کی کیفیت

سوال:۔ نماز باجماعت میں آمین کہتے وقت کون سی کیفیت اختیار کرنی چاہیئے؟ حنفی مسلک والوں کے لیے باآواز بلند آمین کہنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ آمین کے متعلق دونوں قسم کی روایات وارد ہیں، احناف کی تحقیق کے مطابق آمین میں اخفاء سنت ہے، البتہ اگر کوئی حنفی المسلک شخص آمین بالجہر کہہ دے تو بھی جائز ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قال الحصکفیؒ: (وامّن الامام سرًا کما موم ومنفرد) ولو فی السریۃ اذا سمعہ ولو من مثلہ فی نحو جمعۃ وعید اما حدیث اذا امّن الامام فامنوا فمن التعلیق بمعلوم الوجود فلا یتوقف علی سماعہ عنہ بل یحصل بتمام الفاتحۃ بدلیل اذا قال الامام ولا الضآلین فقولوا آمین۔
(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص۴۹۲ آداب الصلوٰۃ) [۲]

---

[۱] ذٰلک بان یضع باطن کفہ الیمنی علی ظاہر کفہ الیسریٰ ویاخذ الرسغ بالخنصر والابھام ویرسل الباقی علی الذراع۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۷۳ سنن الصلوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۰۸ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

[۲] اذا فرغ من الفاتحۃ قال آمین والسنۃ فیہ الاخفاء کذا فی المحیط المنفرد والامام سواء وکذا المأموم اذا سمع ھٰکذا فی الزاھدی۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۷۴ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۱۳ باب صفۃ الصلوٰۃ۔

نماز میں تسویۃ الصفوف کا حکم

سوال:۔ نماز میں صفوں کا سیدھا کرنا کیسا ہے، یعنی اس کا حکم [illegible]

الجواب:۔ نماز باجماعت میں صفوں کا [illegible] ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا ہے، ٹیڑھی اور غیر متوازن صفوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

عن النعمان بن بشیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُسَوِّی صفوفنا حتّٰی کانّما یسوّی بھا القداح حتّٰی رای انا قد عقلنا عنہ ثم خرج یومًا فقام حتّٰی کاد ان یکبر فرای رجلًا بادیًا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسوُّنّ صفوفکم او لیخالفنّ اللہ بین وجوھکم۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص۹۷ باب تسویۃ الصّفُوف) [1]

تکبیر تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رُخ کس طرف کیا جائے

سوال:۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی ہتھیلیوں کا رُخ اپنے چہرے کی طرف کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب:۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف کرنا بھی جائز ہے اور اپنے چہرے کی طرف بھی، البتہ قبلہ کی طرف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ، ویستقبل بکفیہ القبلۃ وقیل خدیہ۔ [2]
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۸۲ باب صفۃ الصلوٰۃ قبل مطلب لفارسیۃ)

---

[1] قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: وفی حاشیۃ البخاری عن العینی وھی (ای تسویۃ الصفوف) سنۃ الصلوٰۃ عند ابی حنیفۃ والشافعی ومالک (جلد ۱ ص۱۰۰)
قلتُ: والظاھر من کلام اصحابنا انھا سنۃ مؤکدۃ لاطلاقھم الکراھۃ علیٰ ضدھا والکراھۃ المطلقۃ ھی التحریمیۃ۔ الخ

(اعلاء السنن ج ۴ ص۳۱۳ باب سنیۃ تسویۃ الصف الخ)

وَمِثْلُہٗ فی معارف السنن ج ۲ ص۲۹۷ باب ما جاء فی اقامۃ الصفوف۔

[2] قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ، ویوجہ حالۃ الرفع بطن کفیہ نحو القبلۃ کالا علیھا۔ وفی الحاوی: وقال یجعل بطن کل کف الی الکف الاخرٰی۔ (کبیری ص۳۰۰ صفۃ الصلوٰۃ)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

سوال:۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ بعض حضرات سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تاکید کرتے ہیں۔

الجواب:۔ علماء احناف کی تحقیق کے مطابق مرد حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں کیونکہ یہی سنت ہے، البتہ عورتیں اور خنثیٰ مشکل سینے کے نیچے ہاتھ باندھیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ووضع الرجل یمینه علی یساره تحت سرته اخذ ارسغها بخنصره وابهامه هو المختار وتضع المرأة والخنثیٰ الکف علی الکف تحت ثدیها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ا ص۴۸۶ باب صفة الصلوٰة مطلب فی بیان المتواتر والشاذ)[1]

ثناء سے قبل اور تکبیر تحریمہ کے بعد ادعیہ کا مسئلہ

سوال:۔ احادیث کی کتابوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبیر تحریمہ کے بعد بعض دعائیں مروی ہیں، کیا یہ دعائیں فرائض وسنن سب میں پڑھی جا سکتی ہیں یا کہ صرف نوافل میں؟

الجواب:۔ اگرچہ احادیث مبارکہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں مختلف مقامات پر مختلف ادعیہ منقول ہیں لیکن علماء احناف نے یہ روایات نوافل میں پڑھنے پر محمول کی ہیں اور یہ دعائیں نفلی نماز میں پڑھی جائیں گی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وقرأ کما کبر سبحانک اللّٰهم تارکاً وجل ثناءک الا فی الجنازة مقتصراً علیه فلا یضم وجهت وجهی الا فی النافلة۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله الا فی النافلة) لحمل ماورد فی الاخبار علیها...... وفی الخزائن وماورد محمول علی النافلة بعد الثناء فی الاصح وقال فی هامشه صححه فی الزاهدی وغیره۔ (رد المحتار ج ا ص۴۸۸ باب صفة الصلوٰة۔ مطلب بیان المتواتر والشاذ)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ویضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ تحت السرة کما فرغ من التکبیر والمرأة تضعهما تحت ثدیها۔ (الفتاوی الهندیه ج ا ص۷۳ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۳۰۱ صفة الصلوٰة۔

[2] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ: حنفیہ نے ان ادعیہ کو نوافل پر محمول کیا ہے لہٰذا نوافل میں ہی ان کو پڑھے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۷۲ فصل سنن الصلوٰة)

الحاقِ کعبین (ٹخنوں کے ملانے) کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں نے الدر المختار میں دیکھا ہے کہ و ان یلحق کعبیہ کہ رکوع میں کعبین کا الحاق یعنی ملانا مسنون ہے، کیا واقعی رکوع میں کعبین کا ملانا مسنون ہے؟ جبکہ شامی میں ہے کہ حالتِ قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے، جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں!

الجواب:۔ الحاق کعبین کا مسئلہ اگرچہ متاخرین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر متقدمین سے اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے متاخرین کی اس تصریح کا محل اور مقام یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے وقت ایک دوسرے کے کعب (ٹخنہ) کے ساتھ اپنا ٹخنہ ملایا جائے تاکہ صفیں سیدھی ہو جائیں، جیسا کہ حدیث شریف میں سووا صفوفکم وتواصوا وسدوا الخلل۔ (مشکوٰۃ ج ص باب تسویۃ الصفوف) کا حکم وارد ہے، لہٰذا حالتِ رکوع میں دوسرے کے ٹخنے کے ساتھ اپنا ٹخنہ ملانا مسنون نہیں البتہ اگر کوئی ایسا کرے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔

لما قال الشیخ المحقق عبد الحی الکھنویؒ: ومنھا الصاق الکعبین ذکرہ جمع من المتاخرین وجمھور الفقھاء لم یذکروہ ولا اثر لہ فی الکتب المعتبرۃ کالھدایۃ وشروحھا النھایۃ والعنایۃ والبنایۃ والکفایۃ وفتح القدیر وغیرھا والکنز وشرحہ العینی وشرح النقایۃ لالیاس زادہ والبرجندی والشمنی وفتاوی قاضی خان والبزازیۃ وغیرھا وامام الدین اوزدہ فی ذکرہ الزاھدی حیث قال فی المجتبیٰ برمز بط یسن فی الرکوع الصاق الکعبین واستقبال الاصابع القبلۃ۔۔۔۔۔ قال خیر المتاخرین شیخ مشائخنا محمد عابد السندی المدنیؒ فی طوالع الانوار شرح الدر المختار قولہ والصاق کعبیہ ای حالۃ الرکوع ۔قال الشیخ الرحمتی مع بقاء تفریج ما بین القدمین قلتُ لعلہ ارادمن الصاق المحاذاۃ وذٰلک بان یحاذی کل من کعبیہ لاخر فلا یتقدم

احدھما علی الآخر۔ (السعایۃ ج ۲ ص ۱۸۰ باب صفۃ الصلوٰۃ) [1]

اگر تکبیراتِ انتقالات چھوٹ جائیں تو اس کا حکم

سوال: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی وجہ سے کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: تکبیر تحریمہ فرض ہے اور باقی تکبیراتِ انتقالات سنت، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما قال العلامۃ محمد یوسف البنوریؒ: تکبیرات الانتقالات سنۃ عند الجمھور قال ابن المنذرؒ: وبہ قال ابوبکر الصدیقؓ وعمرؓ وجابرؓ وقیس بن عبادۃؓ والشعبیؒ والاوزاعیؒ وسعید بن عبدالعزیزؒ ومالکؒ والشافعیؒ وابوحنیفۃؒ۔ الخ

(معارف السنن ج ۲ ص ۴۲۶ باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود) [2]

رفع سبابہ (انگلی اٹھانا) بدعت نہیں

سوال: نمازی جب التحیات میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ تک پہنچ جائے تو کیا اس کو انگلی اٹھانا چاہیے؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔

---

[1] قال العلامۃ عبدالقادر الرافعی الفاروقی الحنفیؒ علی قول الحصکفیؒ قول الشارح ویسن ان یلصق کعبیہ قال الشیخ ابوالحسن السندی الصغیر فی تعلیقتہ لا ادری ھذہ السنۃ انما ذکرھا من ذکرھا من المتاخرین تبعاً للمجتبی ولیس لھا ذکر فی الکتب المتقدمۃ کالھدایۃ وشروحھا وکان بعض مشائخنا یزعم انھا من اوھام صاحب المجتبی ولم ترد فی السنۃ علی ما وقفنا علیہ وکانھم توھموا ذلک مما ورد ان الصحابۃ کانوا یھتمون سد الخلل فی الصفوف حتی یقیمون الکعاب والمناکب ولا یخفی ان المراد ھنا الحاق کعبہ بکعب صاحبہ لا کعبہ مع کعبہ الآخر (تقریرات الرافعی ج ۱ ص ۶۱ باب صفۃ الصلوٰۃ فصل)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۰۳ فصل سنن الصلوٰۃ)

[2] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ، باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وخفض۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی کل خفض ورفع وقیام وقعود .... (ای التکبیر) عام فی جمیع الانتقالات فی الصلوٰۃ۔

(اعلاء السنن ج ۳ ص ۳ باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وخفض)

الجواب:۔ تشہد میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہتے وقت انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا سُنّت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا ثابت ہے، جو لوگ اِس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول روایت و درایت کے خلاف ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وفی الشرنبلالیة عن البرهان الصحیح أنّه یشیر بمسبحته وحدها یرفعها عند النفی ویضعها عند الاثبات واحترز بالصحیح عما قیل لا یشیر لانه خلاف الدرایة والروایة۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۰۹، باب صفة الصلوٰة۔ قبل مطلب مهم فی عقد الاصابع عند التشهد) ؎۱

التحیات میں دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائی جائے

سوال:۔ التحیات (قعدہ) میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت کس ہاتھ کی اُنگلی اٹھانی چاہیئے؟ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ کی اُنگلی اٹھا رہا تھا۔

الجواب:۔ التحیات میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت اٹھانا سُنّت ہے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله بل فی متن درر البحار الخ)...... وصفتها ان یحلق من یده الیمنٰی عند الشهادة الابهام والوسطٰی ویقبض البنصر والخنصر ویشیر بالمسبحة الخ (رد المحتار ج۱ ص۵۰۸ باب صفة الصلوٰة۔ قبل مطلب مهم فی عقد الاصابع عند التشهد) ؎۲

؎۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتسن الاشارة فی الصحیح لانه صلی اللّٰه علیه وسلم رفع اصبعه السبابة وقد احناها ومن قال انه لا یشیر اصلاً فهو خلاف الروایة والدرایة۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۱۸ فصل فی سنن الصلوٰة)

ومثله فی کبیری ص۳۲۹ باب صفة الصلوٰة۔

؎۲ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتسن الاشارة فی الصحیح لانه صلی اللّٰه علیه وسلم رفع اصبعه السبابة وقد احناها شیئاً ومن قال انه لا یشیر اصلاً فهو خلاف الروایة والدرایة وتکون بالمسبحة ای السبابة من الیمنی فقط یشیر بها...... یرفعها ای المسبحة عند النفی...... ویضعها عند الاثبات۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۱۸ فصل فی سنن الصلوٰة)

تشہد میں وحدہٗ لاشریک لہٗ کے الفاظ پڑھانا

سوال:۔ اگر کوئی تشہد میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے بعد وحدہٗ لاشریک لہٗ کا اضافہ کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد مختلف طرق سے ثابت ہے، بعض روایات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ الخ کا پڑھنا بھی ثابت ہے مگر حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اس میں نہیں ہیں اسلئے ان کا پڑھنا مناسب نہیں تاہم اگر کوئی ان الفاظ کو پڑھتا ہے تو اس کی نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما اخرجه ابوداؤد: عن حطان بن عبداللہ الرقاشی بھٰذا الحدیث زاد فاذا قرأ وانصتوا قال فی التشھد بعد اشھد ان لا الٰہ الا اللہ زاد وحدہٗ لاشریک لہٗ۔

(ابوداؤد شریف ج۱ ص۱۴۰ باب التشھد)[۱]

قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی درود شریف پڑھنا چھوڑ دے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے اگر کسی سے بوجہ مجبوری درود شریف پڑھنا رہ جائے تو نماز بلاکراہت ہو جائے گی، جبکہ قصداً ترک کرنے کی صورت میں نماز کراہت سے خالی نہیں جس کا اعادہ مستحب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وسننھا....... والصلوٰۃ علی النبیؐ فی القعدۃ الاخیرۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)

وقال ایضاً: ترک السنۃ لایوجب فساداً ولا سھواً بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف وقالوا الاساءۃ ادون من

---

[۱] عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشھد .... اشھد ان لا الٰہ الا اللہ قال ابن عمر زدت فیھا وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

(التلخیص الحبیر ج۱ ص۲۶۶ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ومثلہٗ فی دار القطنی ج۱ ص۳۵۲ باب صفۃ التشھد ووجوبہ واختلاف الروایات فیہ۔

الکراھۃ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب فی قولہم الاساءۃ ادون ص ۴۷۷) [1]

درود شریف میں لفظ سیّدنا کے اضافہ کا حکم

سوال:۔ نماز میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اگر کوئی اس میں سیدنا کے لفظ کا اضافہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ تشہد میں بلا لفظ سیدنا کے پڑھنا بہتر ہے ۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوك الادب فھو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ ۔ قال العلامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ذکرہ الرملی الشافعی) ای فی شرحہ علی منہاج النووی ونصہ و الافضل الاتیان بلفظ السیادۃ ۔ کما قالہ ابن ظہیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ھو ادب فھو افضل من ترکہ وان تردد فی افضلیۃ الاسنوی واما حدیث لاتسیدونی فی الصلوٰۃ فباطل لا اصل لہٗ کما قال بعض متاخری الحفاظ الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۳، ۵۱۴ باب صفۃ الصلوٰۃ مطلب فی جواز الترحم علی النبی ابتداء) [2]

قعدۂ اخیرہ میں دُعا ترک ہو جائے تو اس کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب نماز میں التحیات اتنی

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : وتسن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجلوس الاخیر الخ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۲۱۹ فصل فی بیان سنتھا)

قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ : ترك السنۃ لایوجب فساداً ولاسھواً بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف وقالوا الاساءۃ ادون من الکراھۃ ۔

(طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۲۰۰ فصل فی بیان سننھا)

[2] قال العلامۃ الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ : اضافۃ لفظ سیّدنا میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا بلا لفظ سیّدنا ویسا ہی بہتر ہے ۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۶۹ فصل فی سنن الصلوٰۃ)

جلدی پڑھتے ہیں کہ ہم (مقتدی) ابھی درود شریف سے فارغ نہیں ہوتے کہ امام صاحب سلام پھیر دیتے ہیں، تو کیا ہم امام کی اتباع میں سلام پھیریں یا درود شریف مکمل کرنے کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ پڑھیں۔

الجواب:۔ قعدۂ اخیرہ میں دُعا پڑھنا سنت ہے اور امام کی اتباع واجب ہے لہٰذا جب امام مقتدیوں کے دعا ختم کرنے سے قبل سلام پھیر دے تو امام کی اتباع میں سلام پھیرا جائے اگرچہ دعا متروک ہو جائے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو سلم الامام والمؤتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانہا سنۃ والناس عنہ غافلون۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی ادعیۃ التشہد) یشمل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ردالمحتار ج۱ ص۴۹۶ باب صفۃ الصلوٰۃ فصل اذا اراد الشروع)[1]

امام کی متابعت کی وجہ سے تسبیحات پوری نہ پڑھ سکنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب رکوع اور سجدہ اتنی جلدی کرتے ہیں کہ مقتدی تین بار تسبیح بھی پوری نہیں کر سکتے، تو کیا مقتدی تین بار تسبیح پوری کریں یا امام کی اقتداء کریں؟

الجواب:۔ اوّلاً تو امام صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ رکوع و سجدہ میں اتنی مقدار ٹھہرے کہ مقتدی تین بار تسبیحات پڑھنا پوری کر سکیں لیکن اگر مقتدی امام کی اقتداء کرکے تین بار تسبیح نہ پڑھ سکیں تو ان کی نماز جائز اور صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: لو رفع الامام رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث وجب متابعتہ اھ۔ قال علامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ واعلم) یسبح فیہ ثلاثًا فانہ سنۃ علی المعتمد المشہور فی المذہب

---

[1] قال العلامہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: لو سلّم الامام اوتکلم قبل فراغ المقتدی من قراءۃ التشہد یتمہ لانہ من الواجبات ثم یسلم لبقاء حرمۃ الصلوٰۃ واُمکن الجمع بالاتیان بہما وان بقیت الصلوٰۃ والدعوات یترکہا ویسلم مع الامام لان ترک السنۃ دون ترک الواجب۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۵۰ فصل فیما یفعلہ المقتدی بعد الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۲ ص۱۶۵ فصل فی سنن الصلوٰۃ۔

لا فرض ولا واجب كما مر فلا يترك المتابعة الواجبة لاجلها۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۳ و ۴۹۵ باب صفة الصلوٰة، فصل اذا اراد الشروع) ؎۱

خواتین سجدہ کیسے ادا کریں

سوال:۔ اگر کوئی خاتون مردوں کی طرح سجدہ کرتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خواتین کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بدن اور اس کے اعضاء کو سجدہ کے دوران خوب ملا کر سجدہ کریں، مردوں کی طرح بدن کو کھول سجدہ نہ کریں، ایسا کرنا خواتین کے لیے کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر کسی عورت کو عذر شرعی ہو تو بلا کراہت درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: تنخفض فلا تبدي عضديها وتلصق بطنها بفخذيها لانه استر۔ قال ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله وحررنا في الخزائن)...... وتضع يديها على ركبتيها ولا تحني ركبتيها وتنضم في ركوعها وسجودها وتفترش ذراعيها۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۴ باب صفة الصلوٰة فصل اذا اراد الشروع) ؎۲

فرض نماز کے بعد سر پہ ہاتھ رکھنا

سوال:۔ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ فرض نماز کے بعد اپنا دایاں ہاتھ سر پر رکھ کر کچھ پڑھتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو اپنا دایاں ہاتھ سر مبارک پر رکھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: بسم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم، اللھم اذھب عنی الھم والحزن۔ اس لیے بہتر بلکہ سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد فرائض ہوں یا نوافل اور سنن وغیرہ، دایاں ہاتھ سر پہ رکھ کر مذکورہ

؎۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه الله: ويسن تسبيحه اي الركوع ثلاثا لقول النبي صلى الله عليه وسلم اذا ركع احدكم فليقل ثلاث مرات..... والامر للاستحباب فيكره ان ينقص عنها ولو رفع الامام قبل اتمام المقتدي الثلاث فالصحيح انه يتابعه۔ اھ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۲۱۵ فصل في سنن الصلوٰة)

؎۲ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه الله: والمرأة تخفض فتضم عضديها على فخذيها وتلزق بطنها بفخذيها لانه استر لها۔ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۲۲۹ فصل في كيفية تركيب افعال الصلوٰة)

ومثله في الهداية ج ۱ ص ۱۰۱ باب صفة الصلوٰة۔

دعا پڑھنی چاہیئے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى وفرغ من صلوته يمسح بيمينه على رأسه وقال بسم الله الذى لا اله الا هو الرحمن الرحيم اللّٰهم اذهب عنى الهم والحزن۔ (حصن حصين ص ــــ) ؎۱

نیت کرنے سے قبل اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ الخ کے پڑھنے کا حکم

سوال: ہم لوگ نیت سے قبل جب امام نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ پڑھتے ہیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے، ازراہ کرم اس مسئلہ کی توضیح عنایت فرمائیں۔

الجواب: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ الخ کے کلمات پڑھنے کے بارے میں علماء احناف کی مفتی بہ رائے یہ ہے کہ ان کلمات کو نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان نہ پڑھنا چاہیئے، اگرچہ قاضی ابو یوسفؒ سے ایک روایت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ کے بعد پڑھنے کی مروی ہے، اور فقیہ ابو اللیثؒ تکبیر سے پہلے پڑھنے کی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس مواضع میں یہ کلمات نہ پڑھے جائیں البتہ اگر نیت سے قبل پڑھے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: والاولى ان لا يأتي بالتوجه قبل التكبير لتتصل النية به هو الصحيح۔ (الهداية ج۱ ص۸۶ باب صفة الصلوٰة) ؎۲

؎۱ لما قال الشيخ المفتى عزيز الرحمٰنؒ: فرائض کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنا بسم الله لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم اذهب عنى الهم والحزن۔
(فتاوىٰ دار العلوم ديوبند ج۲ ص۲۱۱ فصل سنن الصلوٰة)

؎۲ قال العلامة صدر الشريعةؒ: ولا يوجه اراد بالثناء سبحانك اللّٰهم وبحمدك الخ وبالتوجه قرأة انى وجهت وجهى بعد التحريمة ـــ قال الشيخ عبد الحى اللكهنویؒ: مختار المتأخرين اولوية قرأته قبله۔ قال فى الهداية الاولى ان لا ياتى بالتوجيه قبل التكبير لتتصل النية بالتكبير هو الصحيح۔ (السعاية فى حل شرح الوقاية ج۲ ص۱۶۵ باب صفة الصلوٰة)

وَ مِثْلُهٗ فى فتاوىٰ دار العلوم ديوبند ج۲ ص۲۰۹ فصل سنن الصلوٰة۔

بائیں طرف سلام پھیرتے وقت آواز میں آہستگی اختیار کرنا

سوال:۔ سلام پھیرتے وقت دونوں طرف آواز یکساں ہونی چاہیئے یا اس میں کچھ فرق ہے؟

الجواب:۔ سنت اور افضل یہی ہے کہ دوسرے سلام میں پہلے سلام کی بہ نسبت آہستگی اور پستی اختیار کرے۔ اگر کوئی شخص بلند آواز سے کہہ دے تو اس سے نماز میں کوئی کراہیت لازم نہیں آتی۔

قال الحصکفیؒ: وسن جعل الثانی اخفض من الاول) خصه فی المنیة بالامامؒ واقرہ المصنف۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۲۶ باب صفة الصلوٰة)[1]

✵ ✵

---

[1] والسنة فی السلام ان تکون التسلیمة الثانیة اخفض من الاول کذا فی المحیط وھو الاحسن کذا فی التبیین۔ (الھندایة ج ۱ ص۷۶ سنن الصلوٰة)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۳ باب صفة الصلوٰة۔

باب آداب الصلوٰۃ

(نماز کے آداب کے مسائل)

قیام کی حالت میں نگاہ کہاں ہونی چاہیئے

سوال:۔ دوران نماز قیام کی حالت میں نگاہ کہاں رکھنی چاہیئے؟ اگر کوئی شخص سجدہ کی جگہ نگاہ نہ رکھے تو اس سے نماز میں کوئی فساد یا کراہت تو لازم نہیں آتی؟

الجواب:۔ حالتِ قیام میں نگاہ کو سجدہ گاہ پر مرکوز رکھنا مستحب ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسا نہ کر سکے تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

قال الحصکفیؒ: نظرہ الی موضع سجودہ حال قیامہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار جلد۱ ص۴۷۷ آداب الصلوٰۃ)[۱]

نماز میں جمائی آنے پر منہ کو چھپانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کو نماز کے دوران جمائی آجائے تو اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر کسی کو دورانِ نماز جمائی آجائے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ جمائی کو حتی الامکان روکے اور اگر روکنے پر قادر نہ ہو تو پھر دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے منہ کو چھپائے، اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حالتِ قیام میں دائیں ہاتھ سے کام لے اور باقی ارکان میں بائیں ہاتھ سے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وامساک فمہ عند التثاؤب فائدۃ لدفع التثاؤب مجربۃ ولو بأخذ شفتیہ بسنہ فان لم یقدر غطاہ بظہر یدہ الیسریٰ وقیل بالیمنی لو قائمًا والا فیسراہ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۱ ص۴۷۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)[۲]

---

[۱] ومنہا (نظر المصلی) سواء کان رجلاً او امرأۃ (الی موضع سجودہ قائمًا) حفظاً لہ عن النظر الی مایشغلہ عن الخشوع۔ (مراقی الفلاح علیٰ ہامش طحطاوی ص۱۵۱ فصل من آدابہا)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۷۲ سنن الصلوٰۃ وآدابہا۔

[۲] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومن الادب کظم فمہ عند التثاؤب فان لم یقدر غطاہ بیدہ او کمہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم التثاؤب فی الصلوٰۃ من الشیطان فاذا تثاؤب احدکم فلیکظم ما استطاع۔

(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۲۴ فصل آداب الصلوٰۃ۔

آداب صلوٰۃ ترک ہوجانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی سے آداب یعنی مستحباتِ نماز رہ جائیں تو اس سے نماز پہ کیا اثر پڑے گا، نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے اندر آداب کا لحاظ رکھنا افضل اور بہتر ہے، البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی رہ جائیں تو نماز بلاکراہت صحیح اور درست ہے، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولها آداب تركه لا يوجب اساءة ولا عتابا كترك السنة الزوائد لكن فعله افضل۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۷ باب صفة الصلوٰة)[۱]

امام اور مقتدی کس وقت نماز کے لیے کھڑے ہوں؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام اور مقتدیوں کو کس وقت نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیئے؟

الجواب:۔ امام اور مقتدی دونوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہے تو نماز کے لیے کھڑے ہوجائیں، اگرچہ بعض نے حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ کے وقت قیام کو مستحب قرار دیا ہے۔

لما قال الحصكفيؒ: والقيام لامام ومؤتم حين قيل حَيَّ عَلَى الْفَلَاح خلافا لزفر فعنده عند حَيَّ عَلَى الصَّلوٰة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۹ باب صفة الصلوٰة)[۲]

امام نماز کس وقت شروع کرے

سوال:۔ امام کو نماز کس وقت شروع کرنی چاہیئے؟

الجواب:۔ مستحب یہ ہے کہ امام نماز قدقامت الصّلوٰۃ کے وقت شروع کرے، اگرچہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ مقیم (اقامت کہنے والے) کی فراغت

---

[۱] قال العلامة السيد احمد الطحطاويؒ: (تحت قوله الادب ما فعله الرسول صلى الله عليه وسلم مرة او مرتين ولم يواظب عليه) وتركه لا يوجب اساءة ولا عتابا لكن فعله افضل۔ اھ (طحطاوی حاشية مراقي الفلاح ص۲۲۴ فصل آدابها)

[۲] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: من الآداب القيام اي قيام القوم والامام ان كان حاضرا بقرب المحراب حين قيل اي وقت قول المقيم حي على الفلاح۔ قال السيد احمد الطحطاوي (تحت قوله حي على الفلاح) قال الحسن وزفر عند حي على الصلوٰة۔ (طحطاوی حاشية مراقي الفلاح ص۲۲۵ فصل آدابها)

تک انتظار کرے لیکن یہ اختلاف نفسِ استحباب میں ہے۔

قال العلامۃ حسن بن العمار الشرنبلالیؒ: ومن الآداب شروع الامام الی احرامہ مذقیل ای عند قول المقیم قد قامت الصلوٰۃ عندھما۔ وقال ابو یوسفؒ: یشرع اذا فرغ من الاقامۃ فلو اُخر حتیٰ یفرغ من الاقامۃ لا بأس بہ فی قولھم جمیعا۔

(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۲۵ فصل آداب الصلوٰۃ) [۱]

مقتدی کس وقت سلام پھیرے

سوال:۔ مقتدی کو کس وقت سلام پھیرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ مقتدی کیلئے بہتر یہ ہے کہ امام جب دائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی بھی دائیں طرف سلام پھیرے اور جب امام دائیں طرف سے فارغ ہو کر بائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی امام کے بعد بائیں طرف سلام پھیرے یعنی امام سے متقدم نہ ہو۔

لما قال فخر الدین قاضی خانؒ: قال الفقیہ ابو جعفرؒ المختار ان ینتظر اذا سلم الامام عن یمینہ فیسلم المقتدی عن یمینہ واذا فرغ الامام عن یسارہ یسلم المقتدی عن یسارہ۔ (فتاویٰ قاضیخان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۱ ص۹۵ فصل فیمن یصح الاقتداء بہ فیمن لا یصح) [۲]

سلام کے دوران امام اور ملائکہ کی نیت کرنا

سوال:۔ نمازی کو سلام کے دوران کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ نمازیوں کی تین قسمیں ہیں (۱) امام (۲) مقتدی (۳) منفرد۔ اگر نمازی مقتدی ہو تو سلام کے دوران اگر امام دائیں طرف ہو تو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ملائکہ

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: و شروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتی اتمھا لا بأس بہ اجماعاً وھو قول الثانی والثلاثۃ وھو اعدل المذاھب کما فی شرح المجمع لمصنفہ وفی القھستانی معزیا للخلاصۃ انہ الاصح۔

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المختار ج۱ ص۴۷۹ قبل فصل اذا اراد الشروع)

[۲] قال الفقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ: ان ینتظر اذا سلم الامام عن یمینہ یسلم المقتدی عن یمینہ واذا فرغ عن یسارہ یسلم المقتدی عن یسارہ اھ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۷۷ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ و آدابھا الخ)

اُس طرف کے مقتدیوں اور امام کی نیت کرنی چاہیئے اور اگر امام بائیں طرف ہو تو مقتدی کے لیے ملائکہ وغیرہ کے علاوہ امام کی بھی نیت کرنی چاہیئے اور اگر مقتدی صف کے وسط میں امام کے پیچھے کھڑا ہو تو دونوں طرف سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر نمازی امام ہو تو امام کو دونوں طرف کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیئے۔ اور اگر نمازی منفرد ہو تو منفرد سلام میں ملائکہ (حفظۃ) کی نیت کرنی چاہیئے۔

لما فی الھندیۃ: وینوی من عندہٗ من الحفظۃ والمسلمین فی جانبیہ ..... والمقتدی یحتاج الی نیۃ الامام مع نیت من ذکرنا فان کان الامام فی الجانب الایمن نواہ فیھم وان کان فی الجانب الایسر نواہ فیھم وان کان بحذائہ نواہ فی الجانب الایمن عند ابی یوسفؒ وعند محمدؒ ینویہ فیھما وھو روایۃ عن ابی حنیفۃؒ وفی الفتاوٰی ھو الصحیح والمنفرد ینوی الحفظۃ لاغیر ولا ینوی فی الملٰئکۃ عدداً محصوراً۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۷۶ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ وآدابھا) [1]

فرض نماز کے بعد امام کے لیے جلد اُٹھنے کا حکم

سوال:۔ جن نمازوں کے بعد سُنن ہیں تو امام کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ پنج وقتہ نمازوں میں سے بعض نمازوں کے بعد سُنتیں ہیں اُن میں فرائض سے فراغت کے بعد امام کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ فوراً کھڑے ہو کر کچھ تقدیم و تاخیر کر کے باقی سُنتیں ادا کرے، طویل ادعیہ میں مشغول ہونا خلافِ اولیٰ ہے۔

لما قال العلامۃ عالم بن العلاءؒ: وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظھر والمغرب والعشاء یشرع فی السنۃ ولا یشتغل بادعیۃ طویلۃ۔ (الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج۱ ص۵۵۵ الفصل الثالث فی بیان ما یفعلہ المصلی فی صلاتہ بعد الافتتاح) [2]

---

[1] قال العلامۃ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: یسن ان ینوی المصلی بسلامہ الاوّل من علی یمینہ وبسلامہ الثانی من علی یسارہ۔ (کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعۃ ج۱ ص۲۶۶)

وَمِثْلُہٗ فی طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۲۲۲ فصل سُنتھا نیۃ المصلی من علی یمینہ ویسارہ بالسلام۔

[2] وفی الھندیۃ: وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظھر والمغرب والعشاء یشرع فی السنۃ ولا یشتغل بادعیۃ طویلۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۷۷ الفصل الثالث فی سنن الصلوٰۃ الخ)

نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ نہ پڑھنے کی وجہ

سوال :۔ نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ کیا یہ کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ الخ کے خلاف تو نہیں؟ دلائل سے ثابت کریں؟

الجواب :۔ نماز میں ثناء (یعنی سُبحانَکَ اللّٰھُمَّ) سے پہلے تسمیہ (بِسْمِ اللہ) پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ تکبیرِ افتتاح کے بعد ہاتھ باندھ کر سبحانک اللّٰھم کے بعد بسم اللہ پڑھنا احادیث میں منقول اور تمام کتبِ فقہ میں محفوظ ہے۔

لما ورد فی الحدیث: (۱) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ قال سبحانک اللّٰھمّ وبحمدک وتبارک اسمُکَ وتعالیٰ جدّک ولا الٰہ غیرک الخ (جامع ترمذی ص۵۷ ج۱ ابواب الصلوٰۃ، باب مایقول عند افتتاح الصلوٰۃ) [۱]

نماز میں نگاہ کہاں ہونی چاہیئے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ایک نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو نماز کے اندر نگاہ کہاں رکھنی چاہیئے؟

الجواب :۔ نماز کے مختلف حالات میں مختلف مواضع پر نگاہ رکھنا مستحب ہے۔ حالتِ قیام میں سجدہ کی جگہ، رکوع میں پاؤں کے پنجوں پر، سجدے میں ناک کے سرے پر، قعدہ میں اپنی جھولی میں، اسی طرح سلام پھیرتے وقت اوّل سلام میں دائیں کندھے پر اور دوسرے میں بائیں کندھے پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: نظرہ الی موضع سجودہ حال قیامہ والی ظہر قدمیہ حال رکوعہ والی ارنبۃ انفہ حال سجودہ والی حجرہ حال قعودہ والی منکبہ الایمن والایسر عند التسلیمۃ الاولیٰ والثانیۃ تحصیل الخشوع۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۷/۴۷۸ ادب الصلوٰۃ)

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ووضع یمینہ علیٰ یسارہ تحت سرتہ مستفتحًا (قولہ مستفتحًا) ھو حال من الوضع ای یضع قائلاً سُبحانَکَ اللّٰھمّ وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدُّک ولا الٰہ غیرک وقد تقدم انہ سنۃ لروایۃ الجماعۃ انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا افتتح الصلوٰۃ۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۱ ص۳۰۹)

تشہد میں اشارہ کرنا مسنون ہے

سوال :۔ بعض لوگ اشارہ فی التشہد کو حرام سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو حرام کا مرتکب سمجھتے ہیں، اس مسئلہ کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کی روشنی میں واضح فرمائیں ؟

الجواب :۔ سبابہ سے اشارہ کرنا تشہد میں ایک مسنون فعل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث اس بارہ میں منقول ہیں، ائمہ مذاہب اربعہ سب اس پر متفق ہیں۔ احادیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ سے تین طریقوں سے اشارہ کرنا ثابت ہے :۔

(۱) یہ کہ خنصر و بنصر اور وسطیٰ سب کا عقد کر کے ابہامہ کو سبابہ مُرسلہ کے اصل (بیخ) کے ساتھ ضم کر کے سبابہ کے ساتھ اشارہ کیا جائے، اس عقد کو عرب کی اصطلاح میں ترپن ۵۳ کا عقد کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہی طریقہ مذکور ہے : عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد فی التشہد وضع یدہ الیسرٰی علی رکبتہ الیسرٰی ووضع یدہ الیمنٰی علی رکبتہ الیمنٰی وعقد ثلثۃ وخمسین واشار بالسبابۃ۔ (مشکوٰۃ علی صدر مرقاۃ ج۲ ص۶۲۳ باب التشہد)

ملا علی قاری حنفیؒ عقد ثلثۃ وخمسین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ھو ان یعقد الخنصر والبنصر والوسطیٰ ویرسل المسبحۃ ویضم الابہام الی اصل المسبحۃ۔ (مرقاۃ ج۲ ص۶۲۳ باب التشہد)

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سبابہ کے ماسوا تینوں انگلیوں کا عقد کر کے ابہامہ کو وسطیٰ مقبوضہ کے اوپر رکھا جائے، اس عقد کو عقد ثلاثۃ ۲۳ وعشرین کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت میں منقول ہے : عن عبداللہ بن الزبیرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد یدعوا وضع یدہ الیمنٰی علی فخذہ الیمنٰی ویدہ الیسرٰی علی فخذہ الیسرٰی واشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطیٰ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۹۱)

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ خنصر و بنصر سے عقد کر کے وسطیٰ اور ابہامہ سے حلقہ بنائے۔ یہی طریقہ منقول ہے وائل ابن حجر کی روایت ہے۔ عن وائل بن حجر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثم جلس فافترش رجلہ الیسرٰی ووضع یدہ الیسرٰی علی فخذہ الیسرٰی وحد مرفقہ الیمنٰی علی فخذہ الیمنٰی وقبض ثنتین وحلق حلقۃً ثم رفع اصبعہٗ یدعوا بہا۔ رواہ ابو داؤد۔ (مشکوٰۃ ص۹۱ باب التشہد)

مذکورہ بالا تین طریقوں کو فقہاء کرام نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور تینوں طریقوں سے اشارے کو جائز اور سُنت قرار دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک مختار تیسرا طریقہ ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں: قال الطیبیؒ وللفقہاء فی کیفیۃ عقدھا وجوہ احدھا ماذکرناہ فی الطریق الاولیٰ وھو عقد ثلٰثۃ وخمسین۔ والثانی ان یضم الابہام الی الوسطیٰ المقبوضۃ کالقابض ثلثًا وعشرین فان ابن زبیرؓ رواہ کذلک والثالث ان یقبض الخنصر والبنصر ویرسل المسبحۃ ویحلق الوسطیٰ والابہام کما رواہ وائل بن حجر والاخیر ھو المختار عندنا قال الرافعیؒ الاخبار وردت بھا جمیعًا فکانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع مرۃ ھٰکذا ومرۃ ھٰکذا۔ اھ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

رہا یہ کہ اشارہ کرنے میں انگلی کو شہادۃ ختم کرنے پر رکھا جائے گا یا اٹھائے رکھے گا تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ قریب قریب سب فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اشھد ان لآ اللہ میں نفی پر اٹھائے گا اور الا اللہ پر رکھے گا۔ لیوافق الرفع النفی والوضع الاثبات۔ البتہ بعض فقہاء نے ترمذی شریف کی ایک حدیث کے پیش نظر اٹھائے رکھنے کا حکم دیا ہے، اور مولانا گنگوہیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے بھی "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں یہ لکھا ہے کہ انہٗ اذا رفعھا یستمر علی الرفع والعقد الی اٰخر الصلوٰۃ۔

اب آپ جس طرح چاہیں اشارہ کرسکتے ہیں، مذکورہ بالا تمام طریقوں سے اشارہ کرنا مسنون ہے اور جس کیفیت میں بھی کیا جائے، جو احادیث میں منقول ہو تو جائز ہے۔

امام محمد بن حسنؒ "موطا" میں اشارہ کی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں :- ویصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وھو قول ابی حنیفۃؒ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۸۵)

فقط واللہ اعلم

❄ ❄ ❄

تکبیرِ تحریمہ کے بعد ثناء سے قبل تسمیہ پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ نماز میں ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنا کسی حدیث یا فقہاء کے اقوال سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنے کے لیے دلیل کے طور پر حدیث کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰہِ الخ پیش کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ عام درسی کتب میں یہی لکھا ہے کہ ثناء کے بعد تعوذ و تسمیہ پڑھا جاتا ہے۔ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال صحابہ کرامؓ و فقہاء کرام اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں؟ برائے مہربانی مسئلے کا تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں ثناء (یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ الخ) سے پہلے تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ تکبیرِ افتتاح کے بعد ہاتھ باندھ کر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنا احادیث میں منقول اور تمام کتبِ فقہ میں محفوظ ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ قال سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ الخ

(جامع الترمذی ج ۱ ص۵۷ باب ما یقول عند افتتاح الصلوٰۃ)

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ کبّر ثُمَّ رفع یدیہ حتی یحاذی بابہامیہ اُذنیہ ثُمَّ یقول سبحانک اللّٰھم الخ

(الدارقطنی ص۸۸، ۸۹ کتاب الصلوٰۃ۔ باب دعاء الاستفتاح بعد التکبیر) [1]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: (ووضع یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ مستفتحا) قولہ (مستفتحا) ھو حال من الوضع ای یضع قائلا سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدُّک ولآ الٰہ غیرک وقدم انہ سنۃ لروایۃ الجماعۃ انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا افتتح الصلوٰۃ۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص۳۰۹ باب صفۃ الصلوٰۃ)

نماز کے آداب اور خاصیتیں

حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صاحب ؒ زروبوی صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

پیش نظر مقالہ حضرت مرحوم نے ایک سوالنامہ کے جواب میں تحریر فرمایا، سوال یہ تھا کہ نماز پڑھنے کے باوجود اس کے اثرات اور خاصیتیں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں؟ جس کے جواب میں حضرت علامہ مرحوم نے یہ بیش قیمت مضمون تحریر فرمایا تھا جو کہ ماہنامہ الحق کی زینت بنا۔ فتاویٰ کی کتاب الصلوٰۃ کے ساتھ مناسبت سے عمومی فائدہ کیلئے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

قال اللہ تعالیٰ: إنّ الصّلوٰۃ تنهىٰ عن الفحشاء والمنکر۔ (الآیۃ)

بیشک نماز روکتی ہے۔ بے حیائی اور بُری بات سے۔

۱۔ نماز ایک حقیقتِ شرعی ہے جو کہ ہر عاقل بالغ سے مرد ہو یا عورت ہر حالت میں مطلوب ہے چاہے حالت صحت ہو یا بیماری حالت حضر یا سفر، جنگ ہو یا امن، سرکاری ملازم ہو یا قومی، اور شخصی مزدور زراعت میں مصروف ہو یا تجارت وحرفت میں۔ غرض یہ کہ جب تک انسان کے ہوش وحواس ٹھیک ہوں۔ پنجگانہ نماز کی پابندی اس پر فرض عین ہے۔ کسی حالت میں ساقط نہیں ہو سکتی البتہ ہر شخص پر اس کی حالت اور استطاعت کے موافق فرض ہے۔ اس لئے حضر اور سفر کی نماز میں فرق ہے صحت اور مرض کی نماز میں فرق ہے۔ اسی طرح حالتِ جنگ اور امن کی نماز میں فرق ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ نماز کی پابندی نمازی کو بےحیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

لیکن واضح رہے کہ نماز چند مرتبہ اُٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک شرعی حقیقت ہے جس کے اجزاء ترکیبی ہیں جن کو ارکان وفرائض کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شرائط صحت میں ان دونوں کے بغیر حقیقت نماز تو درکنار صورتِ نماز بھی متصور نہیں ہو سکتی۔ ان ارکان اور شرائط میں سے ایک بھی چھوٹ جائے تو وہ نماز از سرنو پڑھنا پڑے گی۔ اس کے علاوہ واجبات

سنن اور آداب ہیں، واجبات کے چھوٹنے سے اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اور سنن کے ترک سے اعادہ سنت ہے۔ مستحبات وآداب کے ترک سے اعادہ مستحب ہے۔ خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ ایک بدری صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابی مذکور نماز سے فارغ ہو کر سلام کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیکر فرمایا "ارجع فصل فانک لم تصل" (الحدیث) واپس جا پھر نماز پڑھ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح حضورؐ نے انہیں تین مرتبہ واپس کرکے ازسرنو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ایک بدری صحابی کی شان سے یہ مستبعد ہے۔ کہ اس نے شروط صحت یا ارکان صلوٰۃ یا واجبات صلوٰۃ ترک کئے ہوں گے۔ غالب ظن یہ ہے کہ اس نے بعض سنن میں کوتاہی کی ہوگی۔ اس پر اس کو اعادہ صلوٰۃ کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی تکمیل بغیر سنن ومستحبات کی ادائیگی کے نہیں ہو سکتی۔

"شرائط صحت، فرائض صلوٰۃ واجبات وسنن ومستحبات صلوٰۃ سے صورۃ صلوٰۃ کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ مگر نماز کے مقبول ہونے کی شروط ہیں۔ یعنی استحضار قلب وخشوع وخضوع وانابت اظہار عبودیت اس طور کہ تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام تک ہر ادا یعنی قرات، تکبیر، تسبیح، تشہد، قیام، قعود، رکوع، سجود حضور قلب سے ہو قلب غافل ولاہی سے نہ ہو، ظاہرًا اور باطنی عجز ونیاز اور اظہار بندگی کے ساتھ ہو۔ یہ حضور قلب اور ظاہری وباطنی انقیاد بمنزلہ روح صلوٰۃ کے ہیں۔ اس کے بغیر حقیقت صلوٰۃ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ آیت مذکورہ بالا میں نہی عن الفحشا والمنکر اسی حقیقت کی پابندی کے ساتھ ادائیگی پر مرتب ہے۔ روح کے بغیر صورت کامل یا ناقص پر آثار ونتائج کا ترتب نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی گھوڑے کے نقش اور تصویر (جو کاغذ یا دیوار پر ہو) سے سواری، باربرداری کی توقع رکھے جو کہ اس حقیقت کے احکام ہیں یا قالب بے جان سے جاندار کے آثار کا تقاضا کرے"

اس مختصر گذارش وتمہید کے بعد ذرا غور فرمادیں کہ آجکل کے مسلمان کی نمازیں اس معیار کے مطابق ہیں۔ وہ حقیقت صلوٰۃ جس کی ادائیگی پنجگانہ مطلوب ہے۔ خارج میں اس کا وقوع ہے اگر ہو تو لامحالا اس کی مواظبت سے ادائیگی پر یہ آثار مرتب ہوں گے۔ اور اگر نہیں تو محض ناقص صورت سے آثار واحکام کی توقع فضول ہے۔

عصر حاضر میں اکثر مسلمان نماز کی نہ تو شرائطِ صحت سے واقف ہیں نہ شرائط مقبولیت سے نہ ارکان اور واجبات وسنن وغیرہ سے باخبر ہیں ۔ ایسی حالت میں ان کی نمازوں کی صورت اگر حقیقی نماز کی صورت کے ساتھ موافق ہو۔ تو اتفاقی حادثہ ہوگا ۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ کہ ایک شخص کسی شے کے اجزاء ترکیبی اور اجزاء تکمیلی وتحسینی اور ان کی ترتیب سے واقف نہ ہو۔ پھر اس شے کی صحیح ترکیب وترتیب واقع کر سکے ۔ الا یہ کہ اتفاقاً ایسا ہو جائے ۔

آجکل کے مسلمان غیر تعلیم یافتہ تو درکنار اکثر سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ جو اسلامی تعلیم سے بے خبر ہوں ۔ بسم اللہ اور اعوذ باللہ اور کلمہ توحید اور شہادت کے صحیح تلفظ پہ قادر نہیں تو اس کے صحیح معنی سے کیسے واقف ہوں گے ؟

۲- دوسرا جواب یہ کہ نماز کے بے حیائی اور برائی سے روکنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہ کہ نماز میں ——— اللہ تعالیٰ نے اس میں روکنے کی خاصیت رکھی ہے ——— جیسے بعض ادویہ میں بعض امراض کے دفع کرنے کی خاصیت رکھی گئی ہے ۔ لیکن جس طرح کہ ادویہ ہر حال میں امراض کے دافع نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کی تاثیر بعض امور کے ساتھ مشروط ہے کہ خاص ترکیب ہو ۔ خاص طریق استعمال ہو۔ خاص مقدار ہو۔ ایک مدت مخصوص تک مواظبت و دوام ہو۔ درمیان میں فصل نہ ہو دوا کی تاثیر کے منافی اشیاء سے پرہیز ہو۔ ان شروط کے تحقق اور موانع کے رفع کے بعد ادویہ امراض کے ازالہ میں مؤثر ہو سکتی ہیں ۔ اسی طرح نماز مؤثر بالخاصہ جبکہ شروط تاثیر موجود ہوں اور موانع مرتفع ہوں ۔

دوسرے معنی یہ کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطریق تقاضا اور مطالبہ کے ہو۔ یعنی نمازی جبکہ نماز میں خضوع اور خشوع کے ساتھ اقرار الوہیت اللہ تعالیٰ کرے ۔ اور اظہار خالقیت و ربوبیت اس کی کرے اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اپنی بندگی اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور معبودیت کا اعتراف کرے ۔ تو نماز کی یہ مخصوص ہیئت اور اس کی ہر ادا اور ہر ذکر اس سے مطالبہ کرتی ہے زبان حال سے کہ اے غلامی اور بندگی کا دعویٰ کرنے والے! اس مولیٰ کی جس کی ربوبیت خالقیت اور معبودیت کا بھی تو اقرار کر چکا ہے ۔ اس کی مخالفت سے باز رہ اور فواحش اور منکرات سے رک جا اور بدعہدی نہ کر ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے ۔ مگر نماز کے اس اقتضاء اور مطالبہ میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ روکتا اور منع فرماتا ہے ۔ ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر (الآیۃ) پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے

روکنے پر برائی سے نہیں رکتا۔ تو نماز کے روکنے پر اس کا نہ رکنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

۳۔ نماز سے غفلت کے اسباب مندرجہ سوال کے علاوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جب تک کہ انسان اپنے آپ کو کسی عمل کے متعلق ایک حاکم اعلیٰ (جو کہ عقاب دینے پر قادر ہو) کے سامنے جوابدہ نہ سمجھے تو اس سے غفلت برتتا ہے۔

۲۔ جب تک کہ انسان کسی کام کو اپنی دنیوی یا اُخروی زندگی کی کامیابی کیلئے ضروری نہ سمجھے۔ تو اس عمل کے کرنے کی پرواہ نہیں رکھتا۔

۳۔ جب تک کہ انسان کسی عمل کے روحانی یا جسمانی فوائد شخصی انفرادی یا قومی اجتماعی منافع دنیوی یا اُخروی مصالح سے ناواقف ہو۔ تو ایسے عمل کے کرنے کا سوال اس کے نزدیک عبث ہے بلکہ بسا اوقات اس عمل کو کراہت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۴۔ جب تک کہ انسان کسی عمل کے ترک کے بُرے عواقب سے بے خبر ہو۔ انفرادی اور اجتماعی نقصانات سے ناواقف ہو۔ دنیوی اور اُخروی عقاب سے جاہل ہو۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کام کی طرف توجہ دے۔

۵۔ جب تک انسان کی روحانیت پر بہیمیت، سُبعیت، شیطنت غالب ہو جائے۔ تو انسانیت اور روحانیت مفلوج ہو کر اس کے تقاضے ناقابل اعتناء اور ناقابل فہم ہو جاتے ہیں۔ نماز اور دیگر فرائض ایمانی تقاضے ہیں۔ اور خود ایمان فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔

۶۔ بہت سے تارکین صلوٰۃ شیطان کے بہکانے سے اس اُمید پر ترک صلوٰۃ کے مرتکب ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں ان کے لئے شفاعت کر کے عقاب سے نجات پائیں گے۔

شفاعتی لاهل الکبائر (الحدیث)

۷۔ اکثر عوام جو ترکِ صلوٰۃ اور دیگر کبائر میں مبتلا ہیں۔ نفس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور ناپیدا کنار مغفرت کا سبز باغ دکھا کر دھوکہ دیا ہے کہ اس رحمت واسعہ اور مغفرت کاملہ کے سامنے تمہارے معصیات ہیچ ہیں اور یہ رحمت اور مغفرت ضرور تمام مسلمانوں کو شامل حال ہوگی۔

۸۔ کسی سے سنا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ (الحدیث) لہٰذا کلمہ پڑھنے والا ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ چاہے عمل کرے نہ کرے۔

۹۔ اہم سبب دین کی حقیقت سے بے خبری۔ اسلام کے فروع واصول سے ناواقفی اسلامی تعلیمات سے بیزاری ہے۔ عصر حاضر میں جہل یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ کہ علوم دینیہ کے عالم کو تعلیم یافتہ نہیں کہا جاتا، سکولوں اور کالجوں میں پڑھنا پڑھانا تحصیل علم اور تعلیم سمجھتے ہیں۔ اور اس میں

پڑھنے پڑھانے والوں کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ حالانکہ شرعی اصطلاح میں قرآن کریم احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام دینیہ کے علوم کے علاوہ تمام فنون کو کسب، صنعت وحرفت اور فن کہا جاتا ہے۔ فن انجنیئری، فن ڈاکٹری، فن طب، فن زراعت وغیرہ وہاں لغت کے اعتبار سے علم کہنا صحیح ہے۔ کیونکہ لغت میں علم بمعنی دانستن یا سیکھنے کے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم ثلاثۃ ایات محکمۃ وسنۃ قائمۃ وفریضۃ عادلۃ۔ (الحدیث) علم تین ہیں، علم القرآن، علم سنت ثابتہ، علم الفرائض یا احکام اجتہادیہ۔

۴۔ امور مذکورہ فی السوال میں ترک صلوٰۃ کو کافی دخل ہے۔ ان کے علاوہ ترک صلوٰۃ میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ جن کا بالتفصیل استقصار مشکل ہے مختصراً چند خرابیاں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ روحانی خرابیاں۔ صلوٰۃ درحقیقت ہیئات مخصوصہ میں اذکار خاصہ کا نام ہے۔ یعنی اللہ کی حمد وثنا، تلاوت قرآن، تکبیرات، تسبیحات، تشہد، درود، مناجات، خضوع وخشوع کے ساتھ، اور روح انسانی چونکہ ملکی ہے۔ اس کی غذا ہی ذکر ہے۔ انہی اس کے استکمال اور ترقی اور حیات کا مدار ہے۔ تارک الصلوٰۃ نے اپنی روح کو اپنی غذا سے محروم کر کے حیات جاودانی اور کمال انسانی سے بے بہرہ کر دیا۔

۲۔ روح کو جو تقرب عند اللہ فرائض ونوافل سے حاصل ہو سکتا تھا۔ اور اس پر جو عنایات اور الطاف ربانی مرتب ہو سکتے تھے، ان سے محروم کر دیا۔

۳۔ حدیث میں وارد ہے۔ الصلوٰۃ نور۔ یعنی صلوٰۃ دنیا میں روح انسانی کے لئے مانند نور کے حق وصواب کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ سبب کشف معارف الٰہیہ ہے۔ قبر کی تاریکی کا ازالہ کر کے روح کیلئے باعث انشراح اور سرور ہے۔ ظلمت قیامت میں سامان کشف واشراق ہے۔ تارک صلوٰۃ نے ان تمام انواع انوار سے اپنی روح روک کر دیا اور برزخ اور قیامت کی تاریکیوں میں پریشان وبلا نور کھو دیا۔

۴۔ حدیث سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ خمسہ پنجگانہ نماز گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنے کے لئے ایسے ہیں۔ جیسے نہر کا پانی ازالہ نجاست کے لئے بے نمازی نے نماز ترک کر کے گناہوں سے روحانی طہارت حاصل نہ کر سکا۔

جسمانی اور مادی نقائص ۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سِیمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الآیۃ) چہروں کی نورانیت جو نماز پڑھنے کا اثر ہے۔ بے نماز کو یہ نور اور اثر سجود حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ جسم کو نجاست اور احداث سے پاک کرنا نمازی کے لئے استنجاء، وضو، غسل کے ذریعہ ضروری ہے۔ بے نمازی کو جبکہ نماز پڑھنے کی پرواہ نہیں۔ تو طہارت کا کیا خیال رکھے گا۔ لہٰذا اس کا جسم نجاسات کے تلوث سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۳۔ نمازی پنجگانہ نماز کے لئے پنجوقتہ وضو کرتا ہے۔ جس سے اس کے اعضاء ظاہرہ پر میل کچیل گردوغبار نہیں رہتا۔ بے نمازی اس جسمانی صفائی سے بے بہرہ ہوتا ہے۔

۴۔ کسب اور کمائی میں برکت نہیں رہتی۔ بلکہ وہ مال جو نماز کے وقت میں نماز چھوڑ کر حاصل کیا گیا ہے۔ مال خبیث ہے۔ دوسرے پاک اموال میں اس کے ملانے سے خبث پیدا کر دیتا ہے۔

۵۔ طبعی نشاط جسمانی چستی جو بدنی عبادت کے حرکات مختلفہ سے حاصل ہوتی ہے۔ بے نمازی حق بندگی چھوڑ کر اس سے محفوظ نہ ہو سکا، ہر ذہنی پریشانی کا روحانی علاج اشتغال بالصلوٰۃ ہے جیسا کہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فزعه امر فزع الی الصلوٰۃ۔ یعنی شاق اور مشکل امور میں صبر وصلوٰۃ سے مدد لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر سے پریشان ہو جاتے۔ جلدی سے نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ نماز میں مشغول ہو کر ہر غم واندوہ سے بلکہ ماسوی اللہ سے توجہ ہٹ کر صرف معبود حقیقی ملحوظ ہوتا ہے۔ اس طرح ہر پریشانی اور فکر سے ذہن فارغ ہو جاتا ہے۔ نیز مصلی اپنی نیازمندانہ مناجات ثنا و دعا تسبیح و تکبیر، قرأت و تہلیل، عاجزانہ رکوع و سجود کے ذریعہ معبود کریم کی رحمت اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ جس سے مشکل حل ہو کر پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دولت صرف نمازی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ نماز کی برکت سے سب سے بڑھ کر ہلاکت خیز خرابی جو قصداً ترک نماز سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ بعض ائمہ کے نزدیک اگر یہ شخص توبہ نہ کرے تو حدود اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہوا۔ لہٰذا اس کی پاداش میں وہ ارتداداً قتل ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ پابندی سے نماز ادا کرو۔ اور مشرکین میں نہ ہوا کرو۔ اس کا مطلب بظاہر یہ ہے۔ کہ نماز قصداً نہ پڑھنا مشرکین میں شامل ہونا ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے۔ ان بین العبد والکفر والشرک ترک الصلوٰۃ (رواہ مسلم) بے شک بندہ اور کفر و شرک کے درمیان رابطہ ترک الصلوٰۃ ہے۔ یعنی بندہ اور کفر کے درمیان نماز مانع و حائل تھا۔ جب نماز چھوڑ دی۔ تو اب بندہ اور کفر و شرک کے درمیان کوئی حجاب نہ رہا۔ نیز وارد ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العهد الذی بیننا و بینهم الصلوٰۃ فمن ترکها فقد کفر (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارے اور ان کے یعنی کفار کے درمیان عہد نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑی۔ اس نے کفر کیا۔ اسی مضمون کی بہت احادیث وارد ہیں جس کی وجہ سے امام احمد صاحبؒ نے قصداً تارک الصلوٰۃ کو کفر کی حدود میں داخل سمجھ کر مرتد کا حکم لگایا۔ یعنی دوسرے ائمہ اگرچہ فوری طور پر اس کو کافر نہیں کہتے۔ لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ کفر کے قریب پہنچا۔ اگر توبہ نہ کی۔ تو انجام کار ایمان کی حدود سے نکل جائے گا۔ جیسا کہ کوئی شخص خشک بیابان میں سفر کرتا ہو اور اس کے پاس پینے کے لئے پانی ختم ہو جائے اس کے متعلق کہا جائے کہ فلاں ہلاک ہوا۔ اگرچہ وہ بالفعل ہلاک نہیں۔ لیکن اسباب ہلاکت چونکہ پیدا ہوئے ہیں۔ تو آخرکار ہلاک ہوگا۔

باب تسویۃ الصفوف[1]

(صفوں کو سیدھا کرنے کے مسائل)

بوقتِ ضرورت پہلی صف خالی چھوڑنا

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے قبلہ کی جانب شمال و مشرق کی طرف ایک دیوار ہے جبکہ جنوب کی طرف کا حصہ خالی ہے لیکن جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو بعض لوگ شدتِ گرمی کی وجہ سے جنوب کے حصے کی جانب نہیں کھڑے ہوتے اور مسجد کے امام صاحب لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ پہلے اس صف کو پورا کیا جائے کیونکہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی صف جو باہر کے حصے میں ہے اور مسجد کے اندر جو دوسری یا تیسری صف ہے کیا یہ ثواب میں برابر ہیں یا ان کے درمیان فرق ہے؟

الجواب:۔ پہلی صف دوسری صفوف سے افضل ہے چاہے یہ دوسری صفوف مسجد کے ہال میں ہوں یا باہر ہوں، چونکہ شرعاً سخت دھوپ کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا مرخص ہے تو پہلی صف کا ترک کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا تاہم پہلی صف کی دوسری صفوف کے مقابلہ میں افضلیت احادیث میں ثابت ضرور ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء اخرها وشرها اولها۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص۱۸۲ باب تسویة الصفوف)[1]

صف میں کھڑا ہونے کا طریقہ

سوال:۔ نماز کے لیے صفیں باندھتے وقت صف کہاں سے شروع کی جائے؟ بعض کہتے ہیں کہ دائیں طرف سے جبکہ بعض کہتے ہیں درمیان سے، اگر کوئی بائیں طرف سے صف باندھے تو اس کا کیا

---

[1] عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر صفوف الرجال اولها وشرها اٰخرها وخیر صفوف النساء اٰخرها وشرها اولها۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۱ ص۹۸ باب تسویة الصفوف) ومثله فی معارف السنن ج۲ ص۲۹۲ باب ماجاء فی فضل الصف الاول۔

حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر امام اور مقتدی ایک ہو تو بہتر یہ ہے کہ مقتدی امام کے دائیں طرف کھڑا ہو بائیں طرف کھڑا ہونا خلافِ اولیٰ ہے، البتہ اگر مقتدی زیادہ ہوں تو پھر درمیان سے صف کا انعقاد کیا جائے، دائیں بائیں جانب سے بھی صف باندھنا جائز ہے اگرچہ خلافِ اولیٰ ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ویقف الواحد) ولو صبیًا اما الواحدة فتتاخر (محاذیا) ای مساویًا (لیمین امامه) علی المذهب ولا عبرة بالرأس بل بالقدم۔۔۔ (والزائد) یقف (خلفه)

قال ابن عابدینؒ: (والزائد خلفه) عدل تبعًا للوقایة عن قول الکنز والاثنان خلفه لانه غیر خاص بالاثنین بل المراد ما زاد علی الواحد اثنان فاکثر نعم یفهم حکم الاکثر بالاولی وفی القهستانی وکیفیته ان یقف احدهما بحذائه والاخر بیمینه اذا کان الزائد اثنین، ولو جاء ثالث وقف عن یسار الاول والرابع عن یمین الثانی والخامس عن یسار الثالث وهکذا۔ (رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۵۶۶ باب الامامة)[1]

نابالغ کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا

سوال:۔ سات یا آٹھ سال کا بچہ اگر بالغین کی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچہ ایک ہی ہوتا ہے اور پہلی صف میں جگہ کافی ہوتی ہے اور یہ بچہ پیچھے دوسری صف میں اکیلا کھڑا ہونے کے بجائے صفِ اول میں شامل ہو جاتا ہے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ بچے بالغین کی صف میں کھڑا ہونے کے بجائے اپنے لیے مستقل صف باندھیں، البتہ اگر بچہ ایک ہو یا زیادہ ہوں لیکن ان میں سے کوئی پہلی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر ایسا کرنا بہتر نہیں۔

---

[1] وفی الهندیة: اذا کان مع الامام رجل واحد اوصبی یعقل الصلوٰة قام عن یمینه وهو المختار ولا یتاخر عن الامام فی ظاهر الروایة هکذا فی المحیط ولو وقف علی یساره جاز وقد اساء کذا فی محیط السرخسی۔۔ وافضل مکان الماموم حیث یکون اقرب الی الامام فان تساوت المواضع ففی یمین الامام وهو الاحسن هکذا فی المحیط۔ (الهندیة ج ۱ ص ۸۸، ۸۹ باب الامامة) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۵۳ باب الامامة۔

قال الحصکفیؒ: (ثم الصبیان) ظاھرہ تعددھم فلو واحداً دخل الصف۔
قال ابن عابدینؒ: (قولہ فلو واحد دخل الصف) ذکرہ فی البحر بحثاً قال وکذا لو کان المقتدی رجلاً وصبیاً یصفھما خلفہ لحدیث انس فصففت انا والیتیم وراءہ والعجوز من ورائنا وھذا بخلاف المرأۃ الواحدۃ فانھا تتاخر مطلقاً کالمتعددات للحدیث المذکور۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۷۱ باب الامامۃ) لہ

امام سے بلاضرورت دُور کھڑا ہونا

سوال:۔ ایک شخص مسجد میں آکر امام کی اقتداء میں نیّت باندھ لیتا ہے لیکن صف میں کھڑا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات امام کمرہ میں ہوتا ہے اور مقتدی برآمدہ میں کھڑے ہوکر امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے، ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص صفوں کو چھوڑ کر اکیلا امام کی اقتداء کرتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔
وفی الھندیۃ.... ولو اقتدی بالامام فی اقصی المسجد والامام فی المحراب فانہ یجوز کذا فی شرح الطحاوی۔ (الھندیۃ ج۱ ص۸۸ باب الامامۃ) ٢ہ

نماز میں ٹخنوں اور کندھوں کے ملانے کا حکم

سوال:۔ نماز میں ٹخنے اور کندھے ملا کر کھڑا ہونا چاہیئے یا بغیر کندھے ملائے ہوئے صف بندی کی جائے؟

الجواب:۔ نماز میں اصل چیز صف کا سیدھا رکھنا مطلوب ہوتا ہے اور جن بعض روایات

لہ وفی الھندیۃ: اذا کان مع الامام رجل واحد او صبی یعقل الصلوٰۃ قام عن یمینہ وھو المختار.... واذا کان معہ اثنان قاما خلفہ وکذلک اذا کان احدھما صبیاً.... ولو اجتمع الرجال والصبیان والخناثی والاناث والصبیات المراھقات یقوم الرجال اقصی مایلی الامام ثم الصبیان الخ (الھندیۃ ج۱ ص۸۸، ۸۹ باب الامامۃ) ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۵۳ باب الامامۃ۔

٢ہ قال ابن عابدینؒ: فان المسجد مکان واحد ولذا لم یعتبر فیہ الفصل بالخلاء الا اذا کان المسجد کبیراً جداً۔ (رد المحتار علی در المختار ج۱ ص۵۸۶ باب الامامۃ) ومثلہٗ فی فتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش فتاویٰ ھندیۃ ج۱ ص۹۲۔

میں کعب کو کعب سے ملانے کا حکم وارد ہے تو اس سے مراد محاذات ہے حقیقی معنی اس سے مراد نہیں کیونکہ بیک وقت ٹخنوں اور کندھوں کو ملانا مشکل ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ینبغی ان یأمرهم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبهم ویقف وسطاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۶۸ باب الامامة) ؎۱

صف میں اکیلے کھڑا ہونا

سوال:۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم نماز کی غرض سے مسجد میں آتے ہیں تو جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی ہے اور پہلی صف میں جگہ بھی نہیں ہوتی تو اب بعد میں آنے والا شخص کیا اکیلا ہی دوسری صف میں اقتداء کی نیت کرے یا کسی شخص کو صفِ اول سے کھینچ کر اپنے ساتھ دوسری صف میں ملا کر جماعت میں شامل ہو جائے جبکہ ایسا کرنا اس دور میں بہت مشکل ہے، تو کیا ایسی صورت میں اکیلے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ بہتر تو یہ ہے کہ اکیلے نماز نہ پڑھے بلکہ صفِ اول سے کسی کو اپنے ساتھ ملائے اور جماعت میں شامل ہو جائے، چونکہ دورِ حاضر میں دین سے بے رغبتی عام ہے اور جہل کی وجہ سے نماز کے فاسد ہونے کا احتمال قوی ہے اس لیے اکیلے کھڑے ہو کر اقتداء کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وقدمنا کراهة القیام فی صف خلف صف فیه فرجة للنهی وکذا القیام منفرداً وان لم یجد فرجة بل یجذب احدا من الصف ذکره ابن الکمال لکن قالوا فی زماننا ترکه اولی فلذا قال فی البحر یکره وحده الا اذا لم یجد فرجة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۷ باب مکروهات الصلوٰة) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیم المصریؒ: وینبغی للقوم اذا قاموا الی الصلوٰة ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبهم فی الصفوف ولا بأس ان یأمرهم الامام بذلک۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۳ باب الامامة)
وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۸۹ باب الامامة۔

؎۲ وفی الهندیة: وکره للمقتدی ان یقوم خلف الصفوف وحده اذا وجد فرجة فی الصفوف وان لم یجد فرجةً فی الصفوف روی محمد بن شجاع وحسن بن زیاد عن ابی حنیفةؒ انه لا یکره فان جرّ احداً من الصف الی نفسه وقام معه فذلک اولی کذا فی المحیط۔ وینبغی ان یکون عالماً حتی لا تفسد الصلوٰة علی نفسه کذا فی خزانة الفتاوی۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۰۷ مکروهات الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح علی حاشیة الطحاوی ص۱۹۶ فصل فی المکروهات۔

پہلی صف میں کھڑے ہونا کس کا حق ہے

سوال:۔ بوڑھوں کی موجودگی میں نوجوان پہلی صف میں کھڑے ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز باجماعت کے لیے پہلی صف میں کھڑے ہونا افضل ہے، عمر کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ امام کے پیچھے ایسے شخص کو کھڑا ہونا چاہیئے جو خود بھی امامت کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ بوقتِ ضرورت اس کو خلیفہ بنایا جاسکے، ایسی حالت میں بے علم بوڑھوں کی جگہ ایسے نوجوان کا امام کے قریب ہونا بہتر ہے جو نماز پڑھا سکتا ہو۔

وکل من یصلح اماماً للامام الذی سبقہ الحدث فی الابتداء یصلح خلیفۃ لہ ومن لا یصلح اماماً لہ فی الابتداء لا یصلح خلیفۃ لہ کذا فی المحیط۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۹۵ فصل فی الاستخلاف) [1]

پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑا ہونا

سوال:۔ ہماری مسجد میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلی صف میں جگہ ہوتی ہے، بعض لوگ باوجود جگہ ہونے کے دوسری صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا مکروہ ہے؟

الجواب:۔ صفوں کو پُر کرنا جماعت کے آداب میں سے ہے، اگر کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے کہ پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑا ہوجاتا ہے تو بوجہ مخالفتِ حدیث کے مکروہ ہے۔

عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقصٍ فلیکن فی الصف المؤخر۔ رواہ ابو داؤد۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۱۰۰ باب تسویۃ الصفوف) [2]

ولما قال ابن عابدینؒ، وعلیہ فلو وقف فی الصف الثانی داخلھا قبل استکمال الصف الاول من خارجھا یکون مکروھاً (رد المحتار ج ۱ ص۵۶۹ مطلب فی جواز الایثار بالقُرَب)

---

[1] عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلنی منکم اولوا الاحلام والنھٰی ثم الذین یلونھم ثلثاً وایاکم وھیشات الاسواق۔ (المسلم ج ۱ ص۱۸۱ باب تسویۃ الصفوف) وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۹۸ باب تسویۃ الصفوف۔

[2] عن ابی سعید الخدری قال رأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اصحابہ تاخراً فقال لھم تقدموا فائتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم لا یزال قوم یتاخرون حتی یؤخرھم اللّٰہ (رواہ مسلم ج ۱ ص۱۸۲)

باب الجماعۃ

(نماز باجماعت کے مسائل)

عذر کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا

سوال:۔ ہم سعودی عرب میں ایک کمپنی کے ملازم ہیں لیکن جب اذان ہوتی ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ کام کو چھوڑ کر مسجد میں جائیں اور جماعت سے نماز پڑھیں، اگر ایسا کرتے ہیں تو کمپنی کا مالک ناراض ہوتا ہے، ایسے ہی بعض اوقات ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے کہ اگر اُسے چھوڑ دیا جائے تو کام رُک جاتا ہے جس سے مالک کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں مارنے پر تیار ہو جاتا ہے، اندریں حالات کیا ہم اسی جگہ نماز پڑھ لیا کریں یا مسجد میں جانا ضروری ہے؟

الجواب:۔ جہاں مال کے ضیاع اور ہلاکت کا خطرہ ہو اور ایسا ہی مالک کی جانب سے اپنی جان کو خطرہ ہو تو بوجہ ظلم کے آپ جماعت کو ترک کرسکتے ہیں لیکن جہاں کہیں موقع ملے انفراداً یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کریں۔

لما قال الحصکفیؒ: ولا علی حال بینہ وبینہا مطر وطین...... وظلمۃ۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول ولا علی ... ظلمۃ) یخاف علی نفسہ اومالہ۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص۵۵۵ باب الامامۃ) [1]

جماعت ثانیہ کا حکم

سوال:۔ کسی محلہ کی مسجد میں جب ایک مرتبہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے جائیں تو بعض محلے والے دوسری مرتبہ بعض لوگوں کو جمع کر کے نماز باجماعت پڑھتے ہیں، تو کیا شرعاً جماعتِ ثانیہ کا محلہ کی مسجد میں کوئی جواز ہے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف کے نزدیک محلہ کی مسجد میں جس کا امام اور مؤذن مقرر ہو جماعت ثانیہ مکروہ ہے، البتہ ایسی مسجد جس میں امام یا مؤذن مقرر نہ ہو یا راستے کی مسجد ہو تو اُس میں

---

[1] وفی الھندیۃ: تسقط الجماعۃ بالاعذار ...... او کان اذا خرج یخاف ان یحبسہ غریمہ فی الدین ...... او یخاف ضیاع مالہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۸۳ باب الامامۃ)۔
ومثلہ فی البحرالرائق ج ۱ ص۳۶۷ باب الامامۃ۔

جماعتِ ثانیہ جائز ہے، البتہ اگر مسجد کے ساتھ ملحقہ کوئی حجرہ یا مدرسہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس میں جماعتِ ثانیہ کر لی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی بھما فیہ اولاً غیر اھلہ او اھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اھلہ بدونھما او کان مسجد طریق جاز اجماعاً کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجاً فوجاً فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علیٰ حدۃ کما فی امالی قاضی خان۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۲ باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد) [1]

امام کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھنا

سوال:۔ امام تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھے گا نہیں؟ اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی حرج تو نہیں آتا؟

الجواب:۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں توسع ہے، اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی زیادتی نہیں آتی، اور بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے، اگر نہ پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ پڑھنا بہتر ہے۔

قال الحصکفیؒ: ثم یرفع رأسہ من رکوعہ مسمعاً) فی الولوالجیۃ لو ابدل النون لاما تفسد وھل یقف بجزم او تحریک قولان (ویکتفی بہ الامام) وقالا یضم التحمید سراً۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۴۹۷ باب صفۃ الصلوٰۃ) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ: المسجد اذا کان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لا یباح تکرارھا فیہ باذان ثانٍ اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعاً وکذا فی مسجد قارعۃ الطریق کذا فی شرح المجمع للمصنف۔ (فتاویٰ ھندیہ ج ۱ ص ۸۳ باب الامامۃ) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۶ باب الامامۃ)

[2] وفی الھندیۃ: فان کان اماماً یقول سمع اللہ لمن حمدہ بالاجماع وان کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولا یأتی بالتسمیع بلا خلافٍ وان کان منفرداً الاصح انہ یأتی بھما کذا فی المحیط وعلیہ الاعتماد کذا فی التتارخانیہ وھو الاصح ھکذا فی الھدایۃ ثم فی الروایۃ التی تجمع یأتی بالتسمیع حال الارتفاع واذا استوی قائماً قال ربنا لک الحمد کذا فی الزاھدی وھو الصحیح کذا فی القنیۃ۔ (فتاویٰ ھندیۃ ج ۱ ص ۷۴ سنن الصلوٰۃ وآدابھا)

گھر کی حفاظت کے لیے جماعت ترک کرنا

سوال:۔ کیا گھر کی حفاظت کے لیے جماعت چھوڑنا جائز ہے؟

الجواب:۔ محض تردد اور شک کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا جائز نہیں، البتہ اگر یقین ہو کہ عدم موجودگی میں کسی ظالم سے ایذا پہنچے گی اور گھر کی بے پردگی ہوگی یا مریض کی بیماری بڑھ جائے گی، تو ان صورتوں میں ترکِ جماعت کی گنجائش ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذا القول ولاعلیٰ ……. وخوف علیٰ مالہ اومن غریم او ظالم ، یخاف علیٰ نفسہ او مالہ (قیامہ بمریض) ای یحصل بغیبتہ المشقۃ والوحشۃ کذا فی الامداد ۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۵۶ باب الامامۃ) ؎۱

بغیر عذرِ شرعی جماعت ترک کرنا

سوال:۔ ایک شخص اپنے آپ کو صاحب نسبت ظاہر کرے اور اس کا حلقۂ ارادت بھی بہت وسیع ہو، ذکر واذکار اور نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہو، لیکن اس کے باوجود نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتا، اکثر اس کی جماعت رہ جاتی ہے۔ تو کیا بغیر شرعی عذر کے جماعت کو ترک کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ایسے شخص سے بیعت کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے جماعت کو ترک کردے اور جماعت سے نماز پڑھنے کو اچھا نہ سمجھے تو ایسا شخص فاسق شمار ہوگا، اس لیے بوجہِ فسق ایسے شخص سے بیعت کرنے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس سے منصبِ بیعت کی توہین ہوتی ہے۔

قال الحصکفیؒ ، قال فی البحر ھوالراجح عند اھل المذھب (فتسن او تجب ثمرتہ تظھر فی الاثم بترکھا مرۃ (علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج)

قال ابن عابدینؒ : تحت (قولہ قال فی البحر) قال فی النھر ھو اعدل الاقوال و اقواھا ولذا قال فی الاجناس لا تقبل شھادتہ اذا ترکھا استخفافاً

؎۱ وفی الھندیۃ : تسقط الجماعۃ بالاعذار …. اوکان فیھا لمریض او یخاف ضیاع مالہ ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۸۳ باب الامامۃ)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۳۶۷ باب الامامۃ ۔

ومجانة۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۵۴ باب الامامة) [1]

تکبیر اولیٰ کا وقت کیا ہے؟

سوال: تکبیر اولیٰ کا وقت کیا ہے؟ اور کب تک مقتدی امام کی اقتداء کرے تو تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا؟

الجواب: تکبیر اولیٰ کی کئی صورتیں ہیں (۱) امام کے ساتھ متصل نیت باندھ کر اقتداء کرے تو سب کے نزدیک تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا (۲) البتہ ثناء کے بعد یا سورۃ فاتحہ کے بعد رکوع سے قبل اقتداء کرے تو یہ صورتیں اختلافی ہیں۔ اوسع اور صحیح یہی ہے کہ پہلی رکعت کے پا لینے سے تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جاتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ، تظھر فائدۃ الخلاف فی وقت ادراك فضیلة تکبیرۃ الافتتاح فعندہ بالمقارنة وعندھما اذ کبر فی وقت الثناء وقیل بالشروع قبل قرأۃ ثلاث آیات لوکان المقتدی حاضراً وقیل سبع لوغائباً وقیل بادراك الرکعة وھذا اوسع وھو الصحیح۔ وقیل بادراك الفاتحة وھو المختار۔

(ردّ المحتار ج۱ ص۵۲۶ باب صفة الصلوٰۃ، مطلب فی وقت ادراك فضیلة الافتتاح) [2]

امام کا مقتدی کی تشہد مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیرنا

سوال: بعض مساجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ابھی مقتدی تشہد میں درود یا دعا پڑھ رہا تھا کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا، اب مقتدی کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ امام صاحب کے ساتھ ہی سلام پھیر دے یا اپنی تشہد

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وذکر فی غایة البیان معزیاً الی الاجناس ان تارك الجماعة یستوجب اساءۃ ولاتقبل شھادته اذا ترکھا استخفافاً بذلك ومجانة اما اذا ترکھا سھواً او ترکھا بتاویل بان یکون الامام من اھل الاھواء او مخالفاً لمذھب المقتدی لایراعی مذھبه فلا یستوجب الاساءۃ وتقبل شھادته۔ (البحر الرائق ج۱ ص۳۴۵ باب الامامة)
ومثله فی الھندیة ج۱ ص۸۳ باب الامامة)

[2] فضیلة تکبیرۃ الافتتاح تکلموا فی وقت ادراکھا والصحیح ان من ادرك الرکعة الاولیٰ فقد ادرك فضیلة تکبیرۃ الافتتاح کذا فی الحصر فی باب ابی یوسفؒ۔
(الفتاوٰی الھندیة ج۱ ص۶۹ الباب الرابع فی صفة الصلوٰۃ)

مکمل کر کے سلام پھیرے؟

الجواب:۔ اگر امام مقتدی کی تشہد کے پورا کرنے کے بعد سلام پھیر دے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ بھی سلام پھیر دے کیونکہ امام کی متابعت ضروری ہے، البتہ اگر مقتدی نے تشہد پوری نہ کی ہو تو پھر تشہد پوری کر کے سلام پھیر دے۔

لما قال العلامة فخر الدين الشهير قاضي خان ولو سلم الامام قبل ان يفرغ المقتدی من التشهد فانه يتم التشهد۔ (الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندية ج ۱ ص۹۲ فصل فیمن یصح الاقتداء به وفیمن لا یصح۔)

مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ نماز باجماعت پڑھنا

سوال:۔ ہمارے سکول کے طلبہ کی تعداد ۷۲۰ ہے جو سکول کے قریب شہر کی تین مساجد میں نماز ظہر، بعض مساجد میں یہ طلباء قبل از اذانِ ظہر نماز پڑھ کر سکول آجاتے ہیں، چونکہ سکول کی مسجد بہت چھوٹی ہے البتہ سکول کا صحن بہت وسیع ہے۔ تو کیا عند الشرع بامر مجبوری سکول کے صحن میں نماز باجماعت پڑھنا صحیح ہے؟ اور جن طلبہ نے قبل از اذان نماز پڑھی ہے ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ (۱) ظہر کی اذان ہمارے شہروں میں مستحب وقت میں ہوتی ہے اور ظہر کی نماز کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اذان سے قبل اور بعد زوال ظہر کی نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔

(۲) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد شرعی کا ہونا زیادہ مناسب و بہتر ہے البتہ اگر بنا بر مجبوری سکول کے صحن میں یا کسی دوسری جگہ جماعت کی جائے تو شرعاً اس میں کوئی

لہ وفی الهندية: ولو سلم الامام قبل ان يفرغ المقتدی من الدعا الذی يكون بعد التشهد او قبل ان يصلی علی النبی صلی الله عليه وسلم فانه يسلم مع الامام۔ فی الهندية اذا ادرك الامام فی التشهد وقام الامام قبل ان يتم المقتدی او سلم الامام فی آخر الصلوٰة قبل ان يتم المقتدی من التشهد فالمختار ان يتم التشهد۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۹۰ باب الامامة۔ الفصل السادس فيما يتابع الامام وفيما لا يتابعه)

ومثله فی كبيری شرح منية المصلی ص۵۲۷ باب الامامة السابع فی الاقتداء۔

قباحت نہیں۔

كما في الحديث عن ابي ذر جعلت لى الارض طهوراً و مسجداً ط (رواه ابوداؤد ج ا ص ۵ ک)

عن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الارض كلها مسجد الا المقبرة والحمام - (رواه ابوداؤد والترمذى والدارمى [1] (مشكوة ج ا ص ک باب المساجد)

معمولی لنگڑے کا جماعت ترک کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص معمولی لنگڑا ہو تو کیا اس کا نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آنا ضروری ہے ؟

الجواب:۔ اگر لنگڑا آسانی سے مسجد میں آسکے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مسجد میں آئے، البتہ اگر زیادہ معذور ہو اور مسجد میں آنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہو تو اس پر مسجد میں آنا واجب نہیں۔

قال ابن عابدين رح: الاعرج الذى لا يستطيع المشى۔ (ردالمحتار جلد ا باب الامامت ص ۵۵۴ [2])

نماز میں رئیسِ محلہ کا انتظار کرنا

سوال:۔ ہمارے محلہ میں ایک رئیس رہتا ہے، جب تک وہ مسجد میں نہ آئے اس وقت تک امام صاحب نماز نہیں پڑھاتے بلکہ اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں، عموماً اس کے آنے کا مکمل یقین بھی نہیں ہوتا۔ تو کیا شریعت میں نماز باجماعت کے لیے کسی کا انتظار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کوئی ضعیف و کمزور ہو اور مسجد میں ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہو تو اس کے لیے انتظار کیا جا سکتا ہے لیکن کسی رئیسِ محلہ کے لیے انتظار کی گنجائش نہیں، البتہ اگر اس سے شر کا خطرہ ہو تو وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے انتظار کیا جا سکتا ہے۔

قال الحصكفى رح: رئيس المحلة لا ينتظر ما لم يكن شريراً والوقت متسع۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ا باب الاذان ص [3])

---

[1] اخرج الامام ابوعيسى الترمذى عن ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الارض كلها مسجد الا المقبرة والحمام - (رواه الترمذى ج ا ص ۴۳)

وَمِثْلُهٗ فى ابى داؤد ج ا ص ک باب فى المواضع التى لا تجوز فيها الصلوٰة۔

[2] وتسقط الجماعة بالاعذار ---- والمفلوج الذى لا يستطيع المشى۔

(الفتاوى الهندية ج ا ص ۸۳ الفصل الاول فى الجماعة)

[3] ينتظر المؤذن الناس ويقيم للضعيف المستعجل ولا ينتظر رئيس المحلة وكبيرها كذا فى معراج الدراية - (فتاوىٰ ہندیہ جلد ا ص ۵ باب الاذان) وَمِثْلُهٗ فى طحطاوى على مراقى الفلاح ص باب الاذان۔

شیعہ امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ شیعہ عقائد رکھنے والے امام کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟ اگر دائمی امام موجود نہ ہو تو کیا بوقتِ ضرورت اُس کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ ہمارے ملک کے اکثر شیعہ وہ عقائد رکھتے ہیں جو غالی شیعوں کے عقائد ہیں جن میں حضرت علیؓ کی الوہیت، سبّ الشیخین، تحریف القرآن اور سبّ عائشہ صدیقہؓ جیسے عقائد شامل ہیں، لہٰذا ایسے عقائد رکھنے والے کی اقتداء بوجہ مسلمان نہ ہونے کے کسی صورت میں جائز نہیں، تاہم جو شیعہ غالی نہ ہو وہ مبتدع کے حکم میں ہو کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: فی کتب الفتاوٰی نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا او انکر صحبۃ الصدیقؓ او اعتقد الالوہیۃ فی علیؓ او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن ولکن لو تاب تقبل توبۃ ھٰذا خلاصۃ ما حررناہ فی کتابنا الولاۃ والحکام۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۲۹۴ کتاب الجہاد)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: (ومبتدع) ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاند بل بنوع شبہۃ وکل من کان من قبلتنا۔۔۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۰ باب الامامۃ)[۱]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت ھٰذا القول (واما المبتدع) و عرفہا الشمنی بانہا ما احدث علیٰ خلاف الحق المتلقی، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبہۃ و استحسان وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً۔ اھ

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۹ باب الامامۃ)

ولما قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: الرافضی ان کان یسبّ الشیخینؓ ویلعنہما فہو کافر وان کان یفضل علیاً علی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہم لا یکون کافراً لکنہ مبتدعٌ۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴ ص ۳۸۱ کتاب الفاظ الکفر)

مُبتدع کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن وہ ایسے اعمال کا مرتکب ہے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اور ایسے اعمال وہ ثواب سمجھ کر کر رہا ہے، کیا اس قسم کی بدعات کے مرتکب شخص کی اقتداء جائز ہے ؟

الجواب:۔ اگر کوئی امام ایسے امور کا مرتکب ہو جو عند الشرع ثابت نہیں لیکن یہ شخص ان امور کو دین سمجھ کر کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا ہو تو بوجہ مبتدع ہونے اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

لیکن واضح رہے کہ کسی شخص پر بغیر کسی تحقیق کے مبتدع کا فتویٰ لگانا دانشمندی نہیں اور نہ ہر کام کو بدعت کہنا صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ (ویکرہ) مبتدع ای صاحب بدعة وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبھة وکل من کان من قبلتنا۔

(الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامة) لے

جادو کرنے والے شخص کی اقتداء

سوال:۔ ایک شخص جادو اور منتر کے ذریعے مال جمع کر رہا ہے، بسا اوقات اس عمل کے دوران وہ غیر اللہ سے استعانت جیسے قبیح فعل کا بھی مرتکب ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے، جبکہ کبھی کبھی موصوف اپنی غیب دانی کا بھی دعویٰ کرتا ہے ؟

الجواب:۔ نفسِ تعویذ کرنا از روئے شرع ممنوع نہیں، البتہ جادو کرنا اور استعانت میں غیر اللہ کے مشرکانہ الفاظ سے تعویذ کرنا، منتر پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔

قال ابن عابدین: قال فی الخانیة امرأة تضع آیات التعویذ لیحبّھا زوجھا بعد ما کان یبغضھا ذکر فی الجامع الصغیر ان ذٰلك حرام ولا یحل اھ وذکر ابن وھبان فی توجیھه انه ضرب من السحر والسحر حرام اھ ومقتضاہ انهٗ لیس مجرد کتابة آیات بل فیه شئ زائد۔ قال الزیلعی وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه انهٗ قال

لے قال ابن نجیمؒ: تحت ھٰذا القول (والمبتدع) وعرفھا الشمنی بانھا ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبھة واستحسان وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۹ باب الامامة)

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص۲۷۵ کتاب الحظر والاباحۃ)

نیز غیب کی باتوں کے علم کا دعویٰ کرنا بے بنیاد اور باطل عقیدہ ہے، ایسے عقائد ونظریات رکھنے والے شخص کی اقتداء نہ کی جائے، کیونکہ ایسی باتیں عقیدہ نہ بنانے کے باوجود بھی حرام اور ناجائز ہیں۔

قال الحصکفیؒ: تحت ھذا القول ویکرہ امامۃ..... مبتدع ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لابمعاندۃ بل بنوع شبہۃ وکل من کان من قبلتنا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ) [۱]

خنثیٰ مشکل کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص علم وفضل وکمال میں سب سے اعلیٰ ہے لیکن جنس کے لحاظ سے وہ خنثیٰ مشکل ہے، کیا اس کی اقتداء درست ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص علم وفضل وکمال کے لحاظ سے سب سے بہتر ہی کیوں نہ ہو لیکن جنس کے لحاظ سے خنثیٰ مشکل ہو تو اس کی اقتداء ناجائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ) وخنثیٰ (وصبی مطلقاً)
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۷۶ باب الامامۃ) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ قال المرغینانی تجوز الصلوٰۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ ... وحاصلہ ان کان ھوی لایکفر بہ صاحبہ تجوز الصلوٰۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا ھکذا فی التبیین والخلاصۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۸۴ باب الامامۃ)

قال ابن نجیمؒ: ھذا القول (والمبتدع) وعرفھا الشمنی بانھا ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبہۃ واستحسان وجعل دینا قویماً وصراطاً مستقیماً۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۹ باب الامامۃ)

[۲] وفی الھندیۃ: وامامۃ الخنثیٰ المشکل للنساء جائزۃ ان تقدمھن وان قام وسطھن فسدت صلوٰتہ لوجود المحاذات ان کان الامام رجلاً کذا فی محیط السرخسی وللرجال والخنثیٰ مثلہ لایجوز۔ (ھندیۃ ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۱۴۷ باب الامامۃ۔

حنفی المسلک کے لیے غیر حنفی امام کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص حنفی المسلک ہے لیکن وہ ایک ایسے ملک میں مقیم ہے جہاں پر امام، امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے مقلد یا غیر مقلد ہوں تو ایسی صورت میں حنفی المسلک مقتدی کا غیر حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مذکورہ غیر حنفی امام اختلافی مسائل کی رعایت کرنے میں مشہور ہو یا مقتدی کا اس کے متعلق اختلافی مسائل میں رعایت کرنے کے بارے میں ظن غالب ہو، مثلاً خون بہنے اور قے میں وضو کرنے کا اہتمام کرتا ہو تو پھر اس کی اقتداء جائز ہے ورنہ نہیں۔

وفی الهندية: والاقتداء بشافعی المذهب انما یصح اذا کان الامام یتحامی مواقع الخلاف بان یتوضا من الخارج النجس من غیر السبیلین کالفصد وان لا یتحرف عن القبلة انحرافاً فاحشاً هکذا فی النهاية والکفاية فی باب الوتر۔

(الهندية ج ۱ ص۸۴ باب الامامة) [1]

منصب امامت میں ارث اور وصیت کا حکم

سوال:- ایک شخص جو کسی مسجد کا باقاعدہ امام ہے وفات کے بعد وہ اپنی جگہ منصب امامت کے لیے اپنے ورثاء میں سے کسی ایک شخص کو مقرر کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں اگر اس نے کسی خاص شخص کے بارے میں وصیت کی ہو تو اس کی رعایت کہاں تک کی جائے گی، اور بغیر وصیت کے بھی اگر کوئی شخص اس میں ارث کا دعویٰ کرے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب:- منصب امامت کوئی جائیداد اور مال نہیں کہ جس میں وراثت جاری ہوسکے یا مورث کی وصیت کی رعایت کی جائے۔ منصبِ امامت کی تقرری امام کی اہلیت، ذاتی کردار اور علم وعمل کے علاوہ اہلِ محلہ کی رضامندی پر ہے، امام کے مرنے کے بعد اہلِ محلہ جس کو بھی امامت تفویض کریں وہی محلہ کی مسجد کا امام متصور ہوگا۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: اما للاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز ما لم یعلم منه ما یفسد الصلوٰة علی اعتقاد المقتدی علیه الاجماع انما الاختلاف فی الکراهة۔

(رد المحتار علی الدر المختار المعروف بشامی ج ۱ ص۵۶۳ باب الامامة)۔

ومثله فی فتاویٰ غیاثیة ص۳۱ باب الامامة والاقتداء۔

قال الحصکفیؒ: (والاحق بالامامۃ تقدیماً بل نصباً مجمع الانہر (الاعلم باحکام الصلوٰۃ) فقط۔ صحۃ وفسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاہرۃ وحفظہ قدر فرض وقیل واجب وقیل سنۃ ثم الاحسن تلاوۃ للقرأۃ ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجھاً ثم الاشرف نسباً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۷ کتاب الامامۃ) لہ

بدکردار اور مفعول کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن وہ اپنے کردار کے لحاظ سے بدنام ہے، مثلاً مفعولیت میں مشہور ہے، تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ موصوف کی بدنامی اگر امامت سے قبل کی ہو اور بعد میں اس نے توبہ کرلی ہو تو اس کی اقتداء جائز ہے۔ کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اس کی حیثیت مجروح نہیں رہتی، لیکن اگر یہ بدنامی کسی ایسے فعل کی وجہ سے ہو جس میں فی الحال یہ شخص مبتلا ہو تو بوجہ فسق اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول (ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق) ای من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربا ونحو ذلک۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۰ باب الامامۃ) ۲؎

منکوحہ کے نکاح پڑھوانے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص اپنی منکوحہ

لہ وفی الھندیۃ: اولی بالامامۃ اعلمھم باحکام الصلوٰۃ ھٰکذا فی المضمرات وھو الظاہر ھٰکذا فی البحر الرائق ھٰذا اذا علم من القرأۃ قدر ما تقوم بہ سنۃ القرأۃ ھٰکذا فی التبیین ولم یطعن فی دینہ کذا فی الکفایۃ وھٰکذا فی النھایۃ ویجتنب الفواحش الظاہرۃ وان کان غیرہ اورع منہ کذا فی المحیط وھٰکذا فی الزاھدی وان کان متبحراً فی علم الصلوٰۃ لکن لم یکن لہ حظ فی غیرہ من العلوم فھو اولی کذا فی الخلاصۃ۔ (فتاوی ہندیۃ ج ۱ ص ۸۳ باب الامامۃ الفصل الثانی) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۷۔

۲؎ وفی الھندیۃ: تجوز امامۃ الاعرابی والاعمی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انہا تکرہ ھٰکذا فی المتون۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۸۵ باب الامامۃ) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۸ باب الامامۃ۔

لڑکی خاوند کے سپرد کرنے کے بجائے اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کردے جبکہ یہ فعل معاشرے میں بھی قبیح سمجھا جاتا ہے تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: منکوحہ کا نکاح پڑھوانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، نکاح علی النکاح کالعدم ہو کر اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی، اگر امام مذکور نے عمداً یہ کام کیا ہو تو بوجہ فاسق ہونے کے اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (ولو ام قوماً وهم له كارهون، ان) الكراهة (لفساد فيه او لانهم احق بالامامة منه كره) له ذلك تحريما لحديث ابي داؤد لا يقبل الله صلوٰة من تقدم وهم له كارهون۔ (رد المحتار علی الدر المختار المعروف بشامی ج ۱ ص ۵۵۹ باب الامامة) [1]

عمامہ نہ پہننے والے کی اقتداء کا حکم

سوال: کیا پگڑی نہ پہننے والے شخص کی اقتداء جائز ہے؟ ہمارے ہاں بعض لوگ عمامہ کے بارے میں انتہائی متشدد ہیں، یہاں تک کہ جس کے سر پر عمامہ (پگڑی) نہ ہو تو اس کی اقتداء ناجائز سمجھتے ہیں، اور ترکِ عمامہ مفسدِ صلوٰۃ تصور کرتے ہیں۔ کیا قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہاء کی رُو سے یہ زعم درست ہے؟

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ عمامہ (پگڑی) پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتوں میں سے ایک سنت ہے لیکن یہ سُننِ عادتیہ میں سے ہے، یعنی پگڑی وہ عمدہ لباس ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استعمال کرکے پسند فرمایا ہے۔

قال صدر الشهيدؒ: فسنن الهدىٰ وان كانت علىٰ سبيل العادة فسنن الزوائد كلبس الثياب والاكل باليمين وتقديم الرجل اليسرىٰ في الدخول ونحو ذلك كلامنا في الاول الى آخره۔ (شرح الوقاية ج ۱ ص ۶۹ كتاب الطهارت)

جیسا کہ دھوتی اور سفید رنگ کے کپڑے پہننے کی فضیلت نماز سے خاص نہیں، ایسا ہی عمامہ کا پہننا بھی نماز سے خاص نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عزت کا لباس سمجھا جاتا ہے،

---

[1] رجل ام قوماً وهم له كارهون فإن كانت الكراهة لفساد فيه أو لانهم احق بالامامة منه كره له ذلك وان كان هو احق بالامامة لا يكره لان الجاهل والفاسق يكره العالم والصالح۔ (الفتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص ۹۲ باب ما يصح الاقتداء في ما لا يصح)۔ ومثله في الهندية ج ۱ ص ۸۷ باب الامامة۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں جاتے وقت عزت کے لباس کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔ بناء بریں فقہاء عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں تاہم اگر کسی شخص کو عمامہ میسر نہ ہو تو پھر بغیر عمامہ کے بھی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال طاہر بن عبدالرشیدؒ: وفی الاصل لا بأس بان یصلی الرجل فی ثوب واحد متوشحًا ویؤم کذلك والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة اما لو صلی فی ثوب واحد متوشحًا به جمیع بدنه کازار المیت یجوز صلوٰته من غیر کراهة۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۳ الفصل السادس فی ستر العورة) [1]

لیکن یہ حکم امام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ حکم ہر نماز پڑھنے والے کے لیے ہے۔ عمامہ کی اس حقیقت کی وضاحت کے بعد اس کو صرف منصبِ امامت سے خاص کرنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اور اس کے نہ پہننے کو مفسداتِ نماز میں شمار کرنا فقہی ذخیرہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

البتہ اگر ایک شخص پگڑی کو عزت کا لباس سمجھے، کسی بڑی محفل اور مجلس میں جاتے وقت پگڑی کا استعمال کرے لیکن نماز پڑھتے وقت اس کا اہتمام نہ کرے تو ایسی صورت میں ثیابِ بذلہ کے حکم میں ہو کر ہر مصلی کے لیے یہ مکروہ ہے، اور جو شخص اس کا پابند نہ ہو اور نہ پگڑی اس کی عادت بنی ہوئی ہو تو ایسی صورت میں بغیر عمامہ کے امام کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تاہم جہاں پر عمامہ کا ترک کرنا فتنہ وفساد کے برپا ہونے کا سبب بنتا ہو تو ایسی جگہ میں عمامہ کے بغیر نماز نہ پڑھائی جائے کیونکہ عمامہ کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں، اور فتنہ وفساد کا انسداد بھی ضروری ہے۔

قاتل کی اقتداء کا حکم

سوال: کیا قاتلِ تائب کی اقتداء جائز ہے جبکہ مقتول کے ورثاء نے اس کو معاف نہ کیا ہو؟

---

[1] قال ابن نجیمؒ: والمستحب ان یصلی فی ثلاثه اثواب قمیص وازار وعمامة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۹ باب شروط الصلوٰة)

وفی الهندیة: والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة اما لو صلی فی ثوب واحدٍ متوشحًا به تجوز صلوٰته من غیر کراهة۔ (ج ۱ ص ۵۹ الباب الثالث فی شروط الصلوٰة)

الجواب:۔ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے، ایسا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا بلکہ مقتول کے ورثاء کو راضی کرنا ضروری ہے۔ صورتِ مذکورہ میں زبانی توبہ نکالنے کے باوجود اس شخص کا فسق و فجور باقی ہے جس کی اقتداء بوجہ فسق کے مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ایسے شخص کو مستقل امام نہ بنایا جائے۔

قال ابن عابدینؒ (وفاسق) من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہٖ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربٰو ونحو ذٰلک۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ)

قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذا القول لا تصح توبۃ القاتل حتّٰی یسلم نفسہ للقود وھبانیۃ ای لا تکفیہ التوبۃ وحدھا قال فی تبیین المحارم واعلم ان توبۃ القاتل لا تکون بالاستغفار والندامۃ فقط بل یتوقف علٰی ارضاء اولیاء المقتول۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۶ ص۵۴۸ کتاب الجنایات) [1]

نابالغ کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ نابالغ امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ ثانی تراویح اور فرائض کا حکم ایک ہے یا ان دونوں میں فرق ہے؟

الجواب:۔ نابالغ کی اقتداء مطلقاً (خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں) مکروہ تحریمی ہے، نابالغ کی جگہ کسی بالغ کو امام بنایا جائے۔

وفی الھندیۃ: امامۃ الصبی المراھق لصبیان مثلہٗ یجوز کذا فی الخلاصۃ وعلٰی قول ائمۃ بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقۃ کذا فی فتاوٰی قاضی خان۔ المختار انہ لا یجوز فی الصلوٰۃ کلھا کذا فی الھدایۃ وھو الاصح ھٰکذا فی المحیط وھو قول العامۃ وھو ظاھر الروایۃ۔ ھٰکذا فی البحرالرائق ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ الفصل الثالث

---

[1] وفی الھندیۃ تجوز امامۃ الاعرابی والاعمٰی والعبد وولد الزناء والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھٰکذا فی المتون۔ (ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ)

قال العلامۃ الشیخ محمد کامل الطرابلسی: لا تصح توبۃ القاتل حتّٰی یسلم نفسہ للقود۔ (الفتاوٰی الکاملیۃ ص۲۵۲ کتاب الجنایات)

فی بیان من یصح اماماً لغیرہ) [1]

صاحب نسبت نہ ہونے والے امام کی اقتداء

سوال:۔ ایک شخص کسی متبع شریعت پیر سے بیعت ہوگیا اس کے لیے کسی ایسے امام کی اقتداء جائز ہے جو نیک اور متقی ہونے کے باوجود کسی پیر سے بیعت نہ ہو۔

الجواب:۔ مروجہ بیعت مقصود بالذات نہیں بلکہ اصلاح نفس کا ایک ذریعہ ہے، اگرچہ موجودہ فتنہ وفساد کے دور میں اصلاح نفس کے لیے کسی متبع شریعت پیر سے بیعت کرنے کے علاوہ کوئی اکسیر نسخہ موجود نہیں، تاہم متقی ہونے کے باوجود صاحب نسبت نہ ہونا اس کے لیے موجب تفسیق نہیں، اس لیے صاحب نسبت مقتدی کی اقتداء بغیر کسی کراہیت کے غیر بیعت شدہ امام کے پیچھے جائز ہے ۔ فقہاء نے وجوہات ترجیح میں بیعت کرنا نہیں لکھا ہے؟

قال الحصکفیؒ ، والاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ ثم الاحسن تلاوۃ للقرأۃ ثم الاورع ای الاکثر اتقاء للشبہات والتقویٰ اتقاء المحرمات ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجہاً ثم الاشرف نسباً ثم الانظف ثوباً ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۵۷ باب الامامۃ) [2]

معذور کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص وضو برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے شرعی معذور ہے اور حاضرین میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں جو متشرع ہو کر وہ جماعت کرا سکے، کیا ایسی صورت میں معذور امام کی اقتداء جائز ہے یا اس کی جگہ کسی داڑھی منڈے کو جماعت کے لیے آگے کیا جائے؟

---

[1] قال الحصکفیؒ : (لا یصح اقتداء رجل بامرأۃ) وخنثیٰ (وصبی مطلقاً) ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح ۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص۵۷۶ باب الامامۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۹ باب الامامۃ ۔

[2] وفی الہندیۃ اولیٰ بالامامۃ اعلمہم باحکام الصلاۃ ھٰکذا فی المضمرات وھو الظاہر ھٰکذا فی التبیین : ھٰذا اذا علم من القرأۃ قدر ما تقوم بہ سنۃ القرأۃ ھٰکذا فی البحر الرائق ھٰذا اذا علم من القرأۃ ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۸۳ باب الامامۃ الفصل الثانی فی بیان من ھو احق بالامامۃ)

الجواب:۔ معذور امام تندرست اور غیر معذور مقتدیوں کو عذر کے ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھا سکتا، ایسی حالت میں بوقتِ ضرورت فاسق و فاجر کی اقتداء جائز ہے اس لیے داڑھی منڈے کو نماز کے لیے آگے کیا جا سکتا ہے۔

قال ابن نجیمؒ: وفی المجتبٰی وھٰذہ الکراھۃ تنزیھیۃ لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احبّ الیّ وھٰکذا فی معراج الدرایۃ وفی الفتاوٰی لو صلی خلف فاسق او مبتدع ینال فضل الجماعۃ لکن لاینال کما ینال خلف تقی ورع لقولہٖ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی۔

وفیہ: وفی السراج الوھاج: فان قلت فما الافضلیۃ ان یصلی خلف ھٰؤلاء او الانفراد قیل اما فی حق الفاسق فالصلوٰۃ خلفہ اولٰی لما ذکر فی الفتاوٰی۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۹ باب الامامۃ)

قال الحصکفیؒ: (ولا طاھر بمعذور) ھٰذا ان قارن الوضوء الحدث او طرأ علیہ) بعدہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۷۸ باب الامامۃ)[1]

گانا سننے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک امام خود گانا سنتا ہو اور اس میں غلو کر کے بسا اوقات مستورات کے گیت گانے کو جائز قرار دیتا ہو، دلیل میں شادی بیاہ کے موقع پر دف کے جواز سے استدلال کرتا ہو اور یہ بھی کہتا ہو کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ان عورتوں کے ساتھ مل کر گیت گاؤں، یہ عورتیں بہت ہی اچھا گاتی ہیں، شرعاً ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شادی بیاہ میں مشروط تغنی سے مطلقاً گانے سننے پر استدلال کرنا قواعدِ شرعیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے، موجودہ دور میں بے حیائی اور بے دینی کے واقعات سے بھرے ہوئے گانے شادی بیاہ میں ہوں پھر بھی ناجائز ہے۔ موجودہ دور کے مروجہ گانے بے شمار مفاسد کا پیش خیمہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ تحت ھٰذا القول (وطاھر بمعذور) ای وفسد اقتداء طاھر بصاحب العذر المفوت للطھارۃ لان الصحیح اقوی حالاً من المعذور والشئ لایتضمن ماھو فوقہ والامام ضامن بمعنی تضمن صلاتہ صلاۃ المقتدی۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۲ باب الامامۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۸۴ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ۔

ہونے کی وجہ سے ان کا سننا ناجائز ہے، ایسی صورت میں کسی امام کا گانے سننا اور پھر اس کے جواز کے لیے مواد مہیا کرنا امورِ فسقیہ میں سے ہے لہٰذا ایسے فاسق وفاجر کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ تحت قوله ومن یلعب بالطنبور او یغنی للناس لانهٗ یجمع الناس علی ارتکاب کبیرة کذا فی الهدایة وظاهره ان الغناء کبیرة........ وفی المعراج، الملاهی نوعان محرم وهو الآلات المطربة من غیر الغناء کالمزمار سواء کان من عود او قصب کالشبابة او غیره کالعود والطنبور۔ لما روی ابو امامة انه علیه الصلوٰة والسلام قال ان الله بعثنی رحمةً للعالمین وامرنی بمحق المعازف والمزامیر ولانه مطرب مصدٌ من ذکر الله تعالی النوع الثانی مباح وهو الدف فی النکاح۔

(البحرالرائق ج ۷ ص ۸۸ باب من تقبل الشهادته ومن تقبل الشهادة) [۱]

مقرر امام کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانا

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا باقاعدہ امام ہے کوئی اور شخص اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانے کے لیے مصلّی پر کھڑا ہو جائے تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مقررہ امام کی اجازت کے بغیر کسی شخص کے لیے نماز پڑھانا مکروہ ہے، ایسی صورت میں مقررہ امام کی اقتداء بہتر ہے اگرچہ وہ مفضول ہو۔ تاہم اگر کسی مسجد کا مقررہ امام حاضر نہ ہو اور نہ اس کا کوئی نائب ہو تو ایسی صورت میں متعلقہ امام کی اجازت کے بغیر بھی جماعت کرائی جا سکتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذا القول۔ صاحب البیت وَمِثْلُهٗ امام المسجد الراتب (اولی بالامامة من غیره) مطلقاً ای وان کان غیره من الحاضرین من هو اعلم واقرأ منه۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۵۹ باب الامامة) [۲]

---

[۱] قال العلامة التورپشتیؒ انه حرام علی قول اکثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف فی العرس کنایة عن الاعلان۔ (امداد الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۸۳ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۳ ص ۴۵۳ ۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: واما الامام الراتب فهو احق من غیره وان کان غیره افقه منه۔ (البحرالرائق ج ۱ ص ۳۴۷ باب الامامة) وَمِثْلُهٗ الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۸۳ باب الامامة۔

گروپ فوٹو بنوانے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے، چند دوستوں کے درمیان بیٹھ کر شوقیہ تصاویر بنواتا ہے اور پھر اس گروپ فوٹو کو بطور یادگار اپنے پاس رکھنے کے علاوہ دوستوں میں بھی تقسیم کرتا ہے جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ گویا یہ عمل اس کے نزدیک جائز ہے۔ کیا ایسے امام کو امامت پر باقی رکھا جا سکتا ہے یا اس کو معزول کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ بلا ضرورت کسی ذی روح کی تصویر بنانا عند الشرع غیر مشروع ہے چاہے کیمرہ سے بنائی جائے یا قلم سے، تاہم ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، بلا ضرورت اس کا ارتکاب امورِ فسقیہ میں سے ہے، خاص کر جب کوئی امام اعلانیہ طور پر ان امورِ فسقیہ کا ارتکاب کر رہا ہو۔ ان معاصی پر اصرار کے باوجود اگر اس کے معزول کرنے میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو تو پھر بوجہ مجبوری اس کو باقی رکھا جا سکتا ہے، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ کسی نیک امام کی اقتداء کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکنے کی وجہ سے ایک شخص کو امامت کرانے سے روک دیا تھا۔ تاہم یہ شخص اگر توبہ کرے اور اس کام کو گناہ سمجھتا ہو اور اس پر اصرار نہ کرتا ہو تو پھر اس کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذابًا عند اللہ المصورون۔ (مشکوٰۃ ص۳۸۵ باب التصاویر، الفصل الاول)

قال ابن عابدینؒ: (قوله وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك كذا في البرجندي

(رد المحتار على الدر المختار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامة) لہ

امام کے لیے محراب میں کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ کیا امام کے لیے بوقتِ جماعت محراب میں کھڑے ہونا ضروری ہے؟ اگر کوئی امام مسجد کے صحن میں بغیر محراب کے کھڑا ہو جائے تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ ہمارے علاقہ میں بعض لوگ شدت کے اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں کہ محراب کے بغیر اگر امام نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہو جائے تو

لہ وفي الهندية تجوز امامة الاعرابي والاعمى والعبد وولد الزنا والفاسق كذا في الخلاصة الا انها تكره هكذا في المتون۔ (فتاوى هندية ج۱ ص۸۵ باب الامامة)

لہ ومثله في الخلاصة ج۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر في الامامة والاقتداء۔

اس کو ملامت کرتے ہیں، شرعاً اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امامت کے لیے محراب میں کھڑا ہونا کوئی مستقل سنت نہیں ہے کہ جس کے بغیر امامت ادھوری رہ جائے، حقیقت میں امام کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ صف کے آگے وسط میں کھڑا ہو جائے، چونکہ محراب سے عموماً توسط کی نشاندہی ہوتی ہے اس لیے سنت کی ادائیگی کے لیے معاون ہونے کی وجہ سے مساجد میں محراب بنائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محراب میں طاق بنانا بھی ضروری نہیں لیکن اگر امام کسی محراب کے بغیر صف کے آگے وسط میں کھڑا ہو تو اس کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایسی صورت میں محراب کو چھوڑنے والے کو ملامت کرنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یفهم من قوله اولی ساریة کراهة قیام الامام فی غیر المحراب ویؤیده قوله قبله السنة ان یقوم فی المحراب وکذا قوله فی موضع اٰخر السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاترٰی ان المحاریب ما نصبت الا وسط المساجد وهی قد عینت لمقام الامام۔ والظاهر ان هذا فی الامام الراتب لجماعة کثیرة لئلا یلزم عدم قیامه فی الوسط فلو لم یلزم ذٰلک لا یکره تأمل۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۸ مطلب فی کراهیة للامام فی غیر المحراب)

قال الحصکفیؒ: (ویصف) ای یصفهم الامام بان یامرهم بذٰلک قال الشمنی و ینبغی ان یامرهم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبهم یقف وسطاً وخیر صفوف الرجال اولها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۸ باب الامامة) [1]

امامت پر اجرت لینے والے کی اقتداء

سوال: کیا ایک مالدار شخص امامت پر اُجرت لے سکتا ہے؟ ایسی صورت میں اگر بغیر کسی اجرت کے امام کی اقتداء میسر ہو تو کون سے امام کی اقتداء بہتر رہے گی؟

الجواب: متاخرین فقہاء نے اُجرت علی الامامت کی اجازت دی ہے لہٰذا مالدار اور فقیر دونوں قسم کے ائمہ منصب امامت پر اُجرت مقرر کر کے وصول کر سکتے ہیں، اُجرت کے جواز کی

---

[1] وفی الهندیة: ینبغی للامام ان یقف بازاء الوسط فان وقف فی میمنة الوسط او فی میسرته فقد اساء لمخالفة السنة هٰکذا فی التبیین۔ (ج ۱ ص ۸۹ باب الامامة)
ومثله فی الطحطاوی ج ۱ ص ۱۶۷ باب الامامة۔

صورت میں بلا اجرت نماز پڑھانے والے امام کو ترجیح حاصل نہیں، لہٰذا دونوں کی اقتداء کا حکم ایک ہے۔

قال ابن عابدین: ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والامامة والاذان ویجبر الاجر علی دفع ما قیل۔ (رد المحتار ج ۵ ص۳۴ باب اجارة الفاسدة)[1]

نابینے کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک شخص پہلے بینا تھا لیکن کسی عارضہ کی وجہ سے وہ آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوگیا، اس کے بعد وہ اپنے آپ کو کامل طہارت کی حالت میں نہیں رکھ سکتا، اکثر اس کے کپڑے بوجہ عدم علم ہونے کے ناپاک ہوجاتے ہیں اور ایسے ہی وہ قبلہ کی تمیز بھی نہیں کرسکتا، قبلہ کے تعین کے لیے اسے دوسرے شخص سے مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے اور منصب امامت پر یہ قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس سے بہتر عالم بھی آسانی سے مل سکتا ہے؟

الجواب:- نابینا اگر نجاست سے بچنے پر قادر نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، لیکن ہر نابینے کو غیر محتاط سمجھنا عقلمندی نہیں، جو نابینا نجاست سے بچنے کا انتظام کرسکتا ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی کراہیت نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن اُم مکتومؓ کو مدینہ منورہ کا امام بنایا تھا حالانکہ وہ نابینا تھے۔ بلکہ اگر کوئی نابینا دوسروں سے اعلم اور اقراء ہو تو پھر اس کی امامت دوسروں سے افضل ہے۔

وقال ابن نجیمؒ: وقید کراهة امامة الاعمی فی المحیط وغیره بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلهم فهو اولی۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۹ باب الامامة)[2]

زبان میں لکنت والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- ہماری مسجد کے امام صاحب کی زبان میں لکنت ہے الفاظ صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرسکتے اور اکثر الفاظ میں غلطی کرجاتے

---

[1] قال صاحب الهدایة: وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانه ظهر التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع یضیع حفظ القرآن وعلیه الفتویٰ۔ (باب اجارة الفاسدة ج ۳ ص۳۰۱)
ومثله فی فتاویٰ الهندیة ج ۴ ص۴۴۸ الفصل الرابع فی فساد الاجارة۔

[2] قال ابن عابدینؒ: قال فیه کراهة الاعمی فی المحیط وغیره بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلهم فهو اولی۔ (رد المحتار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامة)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۸۵ باب الامامة۔ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیره۔

جاتے ہیں، کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟

الجواب: جس شخص کی زبان میں لکنت ہو اور باوجود کوشش کے الفاظ درست ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کے اپنے حق میں تو نماز درست ہے البتہ ان لوگوں کا امام نہیں بن سکتا جن کی زبان درست ہو (یعنی اس میں لکنت نہ ہو) تاہم اگر امام صاحب باوجود لکنت کے الفاظ کو صحیح ادا کرسکتے ہوں اگرچہ اٹک اٹک کر ادا کریں تو ان کی اقتداء صحیح ہے۔

ولا یجوز امامۃ الالثغ الذی لا یقدر علی التکلم ببعض الحروف الا لمثلہ اذا لم یکن فی القوم من یقدر علی التکلم بتلک الحروف فاما اذا کان فی القوم من یقدر علی التکلم بہا فسدت صلوتہ وصلوۃ القوم۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۸۶ باب الامامۃ، الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ)

قاری کی موجودگی میں غیر قاری کی اقتداء کا حکم

سوال: کسی مقام میں عالم فاضل قاری کے ہوتے ہوئے اُمی اور جاہل شخص نماز پڑھائے جبکہ وہ قرأۃ پر بھی قادر نہ ہو، ایسی صورت میں کیا اس کا نماز پڑھانا جائز ہے؟

الجواب: عرف میں قاری کا اطلاق مجوّد پر ہوتا ہے لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اس سے یہ مراد نہیں۔ اگر فن قرأۃ سے باخبر قاری کسی ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھے جو عام قرأۃ پر قادر ہو لیکن فن قرأت سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتا ہو تو اس سے اُس کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسی حالت میں اگر مروّج قاری کے علاوہ غیر قاری امام ہو تو مجوّد قاری امام کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھا سکتا، تاہم اگر کوئی شخص قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ آیتوں کی قرأت پر قادر نہ ہو تو قاری کی موجودگی میں ایسے شخص کی اقتداء جائز نہیں۔

امامۃ الامی قوماً اُمیین جائزۃ کذا فی السراجیۃ اذا امّ اُمی اُمیاً وقارئاً فصلوۃ الجمیع فاسدۃ عند ابی حنیفۃ رح وقال لا صلوۃ القاری وحدہ واما اذا صلوا وحدانا فقیل انہ علی الخلاف وقیل یصح وھو الصحیح۔

لہ امامۃ الالثغ لغیرہ ذکر الامام الفضلی انہ یجوز لان ما یقول صار لغۃ لہ وقال غیرہ صحیح۔ خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۱۴۸ باب الامامۃ۔ الفصل الخامس عشر) ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۸۰ باب الامامۃ۔

ھٰکذا فی شرح مجمع البحرین للمصنّف ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ) ؎۱

ایک مسجد میں متعدد امام ہونا

سوال :۔ ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جس میں تین امام ہیں، ان میں سے ایک امام نے ۱۵ / امام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور کے حصہ یازدہم ص۵۲/۸۰۲ میں لکھتے ہیں کہ ایک مسجد میں ایک امام کے ہوتے ہوئے دوسرے امام کو بغیر اذن کے جماعت کرانے کا استحقاق نہیں اور حوالہ دُرِمختار کا دیا ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد میں کتنے امام ہو سکتے ہیں اور اگر نہ ہوسکیں تو کیا وجوہات ہیں ؟

الجواب :۔ بہتر یہی ہے کہ ایک مسجد میں ایک ہی امام ہو اور اسی پر سب اہلِ محلہ اتفاق کریں اور اسی پر اُمت کا تواتر چلا آرہا ہے، اور جب تک امام مقرر موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو امامت کرنے کا حق حاصل نہیں ۔

قال الحصکفیؒ: واعلم ان صاحب البیت) وَمِثْلُہٗ امام المسجد الراتب (اولیٰ بالامامۃ من غیرہ) مطلقًا ۔ (الدرالمختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۵۹ باب الامامۃ) ؎۲

اگر اہلِ محلہ نے پہلے سے کوئی امام مقرر نہیں کیا ہے اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ امام رکھیں تو عند الشرع جائز ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایک وقت میں دو یا متعدد جماعتیں نہ ہوں ورنہ سب لوگ گنہگار ہونگے ۔

دوسرے مسلک کے مطابق نماز پڑھانا

سوال :۔ میں ایک ایسے مقام پر امام ہوں جہاں کے تمام لوگ شافعی ومالکی مذہب کے ہیں، کیا میں اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک پر نماز پڑھا سکتا ہوں، مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر اور فجر کی نماز میں دُعائے پڑھوں، عند الشرع اس کا کیا حکم ہے ؟

؎۱ ولا یصح اقتداء القاری بالاُمّی ۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۱۴۲ الفصل الخامس عشر فی الامامۃ) ۔ وَمِثْلُہٗ فی الدرالمختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۷۹ باب الامامۃ ۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: اما الامام الراتب فھو احق من غیرہ وان کان غیرہ اُفقہ منہ ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۷ باب الامامۃ) وَمِثْلُہٗ فی الھندیہ ج ۱ ص۸۳ باب الامامۃ ۔

الجواب:۔ اپنے مذہب کو خفیف اور کمزور سمجھ کر بغیر کسی دلیل کے اسے ترک کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ فقہاء کرام نے ایسے شخص پر تعزیر کا حکم لگایا ہے، لہٰذا ایسے مقام میں حنفی مسلک کو لالچ کی خاطر چھوڑ کر دوسرے مسلک پر نماز پڑھنا قبیح عمل ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: ارتحل الیٰ مذھب الشافعیؒ یعزر۔ قال ابن عابدینؒ: ای اذا کان ارتحاله لالغرض محمود شرعاً اما انتقال غیرہ من غیر دلیل بل لما یرغب من عرض الدنیا وشھوتھا فھو المذموم الاٰثم المستوجب للتادیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذھبه اھ ملخصاً۔ وفیھا عن الفتاویٰ النسفیة الثبات علیٰ مذھب ابی حنیفة خیر واولیٰ قال وھٰذہ الکلمة اقرب الی الالفة۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۹ باب التعزیر) [1]

وضو کے بارے میں شک کی حالت میں نماز پڑھانا

سوال:۔ وضو کرنے کے بعد مجھے وضو میں شک رہتا ہے اور اس بات پر یقین نہیں ہوتا کہ میرا وضو باقی ہے یا ختم ہوگیا، لیکن لوگ مجھے نماز پر مجبور کرتے ہیں کیا اس شک کی حالت میں نماز پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ معذور شخص امامت کے لائق نہیں، اسے امامت سے اجتناب کرنا چاہیئے، لیکن صرف شک کی بنیاد پر امامت کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں، البتہ جب یقین ہو جائے اور اس کے قرائن بھی موجود ہوں کہ وضو ٹوٹ گیا ہے تو پھر ایسی صورت میں امامت جائز نہیں، تاہم شک اور تردد کی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا وجد احدکم فی بطنه شیئاً فاشکل علیه اخرج منه شیٔ ام لا فلا یخرجن من المسجد حتّٰی یسمع صوتاً او یجد ریحاً۔ (رواہ مسلم) مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۵ باب ما یوجب الوضوء [2]

---

[1] حنفی ارتحل الیٰ مذھب الشافعی رحمه الله تعالیٰ یعزر کذا فی جواھر الاخلاطی قال الصحیح قوله ارتحل الیٰ مذھب الشافعی یعزر ای اذا کان ارتحاله لالغرض محمود شرعاً کما افادہ فی التاتارخانیة۔ (الفتاوی الھندیة ج ۲ ص ۱۶۹ فصل فی التعزیر)

[2] عن عباد بن تمیم عن عمه انه شکی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم الرجل الذی یخیل الیه انه یجد فی الصلوٰة فقال لا ینفتل اولا ینصرف حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۵ کتاب الوضوء باب لایتوضؤ من شك حتی) ومثله فی المسلم ج ۱ ص ۱۵۸ باب طھارۃ جلود المیتة۔

فطری طور پر مفقود اللحیۃ کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے اور اُس کی عمر تقریباً ۲۲ سال ہے لیکن فطری طور پر اُس کی داڑھی نہیں، کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟

الجواب:۔ اگر مدتِ بلوغ گزرنے کے باوجود بھی کسی کی داڑھی نہ آئے تو اس کی اقتداءً جائز ہے، البتہ اگر صبیح الوجہ ہو تو پھر اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ (قوله وکذا تکره خلف امرد) الظاهر انها تنزيهية ايضاً والظاهر ايضاً كما قال الرحمتي ان المراد به الصبيح الوجه لانه محل الفتنة وهل يقال هنا ايضاً اذا كان اعلم القوم تنتفي الكراهة فان كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الاظهر فلا وان كانت غلبة الجهل او نفرة الناس من الصلوٰة خلفه فنعم فتامل. والظاهر اذا العذار الصبيح المشتهى كالامرد تامل ـ هذا وفي حاشية المدني عن الفتاوى العفيفة ـ سئل العلامة الشيخ عبد الرحمٰن ابن عيسٰى المرشدي عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الانبات ولم ينبت عذاره فهل يخرج بذلك عن حد الامردية وخصوصاً قد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن بانه ليس من مستديري اللحى فهل حكمه في الامامة كالرجال الكاملين ام لا اجاب سئل العلامة الشيخ احمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متاخري علماء الحنفية عن هذه المسئلة فاجاب بالجواز من غير كراهة وناهيك به قدوة ـ والله اعلم. (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص۵۶۲ باب الامامة)[له]

امام کے لیے ضروری صفات

سوال:۔ ایک امام کون کون سی صفات کا حامل ہونا چاہیئے جن کے نہ ہونے کی صورت میں وہ اس عظیم منصب کا اہل نہ ہو؟

الجواب:۔ امام علم اور تقویٰ کی صفات سے جتنا زیادہ مزیّن ہو تو یہ خصوصیت مقصور ہو گی، تاہم عمومی طور پر امام کے لیے مندرجہ ذیل صفات سے متصف ہونا ضروری ہے: (۱) اسلام

له قال في الخلاصة وفي شرح القدوري يجوز امامة الامرد واذا كان بالغاً ويكره اذا كان صبيح الوجه ـ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر في الامامة والاقتداء)

(۲) بلوغ (۳) عقل (۴) مرد ہونا (۵) علم وقرأت (۶) اعذار سے سلامت ہونا۔

قال ابن عابدینؒ: وشروط الامامۃ للرجال للاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ والقراءۃ والسلامۃ من الاعذار کالرعاف والفافاۃ والتمتمۃ واللثغ۔ (ردّ المحتار ج۱ ص۵۵۰ باب الامامۃ) [1]

سودی رقم سے تنخواہ لینے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شہر کے سٹیٹ بنک کے احاطہ میں ایک مسجد ہے جو کہ سٹیٹ بنک کی ملک میں ہے، اگر کوئی شخص اس بنک کا ملازم ہو یا فقط اس مسجد کا امام ہو، جبکہ سٹیٹ بنک کا کاروبار من کل الوجوہ سُود پر ہے اور امام صاحب کو بھی اسی سُود کے پیسوں سے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب:۔ مسجد کی امامت کرنا فی ذاتہ اس میں کوئی امر غیر مستحسن نہیں البتہ ایسی مسجد کی امامت باُجرت کرنا جس کی اُجرت سود کے کاروبار سے دی جائے، جو حرام خوری کی وجہ سے فسق ہے اور بوجہ فسق ہونے کے ایسے امام کے پیچھے اقتداء کرنا مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذا القول (ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق واعمٰی) (قولہ فاسق) ای من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربٰوا ونحو ذٰلک۔

(ردّ المحتار ج۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ) [2]

البتہ اگر اس امام کو اجرت بنک کے اموال میں سے نہ دی جاتی ہو بلکہ کسی اور ذریعہ سے ملتی ہو مثلاً قریب کے محلہ والے اپنی جانب سے دیتے ہوں تو اقتداء بلا کراہت جائز ہے۔

---

[1] قال الشرنبلالیؒ شروط صحۃ الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام وھو شرط عام فلا تصح امامۃ منکر البعث اوخلافۃ الصدیق اوصحبتہ اویسب الشیخین اوینکر الشفاعۃ الی اخرہ۔ (مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی ص۱۵۶ باب الامامۃ)

[2] وفی الھندیۃ تجوز امامۃ الاعرابی والاعمٰی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھٰکذا فی المتون۔ (فتاوٰی ھندیۃ ج۱ ص۸۵ الفصل الثالث، باب الامامۃ) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر فی الامامۃ۔

سرخ کپڑے پہننے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال :۔ ایک امام مسجد سرخ کپڑوں کا استعمال کرتا ہے اور انہی کپڑوں میں نماز بھی پڑھاتا ہے تو کیا ان کپڑوں میں اس امام کی اقتداء صحیح ہے؟

الجواب :۔ سرخ کپڑوں کے پہننے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور احناف میں بھی یہی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا اس بنیاد پر نماز مکروہ تنزیہی ہوگی اس لیے ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے۔ تاہم اگر سرخ کپڑے پہننے میں کسی لادین جماعت سے اپنی وابستگی کا اظہار مقصود ہو تو اللہ کے دربار میں ایسی امتیازی حیثیت رکھنے والے شخص کی اقتداء سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

عن براء قال ما رأیت عن ذی لمة فی حلة حمراء احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم له شعر یضرب منکبیه بعید ما بین المنکبین لم یکن بالقصیر ولا بالطویل۔ (ترمذی ج ۱ ص۳۰۲ ابواب اللباس، باب ما جاء فی الرخصة فی الثوب الاحمر)

قال شمس الائمة السرخسی وفیه دلیل انه لا بأس بلبس الثوب الاحمر۔ (شرح السیر الکبیر ج ۱ ص۱۱۵ باب السلام والفروسیة)[1]

باپ کا جنازہ نہ پڑھنے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال :۔ ایک امام مسجد اپنے والدین سے بوجہ دنیاوی معاملات ناراض ہے اور اس ناراضگی کی بناء پر اس کے دوسرے بہن بھائی بھی اُس سے لاتعلق ہوں، پھر اس امام نے اپنے والد کے مرض الوفات میں نہ تو اس کی عیادت کی اور نہ دوسرے بھائیوں کے ڈر کی وجہ سے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی، تو اُس کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ والدین سے ناراض ہونا امر قبیح ہے، پھر ان کی عیادت اور جنازہ میں شریک

---

[1] قال العلامة الحصکفی (ولا بأس بسائر الالوان) وفی المجتبی والقهستانی وشرح النقایة لابی المکارم لا بأس بلبس الثوب الاحمر ومفاده ان الکراهیة تنزیهیة لکن صرح فی التحفة بالحرمة فافاد انها تحریمیة وهی المحمل عند الاطلاق۔ (رد المحتار ج ۶ ص۳۵۸ کتاب الکراهیة، فصل فی اللبس۔ ومثله فی فتاوی هندیة ج ۵ ص۳۳۲)

نہ ہونا یہ اقبح القبائح ہے لیکن اگر کسی شرعی امر اور جائز کام کی وجہ سے بیٹا اپنے باپ سے ناراض ہو تو اس کے پیچھے اقتداء درست ہے البتہ اگر وہ کسی غیر شرعی امر یا شرعی امور میں حد سے تجاوز کرکے باپ کے حق میں کوتاہی کرتا ہے تو بوجہ فسق ہونے کے اس کی اقتداء مکروہ ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذا القول (ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق واعمٰی) ای من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذٰلک۔ (ردّ المحتار ج ۱ ص۵۶۰) [۱]

غیر مسلم کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم

سوال:۔ ایک شخص عرصہ دراز تک کسی مسجد کا امام رہا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص اپنے عقائد کے لحاظ سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا لوٹانا واجب ہے؟

الجواب:۔ کسی شخص کی اقتداء کرتے وقت اس کے عقائد کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہوں اور بعد میں اس کے کفر کے بارے میں یقین ہو جائے تو پڑھی ہوئی نمازوں کے بارے میں احتیاط یہ ہے کہ وہ نمازیں دوبارہ پڑھی جائیں۔

وفی الھندیۃ: رجل ام قوماً شھراً ثم قال کنت مجوسیاً فانہ یجبر علی الاسلام ولا یقبل قولہ وصلوٰتہم جائزۃ ویضرب ضرباً شدیداً وکذا لو قال صلیت بکم المدۃ علی غیر وضوء وھو ماجن لا یقبل قولہ وان لم یکن کذٰلک واحتمل انہ قال علی وجہ التورع والاحتیاط اعادوا صلوٰتہم وکذا اذا قال کان فی ثوبی قذر کذا فی الخلاصۃ وکذا اذا بان ان الامام کافر او مجنون او امرأۃ او خنثی الی اخرہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۸۷) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ تجوز امامۃ الاعرابی والاعمٰی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھکذا فی المتون۔ (فتاوی ہندیۃ ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ الفصل الثالث) ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۱۴۵)

[۲] قال الحصکفیؒ (واذا ظھر حدث امامہ) وکذا کل مفسد فی رای مقتد (بطلت فیلزم اعادتھا) لتضمنھا صلوٰۃ المؤتم صحۃ وفساداً (کما یلزم الامام اخبار القوم اذا امھم وھو محدث او جنب) او فاقد شرط او رکن وھل علیھم اعادتھا ان عدلا نعم والا ندبت وقیل لا لفسقہ باعترافہ ولو زعم انہ کافر لم یقبل منہ لان الصلوٰۃ دلیل الاسلام واجبر علیہ (بالقدر الممکن) بلسانہ او بکتاب او رسول علی الاصح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص۳۷۴ باب الامامۃ)۔ ومثلہٗ فی الخلاصۃ ج ۱ ص۱۴۵ الفصل الخامس عشر

صاحب علم کے ہوتے ہوئے چند پاروں کے حافظ کی اقتداء

سوال:- ایک شخص چند پاروں کا حافظ ہے صاحب علم کے ہوتے ہوئے وہ امامت کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب: امامت کے لیے مستقل علوم دینیہ سے فراغت ضروری نہیں جب قرأت پر قدرت رکھنے کے بعد نماز کے مسائل سے واقف ہو تو عالم دین کے ہوتے ہوئے اس کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ عالم دین امامت کرائیں بشرطیکہ موصوف حافظ مسجد کا مستقل امام نہ ہو۔

قال ابن عابدینؒ: وشروط الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورة والقرأة والسلامة من الاعذار کالرعات والفأفأة والتمتمة واللثغ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ا ص۵۵۰ باب الامامة) ؎

عورتوں کی جماعت کا حکم

سوال:- عورتوں کی مستقل جماعت کا کیا حکم ہے؟ اگر کہیں جماعت کا اتفاق ہو جائے تو امامت کرانے والی عورت کہاں کھڑی ہوگی؟

الجواب:- صرف عورتوں کی مستقل جماعت مکروہ تحریمی ہے، اس کے باوجود بھی اگر عورتیں باجماعت نماز پڑھنا چاہیں تو امامت کرانے والی عورت درمیان میں کھڑی ہوگی مردوں کی طرح صف کے آگے نہیں رہے گی اور اگر عورت مرد امام کی طرح صف کے آگے کھڑی ہوگی

؎ قال الشرنبلالیؒ: شروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء (الاسلام) وهو شرط عام فلا تصح امامة منكر البعث او خلافة الصديقؓ او صحبته او يسب الشيخين او ينكر الشفاعة او نحو ذلك من يظهر الاسلام مع ظهور صفة المكفرة له (والبلوغ) لان صلوة الصبي نفل ونفله لا يلزمه (والعقل) لعدم صحة صلاته بعدمه كالسكران (والذكورة) خرج به المرأة للامس بتاخيرهن والخنثى امرأة فلا يقتدى به غيرها (والقرأة) بحفظها آية تصح بها الصلوة على الخلاف (و) السادس (السلامة من الاعذار) فان المعذور صلوته ضرورية فلا يصح اقتداء غيره به - (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي ص۱۵۶ باب الامامة)

تو یہ گناہ ہے، تاہم علامہ عینیؒ، ابن الہمامؒ اور شیخ عبدالحی صاحبؒ وغیرہ کی تحقیق کے مطابق جماعۃ النساء خلافِ اولیٰ ہے۔

قال الحصکفیؒ (و) یکرہ تحریماً (جماعۃ النساء) ولو فی التراویح فی غیر صلوٰۃ جنازۃ (لانہا لم تشرع مکررۃ (فان فعلن تقف الامام وسطہن) فلو قدمت اثمت۔

(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص۵۶۵ باب الامامۃ)

ولما قال الشیخ ابن الہمامؒ: ولا یخفی ما فیہ وبتقدیر التسلیم فانما یفید نسخ السنیۃ وھو لا یستلزم ثبوت کراھۃ التحریم فی الفعل بل التنزیۃ مرجعہا الی خلاف الاولیٰ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۳۰۷ باب الامامۃ)[1]

ضعیف امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص ضعف وکمزوری کی وجہ سے نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں وقت محسوس کرتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات اس کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی، کیا شرعاً ایسے امام کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر ضعف وکمزوری نماز کے کسی رکن کے لیے مُضر نہ ہو تو محض کمزوری کی وجہ سے اقتداء میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر تکبیرات وسلام سننے میں تکلیف ہو تو مکبّر کی تقرری سے اس کا ازالہ ممکن ہے، تاہم خود امام کے لیے چاہیئے کہ وہ یہ ذمہ داری کسی ایسے باصلاحیت شخص کے سپرد کردے جو اہلِ محلہ کے نزدیک باعتماد ہو۔

قال ابن نجیمؒ: واشار الی ان اقتداء القاعد خلف مثلہ جائز اتفاقاً وکذا الاقتداء بالاعرج أو من بقدمہ عوج وان کان

---

[1] وفی الہندیۃ: ویکرہ امامۃ المرأۃ للنساء فی الصلوٰۃ کلہا من الفرائض والنوافل الا فی صلوٰۃ الجنازۃ ھکذا فی النہایۃ۔ فان فعلن وقفت الامام وسطہن وبقیامہا وسطہن لا تزول الکراھۃ وان تقدمت علیہن امامہن لم تفسد صلوٰتہن ھکذا فی الجوھرۃ النیرۃ وصلاتہن فرادی افضل ھکذا فی الخلاصۃ ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ۔ ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۵۱ باب الامامۃ۔

قال العلامۃ العینیؒ:۔ فالاولی ان یصلین وحدھن وان صلین بجماعۃ قامت امامہن وسطہن وان تقدمت جاز۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج ۲ ص۳۹۲)

غیرہ اولیٰ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۸۷ باب الامامۃ) ؎۱

پاؤں سے معذور امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کا امام دونوں پاؤں سے معذور ہے اٹھنے بیٹھنے میں اس کو دوسرے شخص کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام قاعد (بیٹھا) ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو ایسی صورت میں نماز جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے، البتہ اگر کوئی صحیح سلامت شخص امامت کے لیے نہ ملے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہ نسبت انفرادی نماز پڑھنے کے بہتر ہے۔

کما فی الهندية: ويصح اقتداء القائم بالقاعد الذي يركع ويسجد لا اقتداء الراكع والساجد بالمومي هكذا في فتاوى قاضي خان وفيه ايضاً ولو كان لقدم الامام عوج وقام على بعضها يجوز وغيره اولى۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۸۵ باب الامامة) ؎۲

پاؤں پر صحیح طریقہ سے کھڑا نہ ہونے والے کی اقتداء

سوال: کسی شخص کے پاؤں میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے وہ صحیح طریقہ سے اٹھنے اور کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر پاؤں کی معذوری اس درجہ کی ہو کہ اس پر کھڑا ہونے کی قدرت نہیں رکھتا ہو بلکہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو تو اس کی اقتداء اس جیسے لوگوں کے لیے جائز ہے، البتہ کھڑے ہونے پر قادر لوگوں کے لیے بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز نہیں، البتہ اگر پاؤں میں عذر کی وجہ سے مکمل قیام ممکن نہ ہو لیکن پھر بھی پاؤں کے کچھ حصے یا ایک قدم پر کھڑا ہو سکے تو اس کی اقتداء جائز ہے بشرطیکہ وہ رکوع اور سجدہ پر قدرت رکھتا ہو، تاہم اس کی جگہ کسی صحیح امام کی

؎۱ قال الحصكفيؒ: (وقائم باحدب) وان بلغ حدبه الركوع على المعتمد وكذا باعرج وغيره اولى۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص۳۶۱ باب الامامة)
وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۸۵ باب الامامة۔

؎۲ قال الحصكفيؒ: (وقائم بقاعد) يركع ويسجد لانه صلى الله عليه وسلم صلى آخر صلوته قاعداً وهم قيام۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص۳۵۹ باب الامامة وفيه غيره اولى)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۱ ص۳۸۶ باب الامامة۔

اقتداء بہتر ہے۔

کما فی الهندية: ويصح اقتداء القائم بالقاعد الذی یرکع ویسجد لا اقتداء الراکع والساجد بالمومی۔ هٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان وفیه ایضاً ولو کان لقدم الامام عوج وقام علیٰ بعضها یجوز وغیرہٗ اولیٰ۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۸۵ باب الامامة) ؎

جس امام کے گھر میں شرعی حجاب نہ ہو اس کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن اس کے گھر میں پردہ کی رعایت کے بغیر عام لوگوں کی آمد ورفت آزادی کے ساتھ رہتی ہو، باوجود قدرت کے موصوف ان لوگوں کو منع بھی نہیں کرتا، تو شرع میں ایسے شخص کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر باوجود قدرت ہونے کے اپنے گھر کی عورتوں کو حجاب پر مجبور نہ کرے اور اس کی عورتیں بے پردگی سے گھومتی پھرتی رہیں اور موصوف باوجود علم اور قدرت کے کوئی قدم نہیں اٹھاتا تو یہ شخص دیوث اور فاسق کے حکم میں ہو کر اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ (یا دیوث) هو من لا یغار علیٰ امرأته او محرمه۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۲ باب التعزیر)

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذا القول (ویکره امامة عبد واعرابی وفاسق) ای من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی آکل الربا ونحو ذٰلک۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۰ باب الامامة) ؎۲

دیوث کی امامت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص جس کی بیٹی یا بیوی کسی غیر محرم سے ناجائز تعلقات میں مبتلا ہو اور یہ شخص باوجود عالم ہونے کے اس پر خاموشی اختیار

؎ قال الحصکفیؒ (وقائم بقاعد) یرکع ویسجد لانه صلی الله علیه وسلم صلیٰ آخر صلوٰته قاعداً وهم قیام۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۱ ص ۴۳۵ باب الامامة وفیه غیره اولیٰ۔ ومِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۲ باب الامامة۔

؎۲ وفی الهندية: تجوز امامة الاعرابی والاعمیٰ والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکره هٰکذا فی المتون ج ۱ ص ۸۵ باب الامامة) ومثلهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۵۔

کرے اور بسا اوقات بالذات یا بالواسطہ ان کو ملانے میں معاونت بھی کرے، ایسے شخص کی اقتداء کا شرع میں کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ ایسے بے غیرتی کے افعال پر باوجود قدرت اور طاقت کے خاموش رہنا یا تعاون کرنا امورِ فسقیہ میں سے ہے جس کی اقتداء بوجہ فسق مکروہ تحریمی ہے، اس لیے ایسے شخص کو منصب امامت سپرد کرنا اس عظیم منصب کے تقدس کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

قال الحصکفیؒ (یا دیوث) ھو من لا یغار علیٰ امرأته او محرمه۔
(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۲ باب التعزیر)

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول (ویکرہ امامة عبد واعرابی وفاسق ای من الفسق وھو الخروج من الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی اکل الربا ونحو ذلك۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۰ باب الامامة)[۱]

مُردوں کو غسل دینے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ مُردوں کو غسل دینے والے امام کی اقتداء کا عند الشرع کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ مُردے کو غسل دینا حقوق المسلمین کا ایک شعبہ ہے بذاتِ خود اس میں کوئی تذلیل یا تحقیر نہیں پائی جاتی لیکن اگر کسی علاقہ میں پیشہ ورغسال کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہو اور اس کی تقدیم تنفیرِ جماعت کا سبب بنتا ہو تو پھر ایسے شخص کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر حقوق المسلمین سمجھ کر بغیر کسی اجرت کے کوئی شخص کسی مُردے کو غسل دے دے، یا بغیر اجرت کے غسل دینے والے کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہو تو اس سے اس کی شرعی حیثیت متاثر نہیں ہوتی، اندریں صورت ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ ، والافضل ان یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان کان ثمة غیرہ والا لا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۴ کتاب الجنائز) [۲]

---

[۱] وفی الھندیة تجوز امامة الاعرابی والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصة الا انها تکرہ ھکذا فی المتون۔ (فتاویٰ ھندیة ج ۱ ص ۸۵ باب الامامة) ومثلهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۵ ۔

[۲] قال المرغینانیؒ ویکرہ تقدیم العبد۔۔۔ ولان فی تقدیم ھٰؤلاء تنفیر الجماعة فیکرہ ۔
(الھدایة ج ۱ ص ۱۲۲ باب الامامة)

احمد رضا خان کے معتقد کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے لیکن عقائد و نظریات کے لحاظ سے احمد رضا خان بریلوی کے مسلک سے تعلق رکھتا ہے، کیا ان عقائد کے ہوتے ہوئے اس کے پیچھے اقتداء جائز ہے؟

الجواب:۔ اکثر بریلوی مسلک کے عقائد ایسے نہیں ہیں جو کفر کی حد تک پہنچتے ہوں، اگر بعض کے ایسے عقائد بھی ہوں تو ان میں بھی تاویل ہو سکتی ہے کیونکہ کفر پر ایمان کی وجوہات کو ترجیح دی جائے گی، البتہ ان عقائد کی وجہ سے یہ مبتدع شمار ہوگا، لہٰذا مبتدع ہونے کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، تاہم احتراز میں احتیاط زیادہ ہے۔

قال الحصکفیؒ (ویکره مبتدع) ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة وکل من کان من قبلتنا (لا یکفر بها)

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۵۶۰ باب الامامة) [1]

غیر شرعی افعال کے مرتکب کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ کیا اس شخص کی اقتداء جائز ہے جو کئی ایسے غیر شرعی افعال کا اعلانیہ ارتکاب کر رہا ہو جن کا تعلق اس کی ذات سے ہو مثلاً چوری کرنا، کسی کا حق غصب کرنا، جھوٹ بولنا، غیر محرم عورتوں سے میل جول، بے ریش لڑکوں سے بلا ضرورت اختلاط وغیرہ، اور وہ شرعی احکام کے تقدس اور عظمت کی رعایت بھی نہ کرتا ہو، بے حیائی کی مجالس میں اس کی آمد و رفت ہو، سینما گھروں میں آنا جانا ہو، یہاں تک کہ بعض اوقات سینما گھروں میں رسمی طریقہ پر ختم قرآن بھی کراتا ہو؟

الجواب:۔ یہ سب کام امور فسقیہ ہیں جب تک اس شخص کا یہ کردار رہے یا اس میں یہ افعال موجود ہوں تو اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے، اس کی جگہ کسی نیک شخص کی اقتداء کرنی چاہیئے، البتہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: تحت هذا القول (واما المبتدع) وعرفها الشمنی بانها ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیما واطلق المصنف فی المبتدع فشمل کل مبتدع هو من اهل قبلتنا وقیده فی المحیط والخلاصة والمجتبیٰ وغیرها بان لا تکون بدعته تکفره فان کانت تکفره فالصلاة خلفه لا تجوز (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۹ باب الامامة)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۸۴ باب الامامة۔

اگر وہ توبہ کرے تو اسکے بعد اسکی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذا القول ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق) ای من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذلک۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ) [1]

داڑھی منڈوانے والے کی اقتداء کا حکم

سوال:- ایک حافظِ قرآن سال بھر داڑھی منڈاتا ہے صرف رمضان آنے پر نماز تراویح میں قرآن سنانے کے لیے داڑھی رکھ لیتا ہے، اپنی داڑھی منڈوانے کے لیے وہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ ابھی میرے چہرے پر پورے طریقہ سے داڑھی نہیں آتی ہے جب پوری داڑھی آئے گی تو رکھوں گا، فی الحال یہ داڑھی بدنما لگتی ہے، اسی عذر کی بناء پر داڑھی منڈواتا ہوں، کیا عند الشرع ایسے شخص کی اقتداء جائز ہے؟

الجواب:- داڑھی خواہ ناقص ہو یا مکمل ہر صورت میں منڈوانا ناجائز اور حرام ہے، داڑھی منڈوانے کے لیے مذکورہ عذر پیش کرنا سنتِ رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی خواہش کی تابعداری کے مترادف ہے، ایسے امام کی اقتداء دیگر فساق وفجور کے حکم میں ہو کر مکروہ تحریمی ہے، جب رمضان سے قبل اور بعد میں داڑھی نہ رکھتا ہو صرف رمضان میں داڑھی کی حجامت سے باز رہنے کو داڑھی کا رکھنا نہیں کہا جا سکتا ہے، تاہم اگر رمضان سے قبل مستقل طور پر توبہ کر کے آئندہ کیلئے داڑھی رکھنے اور پھر کبھی نہ منڈوانے کا عزم کرے تو پھر اس کی اقتداء جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔

(رد المحتار ج ۱ ص۵۶۰ باب الامامۃ) [2]

****

---

[1] وفی الھندیۃ تجوز امامۃ الاعرابی والاعمیٰ والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھٰکذا فی المتون۔ (فتاویٰ ھندیۃ ج ۱ ص۸۵ باب الامامۃ)

[2] وفی الھندیۃ: تجوز امامۃ الاعرابی والاعمیٰ والعبد وولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھٰکذا فی المتون۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۸۵ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ) ومِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۸ باب الامامۃ۔

امام مسجد کا عشاء کے وتر پڑھے بغیر نمازِ فجر پڑھانا

سوال :- ہماری مسجد کے امام صاحب نے نمازِ عشاء کے وتر نہ پڑھے اور صبح کو علم ہونے کے باوجود کہ میں نے وتر نہیں پڑھے تھے نمازِ فجر کے علاوہ اور بھی نمازوں کی امامت کرائی ، ان نمازوں کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ قضاء شدہ وتر کے یاد آنے کے باوجود امام صاحب نے جو نمازیں پڑھائیں وہ تب فاسد ہوں گی جب قضاء شدہ وتروں کو پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے کے اندر اندر قضا کیا ہو، اگر پانچویں نماز کا وقت خارج ہونے کے بعد قضاء شدہ وتر نماز ادا کی ہو تو پھر یہ نمازیں فاسد نہ ہوں گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (فلہ یجز) تفریع علی اللزوم (فجر من تذکر أنہ لم یؤتر۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج ۱ ص۴۸۸ باب قضاء الفوائت مطلب فی تعریف الاعادة)

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفساد أصل الصلوٰة موقوف عند ابی حنیفةؒ سواء ظن وجوب الترتیب، أوّلا فان کثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستاً ظهر صحتها بخروج وقت الخامسة التی ھی سادسة الفوائت الخ وفی رد المحتار: قولہ (فان کثرت) ای الصلوٰة التی صلاھا تارکاً فیھا الترتیب بان صلا ھا قبل قضاء الفائتة ذاکراً لھا وھذا التفریع لبیان قولہ موقوف وتوضیحہ انہ اذا فاتتہ صلوٰة ولو وتراً فکلما صلی بعدھا وقتیة وھو ذاکر لتلك الفائتة فان قضاھا بعد ان یصلی بعدھا خمس صلوٰة صار الفساد باتاً وانقلبت الصلوٰة التی صلاّھا قبل قضاء المقضیة نفلاً وان لم یقضھا حتیٰ خرج وقت الخامسة وصارت الفواسد مع الفائتة ستاً انقلبت صحیحة لانہ ظهرت کثرتھا ودخلت فی حد التکرار المسقط للترتیب و بیان وجه ذٰلك فی البحر وغیرہ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص۴۹۱ باب قضاء الفوائت، تحت مطلب فی تعریف الاعادة) [1]

---

[1] وفی الھندیة : فالاصل ان عند ابی حنیفةؒ مراعاة الترتیب بین الفائتة والوقتیة کما تسقط بکثرة الفوائت تسقط بکثرة المؤدّی کذا فی المحیط۔
(الفتاوٰی الھندیة ج ۱ ص۱۲۳ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)

کسی پر بہتان لگانے والے کی اقتداء کا حکم

سوال :- ایک شخص نے کسی پر بہتان لگایا کہ تُو نے اپنے بھائی کی بیوی سے بُرا فعل کیا ہے، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے، شرعی اعتبار سے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب :- بشرطِ صحتِ سوال اگر واقعی یہ بہتان ہوا اور اس شخص نے توبہ نہ کی ہو تو پھر بہتان لگانے کی وجہ سے یہ شخص فاسق ہو گیا ہے اور صالحین کا اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اکیلے نماز پڑھنے سے کسی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

لما فی الهندیة :- ولو صلّٰی خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لکن لا ینال مثل ماینال خلف تقی کذا فی الخلاصة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۸۴ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیره) [1]

پٹی پر مسح کرنے والے کی اقتداء کا حکم

سوال :- اگر کسی شخص کا ہاتھ زخمی ہو اور اس نے اس پر پٹی باندھ رکھی ہو اور وہ وضو کرتے وقت پٹی پر مسح کرتا ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اعذارِ شرعاً مقبول ہیں، اگر یہ شخص عذرِ شرعی کی بناء پر پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھاتا ہو اور اس زخم سے از خود پیپ وغیرہ نہ بہتی ہو تو فقہی ذخائر کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء درست ہے اور نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة :- ویجوز اقتداء الغاسل بماسح الخف وبالماسح علی الجبیرة وکذا امامة المفتصد لغیره من الاصحاء اذا کان یأمن خروج الدم۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۸۴ فصل فی من یصلح اماماً لغیره) [2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ :- ولو صلّٰی خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لکن لا ینال مثل ماینال خلف تقی۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۵۰ الفصل الخامس عشر فی الامامة والاقتداء)

[2] قال العلامة حسن بن عمارؒ :- وصح اقتداء غاسل بماسح علی الخف والجبیرة او خرقة قرحة لا یسیل منها شیٔ۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص۱۶۱ باب الامامة)

صدقۃ الفطر جبراً وصول کرنے اور لوگوں کو مسجد سے منع کرنے والے امام کی اقتداء کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک پیش امام نے ایک مولوی صاحب کو اپنی مسجد سے اس سبب سے منع کر دیا کہ وہ بچوں کو قرآن مجید کا درس دے رہے تھے، پیش امام نے مولوی صاحب کا درس قرآن مجید اپنی مسجد میں اس لیے بند کر دیا کیونکہ اسے یہ خدشہ تھا کہ وہ مجھ سے امامت چھین لے گا، اس پر لوگ اُس سے ناراض ہو گئے۔ دوسرا اس کے مقتدیوں کا قول ہے کہ یہ امام دل میں بہت زیادہ بغض رکھتا ہے۔ تیسرا اس کا یہ معمول ہے کہ خواہ کوئی غریب ہو یا امیر سب سے جبراً صدقۃ الفطر وصول کرتا ہے، اگر کوئی نہ دے تو اس کو نماز میں اپنے پیچھے کھڑا ہونے سے منع کر دیتا ہے۔ اب اُس کے اِس سخت رویّہ کی وجہ سے تمام مقتدی اس سے بھاگ گئے ہیں اور صرف دو آدمی اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ایسے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو بصورت کراہیت ہے یا عدم کراہیت؟ اور لوگ پیش امام کے اس سخت رویّہ کی وجہ سے اپنی مسجد چھوڑ کر تقریباً تین ماہ سے دوسرے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو کیا وہ گنہگار ہیں یا نہیں؟

الجواب :۔ شریعت کی رُو سے امام دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جسے محکمہ اوقاف یا خود واقف نے منصب امامت پر اُسے مقرر کیا ہو اور وقف کی آمدنی سے اس کے لیے وظیفہ بصورت تنخواہ امامت مقرر کیا گیا ہو، ایسے امام کو فقہائے احناف نے اہلِ وظائف میں شمار کیا ہے۔ اور اس کو وہ امام اکمل اور منصوب الواقف کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں اور کبھی اُسے ذو وظیفہ بھی کہتے ہیں، ایسے پیش امام کے بارے میں فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ اُسے شرعی مجرم یا نااہلی کے بغیر معزول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، فلا یحل للقاضی عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ ولو لم یصح۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۷)

دوسری قسم کا پیش امام وہ ہے جسے اہلِ محلہ نے امام مقرر کیا ہو اور اہلِ محلہ ہی سے اُسے اپنی آمدنیوں سے تنخواہ بصورت اُجرت امامت دے رہے ہوں تو ایسے پیش امام کو نہ تو اہلِ وظائف میں شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے عزل کا وہ حکم ہے جو پہلی قسم کے

امام کا ذکر اوپر کیا گیا ہے بلکہ اس کی حیثیت محض اجیرِ خاص کی ہے اور قوم کے ساتھ عہدِ امامت ایک عقدِ اجارہ ہے، لہٰذا ایسے پیش امام پر اجیرِ خاص کے اور اس کی امامت پر عقدِ اجارہ کے احکام جاری ہوں گے جس کی تفصیل درج ذیل ہے :-

ابتدائی تقرر : فقہاء کرام نے اس کے ابتدائی انتخاب اور تقرر کے بارے میں یہ تصریحات ذکر کی ہیں کہ اگر قوم اور اہل محلہ سب اس کی امامت پر متفق ہوں تو بلا کسی نزاع کے اسے منتخب کیا جائے گا۔ اور اگر قوم میں اس کے انتخاب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اکثریت کا اعتبار کیا جائے گا۔

درمختار ج ۱ ص۵۲۳ میں جہاں احقیت الامامت پر بحث کی گئی ہے وہاں یہ لکھا گیا ہے: والاحق بالامامة تقديماً بل نصباً الاعلم باحكام الصلوٰة الخ فان استووا فيقرع اوالخيار الى القوم فان اختلفوا اعتبر اكثرهم ۔۔۔ اس عبارت میں صراحتہً یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ نصب الامام میں اگر قوم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اکثریت کی رائے پر عمل کیا جائے گا اور اس کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اکثریت اس کے تقرر اور انتخاب پر متفق ہو تو اسے امام منتخب کیا جائے گا ورنہ نہیں ۔۔۔ باقی رہا اس کے عزل کا مسئلہ تو اس کے بارے میں مسلّمہ قواعد کی روشنی میں شرعی حکم یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے ابتدائی تقرر اور انتخاب میں اکثریت کی رائے معتبر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر اس کے عزل میں اختلاف واقع ہو جائے تو اکثریت کی رائے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس بارے میں بھی اگر اکثریت اس کے عزل پر متفق ہو تو اسے معزول کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قوم کے لیے ہر حالت میں پیش امام کو معزول کرنا جائز ہے اور اس میں شرعاً کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کسی شرعی نقص اور عیب کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا تو عزل کا فیصلہ بھی نافذ ہے اور اگر اس میں کوئی شرعی عیب بھی نہیں ہے اور اسے ذاتی عناد یا کسی دنیوی معاملہ کی بنیاد پر معزول کر دیا گیا تو قوم کا یہ اقدام جرم اور شرعاً گناہ ہے مگر عزل کا فیصلہ نافذ ہوگا اور پیش امام کو معزول سمجھا جائے گا، اور کسی فعل کے جرم اور گناہ ہوتے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے سے نافذ اور کسی درجہ میں معتبر ہی نہ ہو۔ اس لیے فقہاء کے مسلّمات میں بکثرت نظائر موجود ہیں: (۱) قاضی کا کسی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کر دینا (۲) افیون کی بیع (۳) قربانی کی کھالوں کی بیع۔ پس اس طرح

شرعی جرم اور نقص کے بغیر اگر قوم نے پیش امام کے عزل کا فیصلہ کر دیا تو اگرچہ قوم اس فیصلہ کی وجہ سے گناہ گار ہو گی مگر عزل کا فیصلہ بہر حال نافذ ہو گا اور پیش امام کو معزول سمجھا جائے گا اس کیلئے فقہاء کے مسلمات کی روشنی میں وجوہات مندرجہ ذیل ہیں :۔

وجہ اول: عقد امامت ایک قسم کا عقد اجارہ ہے، اور جب قوم کل یا اس کی اکثریت اس عقد پر امضاء کرنے کے لیے تیار نہ ہو، اور کسی صورت میں اس کو امام نہیں رکھنا چاہتی ہو تو ایسی صورت اور حالت میں ظاہر ہے کہ عقد امامت کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، لوگ نماز باجماعت کو یا تو اکثر چھوڑ دیں گے یا ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو دو جماعتیں مختلف اماموں سے کرائی جائیں گی اور یہ طرز عمل امامت کے اصل مقصد اور غرض و غایت ہی کے منافی اور جڑ کو کاٹ دینے والا ہے۔ اور ایسے مواقع میں بارہا اس کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے، فساد کا بھی قوی ذریعہ ہے۔

وجہ دوم: اور جب اس اجارے کا اصل مقصد اس صورت میں حاصل نہیں بلکہ فوت ہو جاتا ہے، تو چاہیئے کہ یہ اجارہ فسخ کر کے امام مذکور کو معزول کر دیا جائے اور کسی دوسرے صالح اور دیندار پیش امام کا انتخاب کیا جائے کہ جس پر قوم متفق ہو تاکہ امامت کا اصل مقصد جو کہ اقامت جماعت ہے فوت نہ ہونے پائے ــــ ایسی صورتوں میں فقہاء کرام نے فسخ اجارہ کی تصریحات کی ہیں، اس کے امثلہ کتب فقہ میں "کتاب الاجارہ" کے عنوان سے موجود ہیں، وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

وجہ سوم: عزل کو ابتدائی تقرر پر قیاس کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کُل قوم یا اس کی اکثریت درصورت اختلاف معزول کرنے کی مجاز ہے اور اس کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قوم کی اکثریت پیش امام کی مخالف ہو اور نماز پڑھنا اس کے پیچھے چھوڑ دے تو امام کو امامت کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ قال احمدؒ: اذا کرھہ واحد او اثنان او ثلاثۃ فلہ ان یصلی بھم حتی یکرھہ اکثر الجماعۃ۔ الخ (مرقاۃ)

احناف نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کوئی اختلاف ظاہر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم احناف بھی اس کے مخالف نہیں ہیں، نیز فقہائے احناف رحمہم اللہ نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ اگر پیش امام میں کوئی شرعی عیب ہو اور اس

وجہ سے لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں تو گناہ امام پر ہے، اور اگر امام میں کوئی شرعی عیب نہ ہو اور مقتدی بلا وجہ اس سے ناراض ہو کر دوسری جگہ نماز پڑھتے ہوں تو گناہ اُن پر ہے۔

ولو أمّ قوماً وهم له کارهون- ان الکراهة لفساد فیه اولانهم احق بالامامة منه کره له ذلك تحریماً لحدیث ابی داؤد لا یقبل الله صلوٰة من تقدم قوماً وهم له کارهون وان هواحق لا والکراهة علیهم۔

(الدر المختار بهامش رد المختار ج۱ ص۵۲۲)

اس تمہید کو مدنظر رکھتے ہوئے صورت مسئولہ مذکورہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیش امام صاحب کی حیثیت دوسرے قسم کے پیش امام کی ہے جو اجیرِ خاص کے حکم میں ہے، اور پہلی قسم کے امام کی نہیں کہ اس کو اہلِ وظائف میں شمار کیا جاسکے۔ اور مسئولہ عنہ پیش امام کے وہ نقائص جس کی وجہ سے تمام قوم اس سے ناراض ہو کر دوسری مسجدوں میں نمازیں پڑھتی ہے جس کی وجہ سے عقدِ امامت کا اصلی مقصد فوت ہو جاتا ہے، یہ وہ نقائص ہیں جو شرعاً معتبر ہیں، لہٰذا اگر کل قوم یا اکثریت اس عقد کو فسخ کر کے امام مذکور کو معزول کر دے اور اس کی جگہ دوسرے کسی صالح اور دیندار شخص کو پیش امام مقرر کرے جس پر تمام قوم متفق ہو تو قوم کا یہ عزل نافذ ہوگا، اور اس طرح امامت کا اصل مقصد بھی فوت نہ ہونے پائے گا اور قوم بھی گنہگار نہ ہوگی، کیونکہ یہ عزل بوجہ نقصِ شرعی کے ہوگا۔ اور اگر مذکورہ پیش امام صاحب باوجود کُل قوم یا اکثریت کے ناراض ہونے کے بدستور نمازیں پڑھانے پر بضد ہو اور لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں بلکہ دوسری مسجدوں میں پڑھیں تو گناہ پیش امام پر ہے قوم پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

باب القرأة

(قرأت کے احکام ومسائل)

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم میں اتصال ہے یا انفصال

سوال:۔ سورۃ الفاتحہ میں اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے مابین وصل یا فصل کرنے میں کون سا طریقہ بہتر ہے؟

الجواب:۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم میں اتصال وانفصال دونوں طریقے جائز ہیں، اس سے نماز میں کوئی کراہیت یا فساد لازم نہیں آتا۔ البتہ قرأت میں اتصال وانفصال کی تفسیر وتفصیل قراء حضرات سے پوچھی جائے۔

وصل حرف من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخری ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اُخری نحو ان قرأ ایاک نعبد ووصل الکاف بالنون او غیر المغضوب علیہم ووصل الیاء بالعین اوسمع اللہ لمن حمدہ ووصل الھاء من اللہ باللام فالصحیح انہ لا یفسد ولو تعمد ذٰلک۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۱۱۲ باب فی زلۃ القاری) لے

انا کو ان اور ارسلنا کو ارسلن پڑھنا

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب ہمیشہ قرأت میں غلطی کرتے ہیں، مثلاً قرأت کرتے وقت کئی ایسے مقام جہاں لفظ اِنَّا ہوتا ہے لیکن ہمارے مولوی صاحب انْ پڑھتے ہیں، ایسے ہی اَرْسَلْنَا کے بجائے ارسلن پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اغلاط کرتے ہیں۔ کیا ان اغلاط کی وجہ سے نماز میں کوئی فساد تو نہیں آتا؟

الجواب:۔ اگر قرآن مجید کے الفاظ میں کمی اور زیادتی سے معنیٰ میں تغیر نہ آئے تو نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ قاری کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی قرأت کو درست کرے۔

لے فی الھندیۃ: ان وصل حرفاً من کلمۃ بحرف من کلمۃ اخری نحوان قرأ ایاک نعبد ووصل الکاف بالنون او غیر المغضوب علیہم ووصل الباء بالعین اوسمع اللہ لمن حمدہ ووصل الھاء من اللہ باللام فالصحیح انہ لا یفسد وکذا لو تعمد ذٰلک۔
(الھندیۃ ج۱ ص۷۹ الفصل الخامس فی زلۃ القاری)

چونکہ صورتِ مسئولہ میں جمع متکلم کا صیغہ جمع مؤنث غائب کا بنا ہے جو فسادِ معنیٰ کو مستلزم ہے جس کی بناء پر نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن اگر سامع کے سننے میں جمع مؤنث کا صیغہ ہو لیکن قاری صاحب نے جمع متکلم پڑھا ہو تو اس صورت میں نماز بلا کراہت درست ہے تاہم قرأت کو وضاحت سے پڑھنا چاہیئے۔

قال الحصکفیؒ: ومنها القرأن بالالحان ان غیر المعنیٰ والا لا الا فی حرف مدولین.... فلو فی اعراب او تخفیف مشدد وعکسه اوبزیادة حرف۔

(الدر المختار صد ردّ المحتار ج ۱ ص۶۳۰ باب مایفسد الصلوٰة) لہ

فرض نماز میں تکرارِ سورۃ

سوال:۔ ایک مسجد کے امام صاحب نے فرض نماز کی دونوں رکعتوں میں سورۃ اخلاص پڑھی، کیا ایسا کرنے سے نماز پر کچھ اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ نوافل میں تکرارِ سورۃ جائز لیکن غیر اولیٰ ہے، البتہ فرائض میں تکرارِ سورۃ مکروہ تنزیہی ہے، اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

قال الحصکفیؒ: لا بأس ان یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة۔

قال ابن عابدینؒ: افاد انه یکره تنزیهاً وعلیه یحمل جزم القنیة بالکراهة ویحمل فعله علیه الصلوٰة والسلام لذلك علی بیان الجواز هذا اذا لم یضطر۔

(ردالمحتار ج ۱ ص۵۴۶ باب القرأة) لہ۲

لہ اما ان قرأ حرفاً مکان حرف او زاد حرفاً او نقص او قدم المؤخر او اخر المقدم واما ان کان کلمة مکان کلمة او زاد کلمة او نقص او قدم او أخر واما ان قرأ اٰیة مکان اٰیة او نقص او زاد مقدم المؤخر او أخر المقدم اما اذا قرأ حرفاً مکان حرف ولم یغیر المعنیٰ بان قرأ ان المسلمون لا یفسد۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی عشر زلة القاری)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۷۹ الفصل الخامس فی زلة القاری۔

لہ۲ وفی الاصل اذا قرأ سورة واحدة فی رکعتین اختلفت المشائخ رحمهم الله فیه والاصح انه لا یکره ولکن لا ینبغی ان یفعل ولو فعل لا بأس به۔

(خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۹۶ الفصل الحادی عشر فی القرأة)

مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ کا پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب اکثر مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ پڑھتے ہیں، جبکہ عام کتابوں میں مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتوں کے پڑھنے کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ کیا مغرب کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ پڑھنے سے نماز پر کوئی اثر پڑھتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں بہتر یہ ہے کہ امام صاحب مقتدیوں کی رعایت رکھ کر قرأت کریں کیونکہ مقتدیوں میں سے بعض بیمار اور کمزور بھی ہوتے ہیں، اس لیے فقہاء کرام نے نماز میں طوالتِ قرأت کو مکروہ جانا ہے، البتہ طویل قرأت سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں کئی مرتبہ سورۃ الطور اور سورۃ المرسلات پڑھی ہے۔

لما قال العلامة حسن بن الحسن الشرنبلالی: وکرہ للامام تطویل الصلوٰۃ لما فیہ من تنفیر الجماعۃ لقولہ علیہ السلام من امّ فلیخفف ـــ قال العلامة احمد الطحطاوی تحت قول تطویل الصلاۃ بقرأۃ اوتسبیح اوغیرھما۔

(الطحطاوی ص۲۴۶ باب الامامۃ) [۱]

عن جبیر ابن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔

عن ام الفضل بنت الحارث قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بالمغرب بالمرسلت۔ (الصحیح المسلم ج۱ ص۱۸۷ باب القرأۃ فی المغرب) [۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ تحریماً تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائداً علی قدر السنۃ فی قرأۃ واذکار رضی القوم ام لا لاطلاق الامر بالتخفیف۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۶۴ باب الامامۃ)

[۲] وعن جبیر ابن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔

وعن ام الفضل بنت الحارث قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالمرسلت۔ (کلاھما فی البخاری ج۱ ص۱۰۵ باب الجھر فی المغرب)

ومثلہ فی المشکوٰۃ ج۱ ص۷۹ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ ـــ ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۷

سُورۃ اور تکبیر میں وصل کرنا

سوال :- ہماری مسجد کے امام صاحب آخری دس سورتوں میں سے جب بھی کوئی ایک سورۃ نماز میں پڑھتے ہیں تو رکوع میں جاتے وقت تکبیر کو سورۃ سے ملا کر کہتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا غلطی ہے بلکہ جب سورۃ کے آخر میں پہنچا جائے تو سورۃ کے آخر اور تکبیر کے درمیان نؔ وقایۃ کی زیادتی کی جائے، بغیر نؔ زائد کرنے کے پڑھنا صحیح نہیں، جبکہ ہمارے امام صاحب جواز کے قائل ہیں۔ کیا وصل کے وقت نؔ کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایک کلمے کو دوسرے کلمے سے اس طور پر ملا کر پڑھنا جس سے معنیٰ میں فساد پیدا ہوں درست نہیں اور اگر فساد کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، لہٰذا اللہ اکبر کو سورۃ کے آخری لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا عدم فسادِ معنی کی وجہ سے جائز ہے، البتہ وصل کی صورت میں نُوْن وقایہ قرأت کے قواعد کی بناء پر بڑھایا جائے گا۔ تاہم چونکہ اس صورت میں اللہ اکبر کا سورۃ کے جزو ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے بغیر ملائے پڑھنا افضل ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ان وصل حرف من كلمة بحرف من كلمة اخرى ان وصل حرفاً من كلمة بحرف من كلمة اخرى نحو ان قرأ ایاك نعبد ووصل الكاف بالنون اوغير المغضوب ووصل البا بالعين اوسمع الله لمن حمده ووصل الهاء من الله باللام فالصحيح انه لا يفسد وكذا اوتعمد ذلك۔
(خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۱۲ زلة القارى) ؎[1]

قرأت کی تقدیم وتاخیر

سوال :- ایک مولوی صاحب نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ مریم کی کچھ آیات تلاوت کیں جبکہ دوسری رکعت میں سورۃ البقرہ سے کچھ آیات کی قرأت کی۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے کہ آیات میں تقدیم کردی جائے یا بعض میں تاخیر کرکے پڑھی جائیں؟

الجواب :- قرآن مجید کی بالترتیب تلاوت کرنا آدابِ تلاوت میں سے ہے اسلئے

؎[1] وفی الھندیة: ان وصل حرفا من كلمة بحرف من كلمة اخرىٰ نحو ان قرأ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ووصل الكاف بالنون اوغَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ووصل الياء بالعين اوسَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ووصل الهاء من الله باللام فالصحيح انه لا تفسد ولو تعمد ذلك۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۷۹ الفصل الخامس فى زلة القارى)

محققین فقہاء کے ہاں قرآن کریم کی منکوس تلاوت مطلقاً مکروہ ہے، صرف بچوں کی تعلیم کے لیے منکوس تلاوت بلاکراہت جائز ہے۔

اگرچہ بعض فقہاء نے داخل صلوٰۃ منکوس تلاوت کرنے میں فرائض یا نوافل کا کچھ فرق کیا ہے لیکن محققین کے ہاں مطلقاً منکوس تلاوت چاہے داخل نماز ہو یا خارج نماز، کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة عمار بن حسن الشرنبلالی: ویکرہ قرأۃ سورۃ فوق التی قرأھا ــ قال ابن مسعودؓ: من قرأ القرآن منکوساً فھو منکوس وماشرع لتعلیم الاطفال لا کتیسیر الحفظ بقصار السور۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۶ باب مکروھات الصلوٰۃ)[1]

فجر کی نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھنا

سوال:۔ دیہات میں معمولی علم رکھنے والے بعض ائمہ مساجد کو قرآن مجید کی چند مختصر سورتیں یاد ہوتی ہیں بڑی سورتیں یاد نہیں ہوتیں۔ تو کیا فجر کی نماز ان چھوٹی سورتوں سے پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فجر کی نماز میں مستحب یہ ہے کہ اسفار میں نماز شروع کرے، کم از کم چالیس آیات کی مقدار کے مطابق قرأت کرے۔ اگر نماز میں کچھ فساد ہو جائے تو دوبارہ سُنت کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھ سکے، اگر اتنی تاخیر کی جائے کہ اس سے نماز میں فساد آجائے تو دوبارہ اسے استحباب کے طریقہ سے نہ پڑھی جاسکے، اچھا نہیں سمجھا گیا۔

البتہ اگر کوئی چھوٹی سورتیں پڑھتا ہے اور اس پر اُس کا دوام ہے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذتین پر فجر کی نماز پڑھائی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ فی الجامع الصغیر: یقرأ فی الفجر فی الرکعتین

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوساً ــ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله وان یقرأ منکوساً) بان یقرأ فی الثانیة سورۃ الاعلیٰ مما قرأ فی الاولیٰ الان لترتیب السورۃ فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ وانما جواز الصغار تسھیلاً لضرورۃ التعلیم۔ (رد المحتار ج ۱ ص۵۴۶ فصل فی القراءۃ، مطلب الاستماع للقرآن غرض کفایة)

وَمِثْلُهُ فی فتح القدیر ج ۱ ص۲۹۹ باب صفة الصلوٰۃ۔

سورۃ الفاتحۃ وقدرہ اربعین اوخمسین واختصر فی الاصل علی الاربعین ۔ الخ
(ردالمحتار ج۱ ص۵۴۰ فصل فی القرأۃ)

وقال العلامۃ ابن عابدینؒ : کما ذکر انہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ بالمعوذتین فی الفجر۔ (ردالمحتار ج۱ ص۵۶۵ باب الامامۃ ۔مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی۔ الخ) [1]

قرآن مجید کا بہت تیز پڑھنا

سوال :۔ بعض مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ امام صاحب فرض نماز اور خصوصاً تراویح میں، اسی طرح بعض لوگ انفراداً بہت تیز قرأۃ کرتے ہیں اور بہت جلد نماز سے فارغ ہونے کی کوشش کرتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے ؟

الجواب :۔ قرآن مجید کو اگر تیز روانگی سے پڑھا جائے بشرطیکہ تلفظ صحیح ہو اور حروف میں کوئی کمی نہ ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اتنا تیز پڑھنا کہ جس سے الفاظ میں غلطی یا کمی بیشی پیدا ہو جائے جائز نہیں ۔

قال الحصکفیؒ : ویجتنب المنکرات ھذا لامۃ القرأۃ ۔

قال ابن عابدینؒ : ای سرعۃ الکلام والقرأۃ ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۷ فصل فی التراویح) [2]

---

[1] قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی : واختلف الآثار فی حد ما یقرأ فی کل صلوٰۃ وفی الجامع الصغیر انہ یقرأ فی الفجر فی الرکعتین جمیعاً اربعین اوخمسین اوستین اٰیۃ سورۃ الفاتحۃ ۔ وروی الحسن ما بین ستین الی مائۃ فالمائۃ اکثر ما یقرأ فیھا والاربعون اقلہ ۔ الخ ۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی ص۲۱۳ فصل فی بیان سنتھا)

قال یؤیدہ مافی الصحیحین انہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ بالمعوذتین فی الفجر فلما فرغ قالوا لہ اوجزت قال سمعت بکاء صبیٍ ۔

(طحطاوی حاشیہ مراقی ص۲۴۶ فصل فی بیان احق بالامامۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۱ ص۳۵۱ باب الامامۃ ۔ والفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۷۷ الفصل الرابع فی القرأۃ ۔

[2] ویکرہ الاسراع فی القرأۃ وفی اداء الارکان کذا فی السراجیۃ ۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح)

ظہر و عصر کی فرض نماز میں مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا

سوال:- ظہر و عصر کی فرض جماعت میں جبکہ امام سرًا قرأت کرتا ہے، اگر مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- فقہ حنفی میں مقتدی کے لیے، چاہے امام سرًا قرأت کرے یا جہرًا قرأت کرے، خاموش رہنا ضروری ہے اور مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قال الحصکفیؒ: (المؤتم لا یقرأ مطلقًا) ولا الفاتحة فی السریة اتفاقًا وما نسب لمحمد ضعیف کما بسطه الکمال (فان قرأ کره تحریمًا)... (بل یستمع) اذا جهر (وینصت) اذا اسر لقول ابی هریرة رضی الله عنه کنا نقرأ خلف الامام فنزل وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۵۴۴ فصل القراۃ) [1]

قرأت میں امام کا حد سے تجاوز کرنا

سوال:- ہماری مسجد کے امام صاحب جہری نمازوں میں اتنی بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں کہ دور دور تک سنائی دیتی ہے جبکہ مسجد میں چند ایک لوگ ہوتے ہیں، اگر امام صاحب ذرا آہستہ قرأت کریں تب بھی سب کو آسانی سے سنائی دیتی ہے۔ کیا جہری نمازوں میں حد سے زیادہ بلند آواز میں قرأت کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرأت کرنا (امام کیلئے) واجب ہے البتہ اتنی بلند آواز سے قرأت کرنا کہ جس سے لوگ بھی تنگ ہوں، اور اپنی بشری طاقت سے بھی تجاوز کرے، یہ مکروہ تنزیہی ہے، احسن یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

ولا یجهد الامام نفسه بالجهر کذا فی البحر الرائق، و اذا جهد الامام فوق حاجة الناس

---

[1] قال الامام محمد بن الحسن الشیبانی: لا قراءۃ خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیما لم یجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابی حنیفة۔
(موطا امام محمدؒ ص۹۷ باب قراۃ الامام)
ومثله فی فتح القدیر ج۱ ص۲۹۷ فصل فی القراۃ۔

فقد اساء لان الامام انما یجهر لاسماع القوم لیدبروا فی قرأته لیحصل احضار القلب کذا فی السراج الوهاج ۔ (الهندیة ج ۱ ص۷۲ واجبات الصلوٰة) [1]

نماز میں ایک آیتِ طویلہ کا پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب نے ایک مرتبہ جہری نماز کی پہلی رکعت میں لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے اَلْمَصِیْر تک قرأت کی، جو دو آیتیں بنتی ہیں، اور دوسری رکعت میں لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الی آخرہ تک قرأت کی جو ایک آیت بنتی ہے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ نماز نہیں ہوئی کیونکہ دوسری رکعت میں ایک آیت پڑھی گئی ہے اور پہلی رکعت میں دو آیتیں، جبکہ قرأة کے لیے تین آیات شرط ہیں، لہٰذا اس سے نماز نہیں ہوئی۔ اعتراض کرنے والے نے اپنی نماز کا اعادہ کیا، جبکہ امام صاحب کا مؤقف یہ ہے کہ نماز ہوگئی، کیونکہ نماز میں اگر ایک آیتِ طویلہ پڑھ لی جائے جو تین آیاتِ قصیرہ کے برابر ہو تو اس سے نماز ہو جاتی ہے۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک آیتِ طویلہ (جو تین آیاتِ قصیرہ کے برابر ہو) پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قرأت کی مقدار تین آیاتِ قصیرہ یا ایک آیتِ طویلہ ہے، اور آیاتِ قصیرہ کی مقدار سورۃ الکوثر اور سورۃ عبس کی پہلی آیات ہیں۔
صورتِ مسئولہ میں چونکہ امام صاحب نے ایک آیتِ طویلہ پڑھی ہے جس کی مقدار ان دونوں سے زیادہ بنتی ہے لہٰذا اس سے نماز میں کوئی فساد نہیں آیا اور نہ ہی یہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

اما الجواز ان قرأ فی کل رکعة من صلوٰتہ بایة اجزاه قصیرة کانت الآیة او طویلة وهو مسیٔ وهذا عند ابی حنیفة وعندهما لایجزیه مالم یقرأ فی علیٰ

---

[1] قال السید احمد الطحطاوی: والاولیٰ ان لایجهد نفسه بالجهر بل بقدر الطاقة لان اسماع بعض القوم یکفی والمستحب ان یجهر بحسب الجماعة فان زاد فوق حاجة الجماعة فقد اساء کما لو جهر المصلی بالاذکار قهستانی عن کشف الاصول ۔
(طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص۲۰۴ فصل فی واجبات الصلوٰة)
ومثلهٗ فی رد المحتار ج ۱ ص۵۸۹ باب الامامة، مطلب فی رفع المبلغ صوته زیادة علی الحاجة ۔

رکعۃ ثلاث آیات قصار او آیۃ طویلۃ وھذا قول ابی حنیفۃ اولیٰ۔
(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۹۳ فصل فی القرأۃ) [۱]

حرفِ ض کا صحیح تلفظ

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں لفظ (ض) کے تلفظ پر علماء کے مابین بہت سخت اختلاف ہے، حتیٰ کہ کفر و اسلام کا فرق (ض) کا پڑھنا قرار دے دیا گیا ہے۔ بعض اس حرف کو دال کے مشابہ پڑھتے ہیں اور بعض ظ کے مشابہ پڑھتے ہیں اور بعض ذال اور زا کے مشابہ پڑھتے ہیں۔ البتہ اگر صفات و مخرج کی رعایت رکھ کر اس کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے تو قدرے ظا کے مشابہ ہوتا ہے۔ کیا اس حرف کو مذکورہ حروف کے مشابہ پڑھ لیا جائے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت یا فساد لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تلفظ کے دوران اگر ایک حرف کو دوسرے حرف میں تبدیل کرنے سے معنیٰ میں تغیر آتا ہو تو بالاتفاق اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اگر ض کو زا، ذال، دال، ظ سے بدل کر بعینہٖ دال و ظا پڑھا جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر ض کو اپنے مخرج و صفات سے ادا کرنے پر کسی دوسرے لفظ کے مشابہ آواز نکل جائے لیکن صراحتہً فرق و تمیز نظر نہ آئے اور نہ ہی بلا مشقت کے ان کے درمیان فرق کیا جا سکے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر صراحتہً تمیز ہو جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله الا ما یشق) قال فی الخانیۃ والخلاصۃ الاصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حرفٍ وغیر المعنیٰ ان امکن الفصل ما بینھما بلا مشقۃ تفسد والا یمکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین

---

[۱] قال الحصکفیؒ: قرأ المصلی لوا ماماً او منفرداً الفاتحۃ و(قرأ بعدھا وجوباً (سورۃ او ثلاث آیات) ولو کانت الآیۃ اوالآیتان تعدل ثلاث آیات قصاراً انتفت کراھۃ التحریم ذکرہ الحلبی ولا تنتفی التنزیھیۃ الا بالمسنون۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۱ صفۃ الصلوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی کبیری ص ۲۶۸ باب القرأۃ۔

المهملتين والطاء مع التاء قال اکثرهم لا تفسد۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۳۳ زلة القاری) [1]

ص کی جگہ س پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی امام صِرَاطَ الَّذِیْنَ کے بجائے سِرَاطَ الَّذِیْنَ پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ ایک حرف کا دوسرے حرف سے اس طور پر بدلنا جس سے معنیٰ میں تبدیلی واقع ہوتی ہو مفسدِ صلوٰۃ ہے لیکن صورتِ مسئولہ میں مفسد تبدیلی نہیں بلکہ صراط بالسین بھی ایک قرأت ہے اس لیے سِرَاطَ الَّذِیْنَ پڑھنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا تاہم صِرَاطَ پڑھنا اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی الصراط:۔ الطریق يقال ان اصله بالسین لانه من الاستراط وهو الابتلاع فالسراط کانه يسترط المارين عليه فمن قرأ بالسین کمجاهد وابن محيصن ويعقوب فعلى اصل الكلمة ومن قرأ بالصاد کابی عمرو والجمهور فلانها اخف على اللسان...... قال الفراء اللغة الجيدة بالصاد وهى لغة قريش الاولىٰ۔ (زاد المسیر ج۱ ص۱۴ تحت صِرَاطَ الَّذِیْنَ) [2]

سُورۃ فاتحہ سے قبل بسم اللہ پڑھنا

سوال:۔ نماز میں سورۃ فاتحہ یا کوئی دوسری سورۃ شروع کرتے وقت بِسْمِ اللہ پڑھنے کا

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشيدؒ: والاصل فی هذا انه ان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد بان قرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوته وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیه قال اکثرهم لا یفسد قال بعضهم یفسد۔
(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۰۱ زلة القاری)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۷۹ زلة القاری۔

[2] قال العلامة محمود الآلوسیؒ: (الصراط) الطریق واصله بالسین من السراط..... وبالسین على الاصل قرأ ابن کثیر بروایة قنبل ورویس اللؤلؤی عن یعقوب وقرأ الجمهور بالصاد وهی لغة قریش۔
(روح المعانی ج۱ ص۹۲ تحت الصراط المستقيم)

وَمِثْلُهٗ فی تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۲۳ تحت اهدنا الصراط۔

کیا حکم ہے؟

الجواب: سورۃ فاتحہ سے قبل تسمیہ کا پڑھنا سنت ہے، البتہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان تسمیہ پڑھنا سنت تو نہیں مگر محققین کے ہاں پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔

قال الحصکفیؒ: (وسمی) غیر المؤتم بلفظ البسملة لا مطلق الذکر کما فی ذبیحة وضوء (سرا فی) اول (کل رکعة) ولو جهرية (لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سرية ولا تكره اتفاقاً وما صححه الزاهدی من وجوبها ضعفه فی البحر۔

قال ابن عابدینؒ: کذا صرح فی الذخيرة والمجتبیٰ بان سمیٰ بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً او جهراً کان حسناً ورجحه ابن الهمام۔

(رد المحتار ج ۱ ص۴۹۱ باب صفة الصلوٰة فصل فی الشروع) ؎

اعراب میں غلطی کرنا

سوال: نماز میں امام صاحب نے قرآنِ کریم کی ایک آیت شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ کو بکسر الشین کی بجائے شَفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ

؎ (ثم یاتی بالتسمیة) ویخفیها وهی من القرآن آیة انزلت للفصل بین السور کذا فی الظهیرية فیما یکره فی الصلوٰة ۔۔۔۔ ولا یسمی بين الفاتحة والسورة هکذا فی الوقاية والنقاية۔

(الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص۷۴ الفصل الثالث فی سننها)

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: (و) تسن (التسمية اول کل رکعة) قبل الفاتحة لانه صلی الله علیه وسلم کان یفتتح صلوٰته ببسم الله الرحمٰن الرحیم۔ وفی الطحطاوی واتفقوا علیٰ عدم الکراهة فی ذکرها بين الفاتحة والسورة بل هو حسن سواء کانت الصلوٰة سرية اوجهرية وینافیه ما فی القهستانی انه لا یسمی بين الفاتحة والسورة فی قولهما۔ وفی رواية عن محمد قال فی المضمرات والفتوی علیٰ قولهما۔

وفی حاشية تبع۔ فیه الکمال وتلمیذه ابن امیر الحاج حیث رجحا ان الخلاف فی السنية فلا خلاف انه لو سمیٰ لکان حسناً لشبهة الخلاف فی کونها آیة من کل سورة۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۴۲ باب سننها)

ومثله فی عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص۲۳۵ کتاب الصلوٰة۔

بفتح الشین پڑھ لیا۔ اب لوگوں میں اختلاف پڑ گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آیا، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ نماز واجب الاعادہ ہے۔ کیا اس طرح کی اعراب کی غلطی کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جبکہ شَفَا بفتح الشین کا مثل نہ قرآن مجید میں موجود ہے (البتہ لفظ شَفَا بفتح الشین بغیر الھمزہ قرآن مجید میں موجود ہے) اور نہ ہی اس کے لیے کوئی صحیح معنی موجود ہے، لہٰذا اعراب کی ایسی غلطی کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک نماز واجب الاعادہ ہے اور متاخرین کے نزدیک نماز واجب الاعادہ نہیں، اور یہی صحیح ہے، اس لیے کہ اس سے معنی میں ایسی تبدیلی نہیں آتی جو مفسدِ صلوٰۃ ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله فلو فی اعراب) ککسر قوام مکان فتحها وفتح باء نعبد مکان ضمها ومثال ما یغیر اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ بضم الجلالة وفتح همزة العلماء وهو مفسد عند المتقدمین واختلف المتاخرون فذهب ابن مقاتل ومن معه انه لا یفسد والاول احوط وهذا اوسع کذا فی زاد الفقیر لابن الهمام۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۳۱ باب زلة القاری) [1]

مَسَدٍ کو مشدّد پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد کے مولوی صاحب نے ایک دفعہ مغرب کی نماز میں سورۃ تبت پڑھی اور لفظ مَسَدٍ جو کہ مخفف ہے اس کو مشدّد پڑھا۔ کیا اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟

---

[1] اذا لحن فی الاعراب لحنا لا یغیر المعنی بان قرأ لا ترفعوا اصواتکم برفع التاء لا تفسد صلوٰته بالاجماع وان غیر المعنی تغیرا فاحشا بان قرأ وعصی آدم ربه بنصب المیم ورفع الرب وما اشبه ذٰلك مما لو تعمد به یکفر اذا قرأ خطأ فسدت صلوٰته فی قول المتقدمین واختلف المتاخرون قال محمد بن مقاتل وابو نصر محمد بن سلام وابو بکر بن سعید البلخی والفقیه ابو جعفر الهندوانی وابو بکر محمد بن الفضل والشیخ الامام الزاهد وشمس الائمة الحلوانی لا تفسد صلوٰته وما قاله المتقدمون احوط۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۸۱ باب زلة القاری)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۱۱۳ زلة القاری۔

الجواب:۔ مخفف کو مشدّد پڑھنا اور ایسے ہی مشدّد کو مخفف پڑھنا اگر اس سے فسادِ معنیٰ لازم آتا ہو تو نماز فاسد ہے ورنہ نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ: او تخفیف مشدّد وعکسہ او بزیادۃ حرف فاکثر نحو الصراط الذین او بوصل حرف بکلمۃ نحو ایاکنعبد او بوقف وابتداء لم تفسد ـــ وان غیر المعنیٰ بہ یفتی بزازیۃ الّا تشدید ربّ العالمین وایّاک نعبد فیترکہ تفسد۔

(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص ۶۳۱ زلۃ القاری) ؂۱

نماز میں قرأت کی غلطی کا علم ہونے کے بعد اسے درست کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں قرأت کے دوران الفاظ یا اعراب کی غلطی کر جائے اور بعد میں علم ہونے پر فوراً اس کا ازالہ کر دے اور دوبارہ درست قرأت پڑھے، تو اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

الجواب:۔ نماز میں قرأت کی غلطی ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نماز درست اور صحیح ہوگی۔

ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطا فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندی صلاتہ جائزۃ وکذٰلک الاعراب۔

(الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص ۸۲ باب زلۃ القاری) ؂۲

؂۱ ولو ترک التشدید فی موضعہ او اتی بالتشدید فی غیر موضعہ صح فان کان لا یغیّر المعنیٰ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۲ زلۃ القاری)

؂۲ قال الشیخ مولانا شاہ اشرف علی التھانویؒ: وفی العالمگیری:۔ ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطاءٍ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحًا قال عندی صلوتہٗ جائزۃٌ وکذٰلک الاعراب، قلت: وکذٰلک سمعتُ شیخی مولانا محمد یعقوب رحمہ اللّٰہ تعالیٰ۔

(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۶۸ باب القراءۃ)

إِذا جَآءَ نَصْرُ اللهِ کی جگہ إِذا جَاءَ النَّصْرُ اللهِ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں إِذا جَآءَ نَصْرُ اللهِ کی جگہ إِذا جَاءَ النَّصْرُ اللهِ پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ تغیر معناً بھی پایا جاتا ہے اور لغتاً بھی، لہٰذا نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

وفی الهندية: (ومنها) ذكر حرف مكان حرف۔ ان ذكر حرفا مكان حرف ولم يغير المعنى بان قرأ ان المسلمون ان الظالمون وما اشبه ذٰلك لم تفسد صلاته وان غير المعنى فان امكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۷۹ كتاب الصلوٰة۔ الفصل الخامس فى زلة القارى) [۱]

دوسری رکعت میں ایک آیت کی زیادتی سببِ کراہت نہیں

سوال:۔ ہمارے امام صاحب نے نمازِ مغرب کی پہلی رکعت میں تین آیات تلاوت کیں اور دوسری میں چار آیات تلاوت کیں جس کی وجہ سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہوگئی، کیا ایسا کرنا شرعاً مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے لمبا کرنا مکروہ ہے مگر یہ کراہت تب ہے کہ دوسری رکعت کی قرأت دو آیات سے زیادہ ہوجائے ورنہ دو آیات یا کم کی زیادتی سببِ کراہت نہیں۔

لما قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: اما اطالة الركعة الثانية على الركعة الاولى فمكروه بالاجماع لكن لا بمطلق الاطالة بل ان كانت الاطالة بثلاث آيات او بما فوقها تكره وان كانت تلك الاطالة آية او آيتين لا تكره۔ (حلبى كبير ص۱۳۰ باب صفة الصلوٰة)

---

[۱] قال العلامة ابن عابدينؒ: وان كان الخطاء بابدال حرف بحرف فان امكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على انه مفسد وان لم يمكن الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين فاكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى الخ۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۶۶ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها۔ مطلب مسائل زلة القارى)

وَمِثْلُهٗ فى البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۴۳ كتاب الصلوٰة۔

تین آیات پڑھ چکنے کے بعد مقتدی کا امام کو فتحہ دینا

سوال :- ایک مسجد کے امام صاحب نے تین آیات کے برابر نماز کے اندر قرأت کی کہ اچانک آگے پڑھنا بھول گئے، اس صورت میں اگر کوئی مقتدی امام کو فتح دے اور امام مقتدی کا فتحہ لے لے تو کیا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب :- جب امام نے تین آیات کے برابر قرأت کر لی تو اُسے چاہیئے کہ وہ رکوع میں چلا جائے مقتدی کو فتحہ دینے کے لیے مجبور نہ کرے اور اگر بالفرض مقتدی نے تین آیات کے بعد امام کو فتحہ دیا اور امام نے قبول بھی کر لیا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً لفاتح و اٰخذ بکل حال ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ ام لا انتقل الی اٰیۃ اخریٰ ام لا تکرر الفتح ام لا ھو الاصح۔

(رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۴۶۰ باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ) [1]

ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں پڑھنے کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ہی رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں ملا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بہتر یہ ہے کہ ایک رکعت میں ایک ہی سورت پڑھی جائے تاہم اگر ایک ہی رکعت میں دو یا تین سورتیں پڑھی گئیں تو اس سے نماز پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا اگرچہ خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔

لما قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی رحمہ اللہ : و یکرہ ...... والجمع بین سورتین ای فی رکعۃ واحدۃ لما فیہ من الشبھۃ التفضیل والھجر۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۰۶ باب ما یکرہ فی الصلوٰۃ)

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : لما صرحوا فی فتح المصلی علی امامہ بانہا لا تفسد علی الصحیح سواء قرأ الامام ما تجوز بہ الصلوٰۃ اولا۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۷ باب الحدث فی الصلوٰۃ)

باب المسبوق واللاحق

(مسبوق اور لاحق کے احکام ومسائل)

مسبوق اور لاحق کی تعریف

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! مسبوق اور لاحق کی تعریف کیا ہے؟ یہ کسے کہتے ہیں؟

الجواب :۔ مسبوق : وہ نمازی ہے جس کو امام کے ساتھ پوری رکعات یا بعض پڑھنے کا موقع نہ ملے۔

لاحق : وہ مقتدی ہے جس سے بصورتِ مجبوری اقتداء کرنے کے بعد پوری یا بعض رکعات فوت ہو جائیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ : واللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتداءه بعذر کغفلة وزحمة... والمسبوق من سبقه الامام بها او بعضها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۴ تا ۵۹۶ کتاب الصلوٰة۔ مطلب فی احکام المسبوق الخ) [1]

مسبوق کیلئے ثناء پڑھنے کا حکم

سوال :۔ ایک شخص مغرب کی نماز میں دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہوا تو وہ ثناء کب پڑھے گا؟

الجواب :۔ اگر مسبوق امام کو اُسی رکعت میں پائے جس میں قرأت ہو رہی ہو تو یہ مسبوق ثناء نہیں پڑھے گا بلکہ امام کی قرأت سنے گا اور جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہی مسبوق فوت شدہ رکعت کی قضاء کرنے کے لیے اٹھے تو ثناء پڑھے گا۔ تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے ساتھ ملتے ہی تعوذ پڑھنا مستحب ہے، جبکہ بعد میں (یعنی امام کی فراغت کے بعد) بھی قرأت سے پہلے تعوذ پڑھے گا۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ : المسبوق اذا ادرك الامام فی القرأة التی یجهر فیها لا یأتی بالثناء فاذا قام الی قضاء ما سبق یأتی بالثناء ویتعوذ للقرأة وعند ابی یوسفؒ یتعوذ عند الدخول فی الصلوٰة وعند القرأة وهذا استحباب

---

[1] وفی الهندیة : المسبوق من لم یدرك الرکعة الاولیٰ مع الامام........ واللاحق هو الذی ادرك اولها وفاته الباقی فی النوم او حدث او بقی قائماً للزحام.... الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۹۲ الباب الخامس، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)

اما کونہ سنۃ فقد مر فی فصل الاداب ثم فی الثناء سواءٌ کان قریباً من الامام اولا یسمع فی صلوٰۃ الجهر یسکت۔ وفی صلوٰۃ المخافۃ یأتی بالثناء اذا ادرکہ قائماً۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۱۶۵ مسائل المسبوق)[۱]

دوسری رکعت میں ملنے والے مسبوق کیلئے تشہد پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص ظہر کی نماز میں امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہوجائے اور امام جب دوسری رکعت پر بیٹھ جائے تو اس مسبوق پر بھی تشہد پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ بعض متون اور حواشی میں لکھا ہے کہ مسبوق پر یہ ضروری نہیں۔

الجواب:۔ مسبوق پر بھی تشہد پڑھنا واجب ہے۔

قال ابن عابدینؒ: والمسبوق یسجد مع امامہ) قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشہد فاذا سلم الامام قام الی القضاء الخ (ردالمحتار ج ۱ ص۵۴۹ حکم المسبوق واللاحق)

وایضاً قال بعد ورقۃ: لکن لو ادرک الامام فی القعدۃ الاولیٰ فقعد معہ فقام الامام قبل شروع المسبوق فی التشہد فانہٗ یتشہد تبعاً لتشہد امامہ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۵۵۱ حکم فی اللاحق والمسبوق)[۲]

---

[۱] وفی الهندیۃ: وفی صلوٰۃ المخافۃ یأتی بہ الخ۔ ویسکت المؤتم عن الثناء اذا جهر الامام۔ وان ادرک الامام فی الرکوع او السجود یتحرّی ان کان اکبر رأیہ انہٗ لو أتی بہ ادرکہ فی شیءٍ من الرکوع او السجود یأتی بہ قائماً والا یتابع الامام ولا یأتی بہ۔ واذا لم یدرک الامام فی الرکوع والسجود لا یأتی بهما وان ادرک الامام فی القعدۃ لا یأتی بالثناء بل یکبر للافتتاح ثم للانحطاط ثم یقعد۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج ۱ ص۹۱ الباب فی اللاحق والمسبوق)

[۲] وفی الهندیہ: اذا ادرک الامام فی التشهد وقام الامام قبل ان یتم المقتدی اوسلم الامام فی اٰخر الصلوٰۃ قبل ان یتم المقتدی التشهد فالمختار ان یتم التشهد۔ کذا فی الغیاثیۃ وان لم یتم اجزأہ۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج ۱ ص۹۰ الفصل السادس فیما یتابع الامام۔ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۵۱ باب فیما یفعلہ المقتدی۔

امام کے ساتھ قعدہ اولیٰ میں ملنے کی صورت میں تشہد پڑھنے کا حکم

سوال:- اگر مسبوق امام کے ساتھ قعدہ اولیٰ میں شرکت کرے اور مسبوق کے بیٹھتے ہی امام کھڑا ہوجائے تو کیا ایسی صورت میں امام کی متابعت ضروری ہے یا مسبوق تشہد مکمل کرنے کے بعد کھڑا ہوگا؟

الجواب:- ایسی صورت میں تشہد مکمل کرنے کے بغیر بھی اگر مسبوق امام کی متابعت کی وجہ سے کھڑا ہوجائے تو نماز مع الکراہت ہوجاتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ تشہد پوری پڑھ کر پھر اُٹھے کیونکہ قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے، لہٰذا ایک واجب کی وجہ سے دوسرے واجب کو ترک نہیں کرنا چاہیئے، یہاں تک کہ مدرک بھی تشہد پورا کرنے کے بغیر نہیں اٹھے گا، بلکہ تشہد مکمل کرے پھر اٹھ کر امام کی متابعت کرے، تاکہ دونوں واجب کی رعایت ہو۔

وفی الهندیة: اذا ادرك الامام فی التشهد وقام الامام قبل ان یتم المقتدی او سلم الامام فی اخر الصلوٰة قبل ان یتم المقتدی التشهد فالمختار ان یتم التشهد کذا فی الغیاثیة۔ وان لم یتم اجزأه۔ (الهندیة ج ۱ ص۹۰ الفصل السادس فیما یتابع الامام الخ)[1]

امام کی متابعت کا حکم

سوال:- اگر امام قعدہ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے اور مسبوق جس نے التحیات کو ادھورا پایا ہو، پیچھے رہ جانے کی وجہ سے التحیات مکمل کرے، اور اتفاق ایسا ہو کہ امام قیام سے رکوع میں چلا جائے، تو کیا یہ مسبوق تین تسبیحات کے برابر قیام کرکے لاحق کی طرح امام کے ساتھ شریک ہوگا یا رکوع کرنے کے بعد امام سے ملنے کی کوشش کرے گا؟

الجواب:- اصل جواب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ متابعت واجبہ کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) بشکلِ مقارنت: امام کے ساتھ تمام رکن میں شریک رہے۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فان عارضها واجب لاینبغی ان یفوته بل یأتی به ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشهد فانه یتمه۔ ثم یقوم لان الاتیان به لایفوت المتابعة بالکلیة۔ وانما یؤخرها والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیة فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بهما اولیٰ من ترك احدهما بالکلیة۔

(ردالمحتار ج ۱ ص۴۷۰ مطلب مهم فی تحقیق متابعة الامام)

(۲) بصورتِ تعاقب: کہ ابتداءِ فعل میں امام مقدم اور مقتدی مؤخر ہو۔

(۳) بصورتِ تأخر: کہ فعل سے امام پہلے فارغ ہو جائے اور مقتدی امام کی ادائیگی کے بعد ادا کرے۔

ان تینوں صورتوں میں متابعت کا حق ادا ہو کر مقتدی کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں چونکہ تشہد پڑھنا واجب ہے اس لیے لاحق یا مسبوق تشہد پڑھنے کے بعد قیام کرکے تنہا رکوع کرکے امام کے ساتھ شریک ہو جائے، اور اس میں بھی متابعت بصورت تأخر کا حق ادا ہوتا ہے۔ البتہ مندرجہ بالا صورتوں میں اگر مقتدی اصل فعل ہی (یعنی فرض رکن مثلاً رکوع) ترک کردے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد مستقل رکعت ادا کرکے سلام پھیر دے، اور اگر مستقل رکعت امام کی فراغت کے بعد ادا نہیں کی تو نماز ادا نہ ہوئی، اس لیے نماز واجب الاعادہ بلکہ فرض ہو کر دوبارہ ادا کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: والحاصل ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تاخیر واجبةٌ۔ فان عارضها واجب لا ینبغی ان یفوته بل یأتی به ثم یتابع کما لو قام قبل ان یتم المقتدی التشهد فانه یتمه ثم یقوم لان الاتیان به لا یفوت المتابعة بالکلیة۔ وانما یؤخرها۔ والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیة فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بهما اولیٰ من ترک احدهما بالکلیه۔ (رد المحتار جلد۱ صفحہ۴۷۰ مطلب مہم فی تحقیق متابعة الامام) [1]

مسبوق سلام میں امام کی متابعت نہیں کرے گا خواہ سجدۂ سہو کی کیوں نہ ہو

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیر دے تو سہو یا عمد کی صورت میں نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟ نیز قعدہ اخیرہ میں ملنے والے شخص کے لیے امام کی سجدۂ سہو میں متابعت ضروری ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة حماد بن حسن الشرنبلالی: لو سلم الامام او تکلم قبل فراغ المقتدی من قرأة التشهد یتمه...... ولا یتبع الامام وان خاف فوت الرکوع لان قرأة بعض التشهد لم تعرف قربة والرکوع لا یفوت فی الحقیقة لانه یدرکه فکان خلف الامام ومعارضة واجب اٰخر لا یمنع الاتیان بما کان فیه من واجب غیره لاتیانه به بعده فکان تاخیر احد الواجبین مع الاتیان بهما اولیٰ من ترک احدهما بالکلیة۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۵۱ فصل فیما یفعله المقتدی بعد فراغ امامه ...... الخ)

الجواب:- مسبوق کی حیثیت یاد ہونے کے باوجود سلام پھیرنا موجب فسادِ صلوٰۃ ہے، البتہ نسیان کی صورت میں سلام پھیرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ امام کے سلام کے ساتھ یا قبل سلام پھیرا ہو، لہٰذا یہ شخص امام کی فراغت کے بعد کھڑے ہو کر اپنی نماز مکمل کرے گا، تاہم مسبوق پر امام کے سجدہ سہو میں متابعت ضروری ہے البتہ سلام پھیرنے میں امام کی تابعداری نہیں کرے گا تاکہ من وجہ مخلل نماز کے وسط میں واقع نہ ہو اور امام کی فراغت کے بعد سہواً سلام پھیرنے سے مسبوق پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواءٌ کان السھو قبل الاقتداء او بعدہٗ۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ:- قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشھد ماذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامداً فسدت والّا لا ولا سجود علیہ ان سلّم سھوًا قبل الامام او معہ وان سلّم بعدہ لزمہ لکونہ منفرداً حینئذٍ (بحر) واراد بالمعیۃ المقارنۃ وھو نادر الوقوع کما فی شرح المنیۃ وفیہ ولو سلّم علیٰ ظن اَنّ علیہ اَن یّسلّم فھو سلام عمد یمنع البناء۔

(رد المختار علیٰ الدر المختار ج ۲ ص ۸۲ باب سجود السھو)[1]

مسبوق کے لیے سہواً سلام پھیر کر خارج سے لقمہ ملنے پر نماز کا حکم

سوال:- مسبوق اگر سہواً سلام پھیر دے، دوسرا شخص اسے مسبوقیت کی یاددہانی کرائے اور یہ مسبوق اس پر عمل کر کے بقیہ نماز کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس مسبوق کی نماز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:- اس مسئلہ میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک نماز درست ہے اور یہی راجح قول ہے، لہٰذا احتیاط

---

[1] وفی الھندیۃ: سھو الامام یوجب علیہ وعلیٰ من خلفہ السجود کذا فی المحیط ولا یشترط ان یکون مقتدیاً بہ وقت السھو حتی لو ادرک الامام بعد ما سھا یلزمہ ان یسجد مع الامام تبعًا لہٗ۔ ولو دخل معہ بعد ما سجد سجدۃ السھو۔ یتابعہ فی الثانیۃ ولا یقتضی الاول وان دخل معہ بعد ما سجدھما لا یقضیھما۔ (الھندیۃ باب فی سجود السھو، ج ۱ ص ۱۲۸)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۷۸ باب الحدث فی الصلوٰۃ فی استخلاف المسبوق۔

یہ ہے کہ مصلی (نمازی) خارج سے لقمہ ملنے پر تحری کر کے اٹھ جائے اور اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرے تاکہ اختلاف کی صورت نہ رہے۔ تاہم اگر اس نے امام کے ساتھ متصل سلام پھیرا ہو تو نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کی ضرورت بھی نہیں، اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا تو ایسی صورت میں اس مسبوق پر نماز کے آخر میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو سلّم (ای المسبوق) ساهیًا ان بعد امامه لزمه السهو والا لا۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۱ ص۴۴۳ باب سجود السهو) لہ

مغرب کی جماعت میں آخری رکعت پانے والے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ آخری رکعات میں شامل ہو جائے تو وہ باقی نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب:۔ یہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اُٹھ کر ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع اور سجدہ کر کے قعدہ پر بیٹھ کر تشہد پڑھے، پھر اٹھ کر دوسری رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھے پھر رکوع اور سجدہ کے بعد بیٹھ کر التحیات پوری کر کے سلام پھیرے، اور تیسری رکعت اس نے امام کے ساتھ ادا کی ہے۔ اور اگر دوسری رکعت (یعنی امام سے فراغت کے بعد پہلی رکعت) پر نہیں بیٹھا ہو پھر بھی نماز استحساناً جائز ہے اور سجدۂ سہو بھی واجب نہیں۔

لما قال ابراهیم الحلبیؒ: لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه یقرأ فی الركعتین الفاتحة والسورة ویقعد فی اولیهما لانها ثنائية ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمه سجود السهو۔ (كبیری ص۴۶۸ فی آخر فصل سجود السهو) لہ

لہ قال القاضی خان: اذا سلّم المسبوق ساهیًا یلزمه السهو قیل هذا اذا سلّم بعد الامام فان سلّم مع الامام لا سهو علیه۔ (الفتاوٰی القاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۱۲۳ باب سجود السهو)

لہ قال ابن نجیم المصریؒ: لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه یقرأ فی الركعتین بالفاتحة والسورة ولو ترك القرأة فی احدهما فسدت صلوته وعلیه ان یقضی ركعة بتشهد لانها ثانیه ولو ترك جازت استحساناً لا قیاساً۔ وقال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة۔ ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمه سجود السهو ولو سهوًا۔ (البحر الرائق ومنحة الخالق جلد ا ص۳۴۹ باب الحدث فی الصلوٰة)

ومثله فی رد المحتار ج ا ص۵۹۷ احكام المسبوق۔

تین رکعات کے مسبوق کے لیے امام کے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت متصل پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت ادا کر کے بعد میں بناء کی صورت میں دو رکعتیں بلا فصل قعدہ کے پڑھ لیں، تو کیا اس مسبوق پر سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگرچہ معتمد علیہ قول امام محمدؒ کا ہے اور صورتِ مذکورہ میں امام محمدؒ کے قول کے خلاف کیا گیا ہے، لیکن پھر بھی اس شخص کی نماز استحساناً جائز اور درست ہے، سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویقضی اول صلوتہ فی حق قرأتہ واٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعۃ من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولا یقعد قبلھا ــــ وقال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ. (قولہ ویقضی صلوتہ فی حق قرأتہ اول الخ) وھٰذا قول محمدؒ کما فی مبسوط السرخسیؒ وعلیہ اقتصر فی الخلاصۃ وشرح الطحاوی والاسبیجابی والفتح والدرر والبحر وغیرھم وذکر الخلاف کذلك فی السراج الوھاج لکن فی صلوٰۃ الجلابی ان ھذا قولھما وتمامہٗ فی شرح الشیخ اسمٰعیل وفی الفیض عن المستصفی لو ادرکہ فی رکعۃ الرباعی یقضی رکعتین بفاتحۃ وسورۃ ثم یتشھد ثم یأتی بالثالثۃ بفاتحۃ خاصۃ اھ وظاھر کلامھم اعتماد قول محمدؒ (قولہ تشھد بینھما) قال فی شرح المنیۃ ولو لم یقعد جاز استحساناً لاقیاساً ولم یلزمہ سجود السھو لکون الرکعۃ اولیٰ من وجہ اھ

(الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص۵۹۶ احکام المسبوق واللاحق)[1]

---

[1] قال ابراھیم الحلبیؒ: ومن جملتھا ما اشرنا الیہ انہ یقضی اوّل صلوتہ فی حق القرأۃ واٰخرھا فی حق القعدۃ حتّٰی لو ادرك مع الامام رکعۃ من المغرب بانہ یقرأ فی الرکعتین الفاتحۃ والسورۃ ویقعد فی اولیھما لانھا ثنائیۃ ولو لم یقعد جاز استحساناً لاقیاساً ولم یلزمہ سجود السھو لو سھواً لکونھا اولیٰ من وجہ الخ ۔ (کبیری ص۴۶۸ باب سجود السھو)

وَمِثْلُہٗ فی منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ج ۱ ص۳۴۹ باب الحدث فی الصلوٰۃ ۔

چوتھی رکعت میں امام کو پانے والے مسبوق کی نماز کا حکم

سوال:۔ جب ایک شخص نے چار رکعات والی نماز میں امام کو آخری رکعت میں پایا اور پہلی تین رکعات اُس سے فوت ہوئی ہیں، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ یہ مسبوق امام کی فراغت کے بعد کھڑے ہوکر ایک رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھ کر قعدہ کرے، تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کی صورت میں فاتحہ اور ضم سورت کرے گا اور آخری رکعت میں صرف فاتحۃ الکتاب پر اکتفاء کرے گا۔ گویا اس صورت میں مسبوق کو امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعت کے علاوہ باقی تین رکعات میں ترتیب کی یوں رعایت رکھنی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها (ای بکل الرکعات او بعض الرکعات) (وهو منفرد) حتّٰی یثنّی ویتعوذ ویقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بها لکراهتها مفتاح السعادة (فیما یقضیه) ای بعد متابعته لامامه الخ۔ ویقضی اوّل صلٰوته فی حق قرأة واٰخرها فی حق التشهد۔ فمدرك رکعة من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحة وسورة وتشهد بینهما وبرابعة الرباعی فقط ولا یقعد قبلها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ صفحہ ۵۹۶ احکام المسبوق واللاحق)[۱]

مسبوق کیلئے امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص جماعت میں ایسی حالت میں شامل ہو کہ امام نے ایک یا دو رکعت پڑھی ہوں تو مقتدی قعدہ اخیرہ میں امام کے ساتھ بیٹھتے ہوئے درود شریف اور دُعاء پڑھے گا یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو ادرك رکعة مع الامام فی صلٰوة الظهر والعصر والعشاء وقام الی القضاء فعلیه ان یقضی رکعة ویقرأ فیها بالفاتحة وسورة ویتشهد لانه یقضی اٰخر الصلٰوة فی حق التشهد ویقضی رکعة ویقرأ فیها بالفاتحة والسورة ولا یتشهد وفی الثانیة بالخیار والقرأة افضل ولو ادرك رکعتین منها یقضی رکعتین ویقرأ فیهما ویتشهد۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ صفحہ ۱۶۶ مسائل المسبوق)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۱ صفحہ ۳۷۹ فی باب الحدث فی الصلٰوة فی استخلاف المسبوق۔

الجواب:۔ مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں وسط صلوٰۃ کے حکم میں ہے اس لیے اُسے درود شریف نہیں پڑھنا چاہیئے کیونکہ درود شریف نماز کے آخر میں پڑھا جاتا ہے، اسلئے مسبوق کو قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے میں اطمینان سے کام لینا چاہیئے تاکہ امام کے سلام پھیرنے تک یہ تشہد میں مشغول رہے، اور اگر اس نے تشہد جلدی ختم کر دیا تو پھر بار بار شہادتین پڑھے۔

وفی الھندیۃ: ومنھا ان المسبوق ببعض الرکعات یتابع الامام فی التشہد الاخیر واذا اتم التشہد لایشتغل بما بعدہ من الدعوات ثم ماذا یفعل تکلموا فیہ۔ وعن ابن شجاع: انہ یکرر التشہد ای قولہ اشہدان لاالٰہ الااللہ وھوالمختار کذافی الغیاثیۃ۔

(الھندیۃ ج۱ ص۹۱ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)[1]

پانچویں رکعت کے لیے سہواً امام کے قیام پر مسبوق کی نماز کا حکم

سوال:۔ قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد امام پانچویں رکعت کے لیے سہواً کھڑا ہو گیا تو ایسی صورت میں مسبوق (جس نے امام کے ساتھ کچھ رکعات پڑھی ہوں اور کچھ باقی ہوں) کیا طریقہ اختیار کرے؟ کیا مسبوق بھی امام کی تابعداری کرتے ہوئے پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے یا بیٹھ کر ہی امام کے بیٹھنے اور سلام پھیرنے کا انتظار کرے اور یا امام کی تابعداری چھوڑ کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے، تینوں صورتوں میں مسبوق کے لیے کون سی صورت قابلِ عمل ہے؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ مسبوق کی حالت مدرک سے مختلف ہے، مدرک تو ابتداء سے لے کر آخر تک امام کا تابع رہتا ہے، لیکن مسبوق امام کی تابعداری میں صرف اُس وقت تک ہے جب تک امام کی نماز بحال ہو، بایں معنیٰ کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد کی طرح اپنی نماز پوری کرتا ہے۔ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے والے مسبوق کو احتیاط سے کام لینا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ کہیں امام کی ایسی زائد تابعداری سے اس کی نماز متاثر ہو۔ لہٰذا امام جب قعدۂ اخیرہ کے بعد پانچویں رکعت کے لیے سہواً کھڑا ہو تو یہ ایسی حالت ہے کہ

---

[1] قال قاضی خانؒ: المسبوق اذا قعد مع الامام کیف یفعل اختلفوا فیہ والصحیح انہٗ یترسل فی التشہد حتی یفرغ من التشہد عند سلام الامام۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ حامش الھندیۃ ص۱۰۳، ۱۰۴ ج۱ فصل فی المسبوق)

جس کا تعلق اصلی نماز سے نہیں، کیونکہ نماز تو پوری ہو چکی ہے اس لیے پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہونے پر امام کی تابعداری ضروری نہیں، مسبوق تشہد کی حالت پر بیٹھ کر ہی امام کا انتظار کرے گا۔ اور اگر مذکورہ صورت میں قعدہ اخیرہ کرنے کے بعد امام کے ساتھ مسبوق بھی کھڑا ہو گیا تو اس کی تابعداری کرنے سے مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

قال ابن نجیم المصریؒ : ولو قام الامام الی الخامسة فی صلوٰة الظهر فتابعه المسبوق ان قعد الامام علی رأس الرابعة تفسد صلوٰة المسبوق۔ (البحر الرائق جلد ۱ ص۳۷۸)

وایضاً قال علاؤ الدین الحصکفیؒ : ولو قام امامه لخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۹۹ قبل باب الاستخلاف)

لہٰذا انتظار پانچویں رکعت کے سجدہ تک ممتد رہے گا۔ اس دوران اگر سجدہ کرنے سے قبل یاد آنے پر امام لوٹ کر تشہد پر بیٹھ گیا تو مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے، جب امام سلام پھیر دے تو مسبوق حسب قاعدہ اٹھ کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے لیکن اگر امام نے پانچویں رکعت بھی پڑھی تو پھر مسبوق قدر تشہد بیٹھنے کے بعد اٹھ کر اپنی نماز پوری کرے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ : وفی الاصل لو قام المسبوق الی قضاء ما سبق به بعد فراغه من التشهد قبل السلام جاز۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۶۹ قبل الفصل السادس عشر فی السهو)

اور اگر پانچویں رکعت کے لیے تشہد پڑھنے کے بغیر کھڑا ہوا تو پھر اس صورت میں مسبوق امام کی تابعداری کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں پانچویں رکعت کے لیے سجدہ کرنے سے نماز نفل ہوگی۔

قال ابن نجیم المصریؒ : وان لم یقعد لم تفسد حتی یقید الخامسة بالسجدة فاذا قیدها بالسجدة فسدت صلوٰة الکل۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۳۷۸ باب الحدث فی الصلوٰة)[1]

[1] ولو قام امامه لخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة۔

قال ابن عابدین (قوله تفسد) ای صلوٰة المسبوق لانه اقتداء فی موضع الانفراد۔

وقال ایضاً : (تحت قوله والا) ای وان لم یقعد وتابعه المسبوق لا تفسد صلوٰته ....

فان قیدها بسجدة انقلبت نفلاً۔ (رد المحتار ج ۱ ص۵۹۹ احکام المسبوق)

قال الحصکفیؒ : ولو قام قبل السلام هل یعتد باداته ان قبل قعود الامام قدر التشهد لا وان بعده نعم وکره تحریماً الا لعذر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۹۷ احکام المسبوق)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۹۱، ۹۲ باب اللاحق والمسبوق۔

مسبوق کے لیے فوت شدہ رکعات میں قرأت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے امام کے ساتھ آخری رکعت میں شامل ہو کر نماز ادا کی، امام کی فراغت کے بعد یہ شخص فوت شدہ رکعات کی قضاء کرتے ہوئے قرأت پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک یہ مسبوق فوت شدہ رکعات میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملا کر پڑھے گا، کیونکہ مسبوق قرأت کے اعتبار سے نماز کا پہلا حصہ ادا کر رہا ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویقضی (ای المسبوق) اول صلوٰته فی حق قراءة الخ

قال ابن عابدینؒ: تحت هٰذه العبارة (قوله ویقضی اول الخ) هٰذا قول محمد کما فی مبسوط السرخسیؒ وعلیه اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحاوی لو ادرکه فی رکعة الرباعی یقضی رکعتین بفاتحة وسورة ثم یتشهد ثم یأتی الثالثة بفاتحة خاصة عند ابی حنیفة وقالا رکعة بفاتحة وسورة ثم یتشهد ثم رکعتین اولاهما بفاتحة وسورة وثانیهما بفاتحة خاصة وظاهر کلامهم اعتماد قول محمد۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۶ احکام المسبوق) [1]

امام کی سرعت کی وجہ سے مقتدی سے رکوع یا سجدہ کی تاخیر کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص نماز کی ابتداء سے امام کے ساتھ جماعت میں شریک رہا، درمیان میں امام کی سرعت کی وجہ سے مقتدی رکوع یا سجدہ کا ادراک نہ کر سکے تو اس شخص کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ ایسا شخص ترتیب سے چلتے ہی رکوع اور سجدہ کر کے امام کے ساتھ ملنے کی کوشش کرے گا، فرض یا واجب کے ترک کی صورت سے یہ بہتر ہے کہ امام کی رفاقت میں تاخیر ہو، کیونکہ تاخیر کی صورت میں بھی فی الجملہ متابعت موجود ہے۔

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والمسبوق فیما یقضی یقضی اول صلوٰته فی حق القرأة وآخر صلوٰته فی حق التشهد الخ ولو ادرك رکعتین منها (ای من صلوٰة الظهر او العصر او العشاء) یقضی رکعتین ویقرأ فیهما ویتشهد۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۱۶۵، ۱۶۶)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۹۱ باب احکام اللاحق والمسبوق)

قال ابن عابدینؒ: فلو نام فی الثالثة واستیقظ فی الرابعة فانه یأتی بالثالثة بلا قرأة فاذا فرغ منها صلی مع الامام الرابعة وان فرغ منها الامام صلاها وحدها بلا قرأة ایضاً فلو تابع الامام ثم قضی الثالثة بعد السلام صح وأثم۔
(رد المحتار ج۱ ص۵۹۵ احکام اللاحق) [1]

سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرنا باعتبار ذات مخرج عن الصلوٰۃ نہیں

سوال:۔ امام سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرنے سے نماز سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو مسبوق کو امام کے ساتھ سلام پھیرنے کی ممانعت کیوں ہے؟ اور اگر نماز سے خارج مانا جائے تو پھر اسی اثنا میں امام کے پیچھے نئے مسبوق کی اقتداء کیوں صحیح ہے؟ دونوں صورتوں کے دلائل کیا ہیں؟ اور کیا سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بغیر ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص سجدہ کے لیے سلام پھیر دے وہ نماز سے اصلاً خارج نہیں ہوتا ہے اور یہ سلام موقوفاً اور ذاتاً کسی اعتبار سے مخرج ومحلل نہیں، جبکہ شیخینؒ کے نزدیک یہ سلام تو فی نفسہ محلل اور مخرج ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تحلیلها التسلیم، لیکن صاحب سہو کے حق میں محلل اور مخرج ذاتاً وقطعاً نہیں بلکہ موقوفاً ہے، یعنی اگر اس نے سلام کے بعد سجدۂ سہو کر لیا تو مخرج اور محلل نہیں سمجھا جائے گا۔ اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو مخرج اور محلل قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا سلام پھیرنے کے وقت اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا، نہ مخرج اور محلل کا اور نہ غیر مخرج اور محلل کا۔ اس تحقیق سے مسبوق کے لیے سلام پھیرنے کی ممانعت کی وجہ معلوم ہوگئی کہ مسبوق کے حق میں چونکہ یہ سلام پھیرنا نماز کے درمیان میں ہونے کا احتمال ہے، اس لیے مسبوق کے لیے سلام پھیرنا ممنوع ہے تاکہ تحلل اس کے حق میں فی خلال الصلوٰۃ لازم نہ آئے اگرچہ من وجہ محلل کیوں نہ ہو۔ رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں امام کے پیچھے ایک نئے مسبوق کی اقتداء کیوں صحیح

---

[1] وفی الهندیة: ولو لم یشتغل بقضاء ما سبقه الامام ولکن یتابع الامام اولاً ثم قضی ما سبقه الامام بعد تسلیم الامام جازت صلوٰته عندنا هٰکذا فی شرح الطحاوی۔
(الهندیة ج۱ ص۹۲ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق)

ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اقتداء اس وقت صحیح تسلیم کی گئی ہے جبکہ امام سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے کیونکہ سجدہ سہو کرنے کے بعد یہ سلام بالاتفاق مخرج اور محلل نہیں ہے اسلیئے امام نماز سے اسی صورت میں بالاتفاق خارج نہیں ہوتا ہے لہٰذا دوسرے مسبوق کی اقتداء اس کے پیچھے جائز اور درست ہے۔ علاوہ ازیں سجدہ سہو قبل از سلام بھی جائز ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل روایات اور احادیث میں منقول ہے، مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت کے لیے تشریع عام یہ قرار دیا ہے: لکل سہو سجدتان بعد السلام۔ اس لیے سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ سلام تک جتنے واجبات رہ جائیں سب کے لیے ایک دفعہ سے سجدہ سہو کرنے سے تدارک ہوجاتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: وسلام من علیہ سجود سھو یخرجہ من الصلوٰۃ خروجاً موقوفاً ان سجد عاد الیھا والا لا وعلیٰ ھٰذا یصح الاقتداء بہٖ الخ

قال ابن عابدینؒ: تحت ھٰذہ العبارۃ (قولہٗ یخرجہ من الصلوٰۃ الخ) ھٰذا عندھما واما عند محمدؒ فانہ لا یخرجہ منھا اصلاً کما فی البحر وغیرہ۔

(قولہٗ ان سجد عاد الخ) افاد ان معنی التوقف انہ یخرجہ منھا من کل وجہ علی احتمال ان یعود الی حرمتھا بالسجود یعنی خروجہ منھا ولم فیہ تفسیر اٰخر وھو انہ قبل السجود یتوقف علیٰ ظھور عاقبتہٖ ان سجد تبیّن انہٗ لم یخرجہ وان لم یسجد تبیّن انّہٗ اخرجہ من وقت وجودہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۹ باب سجود السھو) لـه

لـه قال الامام اکمل الدین محمد بن محمد البابرتیؒ: (لان ھٰذا السلام) ای سلام من علیہ سجدتا السھو غیر قاطع ای بالاتفاق اما عند محمد فلانہ لم یشرع محللاً واما عندھما فلانہ ان کان محللاً فھو محلل علیٰ سبیل التوقف لا علیٰ سبیل البتات وکل ما لم یشرع قاطعاً لا یقطع الصلوٰۃ فدل علیٰ ان القطع لا یحصل بالسلام۔ (العنایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۱ باب سجود السھو)

قال ابن الھمامؒ: فکل سلام الاصل فیہ ان یکون مخرجاً لانہٗ جعل محللاً شرعاً۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحلیلھا التسلیم ولانہ من باب الکلام علیٰ ما مرّ الا انہٗ منع من الاخراج حالۃ السھو دفعاً للحرج لکثرۃ السھو وغلبۃ النسیان ولا یکثر سلام من علم انّ علیہ الواجب لان ظاھر حال المسلم انہٗ لا یترک الواجب فبقی مخرجاً علیٰ اصل الوضع۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۱ باب سجود السھو)

مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت یا قعدہ میں شامل ہونے والے مقیم مقتدی کی نماز کا حکم

سوال:۔ ایک مقیم شخص مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت یا قعدہ میں شریک ہوا، تو مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مسبوق مقیم بقیہ نماز کس طرح پڑھے گا؟

الجواب:۔ جب ایک مقیم شخص مسافر امام کے پیچھے اقتداء کرے، ظہر، عصر یا عشاء کی نماز ہو تو امام کے سلام کے بعد مقتدی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت نہیں پڑھے گا اور جس رکعت میں مسبوق ہو تو اس میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملا کر پڑھے گا۔ گویا اس صورت میں یہ نماز کے مختلف حصوں میں مسبوق اور لاحق دونوں کے حکم میں ہے۔

قال الحصکفیؒ: واللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتدائه بعذر کغفلة وسبق حدث وصلوٰۃ خوف ومقیم ائتم بمسافر۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (قوله مقیم الخ) ای فهو لاحق (ای مقیم المقتدی بالمسافر) بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقاً ایضاً کما اذا فاته اول صلوٰۃ امامه المسافر۔ اھ

(الدر المختار و رد المحتار ج ۱ ص۵۹۴ مسائل مسبوق واللاحق)

وایضاً قال ابن عابدینؒ: ان اللاحق المسبوق یقضی وجوباً اولاً ما لحق به ثم ما سبق به الخ وان صح عکسه عندنا خلافاً لزفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۲۵) [1]

لاحق کی نماز کا طریقہ

سوال:۔ زید ظہر کی نماز میں شریک ہوا، دو رکعت امام کے ساتھ پڑھنے کے بعد اُسے حدث کا عارضہ پیش آیا تو فوراً وضو کر کے امام کے ساتھ قعدہ میں شامل ہو گیا، تو بقیہ نماز امام کی فراغت کے بعد کیسے ادا کرے گا؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں وضو کرنے کے بعد اُسے پہلے فوت شدہ نماز بلا قرأت پڑھنی چاہیئے جو حدث کی وجہ سے فوت ہو چکی ہے۔ پھر اگر امام نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شمولیت اختیار کرے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کرے۔ تاہم اگر امام کے ساتھ مل کر امام کی فراغت کے بعد اپنی نماز پوری کرے تو یہ بھی جائز ہے لیکن پہلی صورت بہتر ہے۔

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشیدؒ: ان المسبوق فیما یقضی کالمنفرد واللاحق کانه خلف الامام ولهذا لا قرأۃ علی اللاحق و یفترض علی المسبوق۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۶۶ مسائل المسبوق)

وفی الهندیة: اللاحق اذا عاد بعد الوضوء ینبغی له ان یشتغل اوّلاً بقضاء ما سبقه الامام بغیر قراءة یقوم مقدار قیام الامام ورکوعه وسجوده۔ ولو زاد او نقص فلا یضرّه هکذا فی شرح الطحاوی۔ وقال بعد سطر واحدة ولو لم یشتغل بقضاء ما سبقه الامام ولکن یتابع الامام اولاً ثم قضی ما سبقه الامام بعد تسلیم الامام جازت صلوٰته عندنا۔ هکذا فی شرح الطحاوی۔ (الهندیة ج ۱ ص ۹۲ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق) [له]

مدرک کی سُستی کی وجہ سے رُکن رہ جانے پر اعادہ کا حکم

سوال:- اگر وتر میں مقتدی کہیں دعاءِ قنوت مکمل کر رہا تھا کہ امام رکوع سے قومہ میں چلا گیا تو اب یہ شخص نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب:- اس صورت میں مقتدی فوراً رکوع اور قومہ کرکے سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہوگا، اگرچہ متابعت مقارنہ یا متعاقبہ نہ ہوسکا لیکن متابعت کی تیسری قسم متابعت بالتاخیر کی بنا پر اس شخص کی نماز درست ہوگی جیسا کہ لاحق کی نماز کا حکم ہے، اور اگر رکوع و قومہ چھوڑ کر فوراً امام کی متابعت کرے تو امام کی فراغت کے بعد ایک رکعت مستقل ادا کرے نماز درست ہوگی، اور اگر سرے سے رکعت ادا نہیں کی تو نماز باطل ہو کر اعادہ کرے گا۔

قال ابن عابدینؒ: نعم تکون المتابعة فرضاً بمعنی ان یأتی بالفرض مع امامه او بعده کما لو رکع امامه فرکع معه مقارناً او معاقباً وشارکه فیه او بعد ما رفع منه فلو لم یرکع اصلاً او رفع قبل ان یرکع مع امامه ولم یعد معه او بعده لبطلت صلوٰته الخ۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۱ مطلب مهم فی تحقیق متابعة الامام)

[له] قال ابن عابدینؒ: ففی شرح المنیة وحکمه (ای اللاحق) انه یقضی ما فاته اوّلاً ثم یتابع الامام ان لم یکن قد فرغ۔ وفی النتف اذا توضأ ورجع یبدأ بما سبقه الامام به۔ ثم ان ادرک الامام فی شیء من الصلوٰة یصلیه معه اھ وفی البحر وحکمه انه یبدأ بقضاء ما فاته بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ۔ وهذا واجب لا شرط حتی لو عکس یصح الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۵ احکام المسبوق واللاحق)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۱، ۱۲۲ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت۔

باب مکروہات الصلوٰۃ

(نماز کے مکروہات کا بیان)

شلوار یا تہبند کا ٹخنوں سے نیچے ہونا

سوال:۔ اگر حالتِ نماز میں شلوار یا تہبند کعبین (ٹخنوں) سے نیچے ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اس دور میں اکثر لوگوں کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہے اور وہ اسی حالت میں نماز بھی پڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ شلوار یا تہبند بطور تکبر کے ٹخنوں سے نیچے رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اسلئے ایسی حالت میں نماز پڑھنا بھی کراہت سے خالی نہیں، البتہ نماز میں فساد نہیں آتا۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیٰمۃ۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔ (کلاھما فی الصحیح البخاری ج ۲ ص ۸۶۱ کتاب اللباس)[لہ]

نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا

سوال:۔ نماز میں التحیات کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنے سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

الجواب:۔ نماز میں حضور انورؐ کا تصور میں آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ

لہ لما قال العلامۃ الملا علی القاریؒ: قال ابن الملک: ویفھم منہ ان جرہ لغیر ذلک لا یکون حرامًا لکنہ مکروہ کراھۃ تنزیۃ۔

وایضًا قال، وقد نص الشافعی علی ان التحریم مخصوص بالخیلاء لدلالۃ ظواھر الاحادیث علیھا فان کان للخیلاء فھو ممنوع منع تحریم والا فمنع تنزیۃ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۳۸ کتاب اللباس، الفصل الاول)

ومثلہٗ فی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۴،۳۷۲ کتاب اللباس۔

التحیات اور درود شریف میں انسان کو حضورِ انورؐ کا خیال آ ہی جاتا ہے البتہ خیال علیٰ سبیل التعظیم والعبادۃ لاناشرعاً جائز نہیں، کیونکہ نماز صرف اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ نماز میں غیراللہ کے خیال سے اجتناب کیا جائے، اور محض خیال سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن اُمتی ما وسوست به صدورھا مالم تعمل به اوتتکلم۔ متفقٌ علیہ۔
(مشکوٰۃ ج ۱ ص۱۸ باب فی الوسوسۃ) ۱؎

مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود چھت پر نماز پڑھنا

سوال: مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود بعض لوگ مسجد کی چھت پر نماز پڑھتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس سے نماز میں تو کوئی فرق نہیں آتا؟

الجواب: مسجد کی چھت پر انفرادی طور پر یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے لیکن بلاعذر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں بشرطیکہ امام کی حالت اس پر مشتبہ نہ ہو اور نہ امام پر مقدم ہو، اور اگر امام کی حالت اس پر مشتبہ ہو یا امام پر مقتدی مقدم ہو جائے تو پھر جائز نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: سطح المسجد له حکم المسجد فهو کالمقتدی فی جوف المسجد اذا کان لایشتبه علیه الامام ...... ولهذا یصح اقتداء من علی سطح المسجد بمن فیه اذا لم یتقدم علی الامام۔ (رد المحتار ج ۱ ص۶۵۶ احکام المسجد) ۲؎

۱؎ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل تجاوز لامتی عما حدثت به نفسها مالم تعمل او تتکلم به۔ (الصحیح لمسلم ج ۱ ص۷۸ باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس)

۲؎ لما قال العلامة فخر الدین حسن بن منصور الشهیر بقاضی خان: ولو قام علی سطح المسجد واقتدی بامام فی المسجد ان کان للسطح باب فی المسجد ولایشتبه علیه حال الامام یصح الاقتداء وان اشتبه علیه حال الامام لایصح۔ (الفتاویٰ القاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۹۲ باب الامامة)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۸۸ باب الامامة الفصل الرابع فی بیان مایصح الاقتداء۔

پگڑی باندھنے میں اگر سر کا درمیانہ حصہ خالی رہ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے

سوال:۔ بعض بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ پگڑی باندھتے ہیں تو سر کا درمیانہ حصہ ننگا چھوڑ دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں تو اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پگڑی باندھنے سے منع فرمایا ہے کہ سر پر پگڑی تو موجود ہو مگر اس کا درمیانہ حصہ خالی ہو، اس لیے اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: يكره اشتمال الصماء والاعتجار... قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله والاعتجار) لنهي النبيّ صلى الله عليه وسلم عنه وهو شد الرأس أو تكوير عمامة على رأسه وترك وسطه مكشوفاً۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۵۲ باب مايفسد الصلوٰة وما يكره مطلب الكلام على اتخاذ المسبحة)[1]

جالی والی ٹوپی میں نماز کا حکم

سوال:۔ آجکل چینی (جالی دار) ٹوپیوں کا رواج عام ہے اور نماز میں لوگ اکثر ان کو استعمال کرتے ہیں جبکہ سر کے بال اُن میں نظر آتے ہیں، کیا ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز میں ستر عورت ضروری ہے اور وہ بھی اُس کپڑے سے جو اس کیلئے مباح ہو، چونکہ سر مردوں کے ستر (عورت) میں داخل نہیں اور جالی دار ٹوپی بھی مردوں کے لیے مباح ہے اس لیے اس میں نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الشيخ المفتي عزيز الرحمٰنؒ: (الجواب) جو کپڑا مردوں کو پہننا مباح ہو اگر وہ جالی دار ہو تو اس کی ٹوپی سے نماز درست ہے اور استعمال اس کا اس طریقہ پر کہ کشفِ عورت نہ ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد۴ ص۱۰۹ باب مکروہات الصلوٰۃ)

چوری شدہ ٹوپی سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ میرا ایک دوست درزی ہے، اس کے پاس لوگ کپڑے سلوانے کیلئے لاتے ہیں

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ويكره الاعتجار وهو شد الرأس بالمنديل او تكوير عمامة على رأسه۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۴ فصل مکروہات الصلوٰۃ)
ومثله فی الهندية ج۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی فيما يكره الصلوٰة۔

اس سے کچھ کپڑا بچ بھی جاتا ہے، اُس کپڑے سے اگر ٹوپی وغیرہ بنا کر اس میں نماز پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر یہ کپڑا جو درزی کے پاس بچ جاتا ہے اور مالک نے بطیبِ خاطر چھوڑ دیا ہو تو اس سے بنی ہوئی ٹوپی میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، البتہ اگر مالک کی رضامندی کے بغیر اس نے اس کپڑے سے اپنے لیے ٹوپی بنا لی تو اس چوری کردہ کپڑے کی ٹوپی میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ...... وارض مغصوبۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ کتاب الصلوٰۃ قبیل باب الاذان ص۳۸۱)[۱]

کباڑ (لنڈے) کے کپڑوں میں نماز کا حکم

سوال: بعض لوگ کباڑ (لنڈے) کے کپڑے استعمال کرتے ہیں، کیا بغیر دھوئے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: کباڑ (لنڈے) کا اکثر حصہ یہود و نصاریٰ یا فساق کے استعمال شدہ کپڑوں کا ہوتا ہے، فقہاء کرام نے ان کی شلوار، پتلون وغیرہ کے علاوہ دیگر کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز لکھا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسے کپڑے دھو کر استعمال کیے جائیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: اثیاب الفسقۃ واھل الذمۃ طاھرۃ۔ قال ابن عابدینؒ: قال فی الفتح قال بعض المشائخ تکرہ الصلوٰۃ فی ثیاب الفسقۃ لانھم لایتقون الخمور۔ قال المصنف یعنی صاحب الھدایۃ الاصح انہ لایکرہ لانہ لم یکرہ من ثیاب اھل الذمۃ الا السراویل مع استحلالھم الخمر فھذا اولیٰ۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۵۰ فصل فی الاستنجاء قبیل کتاب الصلوٰۃ)[۲]

---

[۱] قال العلامہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتکرہ فی ارض الغیر بلا رضاہ۔
(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۹۱ باب مکروہ الصلوٰۃ)

[۲] قال العلامہ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ وثیاب الفسقۃ واھل الذمۃ) مثلھم اھل الحرب (قولہ طاھرۃ) ظاھرہ جواز الصلوٰۃ فیھا من غیر کراھۃ فی التجنیس ان الصلوٰۃ فی سراویل اھل الذمۃ مکروھۃ۔ قال الحلبیؒ: ولعلہ لانھم لایستنزھون ولا یستنجون۔ (الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج۱ ص۱۶۸ فصل فی الاستنجاء قبیل کتاب الصلوٰۃ)
ومثلہ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۴ ص۱۲۵ باب مکروھات الصلوٰۃ۔

باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال:۔ آجکل ایسے کپڑوں کا استعمال عام ہے جن میں سارا بدن واضح طور پر نظر آتا ہے، ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ آزاد عورت کا تمام بدن عورت (ستر) ہے اور مردوں کا ناف سے لے کر گھٹنوں تک، نماز میں بدن کے ان حصوں کا چھپانا فرض ہے، لہٰذا اگر کسی عورت کے بدن کا کوئی حصہ ان کپڑوں میں نظر آتا ہو یا مرد کا ستر والا حصہ چھپا ہوا نہ ہو تو اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اور اس کا اعادہ واجب ہے۔

ولما قال العلامة الحصکفیؒ: وللحرة ولو خنثی جمیع بدنها حتی شعرها النازل فی الاصح خلا الوجه والکفین فظهر الکف عورة علی المذهب والقدمین علی المعتمد۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۰۵ باب شروط الصلوٰة)۔

وقال ابن عابدینؒ: تحت قوله ولا یصف ما تحته بان لا یری منه لون البشرة احترازا عن الرقیق ونحو الزجاج۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۱۰ باب شروط الصلوٰة مطلب فی النظر الی وجه الامرد) [له]

سجدہ میں جاتے وقت شلوار اوپر اٹھانے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت اپنی شلوار وغیرہ کو اوپر کرتے رہتے ہیں، کیا اس طرح کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کی حالت میں بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ اگر ضرورت ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکره کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وعبثه

[له] وفی الهندیة: وبدن الحرة عورة الا وجهها وکفیها وقدمیها۔ کذا فی المتون وشعر المرأة وما علی رأسها عورة واما المسترسل ففیه روایتان الاصح انه عورة۔ کذا فی الخلاصة وهو الصحیح وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلیه الفتوی...... والثوب الرقیق الذی یصف ما تحته لا تجوز الصلوٰة فیه کذا فی التبیین۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۸ الباب الثانی فی شروط الصلوٰة)

ومثله فی تبیین الحقائق ج۱ ص۹۶ باب شروط الصلوٰة۔

به ای بثوبه وبجسده للنهی الا لحاجة ولا بأس به خارج صلوٰۃ۔ قال ابن عابدینؒ (تحت قوله وعبثه) قال فی النهایة وحاصله ان کل عمل هو مفید للمصلی فلا بأس به...... فاما ما لیس بمفید فهو العبث۔ (رد المحتار ج ۱ ص۶۴۲ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره فیها) [1]

غیر مسلموں کے بنائے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال:۔ بازاروں اور مارکیٹوں میں آجکل جاپان اور دیگر یورپی ممالک کا تیار کردہ کپڑا فروخت کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کپڑا کفار کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہوتا ہے، کیا ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ غیر مسلم کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کپڑوں کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں، جہاں تک اس میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اگرچہ ایسے کپڑے کے نجس ہونے کا احتمال ہے لیکن اس میں طہارت کی جانب راجح ہے اسلئے اس میں نماز پڑھنا بھی درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لو شك فی نجاسة ماء او ثوب لم یعتبر۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله من شك) فی انائه وثوبه فهو طاهر الخ کذا ما یتخذه اهل الشرك او الجهلة من المسلمین کالسمن والخبز والاطعمة۔

(رد المحتار ج ۱ ص۱۵۱ کتاب الطهارة مطلب ابحاث الغسل) [2]

آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال:۔ بعض لوگ آنکھیں بند کرکے نماز پڑھتے ہیں، تو کیا اس طرح نماز

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وکره تقلیبه ای رفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود وقیل ان یجمع ثوبه ویشده فی وسطه لما فیه من التجبر المنافی للخشوع لقوله صلی الله علیه وسلم امرت ان اسجد علی سبعة اعظم وان لا اکف شعرًا ولا ثوبًا۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۳ باب مکروهات الصلوٰة)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۱۰۵ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰة۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: قال ابو حفص البخاری رحمه الله من شك فی انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة ام لا فهو طاهر ما لم یستیقن۔

(الفتاوٰی التاتارخانیة ج ۱ ص۱۴۶ کتاب الطهارة۔ نوع فی مسائل الشك۔

ومثله فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۴ ص۱۰۰ باب مکروهات الصلوٰة۔

پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے اس لیے آنکھیں بند کرکے نماز نہیں پڑھنی چاہیے، تاہم اگر خشوع و خضوع کے لیے نماز میں آنکھیں بند کرلی جائیں تو بلا کراہت جائز ہے بعض علماء نے اس کو اولیٰ بھی قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ ۔۔۔۔ تغمیض عینیہ للنھی الا لکمال الخشوع۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ للنھی) ثم الظاھر ان الکراھۃ التنزیھۃ:

(رد المحتار ج ۱ ص۶۴۵ باب مایفسد وما یکرہ فیھا) [1]

منہ ڈھانپ کے نماز پڑھنا

سوال:۔ سردیوں کے موسم میں لوگ چادر یا رومال سے منہ ڈھانپ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں ناک اور منہ کا چھپانا مکروہ ہے، اس لیے سردیوں یا گرمیوں میں اس طرح کرنے سے اجتناب کیا جائے اس سے نماز میں کراہت آتی ہے۔

لما فی الھندیۃ: ویکرہ التلثم وھو تغطیۃ الانف والفم فی الصلوٰۃ والتثاؤب الخ

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۷ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ) [2]

نسوار اور سگریٹ کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ نسوار کی پڑیا یا ڈبیہ نماز پڑھتے وقت جیب میں ہی رکھتے ہیں۔ کیا نسوار یا سگریٹ جیب میں رکھ کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

الجواب:۔ تمباکو کا استعمال شرعاً مباح ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھنا

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ تغمیض عینیہ الا لمصلحۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام احدکم فی الصلوٰۃ فلا یغمض عینیہ لانہ یفوت النظر للمحل المندوب ولکل عضو وطرف حظ من العبادۃ وبرؤیۃ ما یفوت الخشوع ویفرق الخاطر ربما یکون التغمیض اولیٰ من النظر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸۸ باب مکروھات الصلوٰۃ)

[2] لما قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ، ویکرہ ۔۔۔ وتغطیۃ انفہ وفمہ لما روینا قال السید احمد الطحطاویؒ (تحت قولہ لما روینا) من انہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ان یغطی الرجل فاہ کذا فی الشرح۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۸۹ فصل فی مکروھات الصلوٰۃ)

نماز پڑھنا بھی درست ہے، البتہ اگر نسوار یا سگریٹ میں کوئی نجس چیز ملائی گئی ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ تاہم یہ یاد رہے کہ گوبر کی بنی ہوئی راکھ اگر نسوار میں ملائی گئی ہو تو چونکہ یہ راکھ پاک ہے اس لیے اس سے نسوار کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (واللہ اعلم)

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: فانه لم یثبت اسکاره ولا تفتیره ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لا یلزم منه تحریمه علیٰ کل احد الخ۔ (رد المحتار ج۵ ص۴۶۵ کتاب الاشربة)[۱]

نماز میں تھوک آجائے تو کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ اگر کسی کو نماز میں تھوک اور بلغم آجائے تو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر دوران نماز کسی کو بلغم یا تھوک آجائے اگر اس کو نگلنا ممکن ہو تو نگل کر نماز پڑھے ورنہ کپڑے کے کونے میں تھوک لے۔

لما اخرج الامام محمد البخاریؒ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تبزقن احدکم فی قبلته ولکن عن یساره او تحت قدمه ثم اخذ طرف ردائه فبزق فیه ثم رد بعضه علیٰ بعض فقال او یفعل هٰکذا۔ (الصحیح البخاری ج۱ ص۵۹ باب اذا تدرہ البزاق فلیأخذ بطرف ثوبه)[۲]

بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: آجکل اکثر خواتین سر کے بالوں کو ایک جگہ جمع کرکے باندھ لیتی ہیں جس کو جوڑا کہا جاتا ہے، کیا اس حالت میں نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب:۔ عورتوں کا بالوں کو ایک جگہ جمع کرکے باندھ کر (جوڑا کرکے) نماز پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ

---

[۱] لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسیؒ: لما سئل عنه الدخان الذی شاع فی زماننا وعمت به البلوی وحکم اللہ فیه۔ قال الجواب: ان المجتهدین لم یتکلمون علیه لانه انما حدث بعدهم والمتاخرون اختلفوا فیه فمنهم من یقول بتحریمه ومنهم من یقول باباحته ومنهم من توسط وقال بکراهته احسن ما رأیت فیه قول شیخ مشائخنا خاتمة المحققین العلامة الاسیر المالکی واختلف فی الدخان والورع ترکه۔ (فتاوی کاملیة ص۲۶۹ کتاب الحظر والاباحة)

ومثلہٗ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۴ ص۱۰۸ باب مکروهات الصلوٰۃ۔

[۲] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا یبزقن احدکم قبل قبلته ولکن عن یساره او تحت قدمه ثم اخذ طرف ردائه فبصق فیه ثم رد بعضه علیٰ بعض۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۷۱ باب المساجد)

بدون حالتِ نماز بوقتِ ضرورت بالوں کا جوڑا بنانا مباح ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعقص شعرہ اھ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وعقص شعرہ) ای ضفرہ وفتلہ والمراد بہ ان یجعلہ علی ہامتہ ویشدہ بخیط او ان یلف ذوائبہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء فی بعض الاوقات او یجمع الشعر کلہ من قبل القفا ویشدہ بخیط او خرقۃ وجمیع ذٰلک مکروہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۲ باب المکروہات) ؎۱

اگر مسجد میں قبر ہو تو نماز کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد میں ایک پرانی قبر ہے، کبھی کبھی بعض لوگ قبر کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نمازیں درست ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ قبر کے سامنے نماز پڑھنا (چاہے فرض ہو یا نفل) مکروہ ہے البتہ اگر قبر کے سامنے کوئی دیوار وغیرہ ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں تاہم اس صورت میں بھی قبر پرستی کی تہمت سے بچنے کے لیے وہاں نماز نہ پڑھی جائے، جبکہ مسجد کے دوسرے حصوں میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ..... ومقبرۃ۔ قال ابن عابدینؒ: واختلف فی علتہ فقیل لان فیہا عظام الموتی وصدیدہم وہو نجس وفیہ نظر، وقیل لان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد وقیل لانہ تشبہ بالیہود وعلیہ مشی فی الخانیۃ ولا بأس بالصلوۃ فیہا اذا کان فیہا موضع اعد للصلوۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ ولا قبلتہ الی قبر (رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۱ کتاب الصلوۃ قبل باب الاذان) ؎۲

؎۱ وفی الہندیۃ: ویکرہ عقص شعرہ وہو جمع الشعر علی الرأس ویشدہ بشیء حتی لا ینحل کذا فی التبیین واختلف الفقہاء فیہ علی اقوال فقیل ان یجمعہ وسط رأسہ ثم یشدہ وقیل ان یلف ذوائبہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء وقیل ان یجمعہ من قبل القفا ویمسکہ بخیط او خرقۃ وکل ذٰلک مکروہ کذا فی البحر الرائق۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳ باب یفسد فی الصلوۃ وما یکرہ۔

؎۲ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ وامثالہا۔ قال الطحطاویؒ: (تحت قولہ فی المقبرۃ) لانہ تشبہ بالیہود والنصاری ــــ وفی زاد الفقیر وتکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ الا ان یکون فیہا موضع اعد للصلوۃ لا نجاسۃ فیہ ولا قذر فیہ۔ قال الحلبیؒ: لان الکراہۃ معللۃ بالتشبہ وہو منتف حینئذٍ۔ وفی القہستانیؒ عن جنائز المضمرات لا تکرہ الصلوۃ الی جہۃ القبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لو صلی صلوۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۲۹۰ باب مکروہات الصلوۃ)

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا

سوال:۔ اگر امام مکمل طور پر محراب کے اندر کھڑا ہو جائے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟ کیا امام کا یہ عمل جائز ہے؟

الجواب:۔ امام کا مکمل طور پر محراب کے اندر کھڑا ہونا صحیح نہیں، اس سے نماز پر برا اثر پڑتا ہے، اس لیے امام کو چاہیئے کہ محراب سے باہر کھڑا ہو اگرچہ رکوع، سجدہ محراب کے اندر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ ------ وقیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم مطلقاً وان لم یشتبہ حال الامام۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۵ باب مکروھات الصلوٰۃ)[1]

قضاءِ حاجت کی شدید ضرورت کے باوجود نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض اوقات انسان کو قضاءِ حاجت کی سخت ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ اس کو روک کر نماز پڑھتا ہے، اس طرح پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہاءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ جب قضاءِ حاجت کی شدید ضرورت ہو تو اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، بہتر یہ ہے کہ قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر نماز پڑھی جائے، تاہم اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو اس حالت میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ (تحت قولہ وصلوٰتہ مع مدافعۃ الاخبثین) قال فی الخزائن، سواء کان بعد شروعہ او قبلہ فان شغلہ قطعہا ان لم یخف فوت الوقت وان اتمہا اثم۔ ویتمہا اذا خشی فوت الجماعۃ ولا یجد جماعۃ غیرہا فصل یقطعہا کما یقطعہا اذا رای علیٰ ثوبہ نجاسۃ قدر الدرہم لیغسلہا اولاً کما اذا کانت النجاسۃ قدر الدرہم اقل من الدرہم والصواب الاول۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۱ باب مکروھات الصلوٰۃ)[2]

---

[1] قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ قیام الامام بجملتہ فی المحراب لا قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر طحطاوی ص ۲۹۲ فصل فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ۔

[2] لما قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومدافعاً لاحد الاخبثین البول والغائط او الریح۔۔۔۔ الا اذا خاف فوت الوقت وفوت الجماعۃ فحینئذٍ یصلی بتلک الحال لان اخراج الصلوٰۃ عن وقتہا حرام والجماعۃ مؤکدۃ واجبۃ۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ الا اذا خاف فوت الوقت) ظاہرہ انہا تنتفی الکراھۃ عند ذلک۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۲۹۲ فصل فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

لہسن، پیاز وغیرہ کھا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ لہسن، پیاز یا مولی کھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ لہسن، پیاز یا مولی وغیرہ کھانے سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے بہتر ہے کہ اس کو زائل کر کے نماز پڑھی جائے اس بدبو کے ساتھ نماز پڑھنا مسجد کے علاوہ ہر جگہ مکروہ ہے اس لیے کہ حدیث میں ان کو کھا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال نہی عن اکل الثوم الا مطبوخاً۔

(الجامع الترمذی ج ۲ ص۳ باب ماجاء فی الرخصۃ فی اکل الثوم مطبوخاً) [۱]

نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے نماز میں اپنے پاؤں صحیح طریقہ سے نہیں رکھ سکتے اس لیے وہ نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھتے ہیں، کیا اس صورت میں نماز صحیح ہوگی؟

الجواب:۔ نماز میں ایڑیوں کے بل بیٹھنا مکروہ ہے البتہ اگر کسی کو بیماری ہو تو اس کی نماز اسی حالت میں (یعنی ایڑیوں کے بل بیٹھ کر) بلاکراہت درست ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ واقعاؤہ) والکرخی بان ینصب قدمیہ ویقعد علی عقبیہ ویضع یدیہ علی الارض ۔۔۔ قال فی البحر وینبغی ان تکون الکراھۃ التحریمیۃ علی الاول تنزیھیۃ علی الثانی۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۴۳ باب مکروھات الصلوٰۃ) [۲]

مساجد میں پڑی ہوئی ٹوپیوں میں نماز کا حکم

سوال:۔ بعض مساجد میں ٹوپیاں پڑی ہوتی ہیں، کیا ان میں نماز پڑھنا

---

[۱] عن علی رضی اللہ عنہ قال نہی عن اکل الثوم الا مطبوخاً۔

(ابوداؤد ج ۲ ص۱۸۰ کتاب الاطعمۃ باب فی اکل الثوم)

وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ ج ۲ ص۳۶۲ کتاب الاطعمۃ۔ الفصل الثانی۔

[۲] قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ کرہ الاقعاء) وقال الکرخی ھو ان ینصب قدمیہ ویقعد علی عقبیہ واضعا یدیہ علی الارض۔ قال الزیلعی ۔۔۔ لان ما قالہ الکرخیؒ غیر مکروہ بل یکرہ ذلک ایضاً۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۸۳ باب مایکرہ فی الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۲۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ۔

جائز ہے جبکہ انہیں پہن کر انسان کو باہر پھرنا معیوب معلوم ہوتا ہے۔

الجواب:۔ نمازی کو چاہیئے کہ نماز کے لیے ٹوپی یا رومال ایسا ہو جس کو پہن کر وہ کسی مجلس میں بغیر شرمائے ہوئے جا سکتا ہو، موجودہ ٹوپیاں جو مساجد میں پڑی ہوتی ہیں چونکہ نمازی ان کو پہن کر دوسری مجالس میں نہیں جا سکتا ہے اس لیے ثیاب بذلہ کے حکم میں ہو کر ان کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وکرہ..... وصلاتہ فی ثیاب بذلۃ یلبسہا فی بیتہ۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ..... وفسرہا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولا یذہب بہ الی الاکابر والظاہر ان الکراہۃ تنزیہیۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۱ باب مکروہات الصلوٰۃ) [1]

نماز میں کندھوں سے چادر کا گر جانا

سوال:۔ کبھی نماز کی حالت میں نمازی کے کندھوں سے چادر گر جاتی ہے، اس صورت میں نمازی کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر نماز کے اندر کندھوں سے چادر گر جائے اور سدل کی صورت اختیار کرلے تو اس کی اصلاح عملِ قلیل سے اگر ممکن ہو تو چادر کو ایک ہاتھ سے کندھوں پر ڈال لینا چاہیئے کیونکہ نماز میں سدل مکروہ ہے، اسی طرح اِس اصلاح سے ذہنی تشویش بھی ختم ہو جائے گی جو چادر کے گرنے سے پیدا ہو چکی تھی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکرہ..... سدل تحریماً للنہی ثوبہ أی ارسالہ بلا لبس معتاد وکذا القباء بکم الی ولاء ذکرہ الحلبی کشد منديل ویرسلہ من کتفیہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۳۹ باب مکروہات الصلوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وتکرہ الصلوٰۃ فی ثیاب البذلۃ..... ما لا یذہب بہ الی الکبراء ورأی عمرؓ رجلا فعل ذلک فقال ارأیت لو کنت ارسلتک الی بعض الناس اکنت تمر فی ثیابک ہذہ فقال لا فقال عمرؓ اللہ احق ان تتزین لہ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۲۹۲ فصل مکروہات الصلوٰۃ)

[2] لما قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ سدلہ تکبراً وتہاوناً وبالعذر لا یکرہ وہو ان یجعل الثوب علیٰ رأسہ وکتفیہ او کتفیہ فقط ویرسل جوانبہ من غیر ان یضمہا۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۲۸۵ باب فیما یکرہ فی الصلوٰۃ)

(ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ)

ٹائی باندھ کر نماز پڑھنا

سوال: بعض بابو قسم کے لوگ ٹائی باندھ کر نماز پڑھتے ہیں کیا ٹائی کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ٹائی غیر مسلموں کی علامت ہے۔

الجواب: ٹائی (صلیب کا نشان) عیسائیوں کے دینی شعائر میں سے ہے، چونکہ ٹائی باندھنے سے اُن کے اس مذہبی نشان کی تائید ہوتی ہے اس لیے تشبہ بالکفار کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لقوله عليه السلام: من تشبّه بقوم فهو منهم قال الطيبيؒ: قوله من تشبه بقوم هذا عامٌ في الخلق والخلق والشعار واذا كان الشعار اظهر في التشبيه ذكر في هذا الباب۔
(طيبي شرح مشكوٰة ج۸ ص۲۱۹ كتاب اللباس، الفصل الثاني)[1]

تشہد میں دامن صحیح کرنا

سوال: بعض لوگ جب التحیات میں بیٹھتے ہیں تو اپنا دامن صحیح کرتے رہتے ہیں، انکے اس عمل سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: نماز میں تشہد یا دوسرے مواقع میں اپنے کپڑوں یا بدن یا کسی اور چیز سے کھیلنا شرعاً مکروہ ہے اگرچہ اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی مگر مکروہ ضرور ہوتی ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں تشہد میں دامن کا صحیح کرنا عمل کثیر ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، تاہم اگر دامن گھٹنوں کے نیچے آکر تکلیف کا باعث بنتا ہو تو بدون عملِ کثیر کے درست کر سکتا ہے۔

لما قال الحصكفيؒ: وكره كفه اى رفعه ولو لتراب كمشمر كم او ذيل وعبثه به اى بثوبه وبجسده للنهى الا لحاجة ولا بأس به۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۰ باب مكروهات الصلوٰة)[2]

---

[1] قال العلامة ملا على القاريؒ: عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبّه بقوم اى من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره او بالفساق او الفجار او باهل التصوف والصلحاء الابرار فهو منهم اى في الاثم والخير۔ قال الطيبيؒ: هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار اظهر من التشبه ذكر في هذا الباب۔ (مرقاة شرح مشكوٰة ج۸ ص۲۵۵ كتاب اللباس، الفصل الثاني)
وَمِثْلُهٗ فِيْ مشكوٰة ص۳۷۵ كتاب اللباس، الفصل الثاني۔

[2] قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: وكره عبثه بثوبه وبدنه وقلب الحصا الا للسجود مرة وفرقعة الاصابع۔ (كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۹ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها)
وَمِثْلُهٗ في مراقي الفلاح على صدر طحطاوى ص۲۸۰ فصل في مكروهات الصلوٰة۔

مالی نقصان ہونے کی صورت میں نماز کا توڑنا

سوال:۔ اگر کسی کی کوئی چیز ضائع ہو رہی ہو اور وہ نماز میں مشغول ہو تو کتنی مالیت تک کی چیز کے لیے نماز توڑی جا سکتی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے ایک درہم کی مالیت والے سامان کے ضائع ہونے کی صورت میں نماز توڑنے کو جائز کہا ہے، جبکہ ایک درہم تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے، اس لیے دورِ حاضر میں تین ماشہ ایک رتی چاندی کی قیمت کے برابر مالیت کی چیز ضائع ہونے کی صورت میں نماز توڑنا جائز ہے۔

لما فی الهندیة: رجل قام الی الصلوٰة فسرق منه شئ قیمته درهم له ان یقطع الصلوٰة ویطلب السارق سواء کانت فریضة او تطوعاً لان الدرهم مال۔ (الهندیة ج۱ ص۱۰۹ الفصل الثانی فیما یکره الصلوٰة) ؎۱

سینٹ (سپرے) میں الکحل کی ملاوٹ ہو تو اس کے استعمال کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض ایسے خوشبودار اسپرے (سینٹ) ملتے ہیں جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے، کیا ایسے اسپرے کو استعمال کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ شراب جو کھجور اور انگور سے بنائی گئی ہو تو وہ حرام اور ناپاک ہے، البتہ جو شراب اس کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کی گئی شراب پاک ہے، متاخرین فقہاء نے عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

لما قال الشیخ المفتی محمد تقی العثمانی: واما غیر الاشربة الاربعة فلیست نجسة عند الامام ابی حنیفةؒ..... وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویة والعطور وغیرها لا تتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیره کما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع وحینئذٍ هناك فسحة فی الاخذ بقول ابی حنیفةؒ عند عموم البلوٰی۔ (تکملة فتح الملهم ج۳ ص۶۰۸ کتاب الاشربة)۔

؎۱ قال العلامة الحصکفیؒ: ویباح قطعها لنحو قتل حیة وندابة وفور قدر وضیاع ما قیمته درهم له او لغیره۔ قال ابن عابدینؒ (تحت قوله وضیاع ما قیمته درهم) قال فی مجمع الروایات: لان ما دونه تصیر فلا یقطع الصلوٰة لاجله الخ۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۵۴ باب مکروهات الصلوٰة قبیل فی احکام المسجد)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۲۰۳ فصل فیما لا یکره۔

سوئے ہوئے شخص کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نمازی کے آگے کوئی شخص سو رہا ہو تو اس نمازی کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سویا ہوا شخص قبلہ رُخ ہو کر سویا ہو اور نمازی کی طرف اس کی پشت ہو تو اس کے سامنے نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، تاہم اگر اس کا رخ نمازی کی طرف ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: ولا یکرہ صلوٰۃ الیٰ ظھر قاعد اوْ قائم ولم یتحدث الا اذا خیف الغلط بحدیثہ۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الیٰ ظھر قاعد) قید بالظھر احترازاً عن الوجہ فانھا تکرہ الیہ کما مر...

وفی شرح المنیۃ: فادیہ نفی قول من قال بالکراھۃ بحضرۃ المتحدثین وکذا بحضرۃ النائمین

...... وفی النائمین اذا خاف ظھور شی یضحکہ۔ (رد المحتار ج ا ص۶۵۱ باب مکروہات الصلوٰۃ) لہ

نماز میں عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں دُعائیں مانگنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں عربی کے علاوہ اردو، پشتو وغیرہ زبانوں میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا شروع کر دے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز میں صرف عربی زبان میں دعا کی جائے، اگر کسی اور زبان میں دُعا کی جائے تو نماز کراہت سے خالی نہ ہوگی۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وظاھر التعلیل ان الدعاء بغیر العربیۃ خلاف الاولیٰ وان الکراھۃ تنزیھیۃ۔ (رد المحتار ج ا ص۵۲۱ مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ۔ باب صفۃ الصلوٰۃ) ۲ہ

لہ قال ابراھیم الحلبیؒ: ولا بأس بان یصلّی متوجھاً الیٰ ظھر رجل قاعداً الظاھر ان التقیید بہ باعتبار الغالب وانہ لا فرق بین کونہ قاعداً او قائماً وقولہ یتحدث لافادۃ نفی قول من بالکراھۃ بحضرۃ المتحدثین وکذا بحضرۃ النائمین۔

(کبیری ص۳۵۸ کراھیۃ الصلوٰۃ)

۲ہ قال العلامۃ عبدالحی اللکھنوی رحمہ اللہ: ومنھا ان یدعو بالعربیۃ لیکون اقرب الی الاجابۃ فان اللسان العربی من الفضل مالیس لغیرہ ...... فی غرر الافکار شرح درر البحار فی بحث الدعاء بعد التشھد کرہ الدعاء بالاعجمیۃ الخ

(السعایۃ ج۲ ص۲۲۵ باب صفۃ الصلوٰۃ)

دورانِ نماز بچے کا گود میں بیٹھ جانا

سوال:۔ نماز کی حالت میں اگر بچہ سامنے آجائے یا گود میں بیٹھ جائے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بچہ خود قصداً گود میں آکر بیٹھ جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ایسے ہی اگر بچے کے رونے یا گر جانے کا خطرہ ہو اور اس مقام میں کوئی دوسرا نہیں جو اس کی حفاظت کرسکے، اس صورت میں بھی بچے کو گود میں لینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ان مذکورہ شرائط کے علاوہ قصداً بطورِ محبت بچے کو اٹھا کر نماز پڑھتا ہے تو اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

صلی وھو حامل صبیًا جازت صلوٰتہ ویکرہ لو لم یکن ھناک من یحفظہ ویتعھد وھو یبکی فلا یکرہ ھکذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ) [۱]

آستین کہنیوں سے اوپر کرکے نماز پڑھنا

سوال:۔ اگر نماز میں آستینوں کو کہنیوں سے اوپر کیا جائے تو اس سے نماز میں کوئی کراہیت لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کپڑا موجود ہوتے ہوئے آستینوں کو کہنیوں سے اوپر کرنا مکروہ ہے، البتہ کپڑا موجود نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہیت نہیں۔

قال الحصکفیؒ: (و) کرہ (کفہ) ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وفی ردّ المحتار فیہ الکراھۃ فی الخلاصۃ والمنیۃ بان یکون رافعا کمیہ الی المرفقین۔

(ردالمحتار ج ۱ ص۶۴۰ مکروھات الصلوٰۃ)

---

[۱] قال الحصکفیؒ: یکرہ..... وحمل الطفل وما ورد نسخ بحدیث ان فی الصلوٰۃ شغلاً۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص۶۳۵ مکروھات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۵۹ الجنس فیما یکرہ۔

[۲] ولو صلی رافعا کمیہ الی المرفقین کذا فی فتاوٰی قاضی خان۔

(الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی ما یکرہ فی الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۴ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا)

امام سے پہلے سلام کہنا

سوال:۔ امام کے سلام سے قبل سلام پھیرنے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے۔

الجواب:۔ تتبع کتب سے اس کا حکم معلوم نہیں ہوا، البتہ احادیث کی رُو سے مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے۔

عن انس قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلما قضی صلٰوته اقبل علینا بوجهه فقال ایها الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۱ ما علی الماموم من التابعة) [۱]

چادر بچھا کر نماز پڑھنا

سوال:۔ مسجد میں چادر بچھا کر اس پر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں چادر بچھا کر اس پر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ زمین کی صلابت موجود رہے، اگر زمین کی صلابت معلوم نہ ہو تو پھر مکروہ ہے۔

رجل یصلی علی الارض ویسجد علی خرقه وضعوها بین یدیه لیتقی بها الحر لا بأس به کذا فی الظهیریة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۱۰۸ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ) [۲]

مکروہ وقت میں نماز پڑھنا

سوال:۔ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو یہ مکروہ کی کون سی قسم ہے؟ فرض اور نفل پڑھنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

---

[۱] عن انسؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلما قضی الصلوٰۃ اقبل علینا بوجهه فقال ایها الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۸۰ باب تحریم سبق للامام برکوع وسجود ونحوهما)

[۲] قال طاهر بن عبد الرشید البخاری: ولو سجد علی ذیله اوکمه اوکور عمامته یتقی بذلك حر الارض وبردها یجوز عندنا۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص ۵۹ جنس آخر فیما یکرہ)

الجواب:۔ مکروہ اوقات یعنی طلوع و غروب اور استواءِ شمس کے دوران نماز پڑھنا شرعاً مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ غروبِ شمس کے وقت اُسی دن کی عصر کی نماز جائز مع الکراہت ہے۔ تاہم فجر اور عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔ مکروہ اوقات تین قسم پر ہیں: ۱۔ طلوعِ الشمس ۲۔ نصف النہار ۳۔ اور عند غروب الشمس۔

قال الحصکفیؒ: (وکرہ) تحریماً وکل مالا یجوز مکروہ (صلوٰۃ) مطلقاً (ولو) قضاءً او واجبۃ اونفلاً (علیٰ جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو) لاشکر قنیۃ (مع شروق) الا العوام فلا یمنعون من فعلہا لانہم یترکونہا والاداء الجائز عند البعض اولیٰ من الترک کما فی القنیۃ وغیرہا۔ (واستواء) الا یوم الجمعۃ...... (وغروب الا عصر یومہ)

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۷۱ کتاب الصلوٰۃ)

نماز میں ایک سورۃ کو شروع کرکے بغیر عذر کے دوسری سورۃ شروع کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں ایک سورۃ کی قرأت پر ابتداء کرے لیکن پھر قصداً بغیر کسی وجہ کے اسے ترک کرکے دوسری سورۃ شروع کردے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں ایک سورۃ کو شروع کرنے کے بعد اس کے مکمل ہونے سے قبل بغیر کسی عذر کے اسے ترک کرکے دوسری سورۃ شروع کردینا شرعاً مکروہ ہے، البتہ اس سے نماز جائز ہے۔

افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ آیۃ او آیتین اراد ان یترک السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ۔ وکذا قرأ اقل من آیۃ وان کان حرفاً ولو کبر للرکوع فی الصلوٰۃ ثم بدا لہ ان یزید فی القرأۃ لا بأس بہ ما لم

---

[۱] قال قاضیخانؒ: یجوز قضاء الفوائت فی وقت شاء الا فی ثلاث ساعات لا یجوز فیہا المکتوبۃ ولا صلوٰۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارھا الی ان تغیب الا عصر یومہ ذلک فانہ یجوز اداء عند الغروب۔

(الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیۃ ج ۱ ص۴۲ باب الاذان)

ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۶۹ الفصل ۱۔ ج فی المواقیت۔

یرکع۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۹۸ فصل فی القرأۃ) ۱

ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ بغیر کسی عذر کے ننگے سر نماز پڑھتے ہیں، کیا شرعاً ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ سستی اور بغیر کسی عذر کے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ آجکل کے بعض فیشن ایبل حضرات کا وطیرہ ہے، البتہ عذر اور تذلل کے طور پر ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: (وصلوٰتہ حاسرا) ای کاشفا (راسہ للتکاسل) و(لا) بأس بہ (للتذلل) اما للاھانۃ بھا فکفر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۱ مکروھات الصلوٰۃ) ۲

جس قالین پر صلیب کی تصویر ہو اُس پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض قالین یا دریاں ایسی بنائی جاتی ہیں جن میں صلیب کی صورتیں بنی ہوتی ہیں، کیا ایسے قالین یا دری پر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے غیر مسلموں کے دینی شعائر سے تشبہ کو مکروہ قرار دیا ہے جن کے چند نظائر فقہاء کرام نے بیان بھی فرمائے ہیں۔ لہٰذا صلیب چونکہ عیسائیوں کی مذہبی علامت ہے اس لیے صلیب کے نشان والے قالین یا دری پر نماز پڑھنا تشبہ بالکفار کی وجہ سے مکروہ ہے، اس لیے ایسے قالین یا دری پر نماز پڑھنے سے اجتناب لازمی ہے ـــ لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم

---

۱ وفی الھندیۃ: افتتح سورۃ وقصدہ سورۃ اخرٰی فلما قرأ اٰیۃ او اٰیتین اراد ان یترک السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ، ولو کان اقرأ اقل من اٰیۃ وان کان حرفا ولو کبر للرکوع فی الصلوٰۃ ثم بدا لہ ان یزید فی القرأۃ لا بأس بہ ما لم یرکع۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۷۹ فصل فی القرأۃ)

۲ تکرہ الصلوٰۃ حاسرا راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذٰلک تکاسلا او تھاونا بالصلوٰۃ ولا بأس بہ اذا فعلہ تذللا وخشوعا بل ھو حسن کذا فی الذخیرۃ۔

(الھندیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا۔

فهومنه۔ (ابوداؤد ج ۲ ص۵۵۹ کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ) ۱؎

نماز میں کپڑوں کو صحیح کرنا

سوال:۔ رکوع سے سجدہ کو انتقال کے وقت شلوار کو اوپر کی طرف کھینچنا، ایسے ہی سجدہ سے اٹھتے وقت اپنے کپڑوں کو صحیح کرنا، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بغیر حاجت کے کپڑوں کو صحیح کرنا جب عملِ کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے اور حاجت کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے، اور اگر عملِ کثیر تک نوبت پہنچے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

قال الحصکفیؒ: (و) کرہ (کفہ) ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۰ مکروہات الصلوٰۃ) ۲؎

امام کا محراب کے اندر کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ امام کا بحالتِ نماز بالکل محراب کے اندر کھڑا ہونا جس سے امام کی وضع قطع مقتدیوں سے بالکل مخفی ہو جائے، یا اس کا برآمدہ میں کھڑا ہونا اور مقتدیوں کا صحن میں ہونا، اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام کا محراب میں اس طرح سے کھڑا ہونا کہ اس کے افعال مقتدیوں سے

۱؎ قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ: (قولہ او شمع او سراج) لانھما لا یعبدان والکراھۃ باعتبارھا وانما تعبدھا المجوس اذا کانت فی الکانون وفیھا الجمر وفی التنویر فلا یکرہ التوجہ الیھا علیٰ غیر ذٰلک الوجہ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۱۶۷ فصل فی مکروھات الصلوٰۃ)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۲ باب مکروھات الصلوٰۃ۔

۲؎ ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او لحیتہ او جسدہ وان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او خلفہ اذا اراد السجود کذا فی معراج الدرایۃ ولا بأس بان ینفض ثوبہ کیلا یلتصق بجسدہ فی الرکوع ولا بأس بان یمسح جبھتہ من التراب والحشیش۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۰۵ الفصل الثانی مکروھات الصلوٰۃ)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۹ مکروھات الصلوٰۃ۔

مخفی رہیں مکروہ ہے، البتہ اگر امام ایسی صورت میں کھڑا ہو کہ اس کی ساری ہیئت مقتدیوں سے مخفی نہ ہو تو اس صورت میں کوئی کراہیت نہیں۔

ایسے ہی اگر امام بر آمدہ میں اور مقتدی صحن میں ہوں، اگر ان کو امام کی ساری ہیئت کا علم ہوتا ہے تو نماز بلا کراہت جائز ہے اور عدم علم میں مکروہ ہے۔

وقال الحصکفیؒ: (قیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ) وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم (مطلقًا) وان لم یتشبہ حال الامام ان علل بالتشبہ وان بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراھۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۵ باب ما بعد الصلوٰۃ) ؎

نماز میں ذی روح چیز کی تصویر پاؤں تلے رکھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی جاندار کی تصویر سے منقش مصلی پر نماز پڑھ رہا ہو اور پاؤں اس تصویر پر رکھے ہوں تو اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز مکروہ ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ جس کمرے میں کسی ذی روح (جاندار) کی تصویر آویزاں ہو تو وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے چاہے تصویر سامنے ہو یا پیچھے، دائیں ہو یا بائیں۔ فقہاء کرام نے اس کراہت کی وجہ صنم پرستی سے مشابہت اور تعظیم بیان کی ہے لیکن اگر کسی مصلی پر جاندار کی تصویر اس طرح بنی ہو کہ اس پر پاؤں رکھے جاتے ہوں تو ایسے مصلی پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، اس لیے کہ اس عمل سے اس تصویر کی تذلیل ہوتی ہے نہ کہ تعظیم، کیونکہ اسلام نے تصویر کی تعظیم کرنے سے منع کیا ہے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا بأس بان یصلی علی بساط فیہ تصاویر لان فیہ استہانۃ بالصور ولا یسجد علی التصاویر لانہ یشبہ عبادۃ الصور واطلق الکراھیۃ فی الاصل لان

؎ قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: (لا) یکرہ (قیام الامام) بجملتہ (فی المحراب) لا قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ مستی محرابا لانہ یحارب النفس والشیطان بالقیام الیہ والکراھۃ لاشتباہ الحال علی القوم واذا ضاق المکان فلا کراھۃ۔

(الطحطاوی ص ۲۹۴ فصل فی المکروھات)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۰۸ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ --- الخ۔

المصلی معظم ویکرہ ان یکون فوق رأسه فی السقف و بین یدیه او بحذائه تصاویر او صورۃ معلقۃ ... الخ (الهدایة ج ۱ ص۱۲۶ باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ)

خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تصاویر سے منقش جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ایک استفتاء کا جواب نظر سے گذرا جس کی وجہ سے بہت تشویش لاحق ہوئی، استفتاء کا جواب یہ تھا کہ جس جائے نماز (مصلّٰی) پر کعبۃ اللہ اور روضۂ اقدس کی تصویر منقش ہو اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اکثر مسلمان ان منقش جائے نمازوں پر نمازیں پڑھتے ہیں، بڑی بڑی مساجد میں بڑے بڑے علماء و مفتیانِ عظام کو ایسے جائے نمازوں پر نمازیں پڑھتے دیکھا گیا ہے، اور خصوصاً تشویش کی بات یہ ہے کہ ایسے منقش جائے نماز لوگ بڑے شوق سے سعودی عرب سے لاتے ہیں۔ اب اگر مذکورہ استفتاء کے جواب کے مطابق ایسے جائے نمازوں پر نماز پڑھنا جائز نہیں تو ہماری پڑھی گئی نمازوں کا کیا بنے گا؟ کیا ہم ساری نمازوں کو دوبارہ قضاء کریں گے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر ہمیں اس تشویش سے نکالیں؟

الجواب :۔ جائے نماز (مصلّٰی) پر غیر ذی روح شے کی تصویر کا ہونا مانع صلوٰۃ نہیں اور نہ اس سے کوئی کراہت لازم آتی ہے۔

لما قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ : واما صورۃ غیر ذی روح فلاخلاف فی عدم کراهة الصلوٰۃ علیها او الیها۔ (کبیری ص۳۴۶ مکروهات الصلوٰۃ)

خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصاویر بھی غیر ذی روح میں داخل ہیں اس لیے جس مصلّٰی پر اس قسم کی تصاویر ہوں اس پر نماز پڑھنا مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر جائز ہے۔

(۱) عین کعبہ یا اس کی دیواروں پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الهندیة : لو صلّٰی علی جدار الکعبة فان کان وجهه الی سطح الکعبة یجوز والافلا۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۶۳ باب صلوٰۃ فی الکعبة)

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : ولو صلّٰی فی جوف الکعبة او علی سطحها جاز الی ای جهة۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۱ ص۴۳۵ باب صلوٰۃ فی الکعبة)

البتہ ایسا کرنے سے بوجہ اساءۃ ادب صرف کراہت تنزیہی ہے۔

لما قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ : صح فرض ونفل فوقها وان لم یتخذ

مصلیها سترة لما ذکرنا لکنه مکروه لا سادة الادب باستعلائه علیها وترک تعظیمها یفید ان الکراهة التنزیة ۔ (الطحطاوی ص ۳۳۹ باب صلوٰة فی الکعبة)

(۲) تصویر کا حکم عین شے کا حکم نہیں ہوتا ۔

(۳) نماز پڑھنے کے دوران ان تصاویر پر سر رکھا جاتا ہے پاؤں نہیں جو کہ موجب تعظیم ہے، یہی وجہ ہے کہ جو تصاویر نماز میں پاؤں تلے آتی ہوں تو نماز بلاکراہت جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یکره لو کانت تحت قدمیه او محل جلوسه لانها مهانة ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۹ مکروہات الصلوٰة)

لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصاویر سے منقش جائے نماز (مصلیٰ) پر نماز پڑھنا جائز ہے، تاہم اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ان تصاویر پر پاؤں نہ آئے تاکہ بے ادبی کا شبہ پیدا نہ ہو ۔ جہاں تک اداشدہ نمازوں کا مسئلہ ہے تو وہ بلاکراہت جائز ہیں دوبارہ قضاء کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جن حضرات نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے ان کا فتویٰ قابلِ غور ہے، اس لیے کہ جب عین کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا جائز ہے تو منقش جائے نماز پر بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔[۱]

✵

---

[۱] لما قال العلامة المفتی محمود حسن گنگوہیؒ: (سوال) جائے نماز پر خانہ کعبہ کی تصویر ہے اُس پر نماز پڑھنا کیسا ہے، آیا اس تصویر کو دوسرا کپڑا چڑھا کر چھپا دیا جائے یا کیا کیا جائے، اگر فروخت کرتے ہیں تو چوتھائی قیمت ملتی ہے اور مسجد کو نقصان ہے ؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ان مصلوں پر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں نہ ان پر کپڑا چڑھانے کی ضرورت ہے نہ ان کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے ۔ فی منیة المصلی: واما صورة غیر ذی روح فلا خلاف فی عدم کراهة الصلوٰة علیها او الیها (ص ۳۱۴) اور اس تصویر سے خانہ کعبہ کی تعظیم میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ تصویر کا حکم عین شئی کا حکم نہیں ہوتا، دوسرے خود خانہ کعبہ میں جب نماز پڑھی جاتی ہے تو وہاں بھی زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہے جب وہ تعظیم کے منافی نہیں تو تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریق اولیٰ تعظیم کے منافی نہ ہوگا۔ فقط، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

(الفتاویٰ المحمودیہ جلد ۷ ص ۱۱۱ کتاب الصلوٰة)

باب مفسدات الصلوٰة

(نماز کے مفسدات کے بیان میں)

نماز میں پاؤں ہلانا

سوال:۔ کیا نماز میں پاؤں ہلانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ نماز میں پاؤں ہلانا جب تک عملِ کثیر کے درجے میں نہ ہوتو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاہم بلاضرورت پاؤں ہلانے سے اجتناب کرنا چاہیئے، البتہ دونوں پاؤں کا ہلانا عملِ کثیر کے زمرے میں داخل ہے۔

ان حرك رجلاً واحدة لا على الدوام لا تفسد صلوٰته وان حرك رجليه تفسد و اعتبر هذا القائل العمل بالرجلين با لعمل باليدين والعمل برجل واحدة با لعمل بيد واحدة قال بعضهم ان حرك رجليه قليلاً لا تفسد صلوٰته كذا فى المحيط وهو الاوجه هكذا فى البحر الرائق۔ (الهندية ج ۱ ص۱۰۳ الباب السابع فيما يفسد الصلوٰة)[1]

نماز میں کھانسنا

سوال:۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض نمازی نماز میں کھانستے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو کھانسی میں حد سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ کیا نماز میں کھانسنا شرعاً جائز ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

الجواب:۔ اگر نماز میں کھانسی بلا اختیار مع العذر ہو تو شرعاً جائز ہے اور بغیر عذر محض تحسینِ صوت کے لیے ہو تو بھی جائز ہے۔ البتہ نماز میں کھانسنے کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں تاہم بلا عذر کھانسنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے بشرطیکہ اس سے حروف پیدا ہوجائیں اور بغیر اظہارِ حروف کے بلاعذر کھانسنا مکروہ ہے۔

---

[1] قال ابن نجيم: ان حرك رجلا واحدة لا على الدوام لا تفسد صلوٰته وان حرك رجليه تفسد فتشكل لان الظاهر ان تحريك اليدين فى الصلوٰة لا يبطلها متى يلحق بهما تحريك الرجلين فالاوجه قول بعضهم ان حرك رجليه قليلاً لا تفسد صلوٰته وان كان كثيراً فسدت كما فى الذخيرة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۱۳ باب مفسدات الصلوٰة)

قال الحصكفیؒ: (والتنحنح) بحرفین (بلاعذر) اما به بان نشأ طبعه فلا (او) بلا (غرض صحیح) فلو لتحسین صوته او یهتدی امامه او للاعلام انه فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۱۸ مطلب المواضع التی لایجب الخ) [1]

بحالتِ نماز قرآن سے دیکھ کر قرأت کرنا

سوال: اگر کوئی شخص بحالتِ نماز قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کرے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ نیز اس میں حافظ اور غیر حافظ کا فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: مصحف شریف سے دیکھ کر بحالتِ نماز قرأت کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا مفسدِ نماز ہے جبکہ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مفسدِ نماز نہیں، البتہ صحیح قول یہی ہے کہ مفسدِ نماز ہے، اس میں حافظ اور غیر حافظ دونوں برابر ہیں۔

ویفسدها قرأته من مصحف عند ابی حنیفةؒ وقال لا یفسد ان حمل المصحف وتقلیب الاوراق والنظر فیه عمل کثیر وللصلوٰۃ عنه بدٌ وعلی هٰذا لوکان موضوعاً بین یدیه علی رحل وهو لایحمل ولایقلب اوقرأ المکتوب فی المحراب لاتفسد ولان التلقن من المصحف تعلم لیس من اعمال الصلوٰۃ وهٰذا یوجب التسویة بین المحمول وغیره فتفسد بکل حال وهو الصحیح هٰکذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۰۱ مفسدات الصلوٰۃ) [2]

---

[1] ویفسد الصلوٰۃ التنحنح بلاعذر بان لم یکن مدفوعاً الیه وحصل منه حروف هٰکذا فی التبیین ولو لم یظهر له حروف فانه لایفسد اتفاقاً لکنه مکروه کذا فی البحر الرائق۔ (الهندیة سعیدی ج ۱ ص۵۲ الباب السابع الفصل فیما یفسد الصلوٰۃ)

[2] قال ابن نجیم: (قوله وقرأته من مصحف) ای یفسدها عند ابی حنیفةؒ وقالا هی تامة لانها عبادة انضافت الی عبادة الا انها یکره لانه تشبه بصنیع اهل الکتاب ولابی حنیفةؒ وجهان احدهما ان حمل المصحف والنظر فیه وتقلیب الاوراق عمل کثیر الثانی انه تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیره وعلی هٰذا الثانی لا فرق بین الموضوع والمحمول عنده وعلی الاول یفترقان وصحح المصنف فی الکافی الثانی وقال انها تفسد بکل حال تبعاً لما صححه شمس الائمة السرخسی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۰ مایفسد الصلوٰۃ)

ومِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۲۳ مفسدات الصلوٰۃ۔

نماز میں قبلہ سے منحرف ہوجانا

سوال :- نماز پڑھنے کے دوران کسی شخص کے دھکا دینے سے نمازی کا سینہ قبلہ سے کچھ منحرف ہو گیا، تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر قبلہ سے تھوڑی سی مقدار میں منحرف ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر من کل الوجوہ منحرف ہو گیا تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: (و لغیرہ) ای غیر معاینہا (واصابۃ جہتہا) بان یبقی شئ من سطح الوجہ مسامتا للکعبۃ او لہوائہا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۸ شروط الصلوٰۃ) لہ

لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھنا

سوال :- آجکل اکثر مساجد میں لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھائی جاتی ہے، آیا شرعاً اس آلہ کے ذریعہ نماز پڑھانا جائز ہے؟

الجواب :- لاؤڈ سپیکر ایک جدید آلہ ہے اس سے مکبر یا امام کی آواز دور تک پہنچتی ہے۔ فنی لحاظ سے چونکہ یہ آواز اس امام ہی کی آواز ہوتی ہے اسلئے محققین علماء کرام کا اتفاق ہے کہ لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھانا جائز ہے لیکن بلا ضرورت لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے سے اجتناب کیا جائے۔ البتہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق چونکہ یہ آواز امام کی اپنی نہیں بلکہ صدائے بازگشت ہے اس لیے اس (لاؤڈ سپیکر) سے نماز درست نہیں۔

قال المفتی کفایت اللہ :- میں کئی مرتبہ اس آلہ کے نماز میں استعمال کا حکم لکھ چکا ہوں اور اخبارات میں شائع کروا چکا ہوں، وہ یہ کہ فی حد ذاتہ اس آلہ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں اس لیے خطبہ جمعہ وعیدین اور وعظ و تقریر کی مجالس میں اس کا استعمال مباح ہے، نماز کے بڑے مجمعوں میں جو لوگ تبلیغ تکبیر کرتے ہیں ان کی آواز کو بلند کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ (کفایت المفتی ج ۹ ص ۱۳۰ کتاب الحظر والاباحۃ) ۲ہ

لہ قال ابن نجیم: (قولہ ولغیرہا اصابۃ جہتہا) لغیر المکی فرضہ اصابۃ جہتہا وھو الجانب الذی اذا توجہ الیہ الشخص یکون مسامتا للکعبۃ او لہوائہا۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۰ شروط الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۶۳ الفصل الثالث فی استقبال القبلۃ۔

۲ہ امداد الفتاوی ج ۱ ص ۶۰۵ تا ۶۰۸ و آلات جدیدہ ص ۵۳ کی تحریر سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے۔

عورت کے محاذات کا مسئلہ

سوال:- اگر نماز میں ایک عورت مرد کے محاذات میں کھڑی ہو جائے اور مرد اس کی اقتداء کی نیت بھی کرے اور عورت بالغہ بھی ہو تو کیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا مسئلہ محاذات میں محرمہ اور اجنبیہ میں کوئی فرق ہے؟ اور محاذات کے شرائط کیا ہیں؟

الجواب:- اگر بالغہ عورت کسی مرد کے محاذات میں کھڑی ہو جائے تو چند شرائط کے ساتھ اس مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، مثلاً بغیر کسی حائل ورکاوٹ کے مکان ایک ہو، عورت بالغہ عاقلہ ہو جس کی نماز صحیح ہو، مجنونہ نہ ہو، امام عورت کی اقتداء کی نیت کرے، محاذات رکن کامل میں ہو، اور دونوں کی جہت متحد ہو۔

اور محاذات میں پنڈلی اور ٹخنوں کا اعتبار ہوتا ہے، اس میں محرمہ اور غیر محرمہ کا کوئی فرق نہیں، دونوں برابر ہیں۔

(ومنها) ان یکون فی مکان واحد حتی لو کان الرجل علی الدکان والمرأۃ علی الارض والدکان مثل قامۃ الرجل لاتفسد صلوتہ (ومنها) ان یکون بلاحائل حتی لو کان فی مکان متحد بان کانا علی الارض او علی الدکان الا ان بینهما اسطوانۃ لاتفسد صلوتہ ھٰکذا فی الکافی وادنی الحائل قدر مؤخر الرحل وغلظہ غلظ الاصبع والفرجۃ تقوم مقام الحائل وادناہ قدر مایقوم فیہ الرجل کذا فی التبیین (ومنها) ان تکون ممن تصح منها الصلوۃ حتی ان المجنونۃ اذا حاذتہ لاتفسد صلوتہ (ومنها) ان ینوی الامام امامتها او امامۃ النساء وقت الشروع لا بعدہ ولایشترط حضور النساء لصحۃ نیتهن (ومنها) ان تکون المحاذات فی رکن کامل حتی لو کبرت فی صف ورکعت فی اٰخر وسجدت فی ثالث فسدت صلاۃ من عن یمینها ویسارها خلفها من کل صف (ومنها) ان تکون جهتهما متحدۃ حتی لو اختلف لاتفسد ولایتصور اختلاف الجهۃ الا فی جوف الکعبۃ او فی لیلۃ مظلمۃ وصلی کل بالتحری الی جهۃ والمعتبر فی المحاذات الساق والکعب علی الصحیح ھٰکذا فی التبیین والمرأۃ تتناول الاجنبیۃ والمحرمۃ والحلیلۃ والصغیرۃ المشتهاۃ والکبیرۃ التی ینفر عنها الرجال ھٰکذا فی الکفایۃ۔ (الهندیۃ ج ۱ ص ۸۹ باب الامامۃ۔ الفصل الخامس)

قال الحصکفیؒ : (واذا حاذته) ولو ببعضو واحد وخصه الزیلعی بالساق والکعب (امرأة) ولوامة (مشتهاة) حالاً کبنت تسع مطلقاً وثمان وسبع لو ضخمة او ماضیا کعجوزة (ولا حائل بینهما) اقله قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجة تسع رجلاً (فی صلوٰة) وان لم تتخذ کیفیتها ظهرا بمصلی عصر علی الصحیح سراج فانه یصح نقلاً علی المذهب بحر وسیجی (مطلقة) خرج الجنازة (مشترکة) فمحاذاة المصلیة لمصل لیس فی صلاتها مکروهة لامفسد فتح (تحریمة) وان سبقت ببعضها (واداء) ولو حکما کلاحقین بعد فراغ الامام بخلاف المسبوقین والمحاذاة فی الطریق (واتحدت الجهة) فلو اختلفت کما فی جوف الکعبة ولیلة مظلمة (فسدت صلوٰته) لو مکلفاً والا لا (ان نوی) الامام وقت شروعه لابعده (امامتها) وان لم تکن حاضرة علی الظاهر ولو نوی امرأة معینة اوالنساء الاهذه عملت نیته (والا) تنوها (فسدت صلوٰتها)۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۷۲ تا ص۵۷۵ باب الامامة)

بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال: بعض اوقات بس میں سفر کے دوران نماز کا وقت ہوتا ہے لیکن نماز کے لیے بس کا ڈرائیور کسی مقام پر بس کو نہیں روکتا۔ اگر بس میں بیٹھ کر نماز پڑھ لی جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

الجواب: بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا مع العذر جائز ہے جب قبلہ کا رُخ ابتدا میں صحیح ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ انتظار کرے، ممکن ہے کہ باقاعدہ نماز کا وقت مل جائے، بشرطیکہ پہلے ڈرائیور سے بات کرلی ہو اور ڈرائیور گاڑی نہ روکنے پر مُصر ہو، البتہ ڈرائیور اگر گاڑی کھڑی کردے تو پھر جائز نہیں۔

قال الحصکفیؒ : (صلی الفرض فی فلک) سار (قاعداً بلاعذر صح) لغلبة العجز (واساء) وقالا لایصح الابعذر وهوالاظهر برهان۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۰۱ باب صلوٰة المریض)

(اما الصلوٰة علی العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة وهی تسیر اولا تسیر (فهی صلوٰة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر) المذکور فی التیمم (لا فی غیر)

ومن العذر المطروطين يغيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۳ باب النوافل ، مطلب الصلوٰۃ علی الدابۃ) ۔ لہ

مسجد میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوکانوں میں نماز پڑھنا

سوال:۔ ہماری مسجد چھوٹی ہے، بعض اوقات نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہیں رہتی خصوصاً جمعہ کے دن، تو بعض لوگ مسجد کے باہر ہی دوکانوں میں کھڑے ہو کر نیت باندھ لیتے ہیں، جسکی بنا پر بظاہر صفوں میں اتصال نہیں رہتا کیا ایسی صورت میں امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر مسجد میں جگہ نہ ہو تو مسجد کے باہر دوکانوں میں نماز پڑھنا اُس وقت درست ہے جس وقت مسجد اور دوکانوں کے درمیان کا راستہ بند کیا جائے اور صفوف میں اتصال ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ ان مقتدیوں کو امام کی حالت کا علم بھی ہو۔ اگر صفوف میں اتصال نہ ہو، یا قاعدہ راستہ درمیان میں خالی ہو اور ایسے ہی امام مسجد کی حالت کا بھی علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اقتدا درست نہیں۔

قال الحصکفیؒ : (ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیہ عجلۃ) الۃ یجرھا الثور (او نھر تجری فیہ السفن) ولو زورقا ولو فی المسجد (او خلاء) ای فضاء (فی الصحراء) او فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس (لیسع صفین) فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف فیصح مطلقا کان قام فی الطریق ثلاثۃ وکذا اثنان عند الثانی لا واحد اتفاقا لانہ لکراھۃ صلاتہ صار وجودہ کعدمہ فی حق من خلفہ (والحائل لا یمنع) الاقتداء (ان لم یشتبہ حال امامہ بسماع او رؤیۃ) ولو من باب مشبك یمنع الوصول فی الاصح (ولم یختلف المکان) حقیقۃ کمسجد

لہ ولا تجوز المکتوبۃ علی الدابۃ الا من عذر ----- اما الصلوٰۃ علی العجلۃ فان کان طرفھا علی الدابۃ وھی تسیر او لا فھی صلوٰۃ علی الدابۃ وقد مر حکمھا ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۳ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)

ومثلہٗ فی معارف السنن ج۳ ص۳۹۵ باب الصلوٰۃ علی الدابۃ حیث توجھت بہ ۔

وبیت فی الاصح ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۸۴ باب الامامۃ) لـه

نماز میں واجبات کا چھوٹ جانا

سوال:۔ اگر کسی شخص سے نماز کے واجبات چھوٹ جائیں اور وہ سجدہ سہو بھی نہ کرے تو اس سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قصداً و عمداً واجبات کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے، البتہ واجبات چھوٹ جانے پر اگر سجدہ سہو کر لیا جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے، اگر سجدہ سہو نہ کیا تو پھر نماز کا اعادہ واجب ہے، اگر نماز کا اعادہ نہ کیا تو نماز کراہتِ تحریمہ کے باوجود جائز ہے۔

قال الحصکفی رح: (لها واجبات) لا تفسد بترکها وتعاد وجوبًا فی العمد والسهو ان لم یسجد له وان لم یعدها یکون فاسقًا اثمًا وکذا کل صلوٰة ادیت مع کراهة التحریم یجب اعادها والمختار انه جابر للاول لان الفرض لا یتکرر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۵۶ واجبات الصلوٰة) ؎ ۲

زلزلہ کے وقت نماز کا توڑنا

سوال:۔ بحالتِ نماز اگر زلزلہ آجائے تو نماز کو توڑ کر باہر کسی محفوظ جگہ پر جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

لـه ومنها طریق عام یمر فیه العجلة والاوقار هکذا فی شرح الطحاوی۔ اذا کان بین الامام وبین المقتدی طریق انکان ضیقًا لا یمر فیه العجلة والاوقار لا یمنع وان کان واسعًا یمر فیه العجلة والاوقار یمنع کذا فی فتاوی قاضی خان والخلاصة هذا اذا لم تکن الصفوف متصلة علی الطریق اما اذا اتصلت الصفوف لا یمنع الاقتداء ولو کان علی الطریق واحد لا یثبت به الاتصال وبالثلث یثبت بالاتفاق۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۸۷ باب الامامة، الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحة الاقتداء ... الخ)

؎ ۲ فلا تفسد الصلوٰة بترکها عامدًا او ساهیًا بل یجب علیه سجودا لسهو فی السهو جبرا للنقصان الحاصل بترکها سهوًا والاعادة فی العمد والسهو اذا لم یسجد لتکون مؤداة علی وجه لا نقص فیه فاذا لم یعدها کانت مؤداة اداء مکروها کراهة تحریم وهذا هو الحکم فی کل واجب ترکه۔

(البحر الرائق ج ۱ ص۲۹۵ شروط الصلوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص۱۳۴ فی بیان واجبات الصلوٰة۔

الجواب:۔ زلزلہ کے باعث باجماعت نماز توڑ کر باہر نکلنے کے بارے میں صریح جزئیہ نہیں ملا، مگر فقہی ذخائر میں بعض ایسے جزئیات موجود ہیں کہ مالی نقصان سے بچنے کے لیے نماز کو توڑا جا سکتا ہے تو جانی نقصان سے بچنے کے لیے نماز توڑنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، چونکہ زلزلہ میں جانی نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے نماز چھوڑ کر باہر نکلنا جائز ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: (تتمة) نقل عن خط صاحب البحر علیٰ هامشه: ان القطع یکون حرامًا و مباحًا و مستحبًا و واجبًا فالحرام لغیر عذر، والمباح اذا خاف فوت مال والمستحب القطع للاکمال والواجب لاحیاء النفس۔[1]

(ردالمحتار ج ۱ ص۵۲ باب ادراك الفریضه ـ مطلب قطع الصلوٰة یکون حرامًا و مباحًا۔الخ)

نماز میں امام کی غلطی پر لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال:۔ ہماری مسجد کے امام صاحب سے صبح کی نماز میں غلطی ہو گئی جس پر ایک مقتدی نے لقمہ دیا لیکن امام صاحب نے اس کا لقمہ نہیں لیا بلکہ اپنی نماز جاری رکھی، سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب نے کہا کہ جس نے لقمہ دیا ہے اس کی نماز فاسد ہو گئی ہے لہٰذا وہ اپنی نماز لوٹا دے۔ کیا اس طرح لقمہ دینے سے واقعی نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ نماز میں امام کے غلطی کرنے سے اگر مقتدی لقمہ دے دے تو اس سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ ہی امام کے لقمہ نہ لینے سے نماز فاسد ہوتی ہے، البتہ لقموں کی کثرت سے اجتناب کیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: (بخلاف فتحه علیٰ امامه) فانه لا یفسد (مطلقًا) لفاتح واخذ بکل حال الّا اذا سمعه المؤتم من غیر مصلٍّ ففتح به تفسد

---

[1] وفی الهندیه: وکذا الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقه النار او یغرق فی الماء واستغاث بالمصلی وجب علیه قطع الصلوٰة رجل قام الی الصلوٰة فسرق منه شئ قیمته درهم له ان یقطع الصلوٰة ویطلب السارق سواء کانت فریضة او تطوعًا لان الدراهم مال۔۔۔۔الخ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۰۹ الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰة ومما یتصل بذلك مسائل)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲ باب ادرك الفریضة۔

صلوٰۃ الکل وینوی الفتح لا القرأۃ ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۲۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ) لـہ

نماز میں باتیں کرنا

سوال :- نماز میں اگر ایک شخص بھول کر بات کرے تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب :- نماز میں باتیں کرنا خواہ عمداً ہو یا نسیاناً ہو مفسدِ صلوٰۃ ہے، ایسی صورت میں نماز دوبارہ پڑھی جائے ۔

قال ابن عابدینؒ : (یفسدها التکلم) ای یفسد الصلوٰۃ ومثلها سجود السهو والتلاوۃ والشکر علی القول عن الحموی (قوله هو النطق بحرفین الخ) ای ادنیٰ ما یقع اسم الکلام علیه المرکب من حرفین کما فی القهستانی عن الجلابی ۔

(رد المحتار ج ۱ ص۶۱۳ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها) ۲ـہ

نماز کے دوران عورت کے دوپٹے میں سے بال نظر آنا

سوال :- آجکل بعض عورتیں ایسے دوپٹہ کا استعمال کرتی ہیں

لـہ وان فتح علی امامه لم تفسد ثم قیل ینوی الفاتح بالفتح علی امامه التلاوۃ والصحیح ان ینوی الفتح علی امامه دون القرأۃ قالوا هذا اذا ارتج علیه قبل ان یقرأ قدر ما تجوز به الصلوٰۃ او بعد ما قرأ و لم یتحول الی آیة اخریٰ واما اذا قرأ او تحول ففتح علیه تفسد صلوٰۃ الفاتح والصحیح انها لا تفسد صلوٰۃ الفاتح بکل حال ولا صلوٰۃ الامام لو اخذ منه علی الصحیح هکذا فی الکافی ۔ (فتاویٰ هندیة ج ۱ ص۱۱۳ الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص۶ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها ۔

۲ـہ اذا تکلم فی صلوٰته ناسیاً او عامداً خاطئاً او قاصداً قلیلاً او کثیراً تکلم لاصلاح صلوٰته بان قام الامام فی موضع القعود فقال له المقتدی اُقعد اَو قَعَدَ فی موضع القیام فقال له قم او لا لاصلاح صلوٰته ویکون الکلام من کلام الناس استقبل الصلوٰۃ عندنا کذا فی المحیط ۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۹۸ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها ۔

جس سے عورت کی ہیئت بالکل نمایاں ہوتی ہے، خاص کر جب نماز میں ہو تو عورت کے بال اور جسم کے اعضاء واضح دکھائی دیتے ہیں، کیا اس طرح بالوں کے ظاہر ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ آزاد عورت کا جملہ بدن نماز میں بلکہ تمام اوقات میں مخفی رہنا ضروری ہے اور عورت کے سر کے بال بھی ستر میں سے ہیں ان کا چھپانا لازم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت نماز میں ایسا دوپٹہ استعمال کرتی ہو جس سے سر کے تمام بال نہیں چھپتے بلکہ ظاہر رہتے ہیں تو اس سے نماز نہیں ہوتی بلکہ اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال الحصکفیؒ: (وللحرۃ) ولو خنثیٰ (جمیع بدنہا) حتی شعرہا النازل فی الاصح خلا الوجہ والکفین) فظہر الکف عورۃ علی المذہب (والقدمین) علی المعتمد۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۰۵ باب شروط الصلوٰۃ)

لما قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ ولا یصف ما تحتہ) بان لا یریٰ منہ لون البشرۃ احترازاً عن الرقیق ونحو الزجاج۔ (الرد المحتار ج ۱ ص۴۱۰ باب شروط الصلوٰۃ۔ مطلب فی النظر الی وجہ الامرد)[1]

نماز میں درود و دعا کے الفاظ دل میں پڑھنا

سوال:۔ میری زبان میں لکنت ہے جس کی وجہ سے نماز میں الفاظ کو صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر سکتا ہوں، خصوصاً جب تشہد میں ہوتا ہوں تو درود و دعا کے الفاظ بالکلیۃ میری زبان پر نہیں آتے جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے، تو میں دل ہی دل میں الفاظ و معانی پر غور و فکر کر کے پڑھ لیتا ہوں۔ تو کیا اس سے نماز میں فساد وغیرہ لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں تشہد کا پڑھنا واجبات الصلوٰۃ میں سے ہے، اس کا ترک کرنا

---

[1] وبدن الحرۃ عورۃ الا وجہہا وکفیہا وقدمیہا کذا فی المتون وشعر المرأۃ ما علی رأسہا عورۃ واما المسترسل ففیہ روایتان الاصح انہ عورۃ کذا فی الخلاصۃ وہو الصحیح وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث وعلیہ الفتویٰ ـــ والثوب الرقیق الذی یصف ما تحتہ لا تجوز الصلوٰۃ فیہ کذا فی التبیین۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۵۸ الباب الثانی فی شروط الصلوٰۃ)
ومثلہ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص۹۶ باب شروط الصلوٰۃ۔

گناہ ہے، اور نہ ہی دل میں غور و فکر کرنے سے تشہد ادا ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنی طاقت کے مطابق ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ الفاظ صحیح ادا نہ ہوں لیکن اتنا یقین ہو کہ میں نے ان الفاظ کو ادا کیا ہے۔ تاہم دُرود شریف اور دعا چونکہ سنت ہے اس لیے اگر بصورتِ مجبوری رہ بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اگرچہ پڑھنا مناسب ہے۔

فان کان لاینطق لسانہ فی بعض الحروف ان لم یجد آیۃ لیس فیہا تلک الحروف یجوز صلوٰتہ ولایؤم غیرہ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۷۹ زلۃ القاری)

ویجب التشہد فی القعدۃ الاخیرۃ وکذا فی القعدۃ الاولیٰ وھو الصحیح ھکذا فی السراج الوھاج وھو الاصح کذا فی محیط السرخسی۔

(الھندیۃ ج ۱ ص۷۱ واجبات الصلوٰۃ) [1]

نمازی کے آگے کتّا اور عورت کے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر بحالتِ نماز سامنے سے عورت یا کُتّا گذر جائے تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت اور کُتّے کا نمازی کے سامنے سے گذرنا مفسدِ نماز نہیں۔

قال ابن عابدین: (قولہ ولو امرأۃ اوکلب) بیان للاطلاق والاشارۃ الی الرد علی الظاھریۃ بقولھم یقطع الصلوٰۃ مرور المرأۃ والکلب والحمار وعلی احمد فی الکلب الاسود۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۶۹ باب ما یفسد الصلوٰۃ) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: لھا واجبات۔۔۔ (قولہ والتشہد ان) ای تشہد القعدۃ الاولیٰ وتشہد الاخیرۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۶۶ واجبات الصلوٰۃ)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۳۱۸ واجبات الصلوٰۃ۔

[2] (مار فی موضع سجودہ لا تفسد) سواء المرأۃ والکلب والحمار لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقطع الصلوٰۃ شئ وادرؤا ما استطعتم فانما ھو شیطان (وان اثم المار)

(مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ج ۱ ص۱۸۲)

نماز میں سری ذکر کرنا

سوال:۔ بعض لوگ نماز میں ذکرِ سری کرتے ہیں، اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: نماز مخصوص اذکار کا نام ہے، ان اذکار کے علاوہ نماز میں دوسرے اذکار کا ورد کرنا مفسدِ صلوٰۃ ہے، اس لیے جو شخص مخصوص مقامات میں مخصوص اذکار کے علاوہ ذکر کرے اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

لما قال العلامۃ ابراهيم الحلبیؒ: ذكر فی المتقط ان المصلی اذا لسعته الحية فقال بسم الله الرحمن الرحيم تفسد صلوته الخ وذكر فی الذخيرة انه اذا قال المريض يا رب او قال بسم الله لما يلحقه من المشقة اما عندهما ای الطرفين فتفسد۔ (كبيری ص۴۳۷ فصل فيما يفسد الصلوٰة)[1]

کپڑوں پر نجاست ہو تو نماز کا حکم

سوال:۔ دہقان (کاشتکار) لوگ بعض اوقات جلدی میں کھیتوں میں کام کرنے والے کپڑوں میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں جبکہ کبھی کبھی ان کو اپنے کپڑوں پر نجس اشیاء مثلاً گوبر وغیرہ کی موجودگی کا علم نہیں ہوتا، کیا ان اشیاء کے باوجود نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ نجاست درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو ہر حال میں نماز درست نہیں چاہے سہواً ہو یا قصداً اس کا اعادہ لازمی ہے، البتہ اگر درہم کی مقدار سے کم ہو اور اس کو پتہ ہو تو نماز واجب الاعادہ ہے اور اگر علم نہ ہو تو نماز درست ہے۔

لما قال العلامۃ الحصكفیؒ: وعفی الشارع عن قدر درهم وان كره تحريماً.... وفوقه مبطل۔ قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله وان كره تحريماً) ففی المحيط يكره ان يصلی ومعه قدر درهم اودونه من النجاسة عالماً به۔ (ردالمحتار ج۱ ص۳۱۶ باب الانجاس)[2]

زکوٰۃ کی رقم سے خریدی ہوئی صفوں پر نماز کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص مسجد کے لیے زکوٰۃ کے پیسوں سے صفوں کا انتظام کرے تو کیا

---

[1] قال الشيخ المفتی عزيز الرحمٰن فی جواب هذه المسئلة قال: ظاہر ہمیں است کہ نماز فاسد نشود لہٰذا احتیاط دریں امر واجب است۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج۴ ص۴۶ فصل فيما يفسد الصلوٰة)

[2] قال الشيخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: ويعفى فی النجاسة المغلظة عن امور منها قدر الدرهم ويقدر فی النجاسة الكثيفة بما يزن عشرين قيراطاً وفی النجاسة الرقيقة بعرض مقعر الكف.... فان الصلوٰة تكون به مكروهاً كراهة تنزيه.... والمشهور عند الحنفية كراهة التحريم۔ (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۱۸ مبحث ما يعفى عنه من النجاسة)

ان صفوں پر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز کے لیے مکان (جگہ) کا پاک ہونا شرط ہے چاہے جیسا بھی ہو۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ صفیں چونکہ پاک ہیں اس لیے ان پر نماز پڑھنا درست ہے، اگرچہ لانے والے کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لیے کہ تملیک کی شرط مفقود ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: یشترط ان یکون الصرف..... تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[۱]

زیرِ ناف بالوں کی موجودگی میں نماز کا حکم

سوال:۔ اکثر لوگوں سے یہ سننے میں آیا ہے کہ جس شخص نے زیرِ ناف بال چالیس دن تک صاف نہ کیے ہوں تو اس کی نماز نہیں ہوتی، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ زیرِ ناف بالوں کو ہفتہ میں ایک بار صاف کیا جائے، چالیس دن تک بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے لیکن اس کراہت کے باوجود نماز پڑھنا درست ہے، اگرچہ یہ عمل بذاتِ خود مناسب نہیں۔

لما فی الهندیة: والافضل ان یقلم اظفاره ویحفی شاربه ویحلق عانته وینظف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة فان لم یفعل ففی کل خمسة عشر یوماً ولا یعذر فی ترکه وراء الاربعین فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الابعد ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔

(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۵۸ کتاب الکراهیة الباب التاسع عشر)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر والسقایات..... وکل ما لا تملیك فیه۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۸ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص۲۰۸ باب من یجوز دفع الصدقة الیه ومن لا یجوز۔

[۲] لما قال العلامة الحصکفیؒ: وحلق عانته وتنظیف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة والافضل یوم الجمعة وجاز فی کل خمسة عشر وکره ترکه وراء الاربعین۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قوله (وکره ترکه) ای تحریماً لقول المجتبی ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔ (رد المحتار ج ۶ ص۴۰۷ کتاب الکراهیة فصل فی البیع)

نماز میں اللہ یا إِنَّا لِلّٰہ کہنا

سوال:۔ اگر دورانِ نماز کوئی ناگہانی سانحہ پیش آجائے یا کوئی ہولناک خبر سنے اور زبان سے بے اختیار اللہ یا إِنَّا لِلّٰہِ کے الفاظ نکل جائیں تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو رائے ہیں، ایک رائے کے مطابق یہ نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ دوسری رائے کے مطابق چونکہ یہ الفاظ کلام الناس سے تعلق نہیں رکھتے اس لیے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ علامہ ابن عابدینؒ وغیرہ محققین نے قولِ ثانی کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله لوسقط شيء من السطح فبسمل) استشكل عليه ما في البحر لو لدغته عقرب او اصابه وجع فقال بسم الله قيل تفسد لانه كالانين وقيل لا لانه ليس من كلام الناس وفي التصاب وعليه الفتوى وجزم به في الظهيرية وكذا لو قال يارب كما في الذخيرة۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۲۲ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ۔ الخ) لہ

پاگل (مجنونہ) خاتون کے محاذات سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال:۔ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ عورت کا نماز میں مرد کے محاذات میں آنا مفسدِ صلوٰۃ ہے تو کیا اگر کوئی پاگل (مجنونہ) عورت کسی مرد کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز میں اگرچہ اجنبی عورت کا مرد کے محاذات میں آنا مفسدِ صلوٰۃ ہے مگر یہ فساد چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جس میں تکبیرِ تحریمہ کا ایک ہونا بھی شامل ہے جو کہ مکلف سے متوقع ہے چونکہ مجنونہ عورت کی نماز سرے سے صحیح نہیں اس لیے اس سے فسادِ صلوٰۃ بھی لازم نہیں آتا۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (تحت قوله في صلوٰة وان لم تتحد)...... قال وفيه اشارة الى ان محاذاة المجنونة لا تفسد لان صلوتها ليست

لہ قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: ذكر في الفتاوى الظهيرية في بعض المواضع انه لو اجاب بالقول بان يخبر بخبر يسره فقال الحمد لله رب العالمين او بخبر يسوءه فقال انا لله وانا اليه راجعون۔ تفسد صلوته والاصح انه لا تفسد صلوته وهو تصحيح مخالف للمشهور۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳ باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ)

وَمِثْلُهٗ في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۴ ص۶۵ فصل مفسدات الصلوٰة –

بصلاۃ فی الحقیقۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۷۳ باب الامامۃ) [1]

زخم پر اسپرٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جب کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے تو خون کو بند کرنے کے لیے زخم پر اسپرٹ لگایا جاتا ہے، تو کیا زخم پر اسپرٹ لگا کر نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب:۔ اسپرٹ میں چونکہ الکحل استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اگر الکحل عنب، زبیب اور کھجور سے بنایا گیا ہو تو بالاتفاق اس کا استعمال جائز نہیں اور نہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے اور اگر ان چار کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کیا گیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہے اور اس کے استعمال میں رخصت کی گنجائش ہے۔

چونکہ آجکل کا الکحل ان چاروں اشیاء کے علاوہ دیگر حبوب اور چھلکوں، پٹرول وغیرہ سے بنایا جاتا ہے اس لیے عموم بلویٰ کے پیشِ نظر امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ کے مطابق نماز درست ہے۔

لما قال الشیخ المحقق المفتی محمد تقی عثمانی: وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویۃ والعطور وغیرھا لا تتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیرہ کما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع وحینئذٍ ھناک فسحۃ فی الاخذ بقول ابی حنیفۃؒ عند عموم البلویٰ۔ (تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۶۰۸ کتاب الاشربۃ حکم الکحول المسکرۃ) [2]

آدھی آستین والی بنیان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا بلا ضرورت صرف آدھی آستین والے

---

[1] لما فی الہندیۃ: (ومنھا) ان تکون ممن تصح منھا الصلوٰۃ حتی ان المجنونۃ اذا حاذتہ لا تفسد کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۸۹ باب الامامۃ، الفصل الخامس)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج ۱ ص ۵۶۱ باب مفسدات الصلوٰۃ۔

[2] لما قال الشیخ مولانا اشرف علی التھانویؒ: اسپرٹ اگر عنب، زبیب، رطب، تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق۔

(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۸۲ باب الانجاس)

بنیان میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: نماز میں بلا ضرورت کہنیوں کو کھلا رکھنا مکروہ ہے چونکہ بنیان میں کہنیاں کھلی رہتی ہیں اس لیے بلا ضرورت اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے تاہم اگر کسی کے پاس قمیض نہ ہو تو اس صورت کے پیشِ نظر صرف بنیان میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۰ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ) [1]

نماز میں تنحنح (کھانسنے) کا حکم

سوال: سردی کے ایام میں یا کبھی ویسے ہی بعض لوگ گلا صاف کرنے کے لیے تنحنح کرتے (کھانستے) ہیں، تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: تنحنح یعنی گلا صاف کرنے کیلئے یا تحسینِ صوت یعنی آواز کی وضاحت کیلئے یا بوجہ مجبوری ایسا کیا جائے تو نماز بلا کراہت درست ہے، البتہ اگر بغیر ضرورت کے کیا جائے تو مکروہ ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: التنحنح بحرفین بلا عذر اما به بان نشأ من طبعه فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوته او لیهتدی امامه او للاعلام انه فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۱۶۸ باب مفسدات الصلوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وکرہ ..... وتشمیر کمیه عنهما للنهی عنه لما فیه من الجفاء المنافی للخشوع۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله تشمیر کمیه) ای عن ذراعیه سواء کان الی المرفقین او الاعلی الظاهر۔
(طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۲۸۳ فصل فی مکروهات الصلوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی امداد الاحکام ج۲ ص۵۵۴ باب مفسدات الصلوٰۃ۔ الخ

[2] قال العلامہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویفسدها التنحنح بلا عذر لما فیه من الحروف وان کان لعذر کمنعه البلغم من القرأة لا یفسد۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله وان کان لعذر الخ) منه التنحنح لاصلاح الصوت وتحسینه او لیهتدی إمامه من خطیئته او للاعلام بانه فی الصلوٰۃ علی الصحیح۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۶۳ باب مفسدات الصلوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ۔

نماز میں بار بار جسم کو کھجلانے کا حکم

سوال :- لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کوئی نماز کے اندر تین بار اپنے جسم کو کھجلائے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، آیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو خارش کے مریض کے لیے اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- نماز کے ایک رکن کے اندر بلا عذر شرعی مسلسل بدن کو کھجلانا نقصان دہ ہے، البتہ عذر شرعی کی بناء پر ایسے کرنے سے نماز پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا، اس لیے لوگوں کی بات صحیح ہے لیکن خارش کے مریض کے لیے عذر کی بناء پر ایسا کرنا مرخص ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وعبثه به ای بثوبه وبجسده للنهی الا لحاجة ولا بأس به ۔ قال ابن عابدینؒ (قوله الا لحاجة) کحك بدنه لشیٔ اکله واضره وسلت عرق یؤلمه ویشغل قلبه وهٰذا لو بدون عمل کثیر قال فی الفیض الحك بید واحدة فی رکن ثلاث مرات یفسد الصلوٰة ان رفع یده فی کل مرة ۔ (ردّ المحتار ج ۱ ص۶۴۲ فصل فیما یفسد وما یکرہ الصلوٰۃ) [1]

نماز میں بار بار تعوّذ پڑھنا

سوال :- ایک شخص کو نماز میں بکثرت وسوسے آتے ہیں اگر وہ ان کو دفع کرنے کے لیے بار بار تعوذ پڑھے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب :- دفع وساوس کے لیے بار بار تعوّذ پڑھنا مفسدِ صلوٰۃ نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دفع وساوس کیلئے بار بار اعوذ باللہ الخ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

لما قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ : ولو تعوذ لدفع الوسوسة لا تفسد مطلقاً ...... ولو تعوذ لدفع الوسوسة لا تفسد مطلقاً نظراً اذ لا فرق بینها وبین الحوقلة ۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص۲۱۶ باب ما یفسد الصلوٰة ویکرہ بها)

---

[1] لما قال السید احمد الطحطاویؒ : انما یکرہ العبث فی الصلوٰة اذا لم تدع الحاجة الیه دعت فلا بأس به کسلت العرق عن وجهه والتراب عند الایذاء ۔
(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۹۹ باب ما یکرہ الصلوٰة)

باب الوتر

(وتر کے مسائل)

وتر کا باجماعت پڑھنا رمضان کی خصوصیت ہے

سوال:۔ ایک شخص بوجہ عذر یا بلا عذر روزہ نہیں رکھتا ہے لیکن نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہے، کیا ایسا شخص عشاء کی نماز کے بعد وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک میں وتر کا باجماعت پڑھنا روزے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ خود رمضان کی خصوصیت ہے۔ پس جو شخص کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو وہ رمضان المبارک میں وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے روزہ رکھنے پر مکلف نہ ہونے کے باوجود وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔

قال مولانا جلال الدین الخوارزمی الکرلانی :۔ وفی رمضان الصحیح ان الجماعة افضل لان عمر رضی الله عنہ کان یومهم فی الوتر ولانه لما جاز الاداء بالجماعة کانت الجماعة افضل اعتباراً بالمکتوبة کذا فی فتاوی قاضی خان۔

(الکفایة فی ذیل فتح القدیر فصل فی قیام رمضان ج ۱ ص ۴۰۹) [1]

وتر کی رکعات میں شک پڑ جانا

سوال:۔ اگر ایک شخص کو وتر پڑھتے وقت دوسری رکعت میں تیسری رکعت ہونے کا شک ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ دوسری رکعت تیسری رکعت ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقعی یہ دوسری رکعت ہو؟

الجواب:۔ اگر کسی کو وتر پڑھتے ہوئے شک پیدا ہو جائے کہ یہ اس کی دوسری یا

---

[1] وقال ابن عابدینؒ : والصحیح ان الجماعة فیها افضل إلّا ان سنیتها لیست کسنیة جماعة التراویح ا ھ (رد المحتار باب الوتر والنوافل ج ۲ ص ۴۹)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق باب الوتر والنوافل ج ۱ ص ۶۹)

تیسری رکعت ہے تو یہ شخص اُسی رکعت میں دعاءِ قنوت پڑھے گا جس رکعت میں اُسے شک پیدا ہوا ہے اور اُسی رکعت میں بیٹھ کر قعدہ کرے گا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ اُس کی تیسری رکعت ہو، قعدہ کے بعد جب تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو دوبارہ دعاءِ قنوت پڑھ کر رکعت پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔

قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: لو شك في الوتر وهو قائم انها ثانية أم ثالثة يتم تلك الركعة ويقنت فيها ويقعد ثم يقوم فيصلي ركعة أخرى ويقعد ثم يقوم فيصلي ركعة أخرى ويقنت فيها ايضًا ويسجد للسهو هو المختار۔

(خلاصة الفتاوى، فصل في سجود السهو ج ۱ ص ۱۷۱) [1]

وتر میں مشہور دعاءِ قنوت پڑھنا بہتر ہے

سوال: وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنے کی حیثیت کیا ہے؟ اگر ایک شخص سے دعاءِ قنوت رہ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر ایک شخص کو مشہور دعاءِ قنوت یاد نہ ہو تو ایسی حالت میں وتر میں متبادل کیا پڑھنا چاہیئے؟

الجواب: وتر میں نفسِ قنوت واجب ہے، لہٰذا جو دعا بھی پڑھی جائے تو وتر کی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص بالکل کچھ نہ پڑھے تو ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ مشہور دعاءِ قنوت کا پڑھنا بہتر ہے۔

والقنوت واجب على الصحيح (وفيه) وليس في القنوت دعاء مؤقت۔ والاولىٰ ان يقرأ اللّٰهم انا نستعينك۔الخ (الهندية ج ۱ ص ۱۱۱ باب الوتر)

اور جس شخص کو دعاءِ قنوت یاد نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" پڑھے اور اگر "یا ربّ" یا "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ"

---

[1] وفي الهندية: ذكر الناطفي في اجناسه۔ لو شك احد في الوتر انه في الاولى او الثانية او الثالثة۔ فانهٗ يقنت في الركعة التي هو فيها ثم يقعد ثم يقوم فيصلي ركعتين بقعدتين ويقنت فيهما احتياطًا۔ وفي قول آخر لا يقنت في الكل اصلًا۔ والاول اصح لان القنوت واجب وما تردد بين الواجب والبدعة يأتي به احتياطًا كذا في محيط السرخسي۔ (الهندية ج ۱ ص ۱۱۱ باب الوتر)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص ۴۱ باب الوتر والنوافل۔

تین دفعہ پڑھے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

وقال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ :۔ ومن لا یحسن القنوت بالعربیۃ اولا یحفظہ ففیہ ثلاثۃ اقوال مختلفۃ قیل یقول یارب ثلاث مرات ثم یرکع وقیل یقول اللّٰھم اغفرلی ثلاث مرات وقیل اللّٰھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ (البحر الرائق ج۲ ص۴۲ باب الوتر والنوافل)[1]

رمضان میں تراویح باجماعت پڑھنے کے بعد وتر منفرداً پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص تراویح باجماعت پڑھے لیکن کسی عذر یا بغیر عذر کے وتر انفراداً ادا کرے تو کیا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک میں وتر کی نماز تراویح کی طرح نہیں بلکہ اس میں توسع ہے باجماعت اور انفراداً دونوں طریقے سے پڑھنا جائز ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں اس شخص کے لیے وتر انفراداً پڑھنے میں کوئی حرج نہیں تاہم جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

قال الحصکفیؒ: ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ: رجح الکمال الجماعۃ الی ان قال وفی شرح المنیۃ والصحیح ان الجماعۃ فیھا افضل الا ان سنیتھا لیست کسنیۃ جماعۃ التراویح۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۹ مبحث صلوٰۃ التراویح)[2]

---

[1] قال الامام علاؤالدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ: واما دعاء القنوت فلیس فی القنوت دعاء مؤقت کذا ذکرہ الکرخی فی کتاب الصلوٰۃ لانہ روی عن الصحابۃ ادعیۃ مختلفۃ فی حال القنوت ولان الموقت من الدعاء یجری علی لسان الداعی من غیر احتیاجہ الی احضار قلبہ وصدق الرغبۃ منہ الی اللہ تعالیٰ فیبعد عن الاجابۃ۔ ولانہ لا توقیت فی القرأۃ لشئ من الصلوٰۃ ففی دعاء القنوت اولیٰ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۷۳ فصل فی القنوت)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۱۷۰ باب الوتر والنوافل)

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: فالوتر کالتراویح فکما ان الجماعۃ فیھما سنۃ فکذلک فی الوتر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۷۰ باب الوتر والنوافل)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۱ ص۴۰۹ فصل فی قیام رمضان۔

رمضان کے بغیر وتر با جماعت پڑھنے کا حکم

سوال: شرح الیاس میں لکھا ہے کہ: "أن الاقتداء فی الوتر بالامام خارج رمضان جائز" (شرح الیاس علیٰ ھامش شرح الوقایۃ۔ ج ۱ ص ۲۴۲) کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر مسئلہ واقعی ایسا ہو تو پھر رمضان کے علاوہ سال کے دوسرے مہینوں میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ کیوں نہیں پڑھی جاتی ہے؟

الجواب: وتر کی جماعت رمضان میں بالاتفاق سنت ہے، اور رمضان کے علاوہ سال کے دوسرے مہینوں میں وتر کی جماعت مسنون نہیں، سنت نہ ہونے کی وجہ سے وتر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی جاتی ہے۔ شرح الیاس کی عبارت سے نفس جواز معلوم ہوتی ہے، عام فقہاء بھی نفسِ جواز کے قائل ہیں لیکن اگر علیٰ سبیل التداعی ہو کر اس پر دوام اختیار کیا جائے تو یہ صورت مکروہ ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان أی یکرہ ذلک لو کان علیٰ سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۸ مطلب فی کراھۃ الاقتداء فی النفل)

قال ابن عابدینؒ: ویمکن ان یقال الظاھر ان الجماعۃ فیہ (ای الوتر) غیر مستحبۃ ثم ان کان ذلک احیاناً کما فعل عمرؓ کان مباحاً غیر مکروہ۔ وان کان علیٰ سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۴۸ مطلب فی کراھیۃ الاقتداء فی النفل) [۱]

ماہِ رمضان میں فرض نماز با جماعت نہ پڑھنے کی صورت میں وتر با جماعت پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی شخص سے

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: لو صلوا الوتر بجماعۃ فی غیر رمضان فھو صحیح مکروہ کالتطوع فی غیر رمضان بجماعۃ وقیدہ فی الکافی بان یکون علیٰ سبیل التداعی۔ اما لو اقتدیٰ واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدیٰ ثلاثۃ بواحد اختلفوا فیہ وان اقتدیٰ اربعۃ بواحد کرہ اتفاقاً۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۶۶ باب النوافل)

ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۲۰ باب قیام رمضان۔

رمضان المبارک میں فرض نماز باجماعت فوت ہو جائے تو کیا یہ شخص وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: رمضان المبارک میں انفراداً فرض پڑھنے کے بعد وتر کی جماعت میں شرکت کے بارے میں فقہاء کرام کا آپس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے قول سے شرکت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

قال الشیخ ابراھیم الحلبی: واذا لم یصل الفرض مع الامام فعن عین الائمۃ الکرابیسی انہ لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر۔ وکذا اذا لم یتابع فی التراویح لا یتابعہ فی الوتر۔ وقال ابو یوسف اللیلانی: اذا صلی مع الامام شیئًا من التراویح یصلی معہ الوتر۔ وکذا اذا لم یدرک معہ شیئًا منھا۔ وکذا اذا صلی مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ وھو الصحیح ذکرہ ابو اللیث اھ۔ (کبیری ص۴۵۹ باب التراویح)

جبکہ علامہ محمد امین المعروف بابن عابدینؒ عدم جواز کی طرف مائل ہیں، لیکن متاخرین فقہاءؒ نے جواز کے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: لکن فی التتارخانیۃ عن التتمۃ انہ سئل علی بن احمد عمن صلی الفرض والتراویح وحدہ او التراویح فقط۔ ھل یصلی الوتر مع الامام فقال لا اھ۔ ثم رأیت القھستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف۔ ثم قال لکن [illegible] لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر اھ۔ فقولہ ولو لم یصلیھا ای وقد صلی الفرض معہ [illegible] ینبغی ان یکون قول القھستانی "معہ" احترازًا عن صلاتھا منفردًا۔ اما لو صلاھا بجماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لا کراھۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۸ باب التراویح) [1]

---

[1] لما قال الشیخ عبد الحیؒ: در قنیہ از عین الائمہ و در تاتارخانیہ از علی بن احمد مرقوم کہ ہر فرض باجماعت ادا نکردہ باشد وتر ہم بجماعت ادا نہ سازد و ہم چنیں در غنیہ وغیرہ مذکور ست لیکن قدامی وجہ قوی معتد بہ عدم جواز معلوم نمی شود حق جواز معلوم می شود۔ واللہ اعلم

(مجموعۃ الفتاوی علی ھامش خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۱۳۴ فصل فی الوتر)

ومثلہ فی امداد الاحکام ج۱ ص۶۰ فصل فی الوتر ودعاء القنوت

وتر کی جماعت میں مقتدی کیلئے دعاءِ قنوت کے اتمام کے بغیر رکوع کا حکم

سوال:۔ رمضان شریف میں اگر مقتدی سے وتر میں دعاءِ قنوت میں غلطی یا کوئی خلل واقع ہو جائے اور دعاءِ قنوت لوٹا کر پڑھے، اسی اثناء میں امام رکوع میں چلا جائے تو مقتدی کو کیا کرنا چاہیئے۔ نیز اگر امام سے دعاءِ قنوت رہ گئی اور امام رکوع میں چلا گیا تو مقتدی کو یاد ہونے کی صورت میں کیا عمل اختیار کرنا ہوگا؟

الجواب:۔ جب امام رکوع میں چلا جائے اور مقتدی ابھی دعاءِ قنوت سے فارغ نہیں ہوا ہو، تو اگر مقتدی کو رکوع کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو امام کی متابعت کرے اور اگر رکوع میں کسی قدر ملنے کا امکان ہو تو اس اندازہ سے دعاءِ قنوت پڑھ کر رکوع میں جائے تاکہ دونوں اعمال کی رعایت ہو سکے۔

قال طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: فلو رکع الامام فی الوتر قبل ان یفرغ المقتدی من القنوت فانه یتابع الامام۔ ولو رکع الامام ولم یقرأ القنوت، یقرأ المقتدی من القنوت شیئاً ان خاف الرکوع فانه یرکع وان کان لا یخاف یقنت ثم یرکع۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۱۶۱ النوع من یتابع الامام)[1]

عید الفطر کے شک کی صورت میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جب عید الفطر میں شک واقع ہو یعنی چاند دیکھنے کا حتمی ثبوت میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں عشاء کے وقت تراویح اور وتر باجماعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز وتر باجماعت پڑھنے کے بعد اگر چاند کا ثبوت مل جائے تو کیا وتر کی دوبارہ قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی وتر باجماعت پڑھنا ہے تاہم مواظبت اور مداومت مکروہ ہے، جب وتر کی جماعت ایسی صورت میں ہو کہ عید کا ثبوت یقینی نہ ہو

---

[1] قال قاضی خانؒ: ولو رکع الامام فی الوتر قبل ان یفرغ المقتدی من القنوت فانه یتابع لان القنوت لیس بموقت ولا مقدر، ولو رکع الامام فی الوتر ولم یقرأ المقتدی من القنوت شیئاً ان خاف فوت الرکوع فانه یرکع۔ وان کان لا یخاف یقنت ثم یرکع۔ (فتاوٰی قاضی خان علیٰ ہامش العالمگیریہ ج۱ ص۱۹۷ باب الوتر)

تو وتر کی جماعت بلاکراہت جائز ہے اور دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ثم قال ویمکن ان یقال الظاهر ان الجماعة فیه (ای الوتر) غیر مستحبة. ثم ان کان ذالک احیاناً کما فعل عمرؓ کان مباحاً غیر مکروه وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة۔ (رد المحتار جلد ۲ ص۴۸ باب الوتر والنوافل) [1]

وتر کی آخری رکعت میں رکوع یا رکوع سے پہلے ملنے والے کیلئے قنوت پڑھنے کا حکم

سوال: رمضان المبارک میں ایک شخص وتر کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا اور دعاءِ قنوت امام کے ساتھ پڑھی، اب باقی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یا امام کو تیسری رکعت کے رکوع میں پایا اور مسبوق نے دعاء نہیں پڑھی تو ایسے مسبوق کے لیے دوبارہ قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دونوں صورتوں میں مسبوق کے لیے دوبارہ قنوت پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، پہلی صورت میں اس نے دعاءِ قنوت حقیقۃً اور دوسری صورت میں حکماً پڑھی ہے۔

قال الحصکفیؒ: واما المسبوق فیقنت مع امامه فقط ویصیر مدرکا بادراک رکوع الثالثة۔

وقال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (فیقنت مع امامه فقط) لانه آخر صلوته وما یقضیه اولها حکماً فی حق القرأة وما اشبهها وهو القنوت. واذ وقع قنوته فی موضعه بیقین لا یکرر لان تکراره غیر مشروع شرح المنیة۔ (رد المحتار ج۲ ص۱ باب الوتر والنوافل) [2]

---

[1] قال ابن الهمام: وفی بعض الحواشی قال بعضهم لو صلاها بجماعة فی غیر رمضان له ذالک وعدم الجماعة فیها فی غیر رمضان لیس لانه غیر مشروع بل باعتبار انه یستحب تاخیرها الی وقت یتعذر فیه الجماعة۔ (فتح القدیر ج۱ ص۴۰۹ فصل فی قیام رمضان)

[2] قال ابن نجیمؒ: المسبوق برکعتین فی الوتر فی شهر رمضان اذا قنت مع الامام فی الرکعة الاخیرة من صلوة الامام حیث لا یقنت فی الرکعة الاخیرة اذا قام الی القضاء فی قولهم جمیعاً. والفرق ان تکرار القنوت فی موضعه لیس بمشروع الی ان قال. فاما المسبوق فهو مأمور بان یقنت مع الامام فصار ذالک موضعاً له۔ (البحر الرائق ج۲ ص۴۱ باب الوتر والنوافل)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۶۱ الفصل السادس عشر فی سجود السهو۔

ایک رکعت وتر پڑھنے والے امام کی اقتداء درست ہے

سوال:۔ غیر حنفی امام کی اقتداء میں ایک وتر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ غیر حنفی امام اگر دو رکعت کے بعد بغیر سلام کے تین وتر پورا کرتا ہو تو اس کی اقتداء درست ہے۔

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متاخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے، اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔

لما قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی: یجوز اقتداء الحنفی بمن یسلم علی الرکعتین فی الوتر ویصلی معه بقیة الوتر لان امامه لا یخرج بسلامه عنده لانه مجتهد فیه۔ (البنایة شرح الهدایة ج۲ ص۴۹۲ باب صلوٰة الوتر) [1]

عشاء کی فرض نماز فاسد ہونے کی صورت میں وتر کی قضاء کا حکم

سوال:۔ ایک روز صبح صادق طلوع ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ نمازِ عشاء کی فرض رکعتیں فاسد ہوئی ہیں جبکہ وتر اور سنن صحیح تھے۔ کیا قضاء کی صورت میں عشاء کی نماز میں سے صرف فرض پڑھے جائیں گے یا سنن و وتر کی قضاء بھی ضروری ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال آپس میں مختلف ہیں لیکن اصولِ افتاء کی رُو سے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ مناسب ہے۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی الفتاوی السراجیة: ثم الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفةؒ ثم قول ابی یوسفؒ الخ۔ وقیل اذا کان ابوحنیفةؒ فی جانب وصاحباه فی جانب فالمفتی بالخیار۔ والاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتهداً انتهی۔ (شرح عقود رسم المفتی ص۲۷)

لہٰذا صرف فرض نماز کی جائے اور وتر کی نماز قضاء نہیں کی جائے، کیونکہ ترتیب تو صرف

---

[1] قال العلامة محمد انور شاہ الکشمیریؒ: نعم لو اقتدی خلف الشافعی وسلم الشافعی علی الرکعة الثانیة کما هو مذهبهم ثم اتم الوتر الحنفی عند ابی بکر الرازی و ابن وهبان ...الخ (عرف الشذی علی الترمذی جلد۱ ص۱۰۴ باب ما جاء فی فصل الوتر)

ومثله فی معارف السنن ج۴ ص۱۷۰ باب ما جاء فی الوتر۔

تذکّر کی حالت میں واجب ہے، نسیان یا وقت نکل جانے سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔
واللہ اعلم۔ اور دو رکعت سنّت کی قضا کسی کا مذہب نہیں۔

وفی الهندية: لو تبيّن ان العشاء صلاها بلا طهارة دون التراويح والوتر اعاد التراويح مع العشاء دون الوتر لانها تبع للعشاء هذا عند ابی حنيفةؒ. فان الوتر غير تابع للعشاء فی الوقت عنده. والتقديم انما وجب لاجل الترتيب وذالك يسقط بعذر النسيان. فيصح اذا اُدی قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فان وقتها بعد اداء العشاء فلا يعتد بما اُدی قبل العشاء وعندهما الوتر كالتراويح وبالجملة اعادة الوتر مختلف فيها. واما اعادة التراويح وسائر سنن العشاء. فمتفق عليها اذا كان الوقت باقية۔
(الهندية ج۱ ص۱۱۵ فصل فی التراويح) [1]

---

[1] قال الامام الكاسانی الحنفیؒ: اما اصل الوقت (للوتر) فوقت العشاء عند ابی حنيفةؒ الا انه شرع مرتبا عليه حتی لا يجوز اداءه قبل صلوٰة العشاء مع انه وقته لعدم شرطه وهو الترتيب الا اذا كان ناسيا كوقت اداء الوقتية وهو وقت الفائتة لكنه شرع مرتبا عليه۔ وعند ابو يوسفؒ ومحمدؒ والشافعیؒ وقته بعد اداء صلوٰة العشاء وهذا بناء علی ماذكرنا. ان الوتر واجب عند ابی حنيفةؒ وعندهم سنة۔ ويبنی علی هذا الاصل مسئلتان احداهما ان من صلی العشاء علی غير وضوء وهو لا يعلم ثم توضأ فاوتر ثم تذكر اعاد صلوٰة العشاء بالاتفاق ولا يعيد الوتر فی قول ابی حنيفةؒ۔ وعندهما يعيد ووجه البناء علی هذا الاصل انه لما كان واجبا عند ابی حنيفةؒ كان اصلا بنفسه فی حق الوقت لا تبعا للعشاء فلما غاب الشفق دخل وقته كما دخل وقت العشاء الا ان وقته بعد فعل العشاء الا ان تقديم احدهما علی الآخر واجب حالة التذكر فعند النسيان يسقط۔
(بدائع الصنائع جلد ۱ ص۲۷۲ باب الوتر)۔ ومثله فی الزيلعی ج۱ ص۱۷۸ باب الوتر والنوافل۔

باب السنن والنوافل
(سنن اور نوافل کے مسائل)

فجر کی سنتیں زیادہ مؤکدہ ہیں

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک صاحب سے سنا ہے کہ صبح کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں، کیا پانچوں نمازوں کی سنتیں ایک جیسی ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ پانچ وقتہ نمازوں کی سنتوں میں سب سے زیادہ فجر کی دو رکعت سنتیں مؤکدہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاص مواظبت فرمائی ہے، اس کے بعد ظہر کی چار رکعت سنتیں ہیں جبکہ باقی سنتیں برابر ہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: والسنن آكدها سنة الفجر اتفاقاً ثم الاربع قبل الظهر في الاصح لحديث من تركها لم تنله شفاعتي ثم الكل سواء۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲ باب النوافل)[1]

سنن مؤکدہ کا ثبوت

سوال:- فجر، ظہر، مغرب، عشاء اور جمعہ کی نماز میں سنن مؤکدہ کا ثبوت کس حدیث سے ثابت ہے اور کون سی کتاب میں موجود ہے؟

الجواب:- سنن مؤکدہ کے بارے میں متعدد قولی اور فعلی احادیث وارد ہیں۔ نسائی کی

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: اقوى السنن المؤكدة ركعتا الفجر حتى روى عن ابي حنيفةؒ انها لا تجوز مع القعود بغير عذر لقوله عليه الصلوٰة والسلام صلوها ولو طردتكم الخيل .... والاصح ان التى قبل الظهر آكد بعد الفجر ثم الباقي سواءٌ۔ (منحة الخالق حاشية البحر الرائق ج۲ ص۴۸ باب النوافل)

ومثله في مراقي الفلاح على صد رطحطاوى ص۲۱۴ باب النوافل۔

روایت کے مطابق بارہ رکعات سُنن یومیہ ہیں، اور جمعہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق چودہ بنتی ہیں اور یہی راجح ہے، جبکہ صاحبینؒ کے ہاں سولہ ہیں جس کو امام طحاویؒ نے راجح کہا ہے۔

بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ علیہ وسلم: من ثابر علی اثنتی عشرۃ رکعۃ فی الیوم واللیلۃ دخل الجنۃ اربعًا قبل الظھر ورکعتین بعدھا ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر۔

(النسائی ج ۱ ص۲۵۶ باب ثواب من صلی فی الیوم واللیلۃ)

وعن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا صلی احدکم فلیصل اربعا۔ (النسائی ج ۱ ص۲۱۰ باب عدد الصلوۃ بعد الجمعۃ)

وعن ابن عمر انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یصلی بعد الجمعۃ حتّٰی ینصرف فیصلّی رکعتین۔ (النسائی ج ۱ ص۲۱۰ باب صلوۃ الامام بعد الجمعۃ) لیکن یہ دو رکعت صرف سُنت ہیں مؤکد نہیں۔

والدلیل علی استنان الاربع قبل الجمعۃ ما رواہ مُسلم مرفوعًا من کان مُصلّیًا قبل الجمعۃ فلیصل اربعًا۔ (البحر الرائق باب النوافل ج ۲ ص۴۹) [1]

جمعہ کے سُنن کی تعداد اور آخری دو رکعات میں جمعہ کی نیت

سوال: جمعہ کی نماز میں آخری دو رکعت

---

[1] عن ام حبیبۃ: قالت قال رسول اللہ علیہ وسلم من صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی لہ بیت فی الجنۃ اربعًا قبل الظھر ورکعتین بعدھا ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلوٰۃ الغداۃ۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۹۴ باب ما جاء فی من صلّی فی یوم ولیلۃ ... الخ)

وروی عن ابن مسعود: انہ کان یصلی قبل الجمعۃ اربعًا وبعدھا اربعًا۔

وروی عن علی بن ابی طالب: انہ اَمَرَ اَن یُصلّی بعد الجمعۃ رکعتین ثم اربعًا۔

(الجامع الترمذی ج ۱ ص۱۱۸ باب ما جاء فی الصلوۃ قبل الجمعۃ وبعدھا)

وَمِثْلُہٗ فی فتح الملھم ج ۲ ص۴۲۱ قبل کتاب العیدین۔

سنتِ مؤکدہ ہیں یا نہیں؟ اس میں جمعہ کی نیّت ضروری ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں جمعہ کے سنن قبلیہ و بعدیہ کی تعداد کتنی ہے؟ بعض لوگ جمعہ کی نماز کی کُل تعداد سولہ، بعض لوگ بارہ اور بعض دس رکعات بیان کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آخری دو رکعت نہ پڑھے تو نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- نمازِ جمعہ دو رکعت فرض، چار رکعت سنت مؤکدہ فرض نماز سے پہلے، چار رکعت سنت مؤکدہ فرض کے بعد اور اس کے بعد دو رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن مفتی بہ قول کی رُو سے ان کا پڑھنا افضل ہے، اور ان دونوں رکعات میں بھی جمعہ کی نیت کی جائے گی، ان دو رکعتوں کو بلا عذر چھوڑنا خلافِ اولیٰ ہے لیکن جمعہ کی نماز درست ہے ـــــ رہی یہ بات کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کی تعداد دس رکعات کے قائل ہیں وہ آخری دو رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل نہیں (جیسے امام ابوحنیفہؒ) اور جو لوگ بارہ رکعات کے قائل ہیں (جیسے صاحبینؒ) اُن کے نزدیک آخری دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ اور جو لوگ سولہ رکعات بتاتے ہیں ممکن ہے کہ وہ اس میں نوافل یا احتیاطی نماز شمار کرتے ہوں۔

قال ابن نجیم المصریؒ :- والدلیل علی استنان الاربع قبل الجمعة ما رواہ مسلم مرفوعًا من کان مصلیًا قبل الجمعة فلیصل اربعًا مع ما رواہ ابن ماجة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرکع من قبل الجمعة اربعًا لا یفصل فی شیٔ منهن۔ وعلی استنان الاربع بعدها ما فی صحیح مسلم عن ابی هریرةؓ مرفوعًا اذا صلی احدکم الجمعة فلیصل بعدها اربعًا وفی روایة اذا صلیتم بعد الجمعة فصلوا اربعًا۔ وذکر فی البدائع انه ظاهر الروایة۔ وعن ابی یوسفؒ انه ینبغی ان یصلی اربعًا ثم رکعتین۔ وذکر محمدؒ فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یمکث فی المسجد الجامع مقدار ما یصلی اربعًا او ستًا اھ۔ وفی الذخیرة والتجنیس وکثیر من المشائخ علی قول ابی یوسفؒ۔ وفی منیة المصلی الافضل عندنا ان یصلی اربعًا ثم رکعتین۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۹ باب السنن والنوافل) لہ

لہ قال الامام ابوبکر الکاسانی : فقد ذکر فی الاصل اربع قبل الجمعة واربع بعدها کذا ذکر الکرخی وذکر الطحاوی عن ابی یوسفؒ انه قال یصلی بعدها ستًا وقیل هو مذهب علیؓ وما ذکرنا انه کان یصلی اربعًا مذهب عبداللہ بن مسعودؓ .... ونحن لا نمنع من یصلی بعدها کم شاء غیر انا نقول السنة بعدها اربع رکعات لا غیر لما روینا۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۸۵ فصل اما الصلوٰة المسنون)۔

لہ ومثلهٗ فی کبیری ص ۳۸۸ فصل فی النوافل ـ

مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے

سوال :۔ ریاکاری سے بچنے کی نیت سے دن میں سنن زوائد کے چھوڑنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ ریاکاری سنن، نفل اور فرائض تمام عبادات میں حرام ہے، ریاکاری سے بچنے کے بہانے سے چھوڑنا مناسب نہیں، اس کا احتمال تو فرض نماز میں بھی ہو سکتا ہے، جبکہ فرض کا ترک کرنا کسی صورت میں جائز نہیں، نوافل رات دن میں مکروہ اوقات کے علاوہ ہر حالت میں مشروع ہیں جس کی تفصیل سے فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

وفی الهندیه: ثلاث ساعات لا تجوز فیها المکتوبة ولا صلوٰة الجنازة ولا سجدة التلاوة۔ اذا طلعت الشمس حتّٰی ترتفع وعند الانتصاف الیٰ ان تزول وعند احمرارها الیٰ ان تغیب الّا عصر یومه ذٰلك۔ فانه یجوز اداؤه عند الغروب هٰکذا فی فتاوٰی قاضی خان۔

وقال بعد عدة اسطر:۔ والتطوع فی هٰذه الاوقات یجوز ویکره کذا فی الکافی وشرح الطحاوی۔ (الهندیة ج۱ ص۵۲ کتاب الصلوٰة۔ الباب الاول فی مواقیت الصلوٰة)[1]

نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنے کا حکم

سوال :۔ نماز عصر سے پہلے چار رکعات نفل کی فضیلت کسی روایت سے ثابت ہے؟ اس کے وقت کا صحیح تعین اور حکم بیان فرمائیں؟

الجواب :۔ نماز عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے اور اس کا صحیح وقت عصر کی نماز کے وقت سے شروع ہوتا ہے، البتہ یہ نفل عصر کی نماز سے قبل

---

[1] قال الامام الکاسانیؒ: اما الذی یکره التطوع فیها لمعنی یرجع الیٰ الوقت ثلاثة اوقات احدها ما بعد طلوع الشمس الیٰ ان ترتفع وتبیض والثانی عند استواء الشمس الیٰ ان تزول والثالث عند تغیر الشمس وهو احمرارها الیٰ ان تغرب الشمس ففی هٰذه الاوقات الثلاثة یکره کل تطوع فی جمیع الازمان یوم الجمعة وغیره وفی جمیع الاماکن بمکة وغیرها۔ وسواء کان تطوعًا مبتدأ لا سبب له او تطوعًا له سبب کرکعتی الطواف ورکعتی تحیة المسجد ونحوهما۔ الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۹۶ فصل فی بیان ما یکره فی التطوع)

پڑھے جائیں گے۔

بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ امرأً صلی قبل العصر اربعًا۔ (الترمذی جلد ۱ ص۹۸ باب ما جاء فی الاربع قبل العصر) [۱]

نمازِ عصر سے پہلے نفل جماعت سے خاص نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص نمازِ عصر با جماعت ادا ہو جانے کے بعد انفراداً نماز پڑھتے سے پہلے نفل ادا کرے تو کیا اس کی نفل نماز ادا ہوتی یا نہیں؟ اور نفل کی ادائیگی کے لیے جماعت میں شرکت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ عصر سے قبل چار سنتیں پڑھنا افضل ہے۔ چاہے عصر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہو یا انفراداً پڑھ رہا ہو۔ شریعتِ مقدسہ میں جماعت یا غیر جماعت کی کوئی قید نہیں، تاہم اگر چار کے بجائے دو رکعت پڑھے تو بھی کافی ہے لیکن اصفرار کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویستحب اربع قبل العصر ــ وقال ابن عابدینؒ: تحت هذه العبارة لم یجعل للعصر سنة راتبة لانه لم یذکر فی حدیث عائشةؓ المار. قال فی الامداد وخیّر محمد بن الحسنؒ والقدوری المصلی بین ان یصلی اربعًا او رکعتین قبل العصر لاختلاف الآثار۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳ مطلب فی السنن والنوافل) [۲]

عصر سے پہلے سنن توڑ کر نماز کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص نمازِ عصر سے پہلے نفل پڑھنا

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وندب الاربع قبل العصر ---- الخ وقال بعد ثلاثة اسطر وروی ابو داؤد عنه (ای عن علی رضی الله عنه) ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی قبل العصر رکعتین فلذا خیّره فی الاصل بین الاربع وبین الرکعتین والا فضل الاربع الخ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۵۰ باب النوافل)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳ مطلب فی السنن والنوافل)

[۲] وفی الهندیة: وخیّر محمدؒ (ای فی الاصل) بین الاربع والرکعتین قبل العصر والعشاء والافضل الاربع فی کلیهما۔ (الهندیة ج۱ ص۱۱۲ باب النوافل)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۵۰ باب النوافل.

شروع کرے لیکن جماعت کھڑی ہونے کی وجہ سے اسے توڑ کر فرض نماز میں شامل ہو جائے تو کیا عصر کی نماز کے بعد یہ نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس پر لزم النفل بالشروع کے قاعدہ کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ نفل نماز توڑنے سے بقاعدہ لزم النفل بالشروع واجب ہو جاتی ہے، لیکن یہ واجب لغیرہ کے حکم میں ہے اور عصر کی نماز کے بعد جیسا کہ نفل نماز نہیں پڑھی جا سکتی ہے ایسا ہی واجب لغیرہ کی ادائیگی بھی جائز نہیں، لہٰذا کسی دوسرے صحیح وقت میں پڑھے۔

وفی الهندیة: لو افتتح صلوٰة النفل فی وقتٍ مستحب ثم افسدها فقضاها بعد صلوٰة العصر قبل مغیب الشمس لا یجزیه هکذا فی محیط السرخسی۔ انتھٰی۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۵۳ کتاب الصلوٰة، فصل الاوقات التی لا تجوز فیها الصلوٰة... الخ) ؎۱

اصفرارِ شمس کے وقت نمازِ عصر سے پہلے نفل پڑھنا

سوال: اگر عصر اور مغرب کے درمیان وقت مختصر ہو تو ایسی صورت میں نمازِ عصر ضروری ہے یا اس سے پہلے نفل نماز پڑھنی چاہیئے؟

الجواب: جب تک سورج کی روشنی متغیر نہ ہوئی ہو بلکہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو تو ایسے وقت میں عصر کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا جائز ہے۔ البتہ اگر سورج کی روشنی میں زردی کے اثرات شروع ہو چکے ہوں تو پھر وقت کی نماز پر اکتفاء کر کے نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

قال الامام الکاسانیؒ: والثالث عند تغیر الشمس وهو احمرارها واصفرارها الی ان تغرب ففی هذه الاوقات الثلاثة یکره کل تطوع فی جمیع الاماکن یوم الجمعة وغیره۔ وفی جمیع الاماکن بمکة وغیرها۔ وسواءٌ کان تطوعاً مبتداءً حینئذٍ لا سبب له۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۹۵ فصل فی بیان ما یکره من التطوع) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ: وکره نفل وکل ما کان لا لعینه بل لغیره کمنذور والذی شرع فیه فی وقت مستحب او مکروه۔ ثم افسده ولو سنة الفجر بعد صلوٰة وصلوٰة عصر انتهیٰ مختصراً۔ وقال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة۔ والکراهة ههنا تحریمیة ایضاً کما صرح به فی الحلیة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۵ کتاب الصلوٰة)

؎۲ قال برهان الدین المرغینانیؒ: لا یجوز عند طلوع الشمس ولا عند قیامها فی الظهیرة ولا عند غروبها لحدیث عقبة بن عامرؓ قال ثلثة اوقات نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نصلی فیها وان نقبر فیها موتانا عند طلوع الشمس حتی ترتفع وعند زوالها حتی تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب۔ وقال بعد سطر الا عصر یومه۔ (الهدایة ج ۱ ص ۶۸ فصل فی الاوقات یکره فیها الصلوٰة)

سنن قبل الظہر کی تعداد

سوال: - زوال کے بعد صحیح حدیث کے مطابق کتنی رکعات پڑھنی چاہئیں؟

الجواب: - صحیح حدیث کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زوالِ آفتاب کے بعد چار رکعات کی ادائیگی فرماتے تھے جبکہ بعض روایات میں دو رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، لیکن ان دو رکعات کو امام محمد اور ابن الہمام رحمہما اللہ نے تحیۃ المسجد پر محمول کیا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعًا و بعدھا رکعتین۔

عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر رکعتین و بعدھا رکعتین و بعد صلوٰۃ المغرب رکعتین فی بیتہ و بعد صلوٰۃ العشاء رکعتین وکان لا یصلی بعد الجمعۃ فی المسجد حتٰی ینصرف فیسجد سجدتین۔

قال محمدؒ ھٰذا التطوع، وھو حسن، وقد بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی قبل الظہر اربعًا اذا زالت الشمس ... الخ (مؤطا امام محمد ص۱۶۲)

وقال ابن الھمامؒ: ثم کان یصلی رکعتین تحیۃ المسجد فکان ابن عمرؓ یراھما۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۳۸۶ باب النوافل) [1]

---

[1] ذکر الامام ابو عیسٰی الترمذیؒ: عن علیؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعًا و بعدھا رکعتین۔ قال ابو عیسٰی والعمل علٰی ھٰذا عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و من بعدھم یختارون ان یصلی الرجل قبل الظہر اربع رکعات وھو قول لسفیان وابن المبارک .... الخ

قال العلامۃ محمد یوسف البنوریؒ: تحت ھو قول السفیان والیہ ذھب ابوحنیفۃ واصحابہ۔ (معارف السنن ج ۴ ص۱۰۴، ۱۰۵ باب ماجاء فی الاربع قبل الظہر)

وعن ابن عمرؓ قال صلیتُ مع النبیؐ رکعتین قبل الظہر و رکعتین بعدھا۔ (معارف السنن ج ۴ ص۱۰۶، ۱۰۳)

قال ابن عابدینؒ وما رآہ ابن عمر تحیۃ المسجد۔

(منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ج ۲ ص۵۵ باب النوافل)

مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا

سوال:- اگر کوئی شخص نمازِ مغرب کے بعد دو رکعات نفل ادا کرے تو ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ نماز اوابین کے زمرے میں آسکتی ہے؟

الجواب:- نفل نماز مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت جائز ہے، مذکورہ وقت نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ دو رکعات صلوٰۃ اوابین میں شمار نہیں ہوتیں، کیونکہ اوابین کی تعداد روایات میں چھ رکعات بتائی گئی ہے۔ تاہم اگر چار رکعات نفل سے دو سنن ملا کر چھ رکعات شمار کی جائیں تو یہ نماز اوابین میں شمار کی جا سکتی ہے، البتہ مستقلاً چھ رکعات اوابین پڑھنا بہتر ہیں۔

لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابی هريرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینهن بسوءٍ عُدِلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۹۸ باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب)

قال مُلا علی قاریؒ تحت هٰذِهِ الحديث (قوله ست رکعات) المفهوم ان الرکعتين الراتبتين داخلتان فی الست اِلٰی ان قال قاله الطيبی فیصلی المؤکدتين بتسليمة وفی الباقی الخيار الخ۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج۳ ص۱۱۴ باب النوافل الفصل الثانی)[1]

نمازِ مغرب کی دو رکعت سنتِ مؤکدہ کی نیت باندھ کر چار رکعت پڑھنے اور آخری دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص مغرب کی دو رکعت سنتِ مؤکدہ کی نیت باندھ کر دو رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ میں چار رکعت پڑھنے کا ارادہ کرے اور پھر آخری دونوں رکعات کے لیے کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر پڑھے تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

---

[1] قال الشيخ ابراهيم الحلبیؒ: وان تطوع بعد المغرب ست رکعات فهو افضل۔ لحديث ابن عمرؓ انه عليه السلام قال: من صلی بعد المغرب بست رکعات کتب من الاوابين وتلا انه کان للاوابين غفوراً۔ (کبیری ص۳۸۵ باب فصل فی النوافل)

وَمِثْلُهٗ فی الجامع الترمذی ج۱ ص۹۸ باب ماجاء فی فضل التطوع الخ۔

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں دو مسئلے قابلِ غور ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کیا سنت کی نماز کے ساتھ نفل نماز اکٹھا کرکے سنت کے قعدہ آخیرہ میں تاخیر کرنے سے اس کی نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نفل نماز میں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جہاں تک دوسرے مسئلے کا حکم ہے تو نفل نماز ابتداءً یا بناءً قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے تاہم کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعداً لا مضطجعاً الا بعذر ابتداءً وکذا بناءً بعد الشروع بلا کراهة علی الاصح کعکسه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶ باب السنن والنوافل) لہ

اور پہلے مسئلے میں سنت کی ادائیگی درست ہو جائے گی، البتہ سلام کی تاخیر سے سجدہ سہو واجب رہے گا۔

قال المرغینانیؒ: لا یجب السهو الا بترك الواجب او تاخیره او تاخیر رکن ساهیاً۔ (الهدایة ج۱ ص۱۳۷ باب سجود السهو)

تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنا

سوال:۔ نماز تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ نماز تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: یجلس ندباً بین کل اربعة بقدرها کذا بین الخامسة والوتر

لہ وفی الهندیة: وحکم السهو فی الفرض والنفل سواءٌ۔ وقال بعد اسطر۔ ولا یجب السجود الا بترك واجب او تاخیره او تاخیر رکن او تقدیمه او تکراره او تغیر واجب بان یجهر فیما یخافت۔ وفی الحقیقة وجوبه بشیء واحد وهو ترك الواجب۔ (الهندیة ج۱ ص۱۲۶)

وفی الهندیة: واذا فتتح التطوع قائماً ثم اراد ان یقعد من غیر عذر فله ذلك عند ابی حنیفةؒ استحساناً۔ (الهندیة ج۱ ص۱۱۳ باب النوافل)

ومِثلُهُ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۸۹–۹۲ باب النوافل۔

ویخیرون بین تسبیح وقرأۃ وسکوت وصلوٰۃ فرادی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶ بحث صلوٰۃ التراویح)[1]

وتر کے بعد دو رکعت نفل کی شرعی حیثیت

سوال:۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل کسی روایت سے ثابت ہیں یا نہیں؟ بصورتِ ثبوت کیفیت کا تعین فرمائیں؟ کیا دیگر نوافل کی طرح بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب میں کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل کے بارے میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی روایات وارد ہیں۔ ترمذی کی روایت میں ہے: عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۶۱ ابواب الصلوٰۃ الوتر)

اور ابن ماجہ میں اس پر یہ اضافہ ہے: "خفیفتین وھو جالس"۔ (ابن ماجۃ ص۸۵ باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً)

لہٰذا یہ دو رکعات بلاشک وشبہ سنن زوائد ہیں، باقی ابن ماجہ کی روایت کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں رکعات بیٹھ کر پڑھی ہیں۔ اس لیے فقہاء کرام کا ان کے افضل ہونے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء ان کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل قرار دیتے ہیں جبکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق اور دیگر محققین کی رائے کے مطابق چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر دو رکعت پڑھنا تعبداً اور قصداً تھا اس لیے بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔

لما قال الشیخ انور شاہ الکشمیریؒ: یعنی ان الجلوس فیھما اتفاقی او قصدی فاختار النووی الاول عندی المختار ھو الثانی لانھما لم تثبتا عنہ قائماً قط فحمل فعلہ فی جمیع عمرہ علی الاتفاق مما

---

[1] وقال ابن نجیم المصریؒ: وقد قالوا انھم مخیرون فی حالۃ الجلوس ان شاؤا سبحوا وان شاؤا قرؤا القرآن۔ وان شاؤا صلوا اربع رکعات فرادی وان شاؤا قعدوا ساکتین۔ واھل مکۃ یطوفون اسبوعاً ویصلون رکعتین واھل المدینۃ یصلون اربع رکعات فرادی۔ وبھذا علم انہ لو قال بانتظار بعد کل ترویحۃ بدل قولہ بجلسۃ لکان اولی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۶۹ باب النوافل)
وَمِثْلُہٗ فی غنیۃ المستملی ص۴۰۲ باب النوافل۔

يصادم المداهنة ـ (رفيق البارى ج ۲ ص۴۲۶ باب المداومة على ركعتى الفجر) [1]

نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں دُرود اور تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ نوافل اور سنن کے قعدۂ اُولیٰ میں صرف تشہد پر اکتفاء کرنا چاہیئے یا اس کے ساتھ درود شریف بھی ملانا ضروری ہے ؟ ایسا ہی تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد ثناء اور تعوذ ضروری ہے یا فرض نمازوں کی طرح فاتحۃ الکتاب سے شروع کیا جائے گا ؟

الجواب :۔ سُنن مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ نہیں پڑھا جائے گا، اس کے علاوہ دوسرے نوافل میں ہر شفع (یعنی دو دو رکعت) مستقل نماز ہے، اس لیے ہر شفع کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء و تعوذ پڑھنا چاہیئے ۔

قال الحصكفیؒ : ولا يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم فى القعدة الاولى فى الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها الى ان قال ولا يستفتح اذا قام الى الثالثة منها لانها لتأكدها اشبهت الفريضة وفى البواقى من ذوات الاربع يصلى على النبىّ صلى الله عليه وسلم ويستفتح ويتعوذ ولو نذراً لان كل شفع صلاة ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۶ باب السنن والنوافل) [2]

سنن زوائد میں قعدۂ اولیٰ کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء پڑھنے کا حکم

سوال :۔ نماز جمعہ و ظہر کی چار رکعات میں قعدۂ اولیٰ کے تشہد کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں کھڑے ہو کر ثناء

---

[1] قال العلامة محمد يوسف البنورى : لو ثبت الركعتان بعد الوتر فالسنة فيهما الجلوس دون القيام فان الجلوس فيهما قصدى ۔ (معارف السنن ج ۴ ص ۲۵۹ بحث ركعتين بعد الوتر جالساً)

ومثله فى عرف الشذى على الترمذى ج ۱ ص۱۰۱ باب ماجاء فى ركعتين بعد الوتر ۔

[2] قال ابن نجيمؒ : وفى الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لا يصلى على النبىّ صلى الله عليه وسلم ولا يستفتح اذا قام الى الثالثة بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۹ باب السنن والنوافل)

پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز سنن مؤکدہ اور زوائد میں کوئی فرق ہے یا دونوں یکساں ہیں؟

الجواب: ظہر اور جمعہ کی سنن کے علاوہ باقی تمام چار رکعت والی سنن و نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء و تعوذ پڑھنا چاہیئے، کیونکہ نوافل میں ہر شفع مستقل نماز ہے جبکہ سنن مؤکدہ اس حکم سے مستثنےٰ ہیں۔

قال الحصکفیؒ: ولا یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا۔ وقال بعد سطر واحدۃ۔ ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منہا۔ لانہا لتاکدھا اشبہت الفریضۃ۔ وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرًا لان کل شفع صلوٰۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۱۶ باب السنن والنوافل) [1]

سنن اور فرائض کے درمیان دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال: اگر کوئی شخص گھر میں ظہر کی سنن قبلیہ ادا کر کے مسجد جائے اور مسجد میں جماعت کھڑے ہونے سے پہلے دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھے تو کیا شرعاً اس کی کوئی ممانعت ہے یا نہیں؟

الجواب: سنن ظہر اور فرضوں کے درمیان دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے اور فقہاء کرام میں سے کسی ایک نے بھی اس وقت نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں کی ہے، بلکہ بعض محققین کی رائے کے مطابق شارع علیہ السلام سے ظہر کی چار رکعت سنت قبلیہ کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد ثابت ہے۔ تحیۃ المسجد کی صحت کے لیے کوئی خاص وقت متعین نہیں البتہ اوقات مکروہہ میں ایسی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ تاہم سنن اور فرائض کے درمیان بلا عذر کسی ایسے کام سے اجتناب کرنا چاہیئے جو تحریمہ کے منافی ہو کیونکہ اس سے ثواب پر اثر پڑتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن الھمام: فالاولی الاستدلال بمجموع حدیثین حدیث

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وفی المجتبیٰ وفی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا لایصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۴۹ باب النوافل)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۱۳ باب النوافل۔

ابن عمرؓ...... وحدیث عائشةؓ...... فان الاربع کان یصلیها فی بیته فاتفق عدم علم ابن عمرؓ بهن وان علم غیرها مما صلی فی بیته لانه صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی الکل فی البیت ثم کان یصلی رکعتین تحیة المسجد ھان ابن عمرؓ یراھا۔

(فتح القدیر ج۱ ص۳۸۶ باب النوافل)

قال العلامة الشرنبلالیؒ: سن تحیة المسجد برکعتین فی غیر وقت مکروہ قبل الجلوس..... الخ۔ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ص۲۱۵ فصل فی تحیة المسجد)[۱]

سننِ جمعہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جمعہ کی سنن مسجد کے ساتھ مختص ہیں یا کسی اور جگہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں؟

الجواب:۔ سنن پڑھنے کے لیے مسجد کی کوئی تخصیص نہیں، یہ مسجد کے علاوہ گھر میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں جگہ (گھر اور مسجد) میں پڑھنا ثابت ہے، تاہم مسجد کی بجائے گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

بحدیث النبی صلی اللہ علیه وسلم: عن زید بن ثابتؓ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال افضل صلوتکم فی بیوتکم الا المکتوبة۔ (الترمذی ج۱ ص۱۰۲ باب جاء فی فضل الصلوٰة فی البیت)

عن ابن عمرؓ قال کان اذا کان بمکة فصلی الجمعة تقدم فصلی رکعتین ثم تقدم فصلی اربعاً۔ واذا کان بالمدینة صلی الجمعة ثم رجع الی بیته فصلی رکعتین فقیل له فقیل کان رسول اللہ یفعل ذلك۔ (ابوداؤد ج۱ ص۱۶۱ باب الصلوٰة بعد الجمعة)[۲]

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: وهو الذی جمع به فی الفتح بین هذا الحدیث (ای حدیث ابن عمرؓ) وحدیث عائشة انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یصلی اربعاً قبل الظهر بقوله اما بأن الاربع کان یصلیها علیه السلام فی بیته۔ وماراہ ابن عمر تحیة المسجد او بأن ابن عمرؓ کان یری تلك وردا آخر بسببه الزوال و هو مذهب بعض العلماء۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج۲ ص۵۳ باب الوتر والنوافل)

[۲] قال الشیخ ابراهیم الحلبی الکبیریؒ: واما السنن التی بعد الفریضة فانه ان تطوع بها فی المسجد فحسن وتطوعه بها فی البیت افضل۔ وهذا غیر مختص بما بعد الفریضة بل بجمیع النوافل ماعدا التراویح وتحیة المسجد قال بعد عدة اسطر التطوع فی المسجد حسن و فی البیت احسن۔ کما قال المصنفؒ وبه افتی الفقیه ابوجعفر۔ قال الا ان یخشی ان یشغل عنها اذا رجع۔ (کبیری ص۳۹۹، ۴۰۰ باب النوافل)

ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۲۰ باب السنن والنوافل)

سُنن نہ پڑھنے والے کا حکم

سوال: اگر سنن مؤکدہ یا غیر مؤکدہ نہ پڑھی جائیں تو نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سنن مؤکدہ سفر میں بعذر شرعی چھوڑنا جائز ہیں، ویسے سنن مؤکدہ کو چھوڑنا موجب عتاب ہے۔ سنن فرائض کے مکملات ہیں، گویا سنن نہ پڑھنے کی وجہ سے فرائض ادھورے رہ جاتے ہیں، اترک پر مداومت کرنا عملاً نافرمانی کے مترادف ہے۔

قال ابن نجیمؒ: رجل ترک سُنن الصلوٰۃ الخمس ان لم یر السنن حقًا فقد کفر لانہ ترک استخفافًا۔ وان رأی حقًا منھم من قال لا یأثم والصحیح انہ یأثم لانہ جاء الوعید بالترک۔ وقال بعد سطر ان السنّۃ المؤکدۃ بمنزلۃ الواجب فی الاثم بالترک الی ان قال وانہ لا یجوز ترک السنن المؤکدۃ ولو صلّی وحدہٗ وھو احوط۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۴۹ باب الوتر والنوافل) [1]

نفل کی بجائے قضا نمازوں کی ادائیگی بہتر ہے

سوال: اگر ایک شخص کے ذمہ فوت شدہ فرض نمازیں ہوں تو اس کے لیے نفل پڑھنا افضل ہے یا قضاء نمازیں؟

الجواب: جب فوت شدہ نمازوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز کی قضاء کرے، تو ایسی صورت میں نوافل پڑھنے سے قضاء نماز کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا۔

وفی الھندیۃ: وفی الحجہ والاشتغال بالفوائتۃ اولیٰ واھم من النوافل او السنن المعروفۃ وصلوٰۃ الضحیٰ وصلوٰۃ التسبیح والصلوٰۃ التی رویت فی الاخبار فیھا سور معدودۃ واذکار معھودۃ فتلک بنیۃ النفل وغیرھا

---

[1] وفی الھندیۃ: رجلٌ ترک السنن الصلوٰۃ ان لم یر السنن حقًا فقد کفر لانہ تارکھا استخفافًا وان راھا حقًا فالصحیح انہ یاثم لانہ جاء الوعید بالترک کذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۱۲ باب النوافل)

وَمِثْلُہٗ فی کبیری ص۳۸۹ باب النوافل (فروع)

بِنِيَّةِ القضاءِ کذا فی المضمرات۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۲۵ باب قضاء الفوائت) [1]

تہجد کی رکعات کی تعداد

سوال:۔ نمازِ تہجد کی کتنی رکعات ہیں؟

الجواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی نماز مختلف اوقات میں مختلف رکعات کے ساتھ ثابت ہے جس میں اقل (کم از کم) دو رکعت اور اکثر زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات مروی ہیں، کیونکہ اکثر اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھی ہیں اسلئے بعض محققین نے اکثر کی تعداد آٹھ رکعات نقل کی ہیں جبکہ زیادہ سے زیادہ بارہ تک بھی ثابت ہے۔

لما ذکرہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری: ان عبد اللہ بن عباس اخبرہ انہٗ بات عند میمونة زوج النبیؐ وھی خالته الیٰ قال عبد اللہ فقمت فصنعتُ مثل ماصنع ثم ذھبتُ فقمت الیٰ جنبه فوضع رسول اللہ یدہ الیمنیٰ علیٰ رأسی واخذ باُذُنی یفتلها فصلّی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاء المؤذن فقام فصلّی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلّی الصبح۔ (الجامع البخاری ج ۱ ص۱۳۵ ابواب الوتر، باب ماجاء فی الوتر) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: واما النفل فقال فی المضمرات الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل۔ (رد المحتار ج ۲ ص۷۴ باب قضاء الفوائت)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیة ج ۱ ص۷۷ کتاب الصلوٰة۔ باب قضاء الفائتة۔

[2] قد ذکر الامام البیهقی عن کریب مولیٰ ابن عباسؓ ان عبد اللہ بن عباسؓ اخبرہ انہ بات عند میمونةؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ھی خالته الیٰ قال عبد اللہ فقمتُ فصنعتُ مثل ما صنع ثم ذھبتُ فقمتُ الیٰ جنبه فوضع رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدَہ الیمنیٰ علیٰ رأسی واخذ باُذُنِی یفتلها فصلّی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین قال القعنبی ستّ مرات ثم اوتر ثم اضجع حتی جاء المؤذن فقام فصلّی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلّی الصُّبحَ۔

(السنن الکبریٰ ج ۳ ص۷ باب عدد رکعات قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفتها)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص۳۰۹ نماز وتر۔

تہجد کی جماعت کا حکم

سوال:- تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہمیشہ کے لیے یا کبھی کبھار؟ اور کتنے لوگ جمع ہو کر بلا کراہت جماعت سے ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب:- تہجد کی نماز نفل ہے اور نفلی نماز میں ایک یا دو آدمی امام کے پیچھے اقتداء کریں تو کبھی کبھار بلا تداعی بغیر کراہت کے جائز ہے، البتہ اگر مقتدی تین سے زائد ہوں تو احناف کے ہاں بالاتفاق مکروہ ہے، اور تین کی صورت میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مکروہ اور بعض کے نزدیک تین سے کم کی طرح بلا کراہت جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ، ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحدٍ — قال ابن عابدینؒ؛ تحت هٰذه العبارة اما اقتداء واحد بواحدٍ او اثنین بواحدٍ فلا یکرہ وثلاثة بواحدٍ فیه خلاف وایضاً قال فوق هٰذه العبارة ویمکن ان یقال الظاهر ان الجماعة فیه غیر مستحبة۔ ثم ان کان ذٰلک احیاناً کما فعل عمر کان مباحاً غیر مکروہ۔ وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة خلاف المتوارث۔

(رد المحتار ج٢ ص٤٨ بحث صلوٰة التراویح)

نماز تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا افضل ہے

سوال[لہ]**:-** نماز تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص رات کو صرف چند رکعات نفل پڑھے اور وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے تو اس سے تہجد پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: ولا یصلی تطوعاً بجماعة الا قیام رمضان وحکی عن شمس الائمة السرخسیؒ ان التطوع بالجماعة علی سبیل التداعی مکروہ اما لو اقتدیٰ واحد بواحدٍ او اثنان بواحدٍ لا یکرہ واذا اقتدیٰ ثلاثة بواحدٍ ذکر هو رحمه الله ان فیه اختلاف المشائخ قال بعضهم واذا اقتدیٰ اربع بواحدٍ کرہ بلا خلاف۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج١ ص٦٤٢ باب الوتر)

ومثلهٗ فی کبیری ص٤٠٨ باب التراویح۔

الجواب: تہجد وہ نفل نماز ہے جو عشاء کی نماز کے بعد نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے ساتھ آخر میں وتر ملا کر پڑھے جائیں تو بہتر ہے، تاہم اگر اس کے ساتھ آخر میں وتر نہ ملائے جائیں تو بھی تہجد پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن نافعؓ انّ ابن عمرؓ قال مَن صَلّٰی مِنَ اللّیلِ فلیجعل اٰخر صلوٰتہٖ وترًا فانّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یأمر بذٰلک۔ (النسائی ج ۱ ص۲۴۷ باب وقت الوتر) [1]

سوال ۲: اگر کوئی رات کے آخری حصہ میں نیند سے اٹھنے کے بعد قضا نماز کی ادائیگی کرے تو اس کو تہجد کی نماز کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی نیند سے اٹھ کر فوت شدہ نماز کی قضاء کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی تہجد میں سے شمار ہوتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: کان التھجّد ازالۃ النوم۔ وقال بعد سطر واحدٍ انّ التھجّد لا یحصل إلّا بالتطوع فلو نام بعد صلوٰۃ العشاء ثمّ قام فصلّٰی فوائت لا یسمّٰی تھجّدًا وتردّد فیہ بعض الشافعیۃ قلت والظاھر انّ تقییدہٗ بالتّطوّع بناء علی الغالب وانہ یحصل بای صلوٰۃ کانت فی الحدیث المار وما کان بعد صلوٰۃ العشاء فھو من اللیل۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۴ مطلب فی صلوٰۃ اللیل)

سوال: اگر مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھنے — **تحیۃ المسجد دوسری نماز کے ضمن میں بھی ادا ہو سکتی ہے؟**

---

[1] اخرج الامام الترمذی: عن مسروق انہ سأل عائشۃ عن وتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت من کل اللیل قد اوتر اولہ واوسطہ واٰخرہ فانتھی وترہ حین مات فی وجہ السحر۔ (الجامع الترمذی جلد ۱ ص۱۰۳ باب ماجاء فی وتر من اول اللیل واٰخرہ۔

کان ابوبکر یوتر ثمّ ینام ثمّ یقوم ویتھجّد وعمر کان ینام قبل ان یوتر ثمّ یقوم ویصلّی ویوتر فقال النبیؐ لابی بکر اخذت بالحزم وقال لعمر اخذت بالقوۃ۔ (مجموعۃ الفتاوٰی اردو ج ۱ ص۳۳۱ کتاب الصلوٰۃ تراویح وتہجد الخ)

کی بجائے کسی دوسری نماز کی سنن یا قضا میں مشغول ہو جائے تو کیا اس سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس دوسری نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت نہیں کی گئی ہو، بہشتی زیور میں ثواب ملنے اور حنفی نماز کامل میں نہ ملنے کا لکھا ہے، لہٰذا جو راجح ہو وضاحت فرمائیں؟

الجواب: تحیۃ المسجد مسجد میں داخلہ کے وقت دو رکعات پڑھنے سے عبارت ہے، روایات کی رُو سے یہ سُنّت ہے۔ اگر مستقل دو رکعات ادا کی جائیں تو بہتر ہے ورنہ سُنن وقتیہ کے ضمن میں بھی نماز تحیۃ المسجد ادا ہو سکتی ہے۔ خیال رہے کہ تحیۃ المسجد مکروہ اوقات میں فقہ حنفی کی رُو سے جائز نہیں، ایسے اوقات میں تحیۃ المسجد کی جگہ تسبیح و تہلیل اور درود شریف سے تحیۃ المسجد کا ثواب ملتا ہے۔

قال الحصکفیؒ، و یسن تحیۃ المسجد وھی رکعتان واداء الفرض او غیرہ وکذا دخوله بنیة فرض او اقتداء ینوب عنھا بلا نیة۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ۔ اذ دخل فیه (ای المسجد) بعد الفجر او العصر فانه یسبح ویھلل ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم فانه حینئذٍ یؤدی حق المسجد کما اذا دخل المکتوبة فانه غیر مامور بھا حینئذٍ کما فی التمرتاشی۔ وقال بعد عدۃ اسطر قال فی الحلیة لو اشتغل داخل المسجد بالفریضة غیر ناوٍ للتحیة قامت تلك الفریضة مقام تحیة المسجد لحصول تعظیم المسجد کما فی البدائع۔

(رد المحتار ج ۱ صـ۱۸ باب السنن والنوافل)[1]

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنے کا حکم

سوال: صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں تسبیحات پڑھنے میں کافی وقت لگتا ہے، ایسی حالت میں کیا دوسری نمازوں کی طرح ہاتھ کھول کر چھوڑنا چاہیئے یا ہاتھ باندھنا بہتر ہے؟

الجواب: ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون نہ ہو تو اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے

---

[1] قال العلامة الشرنبلالیؒ: سن تحیة المسجد برکعتین یصلیھما فی غیر وقت مکروہ قبل الجلوس الخ الی ان قال واداء الفرض ینوب عنھا قاله الزیلعی وکذا کل صلوٰۃ اداھا عند الدخول بلا نیة التحیة لانھا لتعظیمه وحرمته وقد حصل ذٰلك بما صلوٰۃ ولا تفوت بالجلوس عندنا۔ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی صـ۳۲۰ فصل فی تحیة المسجد)

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں اگرچہ ذکرِ مسنون یعنی تسبیحات ہیں لیکن قیام کے لیے قرار نہ ہونے کی وجہ سے اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے بلکہ ارسال ہوگا۔

قال العلامۃ الشیخ احمد الطحطاوی :۔ تحت قول المصنف (ولیسن وضع الرجل یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ) مانصہ "کما فرغ من التکبیر للاحرام بلا ارسال ویضع فی کل قیام من الصلوٰۃ ولو حکماً فدخل القاعد ولا بد فی ذالک القیام ان یکون فیہ ذکر مسنون وما لا فلا کما فی السراج وغیرہ۔ وقال محمدؒ لا یضع حتی یشرع فی القرأۃ فھو عندھما سنۃ قیام فیہ ذکر مشروع وعندہ سنۃ للقرأۃ فیرسل عندہ حالۃ الثناء والقنوت وفی صلوٰۃ الجنازۃ وعندھما یعتمد فی الکل الیٰ ان قال فان قیل فی القومۃ من الرکوع ذکر مشروع وھو التسمیع والتحمید فینبغی ان یضع فیھا علیٰ قولھما اجیب بان المراد قیام لہٗ قرار فیہ ذکر مسنون یراجع۔

(طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص۱۴۰ فصل فی بیان سُنن الصلوٰۃ) [1]

استخارہ کی نماز کا مسنون طریقہ

سوال :۔ استخارہ کی نماز کا مسنون طریقہ کیا ہے اور کس وقت پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب :۔ نمازِ استخارہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے کام کا ارادہ کرے جس میں ضرر اور نفع دونوں کا احتمال ہو تو ایسی حالت میں نمازِ عشاء کے بعد دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے، نماز کے بعد پوری توجہ سے یہ دُعا پڑھے

اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم۔ فانک تقدر ولا اقدر وتعلمُ ولا اعلم وانت علام الغیوب۔ اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھٰذا الامر خیر لی فی دینی ومعیشتی وعاقبۃ امری او قال فی عاجل امری وآجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ قال ویسمی حاجتہ۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۱۰۹ باب ماجاء فی الاستخارہ)

---

[1] قال الملا خسرو الحنفیؒ: فالحاصل ان کل قیام فیہ ذکر مسنون ففیہ الوضع وکل قیام لیس کذٰلک ففیہ الارسال۔ (الدرر والغرر ج ۱ ص۶۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)

اور جب ھٰذا الامر پر پہنچے تو متعلقہ کام کی طرف توجہ کر کے دل میں لائے، ایسے عمل کے بعد جس جانب دل کا میلان ہوا تو اس کو اختیار کرے۔ اگر ایک دفعہ کرنے سے اطمینان حاصل نہ ہو تو سات دفعہ تک یہ عمل کرے، متعدد بار کرنے سے تردد اور شک نہیں رہے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفی الحلیۃ ویستحب افتتاح ھٰذا الدعاء وختمہ بالحمد لله والصلوٰۃ۔ وفی الاذکار انہ یقرأ فی الرکعۃ الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الاخلاص اھ۔ وعن بعض السلف انہ یزید فی الاولی "وربک یخلق ما یشاء ویختار الی "یعلمون"۔ وفی الثانیۃ "وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ (الآیۃ)" وینبغی ان یکررھا سبعاً لما روی ابن السنی یا انس اذا ھممت بامر فاستخر ربک فیہ سبع مرات۔ ثم انظر الی الذی سبق الی قلبک فان الخیر فیہ ولو تعذرت علیہ الصلوٰۃ استخار بالدعاء اھ۔ وفی شرح الشرعۃ المسموع من المشائخ انہ ینبغی ان ینام علی طھارۃ مستقبل القبلۃ بعد قراءۃ الدعاء المذکور فان رأی فی منامہ بیاضاً او خضرۃ فذلک الامر خیر۔ وان رأی فیہ سواداً او حمرۃ فھو شر ینبغی ان یجتنب اھ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶ مطلب فی رکعتی الاستخارۃ)

نفل نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا

سوال:۔ نفل نماز پڑھنے کی کیفیت کیا ہے؟ کیا بعذر یا بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے نماز پر کوئی اثر پڑھتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نفل نماز بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، البتہ بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلہ میں نصف ہوتا ہے۔

قال الامام البخاریؒ: عن عمران بن حصین قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ الرجل وھو قاعد؟ فقال من صلّی قائماً فھو افضل ومن صلّی قاعداً فلہ نصف اجر القائم۔ (الحدیث)

(الجامع الصحیح البخاری ج ا ص۱۵۰ ابواب تقصیر الصلوٰۃ)

جبکہ معذور کو بیٹھ کر پڑھنے سے پورا ثواب ملے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویتنفل مع قدرتہ علی القیام قاعداً لا

مضطجعًا إلّا بعذر ابتداءً وكذا بناءً بعد الشروع بلا كراهة كعكسه ۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۶ باب السنن والنوافل) ؎۱

عالم دین کے لیے سنتیں چھوڑنا جائز ہے

سوال :- کیا کوئی عالم دین یا مفتی لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے سنتوں کو چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- لوگوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی تعلیم وتعلم کے لیے شریعت مقدسہ نے ایک عالم دین کو اس مشغولیت کی بناء پر سنتیں چھوڑنے کی اجازت دی ہے لیکن فجر کی سنتیں چھوڑنے کی اس کو بھی اجازت نہیں ہے ۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله : ولا يجوز تركها لعالم صار مرجعًا في الفتاوى بخلاف باقي السنن كله تركها لحاجة الناس إلى فتواه ۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۵ باب النوافل) ؎۲

حاجی نفل نماز حرم شریف میں پڑھے یا ڈیرہ میں؟

سوال :- جناب مفتی صاحب! میرا حج پر جانے کا ارادہ ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایک حاجی کیلئے نفل نماز حرم شریف میں پڑھنا افضل ہے یا وہ اپنے ڈیرہ میں نفل نماز ادا کرے؟

الجواب :- بہتر یہ ہے کہ نفل نماز اپنی رہائش گاہ میں ادا کی جائے لیکن حرمین شریفین کی شرافت و عظمت کی بناء پر حاجی کیلئے نفل نماز حرمین شریفین میں پڑھنا افضل ہے اسلئے کہ حاجی کو یہ شرف کسی اور جگہ حاصل نہ ہوگا۔

لما قال العلامة ملا علي القاريؒ : والظاهر أن الكعبة والروضة الشريفة تستثنيان للغرباء لعدم حصولهما في مواضع آخر فتغتنم الصلوٰة فيهما قياسًا على ما قاله أئمتنا أن الطواف للغرباء أفضل من الصلوٰة النافلة ۔ (مرقاة ج ۳ ص۱۸۱ كتاب الصلوٰة)

؎۱ قال ابن نجيم المصري رحمه الله : ويتنفل قاعدًا مع قدرته على القيام ابتداءً وبناءً وقد حكى فيه إجماع العلماء۔ وبعد عدة أسطر قال وأما إذا صلاه مع عجزه فلا ينقص عن ثوابه قائمًا ۔ (البحر الرائق جلد ۲ ص۶۲ باب النوافل)

؎۲ قال العلامة ابن عابدينؒ : (فله تركها) الظاهر أن معناه أنه يتركها وقت اشتغاله بالإفتاء لأجل حاجة الناس المجتمعين عليه وينبغي أنه يصليها إذا فرغ في الوقت وظاهر التفرقة بين سنة الفجر وغيرها الخ (رد المحتار ج ۲ ص۱۵)

عصر کی نماز کے بعد منذور نفل پڑھنا

سوال:۔ ویسے تو عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب نفل نماز کی ادائیگی مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے نفل نماز کی نذر مانی ہو تو ان نوافل کو واجب ہونے کی بناء پر بعد از نمازِ عصر ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد مطلقاً نفل پڑھنا مکروہ ہے چاہے ان نوافل کا تعلق نذر شدہ نوافل سے ہو یا عام نوافل سے، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق عصر کی نماز کے بعد نفل نماز کی مانی ہوئی نذر کو کسی غیر مکروہ وقت میں ادا کیا جائے، عصر کے بعد ادا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة المرغیناني ؒ: ویکرہ أن یتنفل بعد الفجر حتی تطلع الشمس و بعد المغرب حتی تغرب لما روی انه علیه السلام نهی عن ذٰلك ولا بأس بان یصلی فی هٰذان الوقتین الفوائت ویسجد للتلاوة ویصلی علی الجنازة لان الکراهة کانت لحق الفرض لیصیر الوقت کالمشغول به لا لمعنی فی الوقت فلم تظهر فی حق الفرائض وفیما وجب لعینه کسجدة التلاوة وظهر فی حق المنذور لانه تعلق وجوب بسبب من جهته۔ (الهدایة ج ۱ ص۸۲ فصل فی الاوقات المکروہة - کتاب الصلوٰة) [۱]

تحیۃ الوضو پڑھنے سے قبل بیٹھنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص وضو کرکے مسجد میں آئے اور کچھ دیر کے لیے بیٹھ جائے پھر کھڑے ہوکر تحیۃ الوضو پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کرکے مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے قبل ہی دو رکعت نماز تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد پڑھے، تاہم اگر کسی عذر کی بناء پر پہلے بیٹھ کر پھر نماز پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

لقوله علیه السلام: اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔

---

[۱] لما فی الهندیة: ولو نذر ان یصلی فی الوقت المکروہ فأدی فیه یصح ویأثم ویجب ان یصلی فی غیرہ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۳ کتاب الصلوٰة - الباب الاول فی المواقیت - الفصل الثالث)

صلوٰۃ التسبیح با جماعت پڑھنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ رمضان المبارک میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھتے ہیں اور خواتین کو خصوصی طور پر لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرکے یہ نماز جماعت سے پڑھنے کے لیے مسجد میں بلایا جاتا ہے، تو صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صلوٰۃ التسبیح کا باجماعت پڑھنا شارع علیہ السلام سے منقول نہیں۔ اور چونکہ یہ نفل نماز ہے اور نفل نماز باجماعت پڑھنا خاص کر جب تداعی[1] کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔

لما قال فی الهندية: التطوع بالجماعة اذا كان على سبيل التداعي يكره في الاصل للصدر الشهيد اما اذا صلوا بجماعة بغير اذان واقامة في ناحية المسجد لا يكره۔ وقال شمس الائمة الحلوانی: ان كان سوى الامام ثلاثة لا يكره بالاتفاق وفي الاربع اختلف المشائخ والاصح انه يكره۔ هكذا في الخلاصة۔ (الفتاوى الهندية ج ١ ص ٨٣ الباب الخامس الامامة الفصل الاول في الجماعة من كتاب الصلوٰة)

صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات رہ جانے سے نماز کا حکم

سوال: اگر کسی شخص سے صلوٰۃ التسبیح کی پہلی رکعت میں تسبیحات رہ جائیں اور سلام پھیرنے سے قبل یاد آجائے کہ مجھ سے فلاں رکعت میں تسبیحات رہ گئی ہیں تو کیا سجدۂ سہو کرنے سے یہ نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اگر سجدۂ سہو نہ کرے تو کیا شرعاً یہ نماز صلوٰۃ التسبیح شمار ہوگی یا صرف نفل؟

الجواب: سجدۂ سہو ترکِ واجب سے لازم ہوتا ہے جبکہ تسبیحات واجب نہیں اس لیے ان کے رہ جانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، البتہ تسبیحات رہ جانے سے یہ نماز صرف نفل شمار ہوگی صلوٰۃ التسبیح کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ هكذا فی فتاوی رحیمیہ ج ۴ ص ۳۳۲ باب النوافل۔

---

[1] تداعی کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی چار ہوں تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، اور اگر مقتدی دو ہوں تو بلاکراہت جائز ہے لیکن جماعت کا ثواب پھر بھی نہ ہوگا۔ (رد المحتار علی الدر المختار جلد ۱ ص ۳۷۱: وفیہ قوله على سبيل التداعي بان يقتدى اربعة فاكثر بواحد)

باب التراویح
(تراویح کے احکام ومسائل)

سحری کو تراویح پڑھنے کا حکم

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تراویح سحری کے وقت پڑھتے ہیں، کیا سحری تک تراویح مؤخر کرنا مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب: مستحب یہ ہے کہ تراویح کو ثلث لیل یا نصف تک مؤخر کیا جائے، سحری تک مؤخر کرنا اگرچہ صحیح قول کے مطابق مکروہ تو نہیں مگر اس سے اجتناب کرنا مناسب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویستحب تأخیرها الیٰ ثلث اللیل او نصفه ولا تکره بعده فی الاصح۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴ باب الوتر والنوافل) [1]

تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں

سوال: نماز تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ موجودہ وقت میں جس اہتمام سے ہم تراویح پڑھتے ہیں دورِ رسالت یا خلفاء راشدین کے دور میں اس کی حیثیت کیا تھی؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہیں البتہ باقاعدہ اہتمام کی رعایت نہیں کی ہے، کیونکہ آپ کے اہتمام سے امت پر لزوم کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے بوجہ عذر چھوڑ دیں البتہ خلفاء راشدین کے دور میں یہ عذر باقی نہ رہا تو خلفاء راشدین نے باقاعدہ اہتمام سے تراویح پڑھی ہیں، بناء برایں مواظبت تراویح سنتِ مؤکدہ ہے۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلی: التراویح سنة مؤکدة لان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اقامها فی اللیالی......

واظب علیها الخلفاء الراشدین وجمیع المسلمین من زمن عمرؓ الیٰ یومنا هٰذا۔ ان أبا یوسف سأل ابا حنیفة عنها وما فعله عمرؓ۔ فقال التراویح سنة مؤکدة ولم یتخرجه عمرؓ من تلقاء نفسه۔ ولم یکن فیه مبتدعاً۔ ولم یأمر به الّا عن اصل لدیه وعهد من

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: وما فی البحر من ان الصحیح انه لا بأس بالتاخیر لا یدل علیٰ ثبوت کراهة التنزیه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴ باب الوتر والنوافل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۶۸ فصل فی التراویح)[1]

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال:۔ بیس رکعات تراویح کی دلیل کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کن وجوہات کی بنا پر اتنی اہمیت دی؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے جس پر آج تک تعامل چلا آرہا ہے، جہاں تک تعدادِ رکعات کا تعلق ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے علاوہ اکثر خلفاء راشدین کا متوارث طریقہ ہے، جب خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعت تراویح ایک قاری کی اقتداء میں پڑھنے کا حکم دیا تو اس دورِ صحابہؓ میں کسی نے آپ پر نکیر نہیں کی گویا انہوں نے آپؓ کے فیصلہ پر اجماع کیا، اصولی طور پر یہ فیصلہ بھی مرفوع روایت کے حکم میں ہے، اس لیے کہ صحابی کا عبادات میں خلافِ قیاس بات کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس نے یہ بات حضورؐ سے سُنی ہوگی، اس کے علاوہ جملہ امت کا اس پر اجماع ہوچکا ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وقد سنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وندب الیہا واقامہا فی بعض اللیالی ثم ترکہا خشیۃ ان تکتب علیٰ اُمتہٖ کما ثبت ذٰلک فی الصحیحین وغیرہما ثم وقعت المواظبۃ علیہا فی اثناء خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] قال الحصکفیؒ: التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین ـــ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ سنۃ مؤکدۃ صححہ فی الھدایۃ وغیرہا وھوالمروی عن ابی حنیفۃ وذکر فی الاختیار ان ابا یوسف سأل اباحنیفۃ عنہا وما فعلہ عمر فقال التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یتخرجہ عمر من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعًا ولم یامر بہ الّا عن اصل لدیہ وعہد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ایضًا تحت قولہ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین ای اکثرہم لان المواظبۃ علیہا وقعت فی اثناء خلافۃ عمرؓ ووافقہ علیٰ ذٰلک عامۃ الصحابۃ ومن بعدہم الیٰ یومنا ھٰذا بلا نکیر۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۴۳، باب التراویح)

وَمِثْلُہٗ الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۱ ص۶۵۳ الفصل الثالث عشر فی التراویح۔

ووافقه على ذٰلك عامة الصحابة رضى الله عنهم كما ورد ذلك فى السنن ثم ما زال الناس من ذٰلك الصدر الى يومنا هٰذا على اقامتها من غير نكير وكيف لا وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم عليكم بسُنّتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ، كما رواه ابوداؤد ـ واطلقه فشمل الرجال والنساء كما صرح به فى الخانية والظهيرية ـ الخ

وقوله عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما فى المؤطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون فى زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً ـــ وذكر العلامة الحلبىؒ: ان الحكمة فى كونها عشرين ان السنن شرعت مكملات للواجبات وهى عشرون بالوتر فكانت التراويح كذٰلك لتقع المساوات بين المكمل والمكمل انتهى ـ

(البحر الرائق ج٢ ص٦٦ تراويح فى باب الوتر والنوافل) [1]

بیس رکعات تراویح کے بارے میں حضرت ابن عباس کی روایت کی حیثیت

سوال: بیس رکعات تراویح کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی کیا حیثیت ہے؟ بعض اقوال سے تضعیف کی طرف میلان معلوم ہوتا

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصارىؒ: التراويح سنة مؤكدة توارثها الخلف عن السلف من لدن تاريخ رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا هٰذا هٰكذا روى الحسن عن ابى حنيفة وقد واظب عليها الخلفاء الراشدون وقال عليه السلام عليكم بسُنّتى وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى، واقامها ازواج النبى عليه السلام ـ

(الفتاوى التاتارخانية ج١ ص٦٥٣ الفصل الثالث عشر فى التراويح)

وعن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب فى شهر رمضان بعشرين ركعة ـ رواه البيهقى واسناده صحيح ـ

(آثار السنن ص٢٥ باب فى التراويح بعشرين ركعات)

وَمِثْلُهُ فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج١ ص٢٣٢ باب التراويح ـ

آثار السنن ص٢٥٣ باب فى التراويح بعشرين ركعات ـ

ہے، کیا اس کے ضعیف ہونے سے بیس رکعات کی حیثیت متاثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اگر کسی نے ضعیف بھی کہا ہو تو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر جب اس پر خیر القرون کے زمانے سے مسلسل عمل ہو رہا ہو تو امت کے تواتر عمل سے وہ حدیث مضمون کے اعتبار سے قوی بن جاتی ہے پھر وہ ضعیف نہیں رہتی، یہ اصولِ حدیث کا مسلّم اصول ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وأما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعند البیھقی من حدیث ابن عباسؓ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلّی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح اھ۔ قلت اما مخالفتہ للصحیح فقد یجاب عنھا بان ما فی الصحیح مبنی علی ما ھو الغالب من احوالہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وھٰذہ اللیلتین فقط ثمّ ترکہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فلذا لم تذکرہ عائشۃ رضی اللہ عنھا واما تضعیف من ذکر فقد یقال انہ بما مر من نقل الاجماع علی سنتھا من غیر تفصیل مع قول الامام رحمہ اللہ ان ما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ لم یتخرجہ من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعًا ولم یأمر بہ إلّا عن أصلٍ لدیہ وعھد من رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نتأمل منصفًا۔

(منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۶۷ باب السنن والنوافل) [1]

صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان جدا جدا نمازیں ہیں

سوال: صلوٰۃ اللیل (تہجد) یا قیام رمضان (تراویح) ایک ہی نماز

---

[1] وذکر العلامۃ عبد العلی بحر العلومؒ: وروی ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔ قال الشیخ عبد الحق قالوا اسنادہ ضعیف وتعارضہ حدیث اُمّ المؤمنین------ انہ لا معارضۃ لانّ اُمّ المؤمنین اخبرت لما علمت ولعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی عشرین فی بیتِ اُمّ المؤمنین میمونۃ وشاھد ذلک ابن عباس ومواظبۃ الصحابۃ علی عشرین قرینۃ صحۃ ھٰذہ الروایۃ۔ (رسائل الارکان ص۱۳۸ فصل فی التراویح)

کے نام ہیں یا جدا جدا نمازیں ہیں ؟

الجواب: صلوٰۃ اللیل اور تہجد کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے۔

کما یعلم من قول ابن عابدینؒ: نعم صلوٰۃ اللیل وقیام اللیل اعم من التھجد۔ الخ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۲۴ مطلب فی صلوٰۃ اللیل)

البتہ قیام رمضان اور تراویح دونوں ایک ہیں۔

کما یعلم من صنیع برھان الدین المرغینانیؒ بفصل فی قیام رمضان: یستحب ان یجتمع الناس فی شھر رمضان بعد صلوٰۃ العشاء فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات کل ترویحۃ بتسلیمتین الخ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۳۴ باب النوافل، فصل فی قیام رمضان)[1]

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کا مقصد

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ تراویح کے متعلق ہے یا تہجد کے متعلق ؟

الجواب: یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے تراویح کے متعلق نہیں ہے کیونکہ غیر رمضان میں تو تراویح نہیں پڑھی جاتی ہیں تراویح صرف رمضان کے ساتھ مخصوص ہیں لہٰذا غیر رمضان تہجد پر دال ہے۔

بحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عن ابی سلمۃ انہ اخبرہ انہ سأل عائشۃؓ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان۔ فقالت ماکان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اربعاً۔ فلا تسئل عن حسنھن وطولھن۔ ثم یصلی اربعاً۔ فلا تسئل عن حسنھن ثم یصلی ثلاثاً۔ الخ

قال شیخ مشائخنا مولانا الجنجوھیؒ: کان السائل ظن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلہ کان یزید فی رمضان علی ما تھجد فی غیرہ فردتہ بقولھا ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ ای فی غالب الاحوال والاوقات فالغرض الانکار علی زیادۃ رکعات التھجد لخصوصیتہ رمضان فلا ینافیہ ماکان یصلیہ

---

[1] قال العلامۃ السید محمد یوسف البنوریؒ: وبالجملۃ فالمراد بقیام رمضان التراویح۔ (معارف السنن ج ۵ ص ۵۴۳ باب ماجاء فی قیام رمضان)

فی بعض الاحیان فوق احدٰی عشرۃ رکعۃ وکذا لا تعلق لہ بصلوٰۃ التراویح نفیاً ولا اثباتاً۔ (فتح الملہم ج ۲ ص۲۹۱ باب صلوٰۃ اللیل وقدر رکعات النبیؐ) لہ

فرض نماز پڑھے بغیر نمازِ تراویح پڑھانے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی امام رمضان المبارک میں فرض نماز پڑھے بغیر تراویح کی نماز پڑھائے تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس امام نے خود فرض نماز نہیں پڑھی ہو تو تراویح میں اس کی اقتداء درست نہیں اور نہ خود اس کا ذمہ فارغ ہوتا ہے، کیونکہ تراویح سے پہلے عشاء کی نماز کا پڑھنا ضروری ہے۔

وفی الہندیۃ: فان وقتہا (ای التراویح) بعد اداء العشاء فتجب الاعادۃ اذا ادی قبل العشاء۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۱۱۵ فصل فی التراویح) لہ

تراویح میں شفع ثانیہ فاسد ہونے سے دو رکعات کی قضاء کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے چار رکعت تراویح کی نیت باندھی اور پھر تیسری یا چوتھی رکعت کے دوران سلام پھیر دیا یا شفع ثانیہ میں نماز فاسد ہوگئی تو کیا وہ نفل کی طرح دو رکعت یا چار رکعت کی قضاء کرے گا؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ تراویح اگرچہ بذاتِ خود سُنت ہیں لیکن چار چار رکعت پڑھنا سُنت نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں صرف دو رکعت کی قضاء کرنا کافی

لہ قال الشیخ ظفر احمد العثمانی: حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جس میں آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ رمضان وغیر رمضان میں نہیں پڑھتے تھے..... الخ، تراویح کے متعلق نہیں بلکہ صرف تہجد کے متعلق ہے، یعنی آپ تہجد میں اس سے زیادہ غالب اوقات میں نہیں پڑھتے تھے۔

(امداد الاحکام جلد ۱ ص۶۴۷ باب التراویح)

لہ قال الشیخ ابراھیم الحلبیؒ: وقال القاضی الامام النسفی۔ الصحیح ان وقتہا (ای التراویح) بعد العشاء لا تجوز قبلہا سواء کانت بعد الوتر او قبلہ وھو المختار۔

(غنیۃ المستملی کبیری ص۴۰۳ باب التراویح)

ومثلہ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۴۴ مبحث صلوٰۃ التراویح)

ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: وقضی رکعتین لو نوی اربعًا غیر مؤکدۃ علی اختیار الحلبی وغیرہ۔ ونقض فی خلال الشفع الاول او الثانی ای وتشہد للاول۔
(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۳۲ باب الوتر والنوافل)
لیکن شفع اولی کا اعادہ ترکِ واجب کی وجہ سے ضروری ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قولہ او الثانی) ای ولکن انما یقضی رکعتین لو اُتم الشفع الاوّل بقعدتہ۔ ثم شرع فی الثانی فنقضہ فی خلالہ قبل القعدۃ فیقضی الثانی فقط لتمام الاوّل لکن ینبغی اعادۃ الاول لترک واجب السلام مع عدم انجبارہ بسجود سہو کماھو الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع ترک الواجب۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲ باب السنن والنوافل)[1]

چار رکعات تراویح قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر چار رکعات تراویح قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھی جائیں اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا جائے، تو کیا یہ چار رکعات ہیں یا دو رکعات شمار ہوں گی؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں دوسرا شفع اور قرأت دوبارہ پڑھے گا، یہ صرف دو رکعات شمار ہوں گی۔

وفی الھندیۃ: عن ابی بکر الاسکاف انہٗ سُئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی الثانیہ قال ان تذکر فی القیام ینبغی ان یعود ویسلم۔ وان تذکر بعد ما سجد للثالثۃ فان اضاف الیھا رکعۃ اُخریٰ کانت ھذہ الاربع عن تسلیمۃ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قولہ وقضی رکعتین لو نوی اربعًا وافسدہ بعد القعود الاوّل او قبلہ یعنی فیلزمہ الشفع الثانی ان افسدہ بعد القعود الاوّل والشروع فی الثانی۔ والشفع الاوّل فقط ان افسدہ قبل القعود بناءً علی انہ لا یلزمہ بتحریمۃ النفل اکثر من الرکعتین وان نوی اکثر منھا وھو ظاہر الروایۃ عن اصحابنا الا بعارض الاقتداء۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۵۸ باب النوافل)
ومثلہٗ فی الفتاویٰ القاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۲۴۰ باب التراویح، فصل فی السجود۔

واحدۃ ۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح)[1]

ترویحہ خامسہ اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے سے ضعفاء کی رعایت اولیٰ ہے

سوال: تراویح اور وتر کے درمیان نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ قوم میں ضعیف لوگ بھی موجود ہوں اور تاخیر کرنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہو تو کیا نفل پڑھنا بہتر ہے یا ضعفاء کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب: اگر قوم کے ضعفاء کو انتظار کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو نفل پڑھنے کی بجائے جلدی وتر پڑھنے چاہئیں، کیونکہ نفل پڑھنے سے ضعفاء کی رعایت اہم ہے۔

وفی الھندیۃ: ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحۃ وکذا بین الخامسۃ والوتر کذا فی الکافی وھکذا فی الھدایۃ ۔ ولو علم ان الجلوس بین الخامسۃ والوتر یثقل علی القوم لایجلس ھکذا فی السراجیہ ۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۱۵ فصل فی التراویح)[2]

تراویح کے درمیان بیٹھنے کی صورت میں سکوت بھی جائز ہے

سوال: چار رکعات تراویح کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اگر کسی کو وہ دعا یاد نہ ہو تو تسبیح وتہلیل پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص خاموش رہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: چار رکعت تراویح کے بعد نفس بیٹھنا مستحب ہے، تسبیح وتہلیل ضروری نہیں البتہ اگر تین دفعہ یہ دعا پڑھے: سبحان ذی الملک والملکوت ... الخ تو اچھا رہے گا۔ اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو تسبیح وتہلیل بھی پڑھ سکتا ہے اور خاموش رہنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: فلو صلی الامام اربعا بتسلیمۃ ولم یقعد فی الثانیۃ فاظھر الروایتین عن ابی حنیفہؒ وابی یوسفؒ عدم الفساد ۔ ثم اختلفوا ھل تنوب عن تسلیمۃ او تسلیمتین ۔ قال ابو اللیث تنوب عن تسلیمتین ۔ وقال ابو جعفر وابن الفضل تنوب عن واحدۃ وھو الصحیح کذا فی الظھیریۃ والخانیۃ وفی المجتبیٰ وعلیہ الفتویٰ ۔ (البحر الرائق جلد۲ ص۶۷)

ومثلہ فی الفتاوی القاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۲۴۰ فصل فی السھو)

[2] قال الحصکفیؒ: یجلس ندباً بین کل اربعۃ بقدرھا کذا بین الخامسۃ والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءۃ وسکوت وصلوۃ فرادیٰ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶ باب التراویح)

قال الحصکفیؒ: ویجلس ندبًا بین کل اربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلوٰة فرادیٰ۔ وقال ابن عابدینؒ: تحت هٰذہ العبارة - قال القهسانیؒ: فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملك والملکوت سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والکبریاء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملٰئکة والروح لا اله الا الله نستغفرالله نسئالك الجنة ونعوذبك من النار۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶ مبحث فی صلوٰة التراویح)[1]

چار رکعات تراویح اور ظہر کی سنن قبلیہ کی ادائیگی میں فرق

سوال:۔ اگر کسی شخص نے نماز تراویح میں چار رکعت کی نیت باندھی، دو رکعت پر درمیانی تشہد بھول کر سجدۂ سہو کیا، کیا یہ چار رکعت شمار ہوں گی یا دو رکعات کے حکم میں رہیں گی؟ نیز ظہر کی سنن قبلیہ میں اگر قعدۂ اولیٰ رہ جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کیا جائے تو تراویح اور سنن مذکورہ کا ایک حکم ہے یا الگ؟

الجواب:۔ نماز تراویح میں چار رکعات کی نیت باندھ کر قعدۂ اُولیٰ کے رہ جانے سے مفتی بہ قول کے مطابق تراویح ایک تسلیمہ یعنی دو رکعت سے شمار کی جائیں گی۔ جبکہ سُنن ظہر میں سجدۂ سہو کرنے سے نماز مکمل ہوجاتی ہے، گویا ظہر کے سُنن کا حکم تراویح سے الگ ہے۔

لما فی الهندیة: ولوصلی اربعًا بتسلیمة و لم یقعد فی الثانیة ففی الاستحسان لاتفسد هو اظهر الروایتین عن ابی حنیفة وابی یوسف واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة هو الصحیح۔

(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح)

وفی الهندیہ: ولوصلی الاربع قبل الظهر ولم یقعد علیٰ رأس الرکعتین جاز استحسانًا۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۱۲ باب النوافل)

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وقد قالوا انهم مخیرون فی حالة الجلوس ان شاؤا سبحوا وان شاؤا قرؤا القرآن۔ وان شاؤا صلوا اربع رکعات فرادیٰ۔ وان شاؤا قعدوا ساکتین۔ واهل مکة یطوفون اسبوعًا ویصلون رکعتین واهل المدینة یصلون اربع رکعات فرادیٰ۔ (البحرالرائق ج۲ ص۶۹ باب الوتر والنوافل)

وفی الهندیة: ومنها القعدة الاولیٰ حتی لو ترکها یجب علیه السهو۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۷ باب سجود السهو) [1]

تیس ۳۰ رمضان کو شوال ہونے کے احتمال پر تراویح پڑھنے یا پڑھانے کا حکم

سوال: ہمارے علاقے میں اکثر تیس رمضان کو شوال ہوتا ہے، اگر صحیح شہادت نہ ملے تو اسی رات کو تراویح کی نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ اگر پڑھنی چاہیئے تو معمول کے مطابق یا رات کے آخری حصہ میں؟

الجواب: تراویح رمضان المبارک کا وظیفہ ہے، جب عید الفطر کا حکم نہ ہوا ہو تو روزہ اور تراویح دونوں معمول پر ہوں گے۔ لہٰذا اگر شوال کا احتمال بھی ہو تو تراویح اپنے مقررہ وقت پر ادا کی جائیں گی، تاہم اگر آخری شب میں عید الفطر کا چاند دیکھنے کی خبر آجائے تو تراویح نوافل میں تبدیل ہوجائیں گی۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تصوموا قبل رمضان صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۳۶ باب ماجاء ان الصوم لرؤیة الهلال والافطار) [2]

---

[1] قال العلامة حسن بن منصور الشهیر بقاضی خانؒ: اذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمة واحدة ولم یقعد فی الثانیة فی القیاس تفسد صلوته وهو قول محمدؒ وزفرؒ یلزمه قضاء هذه التسلیمة وهو روایة عن ابی حنیفة وفی الاستحسان هو اظهر الروایتین عن ابی حنیفة وابی یوسف لا تفسد...... قال الفقیه ابوجعفر والشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل فی التراویح تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة۔ وکذا لو صلی الاربع قبل الظهر ولم یقعد علی رأس الرکعتین جاز استحسانًا۔

(الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۲۳۹، ۲۴۰ فصل فی التراویح)

قال العلامة قاضی خان: اذا ترک القعدة الاولیٰ من ذوات الاربع والثلاثة یلزمه السهو ولو ترک فی التطوع لا تفسد صلوته فی قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ویلزمه السهو۔

(الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۱۲۱ باب سجود السهو)

[2] وعن رجل ان اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال اختلف الناس فی اخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشهدا عند النبی صلی الله علیه وسلم بالله لاهل الهلال امس عشیة فامر رسول الله صلی الله علیه وسلم الناس ان یفطروا زاد خلف فی حدیثه وان یغدوا الی مصلاهم۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۲۰ باب شهادة رجلین علی رؤیة هلال شوال)

ومثله فی رسائل الارکان ص ۲۰۶ فصل یفترض علی المکلفین ان یطلبوا هلال۔

حنفی المسلک آدمی کے لیے رمضان میں تراویح باجماعت پڑھانے کیلئے مستقل امام رکھنے کا حکم

سوال: ہم بسلسلہ روزگار متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں، وہ لوگ تراویح کی نماز بارہ رکعات پڑھتے ہیں، اگر ہم اپنے لیے یہاں رمضان میں حنفی امام رکھ کر مکان پر تراویح باجماعت پڑھنے کا انتظام کریں تو شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: اگر قانونی طور پر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ایسا کرنا درست بلکہ بہتر ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ولو کان لکل مذهب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواءٌ تقدم او تأخر علی ما استحسنه عامة المسلمین وعمل به جمهور المؤمنین من اهل الحرمین القدس ومصر والشام ولا عبرة بمن شذ منهم۔

(رد المحتار ج ۱ ص۵۶۵ باب الامامة، مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی الخ)

تراویح میں ختم قرآن کا حکم

سوال: تراویح کی نماز میں ختم قرآن کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: تراویح کی نماز میں ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے اور ایک سے زائد بار افضل ہے۔

قال الحصکفی رحمه الله: والختم مرة سنة ومرتین فضیلة وثلاثا افضل۔ (الدر المختار علی رد المحتار ج ۲ ص۴۶ باب التراویح) [1]

آٹھ رکعات تراویح میں مسنون ختم قرآن کا حکم

سوال: جس قرأت سے بیس رکعات تراویح جلدی جلدی پڑھائی جاتی ہیں اگر وہی قرأت آٹھ رکعات میں آہستہ آہستہ پڑھا کر ختم کی جائے تو کیا اس سے کفایت ہو گی یا نہیں؟

الجواب: سنت ختم قرآن تو ادا ہو جائے گی مگر تراویح کی سنت ادا نہ ہو گی وہ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: والجمهور علی ان السنة الختم مرة... الخ. ومرتین فضیلةٌ وثلاث مرات فی کل عشرة مرة افضل۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۶۸)

ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۱۸ الباب التاسع فی النوافل فصل فی التراویح۔

بیس رکعات پڑھانے سے ادا ہوگی۔

قال عبداللہ بن عمر النسفیؒ: وسن فی رمضان عشرون رکعة بعد العشاء قبل الوتر وبعدہ بجماعة والختم مرة بجلسة بعد کل اربع بقدرہا۔

(کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶ فصل فی التراویح) [له]

آٹھ رکعات تراویح پڑھنے اور پڑھانے کا حکم

سوال: کیا آٹھ رکعات تراویح پڑھنے اور پڑھانے والا فاسق اور بدعتی ہے یا نہ؟

الجواب: بیس رکعات تراویح باجماع امت وبمواظبت خلفاء الراشدین سنت مؤکدہ ہیں لہٰذا بغیر عذر شرعی بیس رکعت کو چھوڑ کر آٹھ رکعات تراویح پڑھنا موجب ملامت ہے جبکہ بیس رکعات کا منکر ضال اور مضل ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: فقیام رمضان بعشرین رکعة والوتر ھو السنة المؤکدة یضلل تارکھا ویلام من نقص عنھا۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۷۲ کیفیة القرأة فی التراویح) [۲]

ختم قرآن کا سنت ہونا تراویح کی نماز کے ساتھ خاص ہے

سوال: (۱) زید اور بکر دونوں حافظ قرآن ہیں اور دونوں ایک ہی مسجد میں تراویح کی نماز میں قرآن مجید سنانا چاہتے ہیں، تو کیا ان کے لیے یہ درست ہے کہ پہلی دس رکعات نماز تراویح میں زید اپنی منزل (سواپارہ) تلاوت کرکے سنادے، اور باقی دس رکعات

[له] قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ وھی عشرون رکعة ھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقاً وغرباً۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۵ باب النوافل والتراویح)

وَمِثْلُہٗ فی رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی التراویح۔

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین للرجال والنساء..... وھی عشرون رکعة۔ قال ابن عابدینؒ تحت عشرون ھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقاً وغرباً۔ (رد المحتار والدر المختار ج ۲ ص ۴۳، ۴۵ باب التراویح)

قال العلامة ابن عابدین: تارکھا یستوجب اساءة ای التضلیل واللوم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۷۴ باب صفة الصلوٰة)

وَمِثْلُہٗ فی الجوھرة النیرة ج ۱ ص ۱۱۷ باب قیام رمضان۔ ومنحة الخالق علی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۲ باب صفة الصلوٰة

میں بکر اپنی منزل پڑھے، یوں ایک مسجد میں دو ختم قرآن ہو جائیں گے؟

(ب) زید تراویح کی نماز میں قرآن مجید سناتا ہے جبکہ بکر فرض اور وتر کی نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہتا ہے تاکہ دو ختم کرلیں، شرعاً ان دونوں صورتوں میں کون سی درست ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں پہلی صورت جائز ہے اور دوسری صورت خلافِ سُنّت ہے کیونکہ تراویح میں قرآن مجید کا ختم کرنا سُنّت ہے، وتر یا فرائض میں یہ حکم نہیں، خاص کر یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ تطویلِ قرأت لوگوں کے لیے باعثِ زحمت ہو۔

قال الحصکفیؒ: والختم مرة سنة و مرتین فضیلة وثلاثاً افضل۔ وقال ابن عابدینؒ: تحت هٰذه العبارة ای قرأة الختم فی صلوٰة التراویح سنة۔ وصححه فی الخانیة وغیرها وقال بعد اسطر لکن فی الخانیة وغیرها ما یفید تخصیص التراویح)۔ (الدر المختار ورد المحتار جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ مبحث صلوٰة التراویح)[ل]

تراویح میں کئی بار قرآن ختم کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک حافظ کسی مسجد میں ایک دفعہ ختم کرنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں ختم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہاں کرسکتا ہے! کیونکہ امام اور مقتدیوں سب کے لیے نمازِ تراویح سُنّت ہے اس میں اقتداء المثل بالمثل ہے لہٰذا مقتدیوں کی اقتداء درست ہے، اور یہ بات کہ ختم قرآن، امام کے حق میں دوبارہ کسی قوم کے لیے پڑھنا فضیلت کے درجہ میں ہے اور مقتدیوں کے حق میں سُنّت ہے۔

علاوہ ازیں اقتداء سے پہلے قرأت نہ امام پر اور نہ مقتدیوں پر لازم ہے، اقتداء کرنے کے بعد امام پر بقدر ما تجوز به الصلوٰة فرض ہے اور اب امام جتنی قرأت بھی پڑھے حتیٰ کہ دو ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کردے امام اور مقتدیوں کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ **حاصل** یہ ہوا کہ حافظ کو دوسری مسجد میں قرآن ختم کرنے سے مقتدیوں کے مسنون ختم پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

وفی خزانة الروایت: قد روی بعض اهل العلم عن کنز الفتاوی رجل امّ قوماً

[ل] قال العلامة قاضی خان: ولو قرأ بعض القرآن فی سائر الصلوٰة بان کان القوم یملون من القرأة فی التراویح فلا بأس به لکن یکون لهم ثواب الصلوٰة لا ثواب الختم وقد ذکرنا ان السنة هی الختم فی التراویح۔ (الفتاوی القاضی خان علیٰ هامش الهندیة جلد ۱ ص ۲۳۵ فصل فی مقدار القرأة فی التراویح)

وَمِثْلُهٗ رسائل الارکان ص ۱۳۷ فصل فی التراویح۔

فی التراویح وختم فیہا ثم اَمّ قوماً اٰخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولہم ثواب الختم
(مجموعۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۲۲۴ باب التراویح) [1]

تراویح کی دو رکعات فاسد ہونے سے مسنون ختم ادا نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر ایک شخص نے تراویح میں قرآن سنا دیا ہو، دو رکعات میں قرآن مجید کا معتد بہ حصہ پڑھ کر اس کی نماز فاسد ہوگئی جس کی وجہ سے دوبارہ یہ دو رکعات ادا کرنی پڑیں، تو کیا اس فاسد نماز میں پڑھی ہوئی تلاوت کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ فاسد نماز میں جو قرأت کی گئی ہو اس کا ختم قرآن میں اعتبار نہیں ہوگا، اس کے لیے چاہیئے کہ یہ قرأت دوبارہ کی جائے ورنہ ختم قرآن ناقص رہے گا۔

وفی الہندیہ واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لا یعتد بما قرأ فیہ ویعید القرأۃ لیحصل لہ الختم فی الصلوٰۃ الجائزۃ۔ قال بعضہم یعتد بہا کذا فی الجوھرۃ۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۱۱۸ فصل فی التراویح) [2]

ختم قرآن میں بسم اللہ پر جہر کا حکم

سوال:۔ تراویح میں ختم قرآن مجید کی کسی سورت پر ایک دفعہ جہراً بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یا تمام سورتوں کی ابتداء میں اخفاء ضروری ہے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک سورۃ النمل کی آیت بسم اللہ کے علاوہ بسم اللہ پورے قرآن مجید سے مستقل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فاصلہ اور فرق کے لیے نازل ہوئی،

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی: وسن ختم القرآن فیہا ای مرۃ فی الشہر علی الصحیح وھو قول الاکثر۔ قال الطحطاوی ومرتین فضیلۃ وثلاثۃ فی کل عشرۃ مرۃ افضل اھ قلت والاطلاق یدل علی فضیلۃ الختم ثلاثا مطلقاً سواء کان فی مسجد واحد او فی ثلاث مساجد فی کل مسجد مرۃ۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص۶۲۰ باب التراویح)
ومثلہ فی کفایت المفتی ج ۳ ص۳۶۵ باب التراویح۔

[2] قال شیخ الاسلام ابوبکر الحداد: واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لا یعتد بما قرأ فیہ ویعید القرأۃ لیحصل لہ الختم فی الصلوٰۃ الجائزۃ قال بعضہم یعتد بہا۔
(الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص۱۱۸ باب قیام رمضان)۔

خصوصی طور پر کسی ایک سورۃ کا جزء نہیں، لیکن قرآن سے نفس آیت ہونے کی وجہ سے کسی ایک مقام پر بسم اللہ پر جہر کرنا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کا کوئی حصہ بغیر جہر کے نہ رہے، بنابریں صورت اگر کسی ایک سورت کے ساتھ بسم اللہ پر جہر نہ کی جائے تو سامعین کے حق میں قرآن کا ختم ایک آیت سے ناقص سمجھا جائیگا۔ تاہم اگر یہ سورت کے ابتداء میں سرًا پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفیؒ: (لا تسن (بین الفاتحۃ والسورۃ مطلقاً) ولو سریۃ ولا تکرہ اتفاقاً وما صححہ الزاہدی من وجوبہا ضعفہ فی البحر (وھی آیۃ) واحدۃ (من القرآن) کلہ (انزلت للفصل بین السُّوَر) فما فی النمل بعض آیۃ اجماعًا (ولیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ) فی الاصح. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ مطلب قرأۃ البسملۃ بین الفاتحۃ والسورۃ حسن ص ۳۶۲)[1]

رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں باجماعت نفل نماز میں ختم قرآن کرنے کا حکم

سوال:۔ رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں باقاعدہ نفل نماز میں شبینہ یعنی ختم قرآن کرانے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی حالت میں رمضان کی طرح وتر باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفل نماز کے لیے باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہمارے مسلک (احناف) کے قواعد سے موافق نہیں، ایسی حالت میں شبینہ کے لیے لوگوں کو جمع کرکے تراویح کی طرح نفل نماز میں قرآن کریم سُننا کراہت سے خالی نہیں۔ تاہم اگر انفرادی طور پر ایک شخص نفل نماز میں قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرے یا بغیر کسی اہتمام اور تداعی کے کسی نفل نماز میں ایک یا دو آدمی کسی حافظ قرآن کی اقتداء کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ وتر کی نماز رمضان کے علاوہ دوسرے اوقات میں جماعت سے علیٰ سبیل التداعی پڑھنا مکروہ ہے[1]

---

[1] قال الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: فالاولیٰ ان تکون آیۃ تامۃ من القرآن من غیر سورۃ النمل لان التی فی سورۃ النمل لیست بآیۃ تامۃ والدلیل علیٰ انہا آیۃ تامۃ حدیث ابن ابی ملیکۃ عن ام سلمۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی الصلوٰۃ فعدّھا آیۃ۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲ فصل اما القول فی انہا آیۃ اولیست آیۃ)

وقال ایضاً وان قرأھا مع کل سورۃ فحسن۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۴)

ومثلہ فی معارف السنن ج ۲ ص ۲۶۲ باب ماجاء کذلک الجھر بسم اللہ الخ

البتہ اگر ایک دو آدمی بغیر کسی التزام یا تداعی کے وتر باجماعت ادا کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولو صلوا الوتر بجماعة فی غیر رمضان فهو صحیح مکروه کالتطوع فی غیر رمضان بجماعة وقیده فی الکافی بان یکون علی سبیل تداعی۔ اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکره۔ واذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلفوا فیه وان اقتدی اربعة بواحد کره اتفاقاً۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۷ باب الوتر والنوافل) ؎۱

تراویح باجماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! تراویح کی نماز الگ پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ ادا کی جائے؟ اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تراویح کی نماز بذاتِ خود سنتِ مؤکدہ ہے لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنا سنتِ کفایہ ہے، اگر محلے کے چند افراد اس سنت کو جماعت کے ساتھ ادا کریں تو سب کا ذمہ فارغ ورنہ سب گنہگار ہوں گے، اگر کوئی شخص انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھے تو اس سے سنت تو ادا ہو جائے گی مگر جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والجماعة فیها سنة علی الکفایة فی الاصح فلو ترکها اهل مسجد اثموا الا لو ترك بعضهم وکل ما شرع بجماعة فالمسجد فیه افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۵ باب النوافل) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان۔ ای یکره ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۸ بحث صلوٰة التراویح)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۹ فصل فی قیام رمضان۔

؎۲ قال العلامة ابن عابدینؒ: والجماعة فیها سنة علی الکفایة الخ افاد ان اصل التراویح سنة عین فلو ترکها واحد کره بخلاف صلاتها بالجماعة فانها سنة کفایة فلو ترکها الکل اَسَاءُوْا اما لو تخلف عنها رجل من افراد الناس وصلی فی بیته فقد ترك الفضیلة۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۵ باب النوافل)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۶۸ باب النوافل۔

صلوٰۃ التراویح آٹھ رکعت ہیں یا بیس؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین صلوٰۃ التراویح کی مقدار کے متعلق کہ اس کی تعداد آٹھ رکعت ہے یا بیس رکعت؟ بعض غیر مقلدین حدیث عائشہ صدیقہؓ کی بناء پر جو کہ بخاری شریف وغیرہ میں مروی ہے، آٹھ رکعات کو سنت قرار دیتے ہیں اور بیس رکعات کا انکار کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

کما صرح به فی الهندية وشرح التنوير و مراقی الفلاح والجوهرة من کتب الحنفية۔ وفی الروضة والتوشيح من کتب الشافعية، والشرح الکبير من کتب المالکية، والروض ونيل المآرب من کتب الحنابلة۔

البتہ نماز تراویح کے عدد میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس نماز کا عدد بیس رکعات ہے۔

کما صرح به فی البدائع وغيره من کتب الحنفية و فی المجموع من کتب الشافعية وهی رواية عن مالك کما فی شرح المهذب، واختاره ابوعمر ابن عبدالبر المالکی کما فی شرح التقريب، وذکره ابن رشد فی البداية عن احمد، ورواه ابن قدامة فی المغنی عن احمد۔

اور ابن قاسم نے مدونہ میں امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ تراویح ۳۶ رکعات ہیں اور وتر تین رکعات ہیں۔ اور امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ کسی خاص عدد کے قائل نہیں ہیں اُن کے نزدیک اس میں توسع ہے، آٹھ رکعات، بیس رکعات، چھتیس رکعات تمام کی تمام جائز ہیں۔ اور حنفیہ کے مشائخ میں سے علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنتِ رسولؐ ہونے کی وجہ سے مؤکدہ ہیں اور بیس رکعات سنت خلفاء راشدین ہونے کی وجہ سے سنتِ زائدہ ہیں۔ بہرحال ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین میں سے کسی نے بھی آٹھ رکعات سے زائد (مثلاً بیس رکعات) کو بدعت یا مکروہ قرار نہیں دیا ہے۔

البتہ بعض غیر مقلدین نے آٹھ رکعات کو مسنون قرار دیا ہے اور اس سے زائد تعداد پر انکار کیا ہے اور اس مسئلہ کو، طلاقِ ثلاثہ کو ایک طلاق قرار دینے کے مسئلہ کی طرح بے علم اور کم علم لوگوں کے شکار کا دام بنا رکھا ہے۔ اعاذنا الله من شرور الفرق الشاذة المخالفة عن السواد الاعظم۔

یہ غیر مقلدین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تمسک کرتے ہیں۔

وھو ما رواہ البخاری ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ "یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو رمضان المبارک میں گیارہ رکعت پر اضافہ فرماتے تھے اور نہ غیر رمضان میں"۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴ کتاب التہجد)

نیز یہ لوگ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں:

وھو ما رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام بھم فی رمضان فصلی ثمانی رکعات والوتر۔ "(یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ کے ساتھ) رمضان میں قیام فرمایا اور آٹھ رکعات نماز ادا فرمائی اور وتر بھی پڑھے")۔ قال النیمویؒ مدارہ علی عیسی بن جاریۃ۔ قال الذھبیؒ قال ابن معینؒ عندہ مناکیر۔ وقال النسائیؒ منکر الحدیث۔ وعنہ ایضاً متروک۔ وقال ابو زرعۃ لا بأس بہ۔ وقال فی الخلاصۃ وثقہ ابن حبان۔ وقال ابو داؤد منکر الحدیث۔ انتھی

نیز یہ لوگ سائب بن یزید کی حدیث سے تمسک کرتے ہیں:

وھو ما رواہ مالک فی الموطا۔ انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

اور جمہور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:۔

وھو ما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی والبیہقی انہ علیہ الصلوۃ والسلام یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔ انتھی "(یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں سوائے وتر کے بیس۲۰ رکعات نماز ادا فرمایا کرتے تھے")۔ قال الزیلعیؒ ھو معلول بابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ۔

اور اس حدیث کے معلول ہونے کے باوجود اس سے استدلال درست ہے کیونکہ اس حدیث کی امت نے تلقی کی ہے۔ اور امام ابن قیمؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ جس حدیث کی امت تلقی کرے تو اس کو صحیح قرار دیا جائے گا اگرچہ وہ حدیث سنداً غیر صحیح ہو۔ نیز اس حدیث کو خلفائے راشدینؓ کے تعامل سے عظیم تائید اور تقویت حاصل ہوئی ہے۔

نیز جمہور امام بیہقیؒ کی "سنن کبریٰ" کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

وھو ما رواہ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ

وفی عہد عثمان وعلی[1]

اس حدیث سے واضح طور سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ راشدین کے دور میں بیس رکعات پر استقرار آیا ہے اور اس پر تعامل اور توارث رہا ہے' اور حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ (رواہ ابن ماجہ وغیرہ) کی بناء پر جیسا کہ سنتِ رسول کا اتباع ضروری ہے اسی طرح سنت خلفاء راشدین کا اتباع بھی ضروری ہے اور اس سے اعراض یا اس پر اعتراض، حدیثِ رسول اور قولِ رسول سے اعراض اور اس پر اعتراض ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

نیز یہ سنتِ خلفاء راشدین وہ سنت ہے جس کا ادراک عقل اور اجتہاد سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کسی چیز کا عدد اور مقدار، فکر اور رائے سے متعین نہیں ہوسکتا تو ایسی سنت درحقیقت سنتِ رسول ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ اہل ظاہر نے اس حدیث کو سنداً اور متناً معلول قرار دیا ہے، کیونکہ امام آجری نے امام ابوداؤد سے روایت کیا ہے کہ امام احمد نے یزید بن الخصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے' نیز اہل ظاہر کہتے ہیں کہ یہ حدیث متناً مضطرب ہے' اس کی بعض روایات میں گیارہ رکعات پڑھنا بھی مروی ہے۔ کما رواہ مالک فی الموطا، نیز یہ حدیث حدیثِ عائشہ صدیقہؓ سے معارض ہے جو کہ اس حدیث سے قوی ہے۔

جمہور نے ان اعتراضات کے اہل ظاہر کو دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔ اوّل یہ کہ ائمہؒ نے اس حدیث کی تلقی کی ہے اور اس پر اخذ کیا ہے، اور خطیبؒ نے اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں اور ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں اور ابن عبدالبرؒ نے استذکار میں اور دیگر اہل فن نے اپنی تالیفات میں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس حدیث کی اہلِ علم تلقی کریں تو یہ تلقی اس حدیث کی صحت کی شہادتِ عادلہ ہے۔

دوم یہ کہ یزید بن خصیفہؒ مشہور تابعی ہے اور اس سے امام مالکؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے' ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، یحییٰ بن معینؒ' ابوحاتمؒ، نسائیؒ، ابن سعدؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ کما فی تہذیب التہذیب' وتہذیب الکمال للمزی، والہدی الساری' اور حافظ ابن حجرؒ نے الہدی الساری میں آجری کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے اثرم کی روایت میں اس کو ثقہ کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ امام احمدؒ اس راوی کو منکر الحدیث کہتے ہیں کہ وہ اپنے اقران میں کسی حدیث کی روایت کرنے میں متفرد ہو اور یہ

---

[1] حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اولاً ۱۳ رکعات نماز پڑھی جاتی تھی پھر حضرت عمرؓ نے ۲۳ رکعات پڑھنے کا حکم دیا، ۲۰ تراویح اور ۳ وتر، بعد میں اسی پر استقرار ہوا۔

قاعدہ مسلمہ ہے کہ ثقہ راوی کا تفرد مقبول ہوتا ہے جب تک دلیل سے اس کا غلط ہونا ثابت نہ ہو پس اسی بناء پر یزید بن خصیفہ کی حدیث مقبول ہوگی۔

اور دعویٰ اضطراب کا جواب یہ ہے کہ ابن عبدالبر اور ابوبکر بن العربی نے روایت احدیٰ عشر کو امام مالکؒ کا وہم قرار دیا ہے لیکن چونکہ عبدالعزیز بن محمد اور یحییٰ بن سعید القطان امام مالکؒ کے متابع ہیں، کما لایخفی علیٰ من راجع الیٰ سنن سعید بن منصور ومصنف ابن ابی شیبہ لہٰذا امام مالکؒ کا وہم میں پڑنا ناقابلِ تسلیم ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کو اختلافِ اوقات پر محمول کیا ہے یعنی جب طویل قرأت کرتے تو آٹھ یا بارہ رکعات پڑھتے اور جب مختصر قرأت کرتے تو بیس رکعات پڑھتے۔ کما فی فتح الباری۔

اور بعض ائمہ نے اس اختلاف کو ترویج پر محمول کیا ہے، یعنی اولاً آٹھ یا بارہ رکعات پڑھی جاتی تھیں اور بالعاقبت بیس پر استقرار ہوا۔ کما قال الشعرانی فی کشف الغمۃ کانوا یصلونہا فی اول زمان عمر بثلث عشر رکعۃ ثم عمر امر یفعلہا ثلاثا وعشرین رکعۃ، ثلاث لہا وتر، واستقرالامر علیٰ ذٰلک۔ قالہ النیموی۔ کما استقر الامر فی خلافتہ علیٰ ضرب الثمانین فی الخمر وکما استقر الامر علی النہی عن بیع امہات الاولاد وکما استقر الامر علیٰ اربع تکبیرات الجنائز وکما استقر الامر علی القرأۃ فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما فی الاوجز۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ترجیح اور تطبیق سے اضطراب ساقط ہوجاتا ہے۔

اور اہلِ ظاہر کے اس اعتراض کا کہ یزید کی حدیث حدیثِ عائشہؓ سے معارض ہے جو کہ اقویٰ ہے، جواب یہ ہے کہ حدیثِ یزید اور حدیثِ عائشہ صدیقہؓ میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حدیثِ عائشہؓ میں ان رکعات سے نمازِ تہجد مراد ہے نہ کہ قیامِ تراویح اور قیامِ رمضان، کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھی جاتیں، اور عندالتحقیق تراویح اور تہجد الگ الگ حقائق ہیں، اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں نہیں ہیں تو اہلِ ظاہر کو کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں بھی اختلاف ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب مایقرء فی رکعتی الفجر کے تحت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تیرہ رکعات کی حدیث روایت کی ہے۔

ولفظہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین۔

اس اختلاف اور تعارض کا اہلِ ظاہر کیا جواب دیتے ہیں؟

اگر اہلِ ظاہر یہ جواب دیں کہ احدیٰ عشرۃ والی حدیث غالب پر محمول ہے اور زیادت بعض اوقات پر محمول ہے تو ان اہلِ ظاہر کا آٹھ رکعات پر جمود باطل ہوا اور خود اپنی تلوار سے قتل ہوئے، اور اگر اہلِ ظاہر اس تطبیق سے اعراض کریں تو اختلاف کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رض کی دونوں روایات ساقط ہوئیں اور یزید بن خصیفہ کی حدیث بلا تعارض رہ گئی اور واجب العمل ہوئی۔

واضح رہے کہ جمہور کا مسلک نظر اور شواہد کی رو سے بھی قوی ہے کیونکہ دن رات بیس بیس رکعات فرائض اعتقادیہ اور فرائض عملیہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ تراویح بھی جو کہ فرائض کے مکملات ہیں بیس رکعات ہیں جیساکہ سنن قبلیہ اور بعدیہ بھی بیس رکعات ہیں۔

اہلِ ظاہر کے دلائل کے جوابات یہ ہیں کہ حدیثِ عائشہ صدیقہ رض تہجد پر محمول ہے نہ کہ تراویح پر، نیز غالب پر محمول ہے نہ کہ دائم پر، ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایات متعارض ہوں گی، بلکہ امام احمد نے زیاداتِ مسند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسناد حسن سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سولہ رکعات نفل پڑھتے تھے، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ابتداء پر محمول ہے جبکہ بیس رکعات پر استقرار نہ ہوا تھا۔

اور حدیثِ جابر رض سے حافظ ابن حجر رح نے یہ جواب دیا ہے: لا کنہ فعل جزئی فی لیلۃ واحدۃ لا یدل علی نفی الزیادۃ تلک اللیلۃ۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء الامر پر محمول ہے۔ وقد مر سابقا جواب حدیث السائب۔

واضح رہے کہ ابن الہمام رح سے دیگر مشائخ نے اتفاق نہیں کیا کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیس رکعت پڑھنا فعلِ رسول ﷺ سے ثابت ہے، نیز حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین میں لفظ علیکم سنتِ رسول ﷺ اور سنتِ خلفاء کو یکساں متوجہ ہے، تو دونوں میں فرق کرنا سمجھ سے بالا ہے، نیز یہ سنتِ خلفاء اگرچہ ظاہراً موقوف ہے لیکن درحقیقت مرفوع ہے۔

بعد مہ کونہ مدرکا بالرای والقیاس وھو الموفق والھادی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا
خیر خلقہ محمدٍ وآلہ
واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

باب ادراک الفریضۃ

(جماعت میں ملنے کے احکام و مسائل)

صرف اقامت سننے ہی نماز نہ توڑے

سوال :- ایک شخص نے نفل کی نیت باندھ کر نماز شروع کی ہی تھی کہ مؤذن نے جماعت کیلئے اقامت شروع کردی، تو کیا یہ شخص نفل نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے یا نفل نماز پوری کرے؟

الجواب :- جماعت میں شرکت واجب ہے لہٰذا متنفل کو چاہیئے کہ جماعت فوت ہو جانے کی وجہ سے نفل توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے تاہم صرف مؤذن کی اقامت سننے کی صورت میں دو رکعت پورا کرنے سے قبل نماز نہ توڑے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: شرع فیھا اداء..... منفرداً ثم اقیمت أی شرع فی اقامۃ لا المؤذن ولا شروع فی مکان وھو فی غیرہ یقطعھا العذر احراز الجماعۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۰ باب ادراک الفریضۃ)[1]

جماعت ملنے کی امید پر فجر کی سنتیں پہلے پڑھنے کا حکم

سوال :- صبح کی نماز باجماعت ہو رہی ہو اور مسجد کے صحن میں کوئی مستقل جگہ سنت پڑھنے کے لیے نہ ہو جبکہ امام کی قرأت بھی سنائی دیتی ہو تو ایسی حالت میں سنت پڑھنا ضروری ہے یا جماعت کے ساتھ شریک ہو کر سنت ترک کرنا چاہیئے؟

الجواب :- فجر کی سُنتوں کی احادیث میں بہت تاکید وارد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تدعوھما ان طردتکم الخیل۔ (ابوداؤد ج۱ ص۱۸۶ فی باب فی تخفیفھما) اس لیے حتی الامکان سنت پڑھنے کی کوشش کی جائے اور جماعت میں شریک ہونے سے قبل کسی علیحدہ جگہ سُنتیں پڑھی جائیں، جب تک جماعت میں دوسری رکعت کے رکوع کا ادراک ممکن ہو تو سُنتیں ترک نہیں کی جائیں گی، اگرچہ بعض نے تشہد کے ادراک کے ممکن ہونے کا قول کیا ہے جبکہ ابن الھمام کے

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: اذا شرع المصلی فی اداء الفرض او قضائہ منفرداً او فی نفل..... فاقیمت الجماعۃ فی محل ادائہ..... قطع بتسلیمۃ قائماً وبعدہ اقتدیٰ علی الصحیح۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۶۵ باب النوافل)

قول کے مطابق قبل سلام تک ادراک کی اُمید ہو تو سنت پڑھی جائیں گی۔ تاہم اگر مسجد کے اندر جگہ نہ ہو تو دروازہ کے قریب پڑھنی چاہئیں۔

قال الحصکفیؒ: واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها لکون الجماعة اکمل، والا بان رجاء ادراك رکعة فی ظاهر المذهب وقیل التشهد۔ واعتمده المصنف والشرنبلالی تبعاً للبحر لکن ضعفه فی النهر لا یترکها بل یصلیها عند باب المسجد ان وجد مکاناً والا ترکها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد۲ صفحہ۵۶ باب ادراك الفریضة، مطلب هل الاساءة دون الکراهة الخ) [1]

فجر کی سُنّتوں کی قضاء کا حکم

سوال:۔ اگر فجر کی سُنت فرض نماز کی وجہ سے فوت ہو جائیں تو فرض نماز کے بعد ادا کرنی چاہئیں یا طلوعِ آفتاب کے بعد؟ بعض علماء سے سُنا ہے کہ اس کا سرے سے اعادہ ہے ہی نہیں؟

الجواب:۔ صبح کی سُنتوں کی اہمیت اور تاکید متعدد روایات سے ثابت ہے، بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان فرض نماز سے قبل پڑھی جائیں، البتہ اگر کسی سے بصورت مجبوری ترک ہو جائیں تو فرض نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک باتفاق علماء احناف قضاء نہیں کی جائیں گی، البتہ طلوعِ آفتاب کے بعد اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے ہاں قضاء نہیں جبکہ امام محمدؒ کے ہاں بحکم نفل قضاء کرنا افضل ہے، طلوعِ آفتاب کے بعد فرض کی تبعیت میں یہ دو رکعت ادا کی جاسکتی ہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: لم تقض سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفرض فتقضی تبعاً للفرض سواء قضاها مع الجماعة او وحده لان الاصل فی السنة ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب۔

والحدیث ورد فی قضائها تبعاً للفرض فی غداة لیلة التعریس فبقی ما وراءه

---

[1] قال برهان الدین المرغینانیؒ: ومن انتهی الی الامام فی صلوٰة الفجر وهو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوته رکعة ویدرك الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل لانه امکنه الجمع بین الفضیلتین وان خشی فوتهما دخل مع الامام لان ثواب الجماعة اعظم والوعید بالترك الزم بخلاف سنة الظهر الخ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۱ ص۴۱۲ باب ادراك الفریضة)

علی الاصل۔ فافاد المصنف انہا لا تقضیٰ قبل طلوع الشمس اصلاً ولا بعد الطلوع اذا کان قد أدی الفرض وشمل کلامہ ما اذا قضاھما بعد الزوال او قبلہ ولا خلاف فی الثانی۔ واختلف المشائخ فی الاول علیٰ قولھما والصحیح کما فی غایۃ البیان أنہا لا تقضیٰ تبعاً۔ لان النص ورد بقضائہا فی الوقت المھمل بخلاف القیاس وما ورد علی خلاف القیاس فغیرہ علیہ لا یقاس۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۷۴ باب ادراک الفریضۃ) ۱

چار رکعات ظہر کی سُنت رہ جانے کی صورت میں آخری دو رکعات سنت سے پہلے ترتیب کا مسئلہ

سوال:۔ اگر ایک شخص سے ظہر کی پہلی چار رکعات سنت فوت ہو جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد دو رکعات سُنت پڑھنے کے وقت ترتیب کیسے ہونی چاہیئے؟ کیا چار رکعت سنت پہلے پڑھی جائیں گی یا آخری دو رکعات کو مقدم کرے؟

الجواب:۔ جواز میں دونوں صورتیں برابر ہیں البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی تحقیق کو مدنظر رکھ کر دو رکعات سنتیں پہلے پڑھنی چاہئیں، کیونکہ چار رکعات سنت کے فوت ہونے کی وجہ سے دو رکعات تو کم از کم اپنے مقام پر رہیں، ورنہ بصورتِ دیگر دونوں سُنتوں کی ادائیگی اپنے مقام پر نہیں رہے گی۔

قال الحصکفیؒ: ثم یأتی بہا ای علیٰ سنۃ الظھر القبلیۃ) علیٰ انہا سنۃ فی وقتہ (ای الظھر) قبل شفعہ عند محمدؒ وبہ یفتی۔

قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ: اقول وعلیہ المتون لکن راجح فی الفتح تقدیم الرکعتین قال فی الامداد وفی فتاوی العتابی انہ المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انہ الاصح لحدیث عائشۃؓ علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا فاتتہ الاربع قبل الظھر یصلیھن بعد الرکعتین وھو قول ابی حنیفۃ

---

۱ قال الحصکفیؒ: ولا یقضیھا (ای سنۃ الفجر) الا بطریق التبعیۃ لقضاء فرضھا قبل الزوال لا بعدہ فی الاصح لورود الخبر بقضائہا فی الوقت المھمل بخلاف القیاس فغیرہ علیہ یقاس۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۷ باب ادراک الفریضۃ)

کذا فی جامع قاضی خان۔ (الدر المختار ورد المحتار ج۲ ص۵۸ باب ادراک الفریضۃ)[1]

جمعہ کے دوگانہ فرض سے قبل چار رکعت سُنتوں کا حکم

سوال: نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت رہ جانے کی صورت میں نماز جمعہ کے پڑھنے کے بعد فوت شدہ سنن کی قضاء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ سننے میں آیا ہے کہ بعض لوگ اس کی قضاء کے قائل ہیں اور کچھ لوگ انکار کر رہے ہیں۔ از روئے شرع مفتی بہ قول کا تعین کریں؟

الجواب: اس مسئلہ میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہی چار رکعت سنت جمعہ پڑھنے کے بعد پڑھی جائیں۔ قال ابن نجیم المصریؒ: وحکم الاربع قبل الجمعۃ کالاربع قبل الظهر (البحر الرائق جلد ۲ ص۷۹)
مگر بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ یہ چار رکعت سنت جو جمعہ سے پہلے ہیں جب وہ اپنے وقت سے فوت ہوجائیں تو فرض کے بعد نہیں پڑھی جائیں گی، ابن عابدینؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ظہر کی سُنتوں کے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت موجود ہے، اس بناء پر ظہر کی سُنن قبلیہ فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں مگر جمعہ کی سنن قبلیہ کے متعلق کہیں بھی روایات میں یہ ذکر نہیں کہ وہ جمعہ کے بعد پڑھی گئی ہیں۔ اور اصل

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وقضی التی قبل الظهر فی وقتہ قبل شفعہ بیان لشیئین احدهما القضاء والثانی محلہ اما الاول ففیہ اختلاف والصحیح انها تقضی کما ذکرہ قاضی خان فی شرحہ مستدلاً بما عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظهر قضاهن بعدہ۔ وظاهر کلام المصنف انها سنۃ لا نفل مطلق۔ وذکر قاضیخان انہ اذا قضاها فهی لا تکون سنۃ عند ابی حنیفۃ وعندهما سُنۃ وتبعہ الشارح۔ وتعقبہ فی فتح القدیر بانہ من تصرف المصنفین فان المذکور من وضع المسئلۃ الاتفاق علی قضاء الاربع وانما الاختلاف فی تقدیمها او تاخیرها۔ والاتفاق علی انها تقضی اتفاق علی وقوعها سنۃ الی آخر ما ذکرہ۔ واما الثانی فاختلف فیہ النقل عن الشیخین فذکر فی الجامع الصغیر للحسامی ان ابا یوسفؒ یقدم الرکعتین ومحمدؒ یؤخرهما۔ وفی المنظومۃ وشروحها علی العکس۔ وفی غایۃ البیان ویحتمل ان یکون عن کل واحد من الامامین روایتان۔ ورجح فی فتح القدیر تقدیم الرکعتین لان الاربع فاتت عن الموضع المسنون فلا یفوت الرکعتین عن موضعها قصداً بلا ضرورۃ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب ادراک الفریضۃ)

سنتوں میں یہ ہے کہ ان کی قضاء نہ ہو، اس بناء پر جمعہ کی سنتیں فرض نماز کے بعد نہیں پڑھنی چاہئیں۔

قال ابن عابدینؒ: اقول قال شیخنا الشیخ محمد السراجی الحانوتی۔ واما کونہا اھل تقضی اولا فعلی ما قالوہ فی المتون وغیرھا من ان سنۃ الظھر تقضی یقتضی ان تقضی سنۃ الجمعۃ اذ لا فرق لکن فی روضۃ العلماء فی باب من سمع الاذان واذا جاء الرجل الی الجمعۃ فی وقت الامامۃ ھل یصلی اربع رکعات التی یصلیھا قبل الجمعۃ ام لا۔ قال لا یصلی بل یسکت ثم یدخل مع الامام فی صلوتہ وسقطت عنہ ھذہ الاربع۔ لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ انہ قال اذا خرج الامام فلا صلوۃ الا المکتوبۃ اھ ذکرہ فی فتاواہ التی وقعت لہ ۔ واللہ اعلم خیر الدین الرملی۔ اقول فی ھذا الاستدلال نظر فانہ یدل علی انھا لا تصلی بعد خروجہ لا علی انھا تسقط بالکلیۃ حتی انھا تقضی بعد فراغہ من المکتوبۃ والا لزم ان لا تقضی سنۃ الظھر ایضا اذا جاء ووجد الامام شارعا فی الظھر مع انہ ورد النھی عن الصلوۃ عند الامامۃ کما فی حدیث الصحیحین وغیرھما اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ نعم قد یقال ان الاصل عدم قضائھا اذا فاتت عن محلھا۔ واما السنۃ الظھر فانما قالوا بقضائھا لحدیث عائشۃؓ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظھر قضاھن بعدہ کما قدمہ المؤلف فتکون سنۃ الظھر خارجۃ عن القیاس للحدیث المذکور فلا تقاس علیھا سنۃ الجمعۃ فتامل۔ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۲ ص ۷۵) [1]

---

[1] قال العلامۃ محمد امین الشہیر بابن عابدینؒ: قولہ وکذا الجمعۃ ای حکم الاربع قبل الجمعۃ کالاربع قبل الظھر کما لا یخفی بحر وظاھرہ انہ لم یرہ فی البحر منقولا صریحا وقد ذکرہ فی القھستانی لکن لم یعزہ الی احد وذکر السراج الحانوتی ان ھذا مقتضی ما فی المتون وغیرھا لکن قال فی روضۃ العلماء انھا تسقط لما روی انہ علیہ الصلوۃ والسلام قال اذا خرج الامام فلا صلوۃ الا المکتوبۃ اقول وفی ھذا الاستدلال نظر لانہ انما یدل علی انھا لا تصلی بعد خروجہ لا علی انھا تسقط بالکلیۃ ولا تقضی بعد الفراغ من المکتوبۃ والا لزم ان لا تقضی سنۃ الظھر ایضا فانہ ورد فی حدیث مسلم وغیرہ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ نعم قد یستدل للفرق بینھما بشیء آخر وھو ان القیاس فی السنن عدم القضاء کما مر وقد استدل قاضی خان لقضاء سنۃ الظھر بما عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظھر قضاھن بعدہ فیکون قضاؤھا ثابت بالحدیث علی خلاف القیاس کما فی سنۃ الفجر کما صرح بہ فی الفتح فالقول بقضاء سنۃ الجمعۃ یحتاج الی دلیل خاص وعلیہ فتنصیص المتون علی سنۃ الظھر دلیل علی ان سنۃ الجمعۃ لیست کذلک۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۸ باب ادراک الفریضۃ)

ادا کی ہوئی نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص ایک دفعہ فرض، واجب یا سنت ادا کرے تو دوبارہ پڑھنے سے اس کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ جب فرض نماز ایک دفعہ ادا کرلی گئی تو اس سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے دوبارہ پڑھنا کسی سے منقول نہیں، بلکہ حدیث میں ایک فرض کو دو مرتبہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سلمان بن یسار "یعنی مولیٰ میمونۃ" قال اتیت ابن عمرؓ علی البلاط وھم یصلون فقلت الا تصلی معھم قال قد صلیت انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین۔ (ابوداؤد ج۱ ص۹۳ فی باب اذا صلی فی جماعۃ ثم یدرک جماعۃ یعید)

البتہ ایک دفعہ انفراداً پڑھ لینے کے بعد جب جماعت میں شرکت کا موقعہ ملے تو ظہر اور عشاء کی نماز میں امام کے ساتھ شرکت بہتر ہے تاکہ جماعت سے مخالفت نہ آئے اور اس کی حیثیت نفل کی ہوگی، لیکن عصر، مغرب اور فجر میں اپنی نماز پر اکتفاء کرے گا، جماعت میں شرکت جائز نہیں، کیونکہ عصر اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مشروع نہیں اور مغرب کی نماز میں تین رکعات نفل پڑھنا شرعاً ثابت نہیں، اور اسی طرح وتر نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ بنا بریں صورت سنن کا دوبارہ پڑھنا بطریق اولیٰ نفل ہے۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لان الفرض لا یتکرر فی وقت واحد وصرح فی الحاوی القدسی ان ما یؤدی مع الامام نافلۃ یدرک بھا فضیلۃ الجماعۃ۔ وقال بعد عدۃ اسطر اما اذا اُدی الامام الفرض والقوم النفل فلا (یعنی فلا کراھۃ) لقولہ علیہ السلام للرجلین اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما صلوٰۃ قوم فصلیا معھم واجعلا صلوٰتکما معھم سبحۃ ای نافلۃ کذا فی الکافی۔

(البحر الرائق جلد۲ ص۷۱،۷۲ باب ادراک الفریضۃ)

وایضاً قال بعد صفحۃ واحدۃ: والتنفل بعدھا تین الصلاتین (ای الظھر والعشاء) لیس بمکروہ۔ واَمّا فی الفجر والعصر فلا یکرہ لہ الخروج لکراھۃ التنفل بعدھما۔ واَما فی المغرب فلمّا فیہ من التنفل بالثلاث او مخالفۃ الامام

ان اتمّها اربعًا۔ وكل منهما مكروه كما سبق۔ (البحر الرائق جلد۲ ص۴۳ باب ادراك الفريضة)

کسی کے امداد طلب کرنے یا والدین کے بلانے پر نماز توڑنے کا حکم

سوال: اگر والدین بیٹے کو آواز دیں اور بیٹا فرض یا سنت نماز میں مشغول ہو تو کیا والدین کے بلانے پر بیٹا نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی اگر ایک شخص نماز میں مشغول کسی شخص کو مدد کے لیے بلائے تو یہ شخص تعاون اور امداد کرنے کے لیے اپنی نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر والدین یا اجداد صرف آواز دیں تو تعمیلِ حکم کے لیے نفل نماز توڑنا جائز ہے البتہ بلاضرورت فرض نماز توڑنے کی اجازت نہیں، جبکہ بصورتِ استغاثہ (امداد طلبی) کے فرض نماز بھی توڑنا واجب ہے، بلکہ کسی شخص کی امداد کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بن بلائے بھی فرض نماز توڑنا واجب ہے۔

قال الحصكفيؒ: ولو دعاه احد ابويه فى الفرض لايجيبه الّا ان يستغيث به وفى النفل ان عَلِمَ انهٗ فى الصلٰوة فدعاه لايجيبهٗ والّا اجابهٗ۔

وقال ابن عابدينؒ: تحت هٰذه العبارة اى يطلب منه الغوث والاعانة وظاهره ولو فى امر غير مهلك واستغاثه غير الابوين كذٰلك۔ ط والحاصل ان المصلّى متٰى سمع احدًا يستغيث وان لم يقصده بالنداء او كان اجنبيًا وان لم يعلم ما حل به او عَلِمَ وكان له قدرة على اعانته وتخليصه

---

[1] لما قال العلامة الحسن بن عمار الشرنبلالى: وان صلى ثلاثًا من رباعية فاقيمت اتمّها اربعًا منفردًا ..... ثم بعد الاتمام اقتدٰى متنفلا ان شاء وهو افضل لعدم الكراهة الّا فى العصر والفجر للنهى عن التنفل بعدهما وفى المغرب للمخالفة لانه صلى الله عليه وسلم قال اذا صلّيت فى اهلك ثم ادركت الصلٰوة فصلّها الا الفجر والمغرب وقوله فصلّها يعنى نفلًا لانهٗ اَمَرَ به نصًّا لرجلين لم يصليا معه الظهر واخبرا بصلاتهما فى رحالهما فقال عليه السلام اذا صليتما فى رحالكما ثم اتيتما صلٰوة قوم فصلّيا معهم واجعلا صلاتكما معهم سبحة اى نافلة قال السيد احمد الطحطاوى تحت قوله اقتدٰى متنفلا ان شاء) قال فى البحر عن الحاوى انه يدرك هٰذه النافلة فضيلة الجماعة۔ (الطحطاوى حاشية مراقى الفلاح ص۲۶۶ باب ادراك الفريضة)

وجب علیہ اعانتہ وقطع الصلوٰۃ فرضاً کانت اوغیرہ۔ ؎۱

(الدر المختار و رد المحتار ج۲ ص۵۱ باب ادراک الفریضۃ وایضاً فی ج۲ ص۷)

وتر کی جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد فرض نماز پوری کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی آدمی چار رکعت فرض نماز کی نیت باندھے، تین رکعت پڑھ چکنے کے بعد وتر نماز کی جماعت کھڑی ہوجائے، تو اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا یہ اپنی نماز پوری کرے یا نماز توڑ کر وتر کی جماعت میں شامل ہوجائے؟

الجواب:۔ جو شخص وتر کی جماعت سے قبل فرض نماز کے لیے کھڑا ہوجائے اور پھر تین رکعت پڑھنے کے بعد وتروں کی جماعت کھڑی ہوجائے تو وہ شخص اپنی چار رکعت فرض نماز پوری کرکے پھر نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہوجائے تاہم عصر کی نماز میں ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ان صلّی ثلاثاً منہا ای الرباعیۃ اتم منفرداً ثم اقتدی بالامام متنفلاً ویدرک بذلک فضیلۃ الجماعۃ الا فی العصر فلا یقتدی لکراہۃ النفل بعدہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۵۲ باب ادراک الفریضۃ) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیم المصریؒ: وفی فتاویٰ الولوالجی۔ اذا دعاہ المصلی احد ابویہ فلا یجیبہ مالم یفرغ من صلوٰتہ الا ان یستغیث بہ۔ لان قطع الصلوٰۃ لایجوز الا لضرورۃ وکذلک الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقہ النار او یغرقہ الماء وجب علیہ ان یقطع الصلوٰۃ ھذا اذا کان فی الفرض۔ فاما فی النفل اذا ناداہ احدَ ابَوَیْہِ ان عَلِمَ انہ فی الصلوٰۃ وناداہ لاباس بہ ان لایجیبہ۔ وان لم یعلم یجیبُہٗ اھ
(البحر الرائق ج۲ ص۷ باب ادراک الفریضۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۰۹ الباب السابع فی یفسد الصلوٰۃ ومایتصل بذلک المسائل۔

؎۲ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ان صلی ثلاثا من رباعیۃ فاقیمت اتمہا اربعاً منفرداً حکماً للاکثر…… ثم بعد الاتمام اقتدی متنفلاً ان شاء وھو افضل لعدم الکراھۃ الا فی العصر والفجر۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۴۶ باب ادراک الفریضۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۷ باب ادراک الفریضۃ۔

باب القضاء

(قضا نمازوں کے احکام و مسائل)

صاحبِ ترتیب کی بحالی

سوال:- اگر ایک شخص سے اتنی نمازیں قضاء ہوں جن سے یہ صاحبِ ترتیب نہ رہا تو کیا ان نمازوں کی قضاء کر لینے سے یہ شخص دوبارہ صاحبِ ترتیب بن سکتا ہے؟ یا ایک دفعہ ترتیب ساقط ہونے سے دوبارہ صاحبِ ترتیب بننا ممکن نہیں؟

الجواب:- صاحبِ ترتیب درحقیقت ایک ایسی صفت ہے کہ اس شخص کے ذمہ شب و روز کی نمازیں باقی نہ ہوں۔ صورت مذکورہ میں قضاء سے چونکہ ذمہ فارغ ہو جاتا ہے لہٰذا پوری نمازیں لوٹانے سے یہ شخص دوبارہ صاحبِ ترتیب متصور ہوگا تاہم اگر ذمے پر چھ نمازوں سے کم رہ جائیں تب ہی صاحبِ ترتیب بن جائے گا۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ: وقیل بقضاء البعض لانہ لو قضی الکل عاد الترتیب عند الکل الخ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۷۷ باب قضاء الفوائت)[1]

نفل کی جگہ قضاء نمازیں پڑھنا بہتر ہے

سوال:- اگر کسی شخص کے ذمے نامعلوم نمازیں باقی ہوں تو کیا اس شخص کے لیے نوافل پڑھنا بہتر ہے یا قضاء نمازیں؟ جبکہ قضاء نمازوں کی تعداد اور وقت بھی معلوم نہ ہو؟

الجواب:- اگرچہ نوافل پڑھنا بذاتِ خود موجبِ برکت اور باعثِ ثواب ہیں لیکن ایسے شخص کے لیے نوافل کی جگہ قضاء نمازوں کا پڑھنا بہتر ہے۔ اگر رکعات اور اوقات کا علم نہ ہو لیکن اجمالی طور پر اتنا معلوم ہو کہ مجھ سے اتنی عمر کی نمازیں فوت ہوئی ہیں تو ہر وقتیہ نماز

---

[1] قال صدر الشریعۃؒ: فانہ لما قضی صلوٰۃ الشہر الا فرضاً او فرضین قلت الفوائت بعد الکثرت فلا یعود الترتیب الا ان یقضی الکل: وقال ناکت فانہ اذا قضی جمیع الفوائت یلزمہ الترتیب جدید۔ (شرح الوقایۃ ج ۱ ص۲۱۹ قضاء الفوائت)
وَ مِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۸۶ قضاء الفوائت۔

کے ساتھ پہلی قضاء شدہ نماز پڑھے۔

قال فی الھندیۃ، وفی الحجۃ والاشتغال بالفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ الخ (الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۵ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت مسائل شتی)[1]

نفل نماز میں شروع کرنے سے لزوم

سوال:۔ اگر کسی نے صبح کی سنت شروع کرکے اچانک باجماعت نماز میں شرکت کی غرض سے توڑ دیا، تو کیا اس سنت کی قضاء لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر تشہد ملنے کا بھی امکان ہو تو سنت پڑھی جائے گی، لیکن کسی صورت میں توڑنے پر اس کی قضاء لازم ہے کیونکہ نفل یا سنت میں شروع کرنے سے لزم النفل بالشروع کی رُو سے اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔

قال برھان الدین المرغینانیؒ: ومن شرع فی نافلۃ ثم افسدھا قضاھا الخ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۲۸ باب النوافل، فصل فی القراءۃ)[2]

ظہر کی پہلی چار سنت رہ جانے سے فرض کے بعد پڑھنا

سوال:۔ اگر کسی سے ظہر کی پہلی چار رکعات سنت کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد اس کی ادائیگی کا کیا حکم ہے اور کس طریقے سے پڑھی جائیں گی؟

الجواب:۔ فرض پڑھنے کے بعد سنت پڑھی جائیں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ اگر فرضوں سے پہلے سنت پڑھنے کی فرصت نہ مل سکے تو فرضوں کے بعد دو رکعات سنت سے پہلے بھی پڑھی جا سکتی ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بعد میں پڑھی جائیں۔

لما قال الحصکفیؒ: فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکھا ویقتدی ثم یأتی بھا

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفۃ۔ (التاتارخانیۃ ج ۱ ص۷۷۲ کتاب الصلوٰۃ قضاء الفوائت)
وَمِثْلُہٗ فی المبسوط ج ۱ ص۱۵۵ باب قضاء الفوائت۔

[2] قال العلامۃ الکاسانیؒ: اما الاول فقد قال اصحابنا اذا شرع فی التطوع یلزمہ المضی فیہ واذا افسدہ یلزمہ القضاء الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۹۰ فصل فی صلوٰۃ التطوع)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۱۳ الباب التاسع فی النوافل۔

علیٰ انہاسنۃ فی وقتہ ای الظہر قبل شفعہ عند محمدؒ وبہ یفتی۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۵۹ باب ادراک الفریضۃ)[1]

سنن کی قضاء ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایسی نماز قضاء ہو جس کے ساتھ سنن بھی ہوں تو نماز قضاء ادا کرتے وقت فرض کے ساتھ سنن بھی پڑھی جائیں گی یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی نماز کا قضاء پڑھنا فرض یا واجب کے ساتھ مختص ہے، اس لیے اگر کسی سے سنن قضاء ہو جائیں تو ان کا قضاء کرنا دوسرے وقت میں جائز نہیں، تاہم صبح کی سنتیں تبعاً للفرض قضاء کرنا درست ہے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: قولہ ولم تقض (الا تبعاً) ای لم تقض سنۃ الفجر الا اذا فاتت مع الفرض فتقضی تبعاً للفرض سواء قضاہا مع الجماعۃ او وحدہ لان الاصل فی السنۃ ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب۔ (البحر الرائق ج۲ ص۷۵ باب ادراک الفریضۃ)[2]

قضاء نمازوں میں ترتیب کی رعایت

سوال:۔ اگر فوت شدہ نمازیں متعدد ہوں تو پڑھتے وقت ان کی ترتیب کی کیفیت کیا ہو گی؟ کیا اس ترتیب سے پڑھی جائیں گی جس ترتیب سے قضاء ہوئی ہیں یا جیسا پڑھنے والے کو

---

[1] وفی الھندیۃ: واما الاربع قبل الظہر اذا فاتتہ وحدھا بان شرع فی صلوٰۃ الامام ولم یشتغل بالاربع فعامتہم علیٰ انہ یقضیہا بعد الفراغ من الظہر ما دام الوقت باقیاً وھو الصحیح۔ وفی الحقائق یقدم الرکعتین عندھما وقال محمد یقدم الاربع وعلیہ الفتویٰ۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۱۲ الباب التاسع فی النوافل)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۷۵ باب ادراک الفریضۃ۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: واذا فاتتہ رکعتا الفجر لا یقضیہا قبل طلوع الشمس ولا بعد ارتفاعہا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف ...... ولھما ان الاصل فی السنۃ ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب والحدیث ورد فی قضائہا تبعاً للفرض فبقی ما وراءہ علی الاصل وانما تقضی تبعاً لہ وھو یصلی بالجماعۃ او وحدہ الی وقت الزوال وفیما بعدہ اختلاف المشائخ واما سائر السنن سواھا لا تقضی بعد الوقت وحدھا۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۳۲ باب ادراک الفریضۃ)

وَمِثْلُہٗ فی النہایۃ ج۳ ص۱۲۷ باب ادراک الفریضۃ۔

وقت میسر ہو؟

الجواب: صاحبِ ترتیب کے لیے قضاء کرتے وقت ترتیب کی رعایت ضروری ہے تاہم جب وہ امور پائے جائیں جن سے ترتیب ساقط ہوتی ہے تو پھر ترتیب واجب نہیں رہتی تاہم اگر قضاء نمازیں ترتیب کے ساتھ ادا کی جائیں تو بہتر ہے۔

قال برهان الدین المرغینانیؒ: ولو فاتته صلوٰة رتبها فی القضاء کما وجبت فی الاصل الخ۔ وبعد اسطر قال الا ان یزید الفوائت علی ستة صلوٰة لان الفوائت قد کثرت فتسقط الترتیب الخ۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۳۴ باب قضاء الفوائت) [1]

دورانِ سفر فوت شدہ نماز کی قضاء

سوال: سفر کی حالت میں اگر ایک شخص سے نماز فوت ہو جائے تو اقامت کی حالت میں کیا یہ نماز پوری پڑھی جائے گی یا قصر؟

الجواب: نماز کی قضاء میں وجوب کی حالت معتبر ہوتی ہے، حالتِ سفر میں چونکہ قصر ہے اس لیے حالتِ اِقامت میں اس کی قضاء کرتے وقت قصر پڑھی جائے گی۔

قال العلامہ ابن العابدینؒ: ولذا یقضی المسافر فائتة الحضر الرباعیة اربعاً و یقضی المقیم فائتة السفر رکعتین الخ (رد المحتار ج ۲ ص۷۶ باب قضاء الفوائت مطلب اذا اسلم المرتد هل الخ) [2]

نمازِ فجر و عصر کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: فجر و عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا تو غیر مشروع ہے، لیکن کیا ان اوقات میں قضاء نمازیں پڑھنا جائز ہیں یا ان کا حکم بھی نوافل کی طرح ہے؟

---

[1] وقال محمد بن عبداللہ التمرتاشیؒ: الترتیب بین الفروض الخمسة والوتر اداءً و قضاءً لازم الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۶۵ باب قضاء الفوائت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت۔

[2] وفی الهندیة: ومن حکمه ان الفائتة تقضی علی الصفة التی فاتت عنه الا لعذر وضرورة فیقضی مسافر فی السفر ما فاتته فی الحضر من الفرض الرباعی اربعًا والمقیم فی الاقامة ما فاته فی السفر منها رکعتین۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۲۱ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت۔

الجواب:۔ نماز فجر کے بعد طلوع الشمس تک اور عصر کی نماز کے بعد قبل تغیر الشمس قضاء نمازوں کا پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لایکرہ قضاء فائتۃ الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد ۱ ص۳۷۵ کتاب الصلوٰۃ) [1]

قرأت میں اداء و قضاء کی یکسانیت

سوال:۔ اگر رات و دن کی نمازیں قضاء ہوں اور وہ دیگر اوقات میں پڑھی جائیں تو قرأت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں اوقات کی قرأت کا سرًا و جہرًا حکم مختلف ہے؟

الجواب:۔ قضاء نماز کا حکم اداء کی طرح ہے، جس نماز کی اداء میں قرأت کی جو کیفیت ہو تو قضاء میں اسی کیفیت کی رعایت مرخص ہے۔

قال فی الھندیۃ: ومن حکمہ ان الفائتۃ تقضی علی الصفۃ التی فاتت عنہ الخ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۲۱ الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت) [2]

وتر کی قضاء

سوال:۔ کیا وتر کی قضاء ضروری ہے یا عام سنن کی طرح ایک دفعہ فوت ہو جانے سے قضاء لازم نہیں؟

الجواب:۔ وتر چونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہیں اس لیے فوت ہونے کی صورت میں ان کی قضاء واجب ہے اور قضاء نہ کرنے والا گنہگار ہوگا۔

کما قال محمد بن عبداللہ التمرتاشیؒ: وقضاء الفرض والواجب والسنۃ

---

[1] وفی الھندیۃ: فیجوز فیھا قضاء الفائتۃ وصلوٰۃ الجنازۃ۔ الخ
(الھندیۃ ج۱ ص۵۲ الباب الاول فی المواقیت۔ الفصل الثانی الخ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۱ باب قضاء الفوائت۔

[2] وقال علاؤ الدین ابی بکر الکاسانیؒ: والاصل کل صلوٰۃ ثبت وجوبھا فی الوقت وفاتت عن وقتھا انہ یعتبر فی کیفیۃ قضائھا وقت الوجوب وتقضی علی الصفۃ التی فاتت عن وقتھا۔
(بدائع الصنائع ج۱ ص۲۴۷ فصل فی بیان حکم الصلوٰۃ الفائتۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۹۷ باب قضاء الفوائت۔

فرض وواجب وسنۃ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۶۶ باب قضاء الفوائت)[1]

قضاءِ عمری کی حقیقت

سوال :- رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں بعض لوگ "قضاءِ عمری" کے نام سے دو رکعات باجماعت پڑھتے ہیں، پڑھنے والوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ اس سے عمر بھر کی قضاء شدہ نمازوں سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- نماز کی قضاء بذاتِ خود امر مشروع ہے لیکن مروجہ قضاء عمری کی یہ رسم بعض پٹھانوں کے علاقہ تک محدود ہے جو کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں بلکہ عام قواعد اور اصول سے متصادم ہے، علماء دیو بند نے اس کو بدعتِ سیئہ میں شمار کیا ہے جو کہ عوام کے لیے مہلک ہے اور خواص کو اس کی ضرورت نہیں، اس لیے کسی جگہ اس میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔

لما قال العلامة عزیز الرحمنؒ فی فتاوٰی: قضاء عمری عند الحنفیۃ مشروع نیست پس التزام آں خصوصاً در آخر جمعہ رمضان المبارک کہ چہار رکعت نفل بہ نیت قضاء عمری ادا کردہ شود شرعاً بے اصل است و ایں چنیں اعتقاد کردن کہ از چہار رکعت نفل صلوٰۃ فائتۃ عمر حاصل شود خلاف نصوص صحیحہ و صریحہ وقواعد شرعیۃ ہست۔ (عزیز الفتاوی ج ۱ ص ۲۵۴ المعروف بہ دار العلوم دیو بند، فصل فی خطأ الفوائت)[2]

چوروں کے خوف سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال :- کیا مسافر ڈاکوؤں اور راہزنوں کے ڈر سے نماز کو مؤخر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت نے فرض نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم دیا ہے تاہم شرعی عذر کی وجہ سے نماز مؤخر کی جا سکتی ہے، چوروں، ڈاکوؤں کا خوف بھی عذر شرعی میں داخل ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: کما اذا خاف المسافر من اللصوص او قطاع الطریق جاز لہ ان یؤخر الوقتیۃ لانہ بعذر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۲ باب قضاء الفوات)

---

[1] وفی الهندیۃ: والقضاء فرض فی الفرض وواجب فی الواجب وسنۃ فی السنۃ ۔ الخ
(الهندیۃ ج ۱ ص ۱۲۱ الفصل الحادی عشر فی صلوٰۃ قضاء الفوائت)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۸۰ باب قضاء الفوائت)

[2] لما قال المفتی کفایت اللہ: پس قضائے عمری کی نماز بے اصل ہے اور جماعت سے پڑھنا ناجائز ہے۔
(کفایت المفتی ج ۳ ص ۳۳۸ قضا نمازیں)

کیا قضاء نمازوں کی وجہ سے سُننِ مؤکدہ ترک کی جاسکتی ہیں؟

سوال:۔ اگر کسی کے ذمے قضاء نمازیں باقی ہوں تو کیا اُن کی ادائیگی کی وجہ سے سُننِ مؤکدہ کو ترک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ قضاء نمازوں کی ادائیگی میں مشغول ہونا نفلی عبادت میں مصروفیت سے بہتر ہے مگر یہ عام نوافل کے بارے میں مروی ہے، جہاں تک مخصوص نوافل یا سُننِ مؤکدہ کا تعلق ہے تو وہاں قضاء نمازوں کی وجہ سے سُنن کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

وفی الھندیة: والاشتغال بالفوائت اولیٰ واَھم من النوافل الا السنن المعروفة وصلوٰة الضحیٰ وصلوٰة التسبیح والصلوات التی رویت فی الاخبار فیھا سوَر معدودة واذکار معھودة فتلک بنیة النفل وغیرھا بنیة القضاء۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۲۵ فی آخر الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت) [۱]

قضاء نماز فوراً ادا کی جائے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے؟

سوال:۔ اگر نماز قضاء ہو جائے تو کیا وہ علی الفور ادا کرنا ضروری ہے یا اس میں تاخیر کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ جب نماز قضاء ہو جائے تو اس کو فوراً ادا کرنا ضروری ہے بلا عذر شرعی اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ مکروہ اوقات میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: وجمیع اوقات العمر وقت للقضاء الا الثلاثة المنھیة کما مر۔ قال ابن عابدینؒ: تحت (قوله وقت للقضاء) ای لصحته فیھا وان کان القضاء علی الفور الا لعذر۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۶ باب قضاء الفوائت) [۲]

---

[۱] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم من النوافل الا السنن المعروفة وصلوٰة الضحیٰ وصلوٰة التسبیح والصلوات التی رویت فی الاخبار فیھا سوَر معدودة واذکار معھودة فتلک یصلّی بنیة النفل وغیرھا بنیّة القضاء۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۷۷۲ باب صلوٰة الاستسقاء)

[۲] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وذکر اللولوالجی من الصوم ان قضاء الصوم علی التراخی وقضاء الصلوٰة علی الفور الا لعذر۔
(البحر الرائق ج۲ ص۷۹ باب قضاء الفوائت)

قضاء نمازیں باجماعت ادا کی جا سکتی ہیں

سوال: اگر چند اشخاص سے اجتماعی طور کچھ نمازیں قضاء ہوئی ہوں اور وہ لوگ ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: وقتی نمازوں کی طرح قضاء نمازیں بھی جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہیں، اگر نمازیں جہری ہوں تو اُن میں جہراً قرأت کرنا ضروری ہے اگر سرّی نمازیں ہوں تو سراً قرأت کرنا لازمی ہے۔

قال القاضی خانؒ: اذا ترك صلوٰة اللیل ناسیاً فقضاها فی النهار وأمّ فیها وخافت ساهیا کان علیه السهو وینبغی ان یجهر لیکون القضاء علی وفق الاداء وان أمّ لیلاً فی صلوٰة النهار یخافت ولا یجهر فان جهر ساهیاً کان علیه السهو۔ (فتاویٰ قاضیخان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۱۲۳ باب سجود السهو) [1]

احتیاطاً عشاء کے وتر اور مغرب کی قضاء نمازیں کس طرح پڑھی جائیں

سوال: اگر کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کس طرح پڑھے؟

الجواب: اگر کوئی شخص احتیاطاً قضاء نمازیں پڑھنا چاہتا ہو تو مغرب کے فرض اور عشاء کے وتر کی بھی چار چار رکعتیں پڑھے گا مگر اس میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ اور تیسری رکعت کے بعد قعدہ بھی کرے گا اسی طرح دُعاء قنوت وتروں کی تیسری رکعت میں پڑھی جائے گی۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومن قضی صلوٰة عمره مع انه لم یفته شیٔ منها احتیاطاً قیل یکره ...... ویقنت فی الوتر ویقعد قدر التشهد فی ثالثة ثم یصلی رکعة رابعة فان کان وتراً فقد اداه وان لم یکن فقد صلی التطوع اربعاً ولا یضره القعود وکذا یصلی المغرب اربعاً بثلاث قعدات۔

(طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۲۴۳ باب القضاء) [2]

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا قضی الفوائت ان قضاها بجماعة وکان صلوٰة یجهر فیها بالقرأة یجهر فیها الامام وان قضاها وحده یخیر ان شاء خافت والجهر افضل ویخافت فیما یخافت حتماً وکذلك الامام۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۱ ص۷۶۲ باب قضاء الفوائت) ــــ ومثله فی امداد الاحکام ج۱ ص۶۹۸ باب القضاء۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: رجل یقضی صلوات عمره مع انه لم یفته شیٔ منها احتیاطاً قال بعضهم یکره وقال بعضهم لا یکره لانه اخذ بالاحتیاط لکنه لا یقضی بعد صلوٰة الفجر ولا بعد صلوٰة العصر ویقرأ فی الرکعات کلها الفاتحة مع السورة قد قدمنا من مآل الفتاویٰ انه یصلی المغرب اربعاً بثلاث قعدات وکذا الوتر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۸۰ باب قضاء الفوائت) ــــ ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۲۴ باب القضاء۔

وتر قضا ہونے کے باوجود نمازِ فجر کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں فقہائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد نے عشاء کی نماز کے بعد وتر نہیں پڑھے، فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر کھڑا ہونے کے بعد اور نماز شروع کرنے سے پہلے اُسے یاد آگیا کہ میں نے وتر نہیں پڑھے اس کے باوجود اس نے فجر کی نماز پڑھادی، اسی طرح کئی دن نمازیں پڑھاتا رہا۔ جبکہ راقم السطور نے کہیں پڑھا ہے کہ اگر کوئی شخص نمازوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھے اور اس کی پہلی نماز ہی قضاء ہوئی ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر پانچ نمازیں اسی طرح پڑھتا رہا تو فساد رفع ہو جائے گا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ترتیب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے اس امام کی فجر کی نماز اور باقی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ اس کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ کر چلے گئے اور باقی نمازیں اس کی اقتداء میں نہیں پڑھیں اُن کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ درمختار میں ہے: فلم يجز تفريع على اللزوم فجر من تذكر انه لم يوتر لوجوبه عنده ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۳۷ باب قضاء الفوائت)

قال العلامة ابن عابدينؒ: وفساد اصل الصلوٰة موقوف عند ابی حنيفةؒ سواءٌ ظن وجوب الترتيب اولا فان كثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستا ظهر صحتها بخروج وقت الخامسة التی هی سادسة الفوائت الخ ۔ وفی رد المحتار (قوله فان كثرت) ای الصلوٰة التی صلاها تاركاً فيها الترتيب بأن صلاها قبل قضاء الفائتة ذاكراً لها وهذا التفريع لبيان قوله موقوف وتوضيحه أنه اذا فاتته صلوٰة ولو وترا فكلما صلی بعدها وقتية وهو ذاكر لتلك الفائتة فسدت تلك الوقتية فساداً موقوفاً علی قضاء تلك الفائتة فان قضاها بعد ان يصلی بعدها خمس صلوٰة صار الفساد باتا وانقلبت الصلوٰة التی صلاها قبل قضاء المقضية نفلاً وان لم يقضها حتی خرج وقت الخامسة وصارت الفوائت مع الفائتة ستا انقلبت صحيحة لأنه ظهرت كثرتها ودخلت فی حد التكرار المسقط للترتيب وبيان وجه ذلك فی البحر وغيره ۔ الخ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۴۱ باب قضاء الفوائت)

مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ امام مسجد قضاء شدہ وتر نماز کے یاد آنے کے باوجود جو نمازیں پڑھتا رہا وہ فاسد ہوں گی لیکن ان کا فساد موقوف

ہے اس پر کہ اگر اس نے اس طرح پانچ نمازیں ادا کیں حالانکہ اس کو وہ قضاء شدہ نماز یاد ہو اور پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اس قضاء شدہ نماز کی قضاء لائی تو یہ ساری نمازیں فاسد ہوں گی اور اگر پانچویں نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اس قضاء شدہ نماز کی قضاء لائی تو سب نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

وقت کی کمی کی وجہ سے قضاء کی بجائے ادا نماز پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی سے عصر کی نماز قضاء ہو جائے اور مغرب کا اتنا وقت باقی ہو کہ اگر وہ عصر کی قضاء نماز پہلے پڑھتا ہے تو مغرب کی نماز بھی قضاء ہونے کا خطرہ ہے۔ اس صورت میں اس شخص کو پہلے قضاء نماز پڑھنی چاہیئے یا ادا نماز؟

الجواب: جس آدمی سے کوئی نماز قضاء ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ دوسرے وقت میں اولاً قضاء نماز پڑھے بعدہٗ ادا نماز پڑھے لیکن اگر وقت کم ہو اور قضاء نماز پڑھنے کے بعد وقتی نماز کے لیے وقت نہ بچتا ہو تو اس صورت میں یہ شخص پہلے وقتی نماز پڑھے پھر قضاء نماز۔

لما فی الہندیۃ: ان کان بحیث اذا قطع الجمعۃ واشتغل بالفجر یفوتہ الوقت اتم الجمعۃ اجماعاً ثم یصلی الفجر بعدھا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۲۲ باب قضاء الفوائت)

قضاء نمازوں کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر کسی شخص سے بہت ساری نمازیں قضاء ہو جائیں اور وہ ان کو ادا کرنا چاہے تو کیا قضاء نمازوں کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہے یا جب بھی فرصت ملے قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں؟

الجواب: قضاء نمازوں کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں جب بھی فرصت ملے قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں تاہم اوقاتِ مکروہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ثم لیس للقضاء وقت معین۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۸۶ باب الفوائت) [1]

---

[1] لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: قضاء پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جس وقت فرصت ہو وضو کر کے پڑھے البتہ اتنا خیال رکھے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔

[بہشتی زیور ص ۱۳۴
قضاء نمازوں کے پڑھنے کا بیان]

باب صلوٰۃ الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کے احکام و مسائل)

بارش کے لیے سورۃ یٰس پڑھ کر اذان دینا مسنون طریقہ نہیں

سوال:- بعض علاقوں میں بارش مانگنے کے لیے نمازِ استسقاء کی بجائے مندرجہ ذیل طریقہ رائج ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک آدمی سورۃ یٰسین ابتداء سے لے کر اول مُبین تک تلاوت کرتا ہے، اس کے بعد ایک شخص بآوازِ بلند نماز کے لیے مسنونہ اذان دینا شروع کر دیتا ہے، اس کی آواز کے ساتھ ہی مسجد کی ہر جانب میں لوگ اذان دینا شروع کر دیتے ہیں، بعد اذاں قاری سورۃ یٰسین کی ابتداء سے جب دُوسرے مبین تک پہنچتا ہے تو پھر اسی طریقہ سے اذانیں شروع ہوتی ہیں حتیٰ کہ آخر مُبین تک یہی طریقہ جاری رہتا ہے اور آخر میں ایک لمبی دعاء سے یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ کیا بارش کیلئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے؟

الجواب:- نمازِ استسقاء کی بجائے یہ طریقہ بطور سنت شریعت میں ثابت نہیں، نیز اذان کے مواضع مسنونہ میں بارش کے لیے اذان دینا ثابت نہیں۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ تحت قولہ لایسن لغیرھا کعید۔ ای ووتر و جنازۃ وکسوف واستسقاء الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۸۵ باب الاذان) [۱]

نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنے کا حکم

سوال:- نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ نماز باجماعت پڑھنا بدعت ہے؟

الجواب:- نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنا صاحبینؒ کے نزدیک سنت اور

---

[۱] وفی الھندیۃ: ولیس لغیر صلوٰۃ الخمس والجمعۃ نحو السنن والوتر والتطوعات والتراویح والعیدین اذان ولا اقامۃ کذا فی المحیط وکذا للمنذورۃ وصلوٰۃ الجنازۃ والاستسقاء والضحیٰ الخ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۵۳ باب الاذان)

ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۴۸ باب الاذان۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستحب ہے لیکن بغیر جماعت پڑھنا بھی درست ہے، کسی ایک کو بدعت کہنا فقہی ذخائر سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ: فالحاصل ان الاحادیث لما اختلف فی الصلٰوۃ بالجماعۃ وعدمہا علیٰ وجہ لا یصح بہ اثبات السنیۃ لم یقل ابو حنیفۃؒ بسنیتہا ولا یلزم منہا قولہ بانہا بدعۃ کما نقل عنہ بعض المتعصبین بل ھو قائل بالجواز الخ۔ قلت والظاہر ان المراد بہ الندب والاستحباب۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۸۴ باب الاستسقاء)[۱]

نمازِ استسقاء صحراء میں پڑھنا چاہیئے

سوال:۔ نماز استسقاء کس جگہ پڑھنی چاہیئے؟

الجواب:۔ استسقاء کے لیے صحراء کی طرف نکلنا بہتر ہے۔

لما ورد فی الحدیث: حدثنا ابوداؤد قال حدثنا مسدد قال حدثنا ھشیم عن یحییٰ بن سعید عن عبد اللہ بن ابی بکر عن عباد بن تمیم عن عبد اللہ بن زید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج بالناس الی المصلی فاستسقی فحول ردائہ واستقبل القبلۃ۔ (طحاوی ج۱ ص۲۲۵ باب الاستسقاء الخ)[۲]

نمازِ استسقاء کی دو رکعات ہیں

سوال:۔ استسقاء کی نماز کی کتنی رکعات ہیں؟ کمی بیشی سے استسقاء کی نماز متاثر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص دو رکعات جماعت کے ساتھ اور دو رکعات انفرادًا اس نیت سے پڑھے کہ صاحبین اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں کے اقوال پر عمل ہو جائے

---

[۱] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: والجماعۃ غیر مسنونۃ فی ھٰذہ الصلٰوۃ عندہٗ و عندھما سنۃ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۸۳ فصل فی بیان صلٰوۃ الاستسقاء)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۵۳ الباب التاسع عشر فی الاستسقاء۔

[۲] وقال العلامۃ ابن العابدینؒ: ویخرجون ای الی الصحراء کما فی الینابیع۔ ھٰذا فی غیر اھل المساجد الثلاثۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب صلٰوۃ الاستسقاء)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۵۸ باب صلٰوۃ الاستسقاء۔

تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں صاحبینؒ کا قول مفتی بہ ہے اس لیے دو رکعات باجماعت پر اکتفاء کرکے انفراداً پڑھنے کی کوشش نہ کی جائے تاہم اگر مزید دو رکعات پڑھے تو اصل نمازِ استسقاء متاثر نہیں ہوتی ہے۔

قال العلامہ ابن العابدینؒ: ای بان یصلی بھم رکعتین یجہر فیہما بالقراءۃ بلا اذان ولا اقامۃ ثم یخطب بعدھا قائماً علی الارض معتمداً علی قوس او سیف او عصا خطبتین عند محمدؒ وخطبۃ واحدۃ عند ابی یوسفؒ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب الاستسقاء)[1]

نمازِ استسقاء کا مسنون طریقہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نمازِ استسقاء پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ صلوٰۃ الاستسقاء پڑھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ نماز کے لیے نکلنے سے قبل تین دن متواتر روزے رکھیں اور توبۃ النصوح کریں اور چوتھے دن پیدل پرانے دھوئے ہوئے کپڑے پہن کر تواضع اور عجز وانکساری کے ساتھ اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنے سروں کو جھکا کر میدانِ استسقاء کی طرف چلیں، اور جاتے سے پہلے صدقہ دیں، چھوٹے بچوں کو ماؤں سے جدا کریں اور نماز کے لیے اپنے ساتھ بچوں، بوڑھوں، کمزور، ضعفاء اور جانوروں کو بھی ساتھ لے جائیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: یستحب للامام ان یأمرھم بصیام ثلاثۃ ایام قبل الخروج وبالتوبۃ ثم یخرج بھم فی الرابع مشاۃ فی ثیاب غسیلۃ او مرقعۃ متذللین متواضعین خاشعین للہ ناکسین رؤسھم ویقدمون الصدقۃ کل یوم قبل خروجھم ویجددون التوبۃ ویستغفرون للمسلمین ویستسقون بالضعفۃ والشیوخ والعجائز والصبیان ویبعدون الاطفال من امھاتھم ویستحب اخراج الدواب الخ۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۸۵ باب صلوٰۃ الاستسقاء)

---

[1] وقال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: یصلی الامام رکعتین الخ

(الہدایۃ ج۱ ص۱۴۶ باب صلوٰۃ الاستسقاء)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۶۹ باب الاستسقاء۔

نمازِ استسقاء میں ہاتھ اُلٹے کر کے دعا مانگنا

سوال :۔ ہمارے گاؤں میں ایک دن استسقاءؒ کی نماز ہو رہی تھی کہ امام صاحب نے ہاتھ اُلٹے کر کے دُعا مانگنا شروع کر دی، کیا نمازِ استسقاء میں دعاء مانگنے کا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب :۔ نمازِ استسقاء میں ہاتھ اُلٹے کر کے دُعا مانگنا جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لیے فقہاء اُمت نے نمازِ استسقاء کے دوران دعا کرتے وقت اُلٹے ہاتھوں کو مسنون قرار دیا ہے، لہٰذا آپ کے امام صاحب نے صحیح اور درست کام کیا ہے، تاہم استسقاء میں سیدھے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی جائز ہے۔

اخرج امام مسلم بن حجاج القشیریؒ : عن انس بن مالک انّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقی فاشار بظہر کفیہ الی السّماء۔

قال النوویؒ : تحتہ قال جماعۃ من اصحابنا وغیرھم السنۃ فی کل دعاء الرفع بلاء کالقحط ونحوہ ان یرفع یدیہ ویجعل ظہر کفیہ الی السّماء واذا دعا لسوال شئ وتحصیلہ جعل بطن کفیہ الی السّماء۔ (صحیح مسلم مع شرح للنوویؒ ج ۱ ص۲۹۳ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء) [1]

نمازِ استسقاء میں قلب رداء (چادر کا الٹانا) ثابت ہے

سوال :۔ کیا نمازِ استسقاء میں قلب رداء (چادر الٹا کرنا) ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب :۔ نمازِ استسقاء میں صرف امام کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ نماز کے بعد قلب رداء اِس طرح کرے کہ چادر کا اوپر والا حصہ نیچے آجائے اور نیچے والا حصہ اوپر کی طرف، جبکہ یمین شمال کی طرف اور شمال یمین کی طرف منتقل ہو جائے۔

قال العلامۃ ابن الھمامؒ : وعلم ان کون التحویل کان تفاولاً جاء مصرحا بہ فی المستدرک من حدیث جابر وصححہ قال وحول رداءہ لیتحول القحط وفی طوالات

---

[1] اخرج ابوداؤد عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یستسقی ھٰکذا یعنی وَمَدَّ یدیہ وجعل بطونھما مما یلی الارض حتّٰی رأیت بیاض ابطیہ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۱۶۲ باب رفع الیدین فی الاستسقاء)
ومثلہ فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۱۳۱ باب الاستسقاء۔

الطبرانی من حدیث انس وقلب رداءہ لکی ینقلب القحط الی الخصب۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۶۲ باب الاستسقاء) لـه

نمازِ استسقاء کے بعد کثرتِ بارش کی وجہ سے نقصان سے بچنے کے لیے دعا کرنا

سوال:۔ اگر نمازِ استسقاء کے بعد بارش اتنی زیادہ ہوجائے کہ وہ نقصان دہ ثابت ہو تو کیا اس کے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بارش اتنی زیادہ ہوجائے کہ لوگ اس سے تنگ آجائیں اور اس میں جانی و مالی نقصان کا خطرہ ہو تو اس کے روکنے کے لیے دعا کی جاسکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بذاتِ خود ایسا کرنا ثابت ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (فلا بأس بالدعاء بحبسہ) ای فیقول کما قال صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم حوالینا ولا علینا اللّٰھم علی الآکام والظراب وبطون الاودیۃ و منابت الشجر۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۱۸۶ باب الاستسقاء) ۲ـه

نمازِ استسقاء کے لیے تین دن سے زیادہ باہر نکلنے کا حکم

سوال:۔ عام طور پر لوگ نمازِ استسقاء کے لیے تین دن تک نکلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ نکلنا جائز نہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب:۔ سلف صالحین اور فقہی ذخائر سے تین دن تک نکلنا منقول ہے اس لئے

لـه قال العلامۃ الزیلعیؒ: قال محمد یقلب الامام رداءہ دون القوم (و بعد اسطر) وما رواہ محمد محمول علی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فعلہ تفاؤلاً......او عرف بالوحی تغیر الحال عند تغییر الرداء وکیفیۃ القلب علی قول من یراہ ان یجعل اعلاہ اسفلہ ما امکن وان لم یمکن کالجبۃ جعل یمینہ علی یسارہ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۳۱ باب الاستسقاء)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵۴ باب الاستسقاء۔

۲ـه قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: واذا دام المطرحتی خیف ضررہٗ قالوا اللّٰھم حوالینا ولا علینا اللّٰھم علی الآکام الی آخرہ۔ (کبیری ص ۴۲۵ باب الاستسقاء)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۲ ص ۴۲۷ باب الاستسقاء۔

زیادہ نہیں، اس لیے صرف تین دن تک مسلسل نکلنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویخرجون ثلاثة ایام لانه لم ینقل اکثر منها متتابعات۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۵ باب الاستسقاء) [1]

نماز استسقاء کے لیے صرف دعا پر اکتفاء کرنا جائز ہے

سوال: کیا استسقاء کے لیے صرف نماز پڑھنا مسنون ہے یا فرض نمازوں کے بعد یا دیگر حالات میں بھی دعا کی جاسکتی ہے؟ ایک مولوی صاحب نے نماز استسقاء کی تقریر میں صرف دعا کو بدعت کہا ہے؟

الجواب: استسقاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اعمال مروی ہیں جن میں دعا بھی منقول ہے، اس لیے امام ابو حنیفہؒ جماعت کے ساتھ استسقاء کو صرف جواز تک محدود رکھتے ہیں، لہٰذا اگر استسقاء کے لیے صرف دعا کی جائے تو بھی جائز ہے، اس کو بدعت کہنا شرعی دلائل سے ناسمجھی کی دلیل ہے، البتہ امام دعا کے لیے قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو اور مقتدین بیٹھے رہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: هو دعاء واستغفار لانه السبب لارسال الامطار بلا جماعة مسنونة بل هی جائزة اھ۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله هو دعاء) وذلك ان یدعوا لامام قائما مستقبل القبلة رافعًا یدیه والناس قعود مستقبلین القبلة یؤمنون علی دعائه باللّٰهم اسقنا غیثًا مغیثًا هنیئًا مریئًا مریعًا غدقًا عاجلا سحا طبقًا دائمًا الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۸۴ باب الاستسقاء) [2]

❋❋

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: ثم المستحب ان یخرج الامام والناس ثلاثة ایام متتابعة لان المقصود من الدعاء الاجابة والثلاثة مدة ضربت لابلاء الاعذار۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۸۴ صلوٰة الاستسقاء)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۵۴ باب الاستسقاء۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: قال ابو حنیفةؒ لیس فی الاستسقاء صلوٰة مسنونة فی جماعة فان صلی الناس وحدانا جاز، انما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالیٰ: اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا (الهدایة ج ۱ ص ۱۵۸ باب الاستسقاء)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۵۳ باب الاستسقاء۔

باب سجود السّہو

(سجدۂ سہو کے احکام و مسائل)

سجدۂ سہو کے لیے ایک طرف سلام پھیرنا کافی ہے

سوال:۔ سجدۂ سہو میں دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا یا ایک طرف؟ اور کیا اس میں امام اور منفرد کے لیے حکم یکساں ہے یا جدا ؟

الجواب:۔ امام، مقتدی اور منفرد کے لیے سجدۂ سہو میں تمام فقہاء کے ہاں ایک طرف یعنی دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرنا بہتر ہے لیکن بعض محققین مثلاً صاحب ہدایہ وغیرہ نے دونوں طرف سلام کو راجح قرار دیا ہے، اگرچہ بعض فقہاء کے ہاں دونوں طرف سلام پھیرنے سے بوجہ خروج عن الصلوٰۃ کے سجدۂ سہو ساقط ہو جاتا ہے، البتہ جائز دونوں ہیں لیکن ایک طرف سلام پھیرنا افضل ہے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح۔
(الهدایة ج ۱ ص ۱۳۰ باب سجود السهو)

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط۔ لانه المعهود وبه یحصل التحلیل وهو الاصح بحر عن المجتبی وعلیه لو أتی بتسلیمتین سقط منه السجود۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۷۸ باب سجود السهو)[1]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: (ویکتفی بتسلیمة واحدة) قاله شیخ الاسلام وعامة المشائخ وهو الاضمن للاحتیاط والاحسن ویکون (عن یمینه) لانه المعهود وبه یحصل التحلیل فلاحاجة الی غیره خصوصاً وقد قال شیخ الاسلام خواهر زاده لا یأتی بسجود السهو بعد التسلیمتین لان ذلك بمنزلة الکلام (فی الاصح)۔ وفی الهدایة ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح۔ قال العلامة السید احمد الطحطاوی تحت قوله ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح) ایده العلامة خسرو بما لا مزید علیه۔
(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۳۷۹، ۳۷۷ باب سجود السهو)
ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۵ الباب الثانی عشر فی سجود السهو۔

سوال:۔ نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ | **سورۂ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے**

میں سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سہواً رہ جائے تو کیا نماز ہوجاتی ہے یا اس کا اعادہ واجب ہے ؟

الجواب:۔ فرائض کی پہلی دو رکعت اور سُنن، وتر اور نفل کی تمام رکعات میں سورۂ فاتحہ سے اگر ایک حرف بھی رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر سجدہ سہواً نہیں کیا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال الحصکفیؒ: (قرأۃ فاتحۃ الکتاب) فیسجد للسهو بترک اکثرها لا اقلها لکن فی المجتبیٰ یسجد بترک اٰیة منها وهو اولیٰ۔ قلتُ وعلیه فکل اٰیة واجبة۔

قال ابن عابدینؒ تحت هٰذه العبارة ای وبناء علیٰ ما فی المجتبیٰ فکل اٰیة واجبة وفیه نظر لان الظاهر ان ما فی المجتبیٰ مبنی علیٰ قول الامام بانها بتمامها واجبة۔ وذکر الآیة تمثیل لا تقیید۔ اذ بترک شئ منها اٰیة او اقل ولو حرفاً لا یکون آتیا بکلها الذی هو الواجب کما ان الواجب ضم ثلاث آیات فلو قرء دونها کان تارکا للواجب افاده الرحمتی۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص ۴۵۸ مطلب کل صلوٰة ادیت مع کراهیة التحریم تجب اعادتها) [1]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: الاول قرأۃ الفاتحة الخ الیٰ ان قال وان ترک اقلها لایجب (ای السجود) لان للاکثر حکم الکل کذا فی المحیط وسواء کان اماماً او منفرداً کذا فی التجنیس وفی المجتبیٰ اذا ترک من الفاتحة اٰیة وجب علیه السجود وان ترکها فی الاخریین لا یجب ان کان فی الفرض وان کان فی النفل او الوتر وجب علیه لوجوبها فی الکل الخ۔

وقال ابن عابدینؒ تحت هٰذه العبارة (قوله وفی المجتبیٰ اذا ترک الخ) قال فی النهر وهو اولیٰ ویؤیده ما سیأتی وحکاه فی المعراج عن شیخ الاسلام ثم قال وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ اذا قرأ اکثرها لا یجب اھ۔

(البحر الرائق علیٰ صدر منحة الخالق ج ۲ ص ۹۳-۹۴ باب سجود السهو)

سورۃ فاتحہ کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

سوال:۔ زید فجر کی نماز باجماعت پڑھا رہا تھا، تکبیر اولیٰ کے بعد بجائے سورۃ فاتحہ کے کسی دوسری سورت کی تلاوت شروع کی، یاد آنے کی صورت میں اگر فاتحہ پڑھے تو کیا اس امام پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نیز اگر متعلقہ رکعت میں یاد نہ رہے بلکہ دوسری رکعت میں کہیں علم ہو جائے تو کیا سجدۂ سہو پر اکتفاء ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں اگرچہ امام نے یاد آنے پر سورۃ فاتحہ پڑھی ہے لیکن سورتِ فاتحہ کے ساتھ ساتھ ضم سورت اور فاتحہ کے درمیان یہ ترتیب بھی واجب ہے، سورتِ فاتحہ پہلے ہو اور ضم سورت بعد میں متصل ہو، چونکہ مذکورہ امام نے ترتیب اُلٹ دی ہے اس لیے اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، جیسا کہ سورت فاتحہ کے رہ جانے یا ضم سورت ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

وقال ابن نجیم المصریؒ: وقد قدمنا فی ذکر الواجبات انہٗ یجب تقدیم الفاتحۃ علی السورۃ وانہ یجب ان یؤخر السورۃ عن قرأۃ الفاتحۃ فکذ الوبدأ بالسورۃ ثم تذکر یبدأ بالفاتحۃ ثم یقرأ السورۃ ویسجد للسھو وان قرأ من السورۃ حرفاً کذا فی المجتبیٰ۔ وقیدہ فی فتح القدیر بان یکون مقدار ما یتأدی بہ رکن عن قرأۃ الفاتحۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۹۴ باب سجود السھو)

وایضاً قال ابن نجیمؒ: الاوّل قرأۃ الفاتحۃ فان ترکھا فی احدی الاولیین أو اکثرھا وجب علیہ السجود۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۹۳ باب سجود السھو)[1]

ضم سورۃ رہ جانے سے سجدۂ سہو کا وجوب

سوال:۔ اگر ایک نمازی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد ضم سورۃ بالکل چھوڑ دے تو اس سے

---

[1] قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ: منھا قرأۃ الفاتحۃ والسورۃ فلو ترک الفاتحہ او اکثرھا فی الاولیین وجب علیہ سجود السھو۔۔۔۔ ولو قرأ الفاتحۃ وحدھا وترک السورۃ یجب علیہ سجود السھو کذا لو قرأ مع الفاتحۃ آیۃ قصیرۃ لان قرأۃ ثلاث آیات قصار أو آیۃ طویلۃ مع الفاتحۃ واجبۃ ولو اخر الفاتحۃ عن السورۃ فعلیہ سجود السھو۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۱۹۳ باب سجود السھو)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۶ باب سجود السھو۔

نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر یہ نمازی سجدۂ سہو ادا کرے تو نماز تام ہو جائے گی یا اعادہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نماز میں نفسِ قرأت فرض ہے، البتہ سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملا کر پڑھنا واجب ہے، ان دونوں میں سے جو بھی پڑھنے سے رہ جائے تو نماز ناقص ہو کر قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو ادا کرنے سے مکمل ہو جائے گی، اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو قصداً چھوڑ دے تو پھر سجدۂ سہو سے نماز مکمل نہ ہو گی بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہو گا، ایسا ہی نفسِ قرأت رہ جانے سے ترکِ فرض کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی ہے۔

قال الامام الکاسانیؒ: منها قرأۃ الفاتحۃ والسورۃ فی صلوٰۃ ذات رکعتین وفی الاولیین من ذوات الاربع والثلاث حتی لو ترکهما او احدهما فان کان عامداً کان مسیئاً۔ وان کان ساهیاً یلزمه سجود السهو۔[1] (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۶۰ باب سجود السهو)[1]

ضمِ سورۃ اور فاتحہ کے درمیان صلوٰۃ وتر میں تکبیر کہنے پر سجدہ سہو کا حکم

سوال:۔ اگر ایک مصلی وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرے لیکن فوراً ضمِ سورۃ یاد آنے پر سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رفع الیدین کر کے دعاءِ قنوت پڑھ لے، تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں حسبِ قواعد سجدہ سہو واجب نہیں، کیونکہ سجدۂ سہو کسی رکن میں اس قدر تاخیر پر واجب ہوتا ہے کہ جس میں مسنون طریقہ سے چھوٹا رکنِ صلوٰۃ مثلاً سجدہ یا رکوع ادا ہو، لہٰذا رکوع یا سجدہ میں تین بار سبحان ربی العظیم یا

---

[1] قال ابن نجیمؒ: الاول قرأۃ الفاتحۃ فان ترکها فی احدی الاولیین او اکثرها وجب علیه السجود وان ترک اقلها لا یجب لان للاکثر حکم الکل کذا فی المحیط وسواء کان اماماً او منفرداً کذا فی التجنیس۔ وان ترکها فی الاخریین لا یجب ان کان الفرض وان کان النفل والوتر وجب علیه لوجوبها فی الکل۔ قد قدمنا انه لو ترکها فی الاولیین لا یقضیها فی الاخریین فی ظاهر الروایۃ۔ وایضاً قال فلو لم یقرأ شیئاً مع الفاتحۃ او قرأ آیۃ قصیرۃ لزمه السجود۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۹۳،۹۴ باب سجود السهو)

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی پڑھنے پر ۳×۱۴=۴۲ حروف کے تلفظ کا وقت صرف ہوتا ہے اس لیے مذکورہ صورت میں اَللّٰہُ اَکْبَر میں صرف آٹھ حروف کے تلفظ کی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔

قال العلامہ الشیخ احمد الطحاویؒ: ومن الواجب تقدیم الفاتحة علی السّورة وأن لا یؤخر السورة عنها بمقدار اداء رکن[1] الخ۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۷۵ باب سجود السھو)

سجدۂ ثانیہ صلوٰتیہ بھول جانے کی صورت میں سلام پھیرنے کے بعد پڑھ سکتا ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کسی رکعت میں سجدۂ ثانیہ ادا کرنا بھول گیا، سلام پھیرنے کے بعد اس کو سجدہ یاد آیا، تو کیا اس طرح سلام پھیرنے سے یہ شخص خارج صلوٰۃ متصور ہوگا یا نہیں؟ نیز نماز کے منافی کام کرنے کی صورت میں شرعاً اسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جب تک نماز کے منافی کام نہیں کیا ہو تو سلام پھیرنے کے باوجود یہ شخص داخلِ صلوٰۃ متصور ہوگا، اس صورت میں یہ شخص سجدۂ ثانیہ صلوٰتیہ صلبیہ ادا کرے، پھر قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو ادا کرے، پھر قعدہ پر بیٹھ کر نماز مکمل کرکے سلام پھیر دے۔ اور اگر کوئی ایسا کام کیا ہو جو نماز کے منافی ہو تو نماز سے خارج ہو کر سجدہ کے اعادہ سے نماز مکمل نہیں ہوتی ہے بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال الامام الکاسانیؒ: وان کان ساهیاً عنهما أی عن سجدة صلبیة وسجدة التلاوة وسلّم لا یخرج عن الصلوٰة۔ وعلیه ان یسجد لکل واحد منهما الاوّل فالاوّل منهما ثمّ یتشهد بعدهما ویسلّم ثم یسجد سجدتی السهو ثمّ یتشهد ثمّ یسلّم الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۷۰)[2]

---

[1] وفی الهندیة، ولو اخر الفاتحة عن السورة فعلیه سجود السهو کذا فی التبیین۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۲۶ باب سجود السّهو)

لیکن یہ جزئیہ مجمل ہے اور بالائی جزئیہ صریح ہے اسلئے مفتی بہ قول طحطاوی کا ہے۔ منہ (مرتب)

[2] قال الشیخ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ، وان سلّم وهو غیر ذاکر لهما أی سجدة صلبیة وسجدة التلاوة فان سلامه لا یکون قطعاً وعلیه أن یسجد للتلاوة ویسجد للصلویة الاوّل۔ فالاوّل ثم یتشهد ثمّ یسلّم ثمّ یسجد سجدتی السهو ثمّ یتشهد ثمّ یسلّم الخ (خلاصة الفتاوی جلد ا ص۱۸۰ باب سجود السهو)

رکعتِ اُولیٰ وثالثہ کے بعد طویل جلسہ موجبِ سہو ہے

سوال:- دو یا چار رکعت فرض نماز میں امام پہلی رکعت یا تیسری رکعت میں سجدہ ثانیہ کے بعد قعدہ پر اتنا بیٹھ گیا کہ مقتدی سب کھڑے ہو گئے، بکر (مقتدی) نے فتح دیا تب امام صاحب قعدہ سے اٹھ کر قیام میں گئے۔ تو کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر یہ قعدہ پہلی رکعت یا تیسری رکعت کے بعد لمبی ہو یعنی اتنی تاخیر ہو کہ اس جتنے وقت میں نماز کا کوئی رکن مسنون طریقہ سے ادا ہوتا ہو، مثلاً رکوع یا سجدہ میں تین دفعہ تسبیحات پڑھنے پر جتنا وقت خرچ ہو سکے اتنی مقدار تاخیر کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہو گا۔

قال ابن عابدینؒ: وکذا القعدة فی آخر الرکعة الاولیٰ اوالثالثة فیجب ترکھا۔ ویلزم من فعلھا ایضاً تاخیر القیام الی الثانیة اوالرابعة عن محله۔ وھٰذا اذا کانت القعدة طویلة۔ اما الجلسة الخفیفة التی استحبھا الشافعیؒ فترکھا غیر واجب عندنا بل ھوالافضل کما سیأتی۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۴۷ واجبات الصلوٰة)[۱]

مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پانے کے بعد دوسری رکعت پر قعدۂ اولیٰ چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال:- ایک شخص مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایسے وقت شامل ہوا کہ امام صاحب دو رکعت پڑھ چکے تھے، عام اقوال کے مطابق یہ شخص ایک رکعت پڑھ کر قعدۂ اُولیٰ کرے گا، لیکن ایسی حالت میں اگر مسبوق سے یہ قعدہ جو امام سے فراغت کے بعد انفرادی طور پر ادا کر رہا ہے چھوٹ جائے

---

[۱] قال صاحب ملتقی الابحر:- تحت ان قرأ فی رکوع اوقعود اوقدم رکناً اواخرہٗ اوکررہٗ او غیر واجباً اوترکه کرکوع قبل القرأة وتاخیر القیام الی الثالثة بزیادة التشھد قال شارحه شیخ زادة واختلفوا فی مقدار الزیادة فقال بعضھم بزیادة حرف وکلام المصنف الیٰ ھٰذا وقال بعضھم بقدر رکن وھو الصحیح کما فی اکثر الکتب۔

(مجمع الانھر ج ۱ ص ۱۴۸ باب سجود السھو)

ومثلهٗ فی حاشیة امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۵۲ تا ۳۵۵ باب سجود السھو۔

تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ قعدۂ اولیٰ اگرچہ واجب ہے جس کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے لیکن صورت مذکورہ میں مسبوق سے یہ قعدہ چھوٹ جانے پر سجدہ سہو استحساناً واجب نہیں اور نماز بھی درست ہے۔

قال ابن عابدینؒ : (قوله وعليه ان يقضي ركعة بتشهد الخ) يعني الركعة الاولى من الركعتين۔ قال في شرح المنية حتى لو ادرك مع الامام ركعة من المغرب فانه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة۔ ويقعد في اولهما لانها ثانية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلزمه سجود السهو ولو سهواً لكونها اولى من وجه اھ ولا يخالفه مانقله العينيؒ عن المبسوط من ان هذا استحسان والقياس ان يصلي ركعتين ثم يقعد ووجه الاستحسان ان هذه الركعة ثانية لهذا المسبوق۔ والقعدة بعد الركعة الثانية من المغرب سنة اھ۔

(منحة الخالق على البحر الرائق ج ا ص۳۷۹ باب الحدث في الصلوٰة)[1]

قعدۂ اولیٰ رہ جانے یا اس پر زیادتی سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال ۱ :۔ کسی شخص نے ظہر کی چار رکعت سنتِ مؤکدہ میں قعدۂ اولیٰ چھوڑ دیا تو کیا سجدۂ سہو سے سُنتیں درست ہو جائیں گی ؟

سوال ۲ :۔ اگر کوئی چار رکعت سنتِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے علاوہ درود شریف کے چند کلمات کی زیادتی کرے تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱ :۔ فرض نماز کی طرح سنتِ مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ بھی چونکہ واجب ہے، اور واجب کے ترک سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اس لیے سجدۂ سہو

---

[1] قال الحصكفيؒ : فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما۔ قال ابن عابدين تحت قوله وتشهد بينهما) قال في شرح المنية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلتزمه سجود السهو لكون الركعة اولى من وجه۔ (رد المحتار ج ا ص۵۹۶ باب اللاحق والمسبوق)

ومثلهٗ في كبيري ص۴۶۸ باب سجود السهو۔

کرنے سے نماز درست ہو جائے گی۔

قال ابن نجیم المصریؒ: السادس القعود الاول وکذا کل قعدۃ لیست اخیرۃ سواءٌ کان فی الفرض او فی النفل فانہٗ یلزمہ سجود السہو بترکھا ساھیًا۔

(البحر الرائق ج ٢ ص ٩٥ باب سجود السہو) [1]

الجواب ٢:۔ درود شریف پڑھنا بذاتِ خود موجب سجدہ سہو نہیں بلکہ درود شریف پڑھنے سے رکعتِ ثالثہ کے قیام میں تاخیر آتی ہے جو موجب سجدہ سہو ہے بلکہ قعدۂ اولیٰ کے تشہد پڑھنے کے بعد اگر ویسے بھی ایک شخص خاص مقدار میں تاخیر کرے تو پھر بھی سجدۂ سہو واجب رہے گا۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ومنھا لو کرر التشہد فی القعدۃ الاولیٰ فعلیہ السہو لتاخیر القیام وکذا لو صلّی علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فیھا لتاخیرہٖ واختلفوا فی قدرہ والاصح وجوبہ باللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وان لم یقل وعلیٰ آلہ۔ وذکر فی البدائع انہ یجب علیہ السجود عندہٗ وعندھما لا یجب لانہٗ لو وجب لوجب لجبر النقصان ولا یعقل نقصان فی الصلٰوۃ علیٰ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ وابو حنیفۃ رحمہ اللہ یقول لا یجب علیہ بالصلٰوۃ علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم بل بتاخیر الفرض وھو القیام الا ان التاخیر حصل بالصلٰوۃ فیجب علیہ من حیث انھا تاخیر لا من حیث انھا صلٰوۃ علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم۔ ام وقد حکی فی المناقب ان اباحنیفۃ (رحمہ اللہ) رأی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فی المنام فقال لہٗ کیف اوجبت علیٰ من صلّی عَلَیَّ سجود السہو فاجابہ بکونہ

---

[1] قال الحصکفیؒ: والقعود الاول ولو فی النفل علی الاصح۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ لانہٗ وان کان کل شفع صلٰوۃ علیحدۃ حتی افترضت القرأۃ فی جمیعہ لکن القعدۃ انما فرضت للخروج من الصلٰوۃ۔ فاذا قام الی الثالثۃ تبیّن ان ما قبلھا لم یکن اوان الخروج من الصلٰوۃ فلم تبق الفریضۃ۔

(رد المحتار ج ١ ص ٤٦٥ واجبات الصلٰوۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ١ ص ١٧٧ باب فی عشر الصلٰوۃ السہو۔

صلی علیك ساهیًا فاستحسنه منه۔ (البحرالرائق ج۲ ص۹۷ باب سجود السہو)[1]

چار رکعت نفل میں قعدۂ اولی کے ترک پر نماز کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص چار رکعت نفل نماز میں قعدۂ اولیٰ پر بیٹھنے کی بجائے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، چونکہ نفل میں ہر شفع مستقل نماز ہونے کی وجہ سے قعدۂ اولیٰ فرض ہے اس لیے اُس کی نماز درست نہیں ہونی چاہیئے، شرعاً جو حکم ہو واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ جب تک مصلّی (نمازی) نے تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہو تو بعض کے نزدیک قعدۂ اُولیٰ کو لوٹ کر بیٹھے گا اور تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے پھر اٹھے گا، اور بعض فقہاء کے نزدیک فرائض کی طرح تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد واپس نہیں لوٹے گا بلکہ نماز جاری رکھ کر قعدہ اخیرہ میں ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو کر کے اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور یہی آخری رائے علامہ شامیؒ کی بھی ہے اور یہی سہل ہے۔

قال الحصکفیؒ: سها عن القعود الاوّل الی ان قال اما النفل فیعود مالم یقید بالسجدة۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة (قوله اما النفل فیعود الخ) جزم به فی المعراج والسراج وعلّله ابن وهبان بان کل شفع منه صلوٰة علی حدة۔ لاسیما علی قول محمدؒ بان القعدة الاولیٰ منه فرض فکانت کالاخیرة وفیها یقعد وان قام وحکی فی المحیط فیه خلافًا۔ وکذا فی شرح التمرتاشی قیل یعود، وقیل لا یعود۔ وقال بعد

---

[1] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: فان زاد علی القدر التشهد۔ قال المشائخ: ان قال اللّٰهم صلِّ علیٰ محمّدٍ ساهیًا یجب علیه سجدتا السهو وعن ابی حنیفةؒ فیما رواه الحسن عنه ان زاد حرفًا واحدًا فعلیه سجدتا السّهو۔ قال المص واکثر المشائخ علیٰ هذا ای علیٰ انهٗ یلزمه السهو بزیادة حرفٍ واحدًا۔ وفی الخلاصة والمختار انهٗ یلزمه السهوان قال اللّٰهم صلّ علیٰ محمّدٍ۔ قال البزازیؒ: لانه ادی سنة وکیدة فیلزم بتاخیرالرکن یجب سجود السهو۔

(کبیری ص۴۳۳ باب سجود السهو)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۱۷۱ باب فی عشرالصلوٰة السهو، جنس اٰخر فی المقدمة۔

سطر واحدۃ۔ لکن فی التتارخانیۃ عن العتابیۃ قیل فی التطوع یعود مالم یقیدہ بالسجدۃ والصحیح انہ لایعود۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۳ باب سجود السھو)

وایضاً قال الحصکفیؒ: ولو ترک القعود الاول فی النفل سھواً سجد (ای للسھو) ولم تفسد استحساناً لانہ کما شرع رکعتین شرع اربعاً ایضاً وقدمنا انہ یعود مالم یقید الثالثۃ بسجدۃ۔ وقیل لا۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۸۸ باب سجود السھو)[لہ]

سوال: اگر امام عشاء کی نماز میں قعدۂ اولیٰ

قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر قیام میں جانے سے واپس لوٹنے پر نماز فاسد نہیں ہوتی

پر بیٹھنے کی بجائے قیام میں چلا جائے، پیچھے سے مقتدی فتح دیں اور امام مکمل کھڑے ہونے کے باوجود فوراً بیٹھ جائے تو کیا اس سے نماز پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حسب قواعد قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور قیام فرض ہے، اس لیے واجب کے رہ جانے سے امام کو واپس نہیں آنا چاہیئے تھا لیکن جب یہ امام دوبارہ واپس قعدہ پر بیٹھ گیا تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن نماز میں نقصان ہوگا، البتہ سجدہ سہو ادا کرنے سے نماز پوری ہو جائے گی، اور اگر سجدہ سہو ادا نہیں کیا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وان سھا عن القعود الاول وھو الیہ اقرب عاد والا لا۔ وقال بعد عدۃ اسطر۔ وذکر فی المبسوط ان ظاھر الروایۃ اذا لم یستتم قائماً یعود واذا استتم قائماً لایعود لانہ جاء فی الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قام من الثانیۃ الی الثالثۃ قبل ان یقعد فسبحوا بہ فعاد وروی انہ لم یعد وکان بعد ما استتم قائماً وھذا لانہ لما استتم قائماً اشتغل بفرض القیام فلا یترک اھ وصححہ الشارح۔ وفی فتح القدیر انہ ظاھر المذھب والتوفیق بین الفعلین المرویین بالحمل علی حالتی القرب من القیام وعدمہ لیس باولیٰ منہ بالحمل علی الاستواء وعدمہ ثم لو عاد

لہ قال ابن نجیم المصریؒ: اما فی النفل اذا قام الی الثالثۃ من غیر قعدۃ فانہ یعود ولو استتم قائماً مالم یقیدھا بسجدۃ کذا فی السراج الوھاج۔ وحکی فیہ خلافاً فی المحیط۔ قیل لایعود لانہ صار کالفرض۔ وقیل یعود مالم یقیدھا بالسجدۃ۔ لان کل شفع صلوۃ علیٰ حدہ فی حق القرأۃ فأمرناہ بالعود الی القعدۃ احتیاطاً۔ ومتی عاد تبین ان القعدۃ وقعت فرضاً فیکون رفض الفرض لمکان فیجوز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۰۱ باب سجود السھو)

فی موضع وجوب عدمه اختلفوا فی فساد صلوٰته فصحح الشارح الفساد لتکامل الجنایة برفض الفرض بعد الشروع فیه لاجل مالیس بفرض وفی المبتغیٰ بالغین المعجمة انه غلط لانه لیس بترك وانما هو تأخیر کما لو سهاعن السورة فرکع فانه یرفض الرکوع ویعود الی القیام ویقرأ لاجل الواجب الخ ان قال لاتفسد علی الاصح۔

(البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱،۱۰۲ باب سجود السهو)[1]

عشار کی آخری رکعات میں جہر موجب سجدہ سہو ہے

سوال: عشار کی نماز میں فرضوں کی آخری دونوں رکعات میں جہراً قرات کرنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا اس میں نسیان اور عمد برابر ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟

الجواب: عشار کے فرضوں کی آخری دو رکعات میں اخفاء واجب ہے لہٰذا جہراً قرات پڑھنے سے ترکِ واجب لازم آنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اور عمداً قرات بالجہر پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو سے کفایت نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں اعادہ واجب ہوگا کیونکہ سہو سے جبیرہ نسیان کا ہوتا ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو جهر فیما یخافت فیه وهو امام علیه السهو قل ذٰلك او کثر۔ وکذا اذا خافت فیما یجهر فیه قل ذٰلك او کثر علیه السهو ان فعل ساهیًا فی ظاهر الروایة۔ وعلیه اعتماد شمس الائمة الحلوانیؒ لا علیٰ روایة النوادر۔ ولا سهو علی المنفرد فی شیءٍ من ذٰلك ولو جهر فی الاخریین لزمه السهو۔

(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۱۷۵ جنس فی القرأة والاذکار)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ، وقد نقل المقدسی عن شرحی القدوری للمذکورین بعد نقله تصحیح الصحة عن المعراج والدرایة۔ مانصه۔ ان عاد للقعود یکون مسیئًا ولا تفسد صلوٰته ویسجد لتاخیر الواجب۔ (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱ باب سجود السهو)

[2] قال الحصکفیؒ: والجهر فیما یخافت فیه للامام (وعکسه) لکل مصل فی الاصح۔ والاصح تقدیره (بقدر) ما تجوز به الصلوٰة فی الفصلین۔ وقیل قائله قاضی خانؒ۔ یجب السهو بهما ای بالجهر والمخافتة مطلقًا ای قل او کثر وهو ظاهر الروایة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۸۱ باب سجود السهو)

تکرار دعاءِ قنوت سے سجدہ سہو کا حکم

سوال:۔ دعاءِ قنوت کے تکرار کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعاء قنوت کے تکرار کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے رُکن کی تاخیر لازم آتی ہے جو ترکِ واجب کے مترادف ہے۔

وفی الھندیۃ: ولایجب السجود الابترک واجب اوتاخیرہ اوتاخیر رکن اوتقدیمہ اوتکرارہ اوتغییر واجب۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۲۶ باب سجود السھو) [1]

دُعاءِ قنوت سہواً ترک ہونے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے

سوال:۔ اگر وتر میں دعاءِ قنوت بھول جائے تو سلام پھیرنے کے بعد یاد آجانے کی صورت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر وتر کی نماز میں دعاءِ قنوت بھول جائے اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آنے سے فوراً بعد سجدہ سہو کرے تو نماز مکمل ہو جائے گی، بشرطیکہ سلام کے بعد کوئی ایسا کام نہیں کیا ہو جو نماز کے منافی ہو ورنہ اعادہ واجب ہے، اسی طرح عمداً قنوت چھوڑنے کی صورت میں بھی اعادہ ضروری ہے۔

قال طاھر بن عبدالرشید البخاریؒ: ولوسلّم وعلیہ السجدۃ الصلوتیۃ اوالتلاوۃ اوالسھو۔ ان سلّم وھو غیر ذاکر للکل اوذاکر للسھو لایکون قطعًا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۱۸۱ سجود السھو)

وایضًا ذکر:۔ وان سلّم وھو لایرید ان یسجد لسھوہ لم یکن تسلیمہ ذٰلک قطعًا حتّٰی لوبدا لہ ان یسجد وھو فی مجلسہ ذٰلک قبل ان یقوم وقبل ان یتکلّم فانّہ یسجد سجدتی السّھو فان تکلّم اوخرج من المسجد لاتأتی بھما ویسجد لسھوہٖ بعد السلام عندنا ولو سجد قبل السّلام لایجب علیہ

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وفی فتح القدیر ولوقرأ القنوت فی الثالثۃ ونسی قرأۃ الفاتحۃ اوالسورۃ اوکلیھما فتذکر بعد ماركع قام ولوقرأ واعاد القنوت والرکوع لانہ رجع الٰی محلہ قبلہ ویسجد للسّھو۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۹۶ باب سجود السھو)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج ۱ ص۴۳۹ باب سجود السھو۔

اعادتهما بعد السلام ثم يتشهد ثانياً بعد السجدتين ويقرأ التشهد ۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۱۷۳ سجود السهو)[1]

قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت ملانے سے نماز کی فرضیت نفل میں بدل جاتی ہے

سوال:- ایک آدمی نے چار رکعت فرض کی نیت باندھ لی، قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت اور ملا کر پڑھ لیں، شرعاً اس نماز کی حیثیت کیا ہے؟ اور سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں جب مصلّی نے قعدہ اخیرہ چھوڑ کر دو رکعت اور ملائیں تو یہ چھ رکعات تمام کے تمام نفل ہوئے اور سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں، فرض نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔

قال الشیخ ابراهيم الحلبیؒ: وان سها عن القعدة الاخيرة فی ذوات الاربع وقام الی الخامسة الی ان قال وان قيد الركعة الخامسة بالسجدة بطل فرضه تحولت صلوته نفلاً عند ابی حنيفةؒ وابی یوسفؒ - وبطلت اصلاً عند محمدؒ - وعليه ان يضم اليها (ای الی الخامسة) ركعة سادسة عندهما خلافاً لمحمدؒ - قوله ويسجد للسهو - هو قول بعض المشائخ وفی النهاية والاصح انه لا يسجد وكذا قال ابن الهمام الصحيح انه لا يسجد لان النقصان بالفساد لا ينجبر بالسجود الخ - (كبيری ص۴۶۲ باب سجود السهو)[2]

قعدۂ اخیرہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت رہ جانے کا ظن غالب یا شک

سوال: اگر کسی شخص کو

---

[1] قال قاضی خانؒ: ولو ترك القنوت فذكر فی القعدة او بعد ما قام من الركوع لا يقنت وعليه السهو - (الفتاوٰی القاضی خان علی هامش الهندية ج ۱ ص۱۲۱ باب سجود السهو)

[2] وفی الهندية: وان لم يقعد علی رأس الرابعة حتی قام الی الخامسة الی ان قال - وان قيد الخامسة بالسجدة فسد فرضه عندنا كذا فی المحيط وتحولت صلوته نفلاً عند ابی حنيفةؒ وابی یوسف رحمهما الله تعالٰی - ويضم اليها ركعة سادسة ولو لم يضم فلا شئ عليه كذا فی الهداية - (الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص۱۲۹ باب سجود السهو) ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۰۴ باب سجود السهو۔

قعدہ اخیرہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت چھوٹ جانے کا ظن غالب آئے اور وہ اس ظن غالب کی وجہ سے بناء کر کے ایک اور رکعت پڑھنے کے لیے اٹھ جائے اور اسی زائد رکعت کو پڑھتے ہوئے قیام یا رکوع میں یاد آیا کہ سب رکعتیں پوری پڑھی جا چکی ہیں تو شرعاً اس شخص کو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے ؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص ظن غالب پر قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے یا سلام کے متصلاً بعد کھڑا ہو جائے کہ اس کے ذمے کوئی رکعت باقی ہے اور پھر اس کو قیام یا رکوع میں یاد آیا کہ اس نے نماز مکمل پڑھی ہے تو یہ شخص فوراً بیٹھ کر سلام پھیرے اور کھڑے ہوئے سلام پھیرا تو بھی جائز ہے مگر خلافِ سُنت ہے۔

لما قال العلامة حماد بن حسن الشرنبلالیؒ: وان قعد الجلوس الاخیر قدر التشهد ثم قام ولو عمداً وقرأ ورکع عاد للجلوس لان مادون الرکعة بمحل الرفض وسلّم فلو سلّم قائماً صح وترک السنّة لان السنّة للتسلیم جالساً من غیر اعادة التشهد لعدم بطلانه بالقیام۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۸۳ باب سجود السهو)[1]

قعدہ اخیرہ کے بعد رکعت خامسہ پر سجدہ کرنے یا نہ کرنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ اگر امام قعدۂ اخیرہ کر کے کھڑے ہونے کی صورت میں پانچویں رکعت پڑھے اور اسی پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کر لے تو کیا امام اور مسبوق کی نماز درست ہوگی ؟

الجواب:۔ قعدہ اخیرہ کرنے سے اس کی نماز پوری ہوگئی، رکعتِ خامسہ کرنے سے سلام میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو سے کفایت ہو سکتی ہے، لہٰذا سجدۂ سہو کرنے کے بعد امام اور مقتدیوں کی نماز درست رہے گی، لیکن مسبوق کے لیے ضروری ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے بعد امام

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: وان قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلّم ولو سلّم قائماً صح۔ قال العلامہ ابن عابدینؒ قوله عاد وسلّم ای عاد للجلوس لما مرّان ما دون الرکعة محل الرفض وفیه اشارة الی انه لا یعید التشهد وبه صرح فی البحر قال فی الامداد والعود للتسلیم جالساً سُنّةٌ لانّ السُّنّة التسلیم جالساً الخ۔
(رد المحتار ج۲ ص۸۶ باب سجود السهو)

سے الگ ہوکر اپنی نماز پوری کرے، اگر مسبوق رکعتِ خامسہ میں امام کی اقتدا کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور عدمِ موافقت کی صورت میں مسبوق پر سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ امام پر سجدۂ سہو اُس وقت لازم ہُوا جبکہ مسبوق منفرد ہوچکا تھا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (وان قعد فی الرابعۃ) الخ (ثم قام عاد وسلّم) ولو سلّم قائماً صح ثم الاصح ان القوم ینتظرونہ فان عاد اتبعوہ (وان سجد للخامسۃ سلّموا) لانہ تم فرضہ اذ لم یبق علیہ الا السلام الخ۔ الی ان قال (وسجد للسہو فی الصورتین) یعنی لم یسجد للخامسۃ وسجد) لنقصان فرضہ بتاخیر السلام فی الاولیٰ وترکہ فی الثانیۃ (یعنی بعد السجدۃ للخامسۃ)

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار بتغیر عبارۃٍ قلیلٍ وکثیرٍ ج ۱ ص۵۵۳ باب سجود السہو)

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو قام امامہ لخامسۃ فتابعہ ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسۃ بسجدۃ۔ قال العلامۃ محمد امین قولہ تفسد ای صلوٰۃ المسبوق لانہ اقتداء فی موضع الانفراد وکان اقتداء المسبوق بغیرہ مفسد کما مر قولہ والا ای وان لم یقعد وتابعہ المسبوق لا تفسد صلوٰتہ لان ما قام الیہ الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوٰۃ الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۵۹۹ باب اللاحق والمسبوق)[1]

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: (وان قعد فی الرابعۃ ثم قام عاد وسلّم) الخ وقال بعد سطر واحد ثم قیل القوم یتبعونہ فان عاد عادوا معہ وان مضی فی النافلۃ اتبعوہ لان صلوٰتہم تمت بالقعدۃ والصحیح انہم لا یتبعونہ لانہ لا اتباع فی البدعۃ۔ فان عاد قبل تقیید الخامسۃ بالسجدۃ اتبعوہ بالسلام فان قید سلّموا فی الحال (وان سجد للخامسۃ تم فرضہ وضم الیہا سادسۃ) ای لم تفسد فرضہ بسجودہ کما فسد فیما اذا لم یقعد ھذا ھو المراد بالتمام والا فصلاتہ ناقصۃ کما سیأتی۔ وانما لم یفسد لان الباقی اصابۃ لفظ السلام وھی واجبۃ۔ وانما یضم الیہا اخری لتصیر الرکعتان لہ نفلاً للنہی عن الرکعۃ الواحدۃ۔ فاذا ضم فانہ یتشہد ویسلّم ثم یسجد للسہو کما سیأتی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۰۱ باب سجود السہو)

وایضاً قال ابن نجیم المصریؒ: ولو قام الامام الی الخامسۃ فی صلوٰۃ الظہر فتابعہ المسبوق ان قعد الامام علی رأس الرابعۃ تفسد صلوٰۃ المسبوق وان لم یقعد لم تفسد حتی یقید الخامسۃ السجدۃ۔ فاذا قیدھا بالسجدۃ فسد صلوٰۃ الکل۔ لان الامام اذا قعد علی الرابعۃ تمت صلوٰتہ فی حق المسبوق فلا یجوز للمسبوق متابعتہ۔

(البحر الرائق ج ۱ ص۳۷۸ باب الحدث فی الصلوٰۃ)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۱۶۱، ۱۶۲ الفصل فی السجود السہو

فرائض اور نوافل میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال: نفل نماز کے اندر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سجدۂ سہو درحقیقت نماز میں کسی واجب کے ترک پر جو قصور رہ گئی ہو اس کا جبیرہ ہوتا ہے، اور ترک واجب صرف فرض سے خاص نہیں بلکہ نفل نماز میں بھی ہوسکتا ہے اس لیے سجدۂ سہو کا حکم فرض اور نفل نماز میں یکساں ہے۔

وفی الهندیة: وحکم السهو فی الفرض والنفل سواءٌ کذا فی المحیط۔[1]

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۲۶ باب سجود السهو)

نماز کے آخر میں سلام کا حکم

سوال: ایک مصلی (نمازی) نے ایک طرف سلام پھیرا اور دوسری طرف سلام نہیں پھیرا بلکہ ویسے ہی اٹھ کھڑا ہوا، یا اگر دونوں طرف سلام نہ پھیریں تو ایسے نمازی کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے یا یہ کافی ہے؟

الجواب: ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی، کیونکہ جب پہلا سلام پھیر دیا تو نماز پوری ہوگئی، ہاں دوسری طرف سلام پھیرنا بھی واجب ہے۔ لہٰذا سینہ پھیرنے اور بات کرنے سے قبل یاد آنے پر دوسری طرف بھی سلام پھیر دے، اور اگر دونوں طرف سلام نہیں پھیرا، ہو تو نماز سے منافی کام کرنے سے قبل یاد آنے کی صورت میں فوراً بیٹھ کر سجدۂ سہو کرکے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے تو نماز درست تصور ہوگی، ورنہ ترکِ واجب سے مکروہ تحریمی ہو کر نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، جیساکہ دونوں طرف قصداً سلام چھوڑنے پر سجدۂ سہو کرنے سے نماز پوری نہیں ہوگی بلکہ اعادہ واجب رہے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولفظ السلام مرّتین فالثانی واجب علی الاصح برهان دون علیکم ویتقضی قدوة بالاوّل قبل علیکم علی المشهور

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: فان سجود السهو فی مطلق الصلٰوة۔ ولا یختص بالفرائض۔

(البحر الرائق جلد ۲ ص۹۱ باب سجود السهو)

عندنا وعلیه الشافعیؒ خلافاً للتکملة ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۸۴) لـه

سجدہ سہو کے سلام میں امام کی متابعت نہ کرنے سے نماز کا حکم

سوال:۔ اگر مدرک نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کا سلام پھیرنے کے وقت قصداً سلام نہیں پھیرا، صرف سجدۂ سہو میں شریک ہوا، تو کیا ترکِ واجب کی وجہ سے وہ اپنی نماز کو لوٹائے؟ اور اگر سہواً سلام نہیں پھیرا ہو تو مقتدی پر الگ سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اس لیے نماز ہو جائے گی، کیا یہ درست ہے؟

الجواب:۔ سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے قبل ہو یا بعد میں، ہر دو صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ روایات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل منقول ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریع عامہ کے لیے فرمایا ہے: لکل سہو سجدتان بعد السلام ۔ اسلیئے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا افضل ہے اور سلام پھیرنے سے قبل خواہ قصداً ہو یا سہواً، ہر دو صورتوں میں جائز ہے ۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وهذا الخلاف فی الاولویة حتی لو سجد قبل السلام لا یعیده لانه لو اعاد یتکرر وانه خلاف الاجماع ۔ الخ ۔ وذلك کان مجتهداً فیه ۔ وروی عن اصحابنا انه لایجزئه یعیده کذا فی المحیط وفی غایة البیان ان الجواز ظاهر الروایة وفی التجنیس لو کان الامام یری سجدتی السهو قبل السلام والمأموم بعد السلام قال بعضهم یتابع الامام

لـه قال ابن نجیم المصریؒ: التامن لفظ السلام ولا یتصور ایجاب السجود بترکه لانه بعد القعود الاخیر اذا لم یأت بمناف فانه یسلم وان اتی بمناف فلا سجود ولهذا قال فی التجنیس والسهو عن السلام یوجب سجود السهو ۔ والسهو عنه ان یطیل القعدة ویقع عنده انه خرج من الصلوٰة ثم یعلم ذلك فیسلم ویسجد لانه اخر واجباً او رکناً علی اختلاف الاصلین اھ ۔ وانما یتصور ایجابه بتاخیره کما قدمنا وذکرنا فی باب صفة الصلوٰة ۔ ان الواجب منه التسلیمة الاولیٰ وهی السلام دون علیکم ورحمة الله ۔ وفی البدائع انه لو سلم عن یساره اولاً لاسهو علیه لانه ترك السنة ۔ وفی الظهیریة واذا سلم الرجل عن یمینه وسها عن التسلیمة الاخریٰ فما دام فی المسجد یأتی بالاخریٰ وان استدبر القبلة وعامة المشائخ علی انه لا یأتی متی استدبر القبلة ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۹۵ باب سجود السهو)

لان حرمة الصلوٰة باقية فيترك رأيه برأى الامام تحقيقاً للمتابعة۔ وقال بعضهم لايتابع ولوتابعه لااعادة عليه اھ وكان القول الاول مبنى على ظاهر الرواية والثانى على غيرها كما لايخفىٰ۔ وذكر الفقيه ابو الليث فى الخزانة انهٗ قبل السلام مكروه۔ والظاهر انها كراهة تنزيه الخ۔ (البحر الرائق باب سجود السهو ج ۱ ص۹۲) لـه

فاسد نماز واجب الاعادہ ہے

سوال: اگر کسی نمازی سے ترک واجب کی صورت میں سجدہ سہو رہ جائے اور سلام پھیرنے کے بعد اس کو سجدۂ سہو کا موقع نہ ملے تو اس کی نماز کا عند الشرع کیا حکم ہے؟

الجواب: ترکِ واجب کی صورت میں نماز کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہے، مکمل فراغتِ ذمہ کے لیے دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

قال علاؤالدين الحصكفىؒ: (لها واجبات) لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً فى العمد والسهو ان لم يسجد له۔

قال ابن عابدينؒ تحت هٰذه العبارة۔ وهل تجب بترك سجود السهو لعذر كما لو نسيه او طلعت الشمس فى الفجر لم اره فليراجع والذى يظهر الوجوب كما هو مقتضى اطلاق الشارح۔ لان النقصان لاينجبر بجابر وان لم يأثم بتركه فليتأمل۔
(رد المحتار ج ۱ ص۴۵۶ مطلب واجبات الصلوٰة) ٢ـه

امام کے سجدہ سہو سے فراغت کے بعد مسبوق کے لیے سجدۂ سہو کا حکم

سوال: اگر مسبوق امام کے ساتھ ایسی حالت میں آملے کہ امام سجدہ کر چکا ہو تو کیا مقتدی مسبوق سجدہ سہو کرے گا

لـه قال طاهر بن عبد الرشيد البخارىؒ: ولو سجد قبل السلام لايجب عليه اعادتهما۔
(خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص۱۷۳ باب سجود السهو)

٢ـه لما قال العلامة السيد احمد الطحطاوى: قوله واعادتها بتركه عمداً اى مادام الوقت باقيا وكذا فى السهو ان لم يسجد له وان لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم۔ (الطحطاوى حاشية مراقى الفلاح ص۱۳۳ باب واجبات الصلوٰة)
وَمِثْلُهٗ فى امداد الاحكام ج ۱ ص۲۸۱ كتاب الصلوٰة۔

یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت مقتدی مسبوق پر سجدہ سہوادا کرنا واجب نہیں، بلکہ اگر یہ مسبوق دوسرے سجدہ میں شامل ہوا ہو تب بھی اس پر پہلے سجدہ کی قضاء واجب نہیں۔

وفی الھندیۃ: ولو دخل معہ (ای مع الامام) بعد ما سجد سجدتی السھو یتابعہ فی الثانیۃ ولا یقتضی الاول وان دخل معہ بعد ما سجدھما لایقضیھما کذا فی التبیین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۲۸ باب سجود السھو) [۱]

عیدین وجمعہ کی نماز میں کثرتِ جماعت کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کرنے کا حکم

سوال:۔ عیدین کی نماز میں تکبیرات رہ جانے پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا عیدین کی نماز میں سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود چھوڑنے کی صورت میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں، اور واجب کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے لیکن عیدین کی نماز میں اندحام اور افراتفری کی وجہ سے متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عیدین کی نماز میں سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود نہ کیا جائے تاکہ لوگوں میں فتنہ وفساد برپا نہ ہو، تاہم اگر سجدہ سہوا دا کیا گیا تو لوگوں کے اٹھ جانے سے ان کی نماز میں فساد لازم نہیں آتا کیونکہ سجدہ سہو کے بعد اگر کوئی شخص اٹھ کر چلا جائے تو اس کی نماز پوری شمار کی جائے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد قعدہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اس لیے سجدۂ سہو کے بعد بغیر قعدے کے چلے جانے سے نماز مع الکراہت ادا ہوگی اور کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم یجب اعادتھا کا قاعدہ اس پر جاری ہوگا اور اگر مجمع کثیر نہ ہو تو سجدہ سہو کیا جائے گا۔

قال الحصکفیؒ: والسھو فی صلوٰۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواءٌ۔ والمختار عند المتاخرین عدمہ فی الاولیین لدفع الفتنۃ کما فی جمعۃ البحر واقرہ المصنف وبہ جزم

---

[۱] قال الحصکفیؒ: والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواءٌ کان السھو قبل الاقتداء او بعدہ۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھذہ العبارۃ (قولہ سواءٌ کان السھو الخ) بیان للاطلاق وشمل ایضاً ما اذا سجد الامام واحدۃ ثم اقتدی بہ قال فی البحر فانہ یتابعہ فی الاخری ولا یقضی قضاء الاولیٰ کما لا یقضیھما لو اقتدی بہ بعد ما سجدھما۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۲ باب سجود السھو)

فی الدر، اھ۔ قال ابن عابدینؒ تحت ھٰذہ العبارۃ (قولہ عدمہ فی الاولیین) الظاھر ان الجمع الکثیر فیما سواھما کذلک کما بحثہ بعضھم وکذا بحثہ الرحمتی۔ وقال خصوصاً فی زماننا وفی جمعۃ حاشیۃ ابی السعود عن العزمیۃ ان لیس المراد عدم جوازہ بل الاولیٰ ترکہ لئلا یقع الناس فی فتنۃ اھ قولہ وبہ جزم فی الدرر) لکنہ قیدہ محشیھا الوانی بما اذا حضر جمیع کثیر والا فلا داعی الی الترک۔ (ردّ المحتار ج۱ ص۵۵۶ باب سجود السھو)[1]

نماز میں زیادہ دیر خاموش رہنے کا حکم

سوال:- ہماری مسجد کے امام صاحب عشاء کے وتر باجماعت پڑھا رہے تھے جب تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو چند لمحے خاموش رہے پھر قرأت شروع کی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا، کیا امام مذکور کا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- نماز میں اتنی دیر بلا عذر خاموش رہنا کہ اس میں تین بار سُبحَانَ اللّٰہ پڑھا جا سکتا ہو موجب سجدہ سہو ہے اسلئے صورتِ مذکورہ میں امام صاحب کا سجدۂ سہو کرنا درست اقدام ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: واعلم انہ اذا شغلہ ذلک الشک فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالۃ الشک بقراءۃ ولا تسبیح ذکرہ فی الذخیرۃ وجب علیہ سجود السھو۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۵۰۶ باب سجود السھو)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: قال فی الفتاوی القعدۃ بعد سجدتی السھو لیست برکن وانما اُمِر بھا بعد سجدتی السھو لیقع ختم الصلوٰۃ بھا حتّٰی لو ترکھا فقام وذھب لا تفسد صلاتہ کذا قالہ الحلوانی کذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۲۶ باب سجود السھو)

وفی الھندیۃ: السھو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لا یسجد للسھو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی فتنۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۲۸ باب سجود السھو)

[2] وفی الھندیۃ: واذا شک فی صلوتہ فلم یدر اثلاثاً صلی ام اربعاً وتفکر فی ذلک کثیراً ثم استیقن انہ صلی ثلاث رکعات فان لم یکن تفکر شغلہ عن اداء رکن بان یصلی ویتفکر فلیس علیہ سجود السھو وان طال تفکرہ حتّٰی شغلہ عن رکعۃ او سجدۃ او یکون فی رکوع او سجود فیطول تفکر فی ذلک وتغیر حالہ بالتفکر فعلیہ سجود السھو استحساناً۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۳۱ باب سجود السھو)

باب صلوٰۃ المریض

(بیمار کی نماز کے احکام و مسائل)

بیماری کی حالت میں فوت ہوجانے والی نمازوں کی قضاء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص شدید بیمار ہے اور کسی بھی صورت میں نماز پڑھنے پر قادر نہیں جس کی وجہ سے اس کی چند نمازیں فوت ہو گئیں، جبکہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہوگیا، اب اس کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی بیمار سے شرعی عذر کی وجہ سے کچھ نمازیں فوت ہوجائیں تو صحتیابی کے بعد ان کی قضاء لازمی ہے، تاہم اگر اسی بیماری میں مریض کا انتقال ہوجائے تو شرعاً اس سے قضاشدہ نمازیں ساقط ہوجائیں گی اور فدیہ وغیرہ دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ : فلومات ولم یقدر علی الصلوٰۃ لم یلزمہ القضاء حتی لایلزمہ الایصاء بھا کالمسافر اذا افطر ومات قبل الاقامۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۹ باب صلوٰۃ المریض) [1]

مریض کو نماز کے لیے اٹھانا سنت ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص دل و دماغ کا مریض ہو اور اسی تکلیف کی وجہ سے ساری رات بے خوابی میں رہ کر صبح کے قریب سو جائے، تو ایسے بیمار کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص اُسے نماز کے لیے اٹھائے تو شرعاً یہ کیسا ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ مریض نماز پر قدرت رکھتا ہو خواہ اشارہ سے کیوں نہ ہو، تو اس مریض کو نماز کے لیے اٹھانا بہتر بلکہ نیکی کے کام میں امداد اور عبادت ہے۔

لقولہ تعالیٰ : تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ (سورۃ المائدۃ پ۶، رکوع ا آیت ۲)

وبحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ عن ابیہ خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلوٰۃ الصبح فکان لایمر برجل الا ناداہ بالصلوٰۃ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ : حتی لومات المریض ایضاً من ذلک الوجہ ولم یقدر علی الصلوٰۃ لایجب علیہ القضاء حتی لایلزمہ الایصاء قصار کالمسافر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۱۵ باب صلوٰۃ المریض)

اوحرکہ برجلہ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۹ باب الاضطجاع بعدھا) [1]

نماز کے قیام کے سقوط میں ڈاکٹر کے مشورہ کی حیثیت

سوال:۔ ایک مریض کو ڈاکٹر کہتا ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھ لیا کریں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے تمہاری بیماری بڑھ جائے گی، لیکن وہ ڈاکٹر کا کہنا نہیں مانتا اور کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھتا ہے، لہٰذا اس شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز میں قیام فرض ہے، اگر مریض کو قیام پر قدرت حاصل ہو اور مرض کی زیادتی کا اندیشہ نہ ہو، کھڑے ہونے سے کوئی تکلیف بھی نہ ہوتی ہو تو بلا عذر قیام ترک کرنا جائز نہیں، البتہ معذور شخص کو قیام ترک کرنا مرخص ہے۔ عذر کے تحقق کا دارومدار نفس الامر میں موجود ہونے پر ہے، اگر بیمار کو خود یہ احساس ہو کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بیماری بڑھ جاتی ہے، علاوہ ازیں ڈاکٹر اگر متعلقہ بیماری میں ماہر ہو اور مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ نماز کی حقیقت کا بھی قائل ہو تو ایسے ڈاکٹر کے مشورہ پر مریض عمل کر سکتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن الھمامؒ: قولہ اذا عجز المریض عن القیام صلّی قاعداً یرکع ویسجد) المراد اعم من العجز الحقیقی حتی لو قدر علی القیام لکن یخلف بسببہ ابطاء برئٍ اوکان یجد الماً شدیداً اذا قام جازلہ ترکہ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۷ باب صلوٰۃ المریض)

قال ایضاً: ثم معرفتہ (ای ازدیاد المرض) ذٰلک باجتہاد المریض والاجتہاد غیر مجرد الوھم بل ھو غلبۃ ظن عن امارۃ اوتجربۃ اوباخبار طبیب مسلم

---

[1] اخرج الامام ولی الدین ابو عبد اللّٰہ بن محمد بن عبد اللّٰہ الخطیب: عن ابی بکرۃ قال خرجتُ مع النبیؐ لصلوٰۃ الصبح فکان لایمر برجلٍ الا ناداہ بالصلوٰۃ اوحرکہ برجلہ۔

قال الملاّ علی قاریؒ فی شرح الحدیث: فیہ حث علی ایقاظ النائم ونحوہ للصلوٰۃ ویؤخذ من تحریکہ برجلہ جواز ذٰلک من غیر کراھۃ۔

(المرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۱۵۷ باب الاذان الفصل الثالث)

غیر ظاہر الفسق۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۷۲ فصل ومن کان مریضاً فی رمضان الخ) لہ

رکوع اور سجدہ پر قدرت نہ رکھنے والے کیلئے قیام کا حکم

سوال:۔ ایک مریض نے آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے، ڈاکٹر نے اُسے رکوع اور سجدہ کرنے سے منع کیا ہے لیکن قیام پر وہ خوب قادر ہے۔ تو کیا اس صورت میں اسکی نماز بیٹھ کر قیام کے بغیر درست ہوگی یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص سجدہ پر قادر نہیں تو اس سے قیام ساقط ہے تاوقتیکہ صحتیاب ہو جائے لہٰذا یہ شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ سے پڑھے کیونکہ کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر اشارہ کرنا زمین کے نزدیک ہے، اشارہ کرتے وقت سجدہ کیلئے رکوع کی بہ نسبت ذرا نیچے ہو کر اشارہ کرے۔

قال الحصکفیؒ : او صلّی قاعداً کیف شاء برکوع وسجود وان قدر علی بعض القیام قام وان تعذرا (ای الرکوع والسجود) لیس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود کاف (لا القیام) اوما قاعداً) وهو افضل من الایماء قائماً لقربه من الارض۔ ویجعل سجوده اخفض من رکوعه لزوماً ولا یرفع الی وجهه شیئاً یسجد علیه فانه یکره تحریماً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۹۷،۹۹ باب صلوٰۃ المریض) ۲ــہ

لــہ قال الحصکفیؒ : من تعذر علیه القیام لمرض قبلها او فیها (ای الفریضۃ) بان خاف زیادته او بطء برئه بقیامه او دوران رأسه او وجد لقیامه الماً شدیداً صلّی قاعداً کیف شاء برکوع وسجود وان قدر علی بعض القیام ولو متکئاً علی عصا او حائط قام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۹۵،۹۶ باب صلوٰۃ المریض)

وایضاً قال : او مریض خاف الزیادة لمرضه وصحیح خاف المرض وخادمة خافت الضعف بغلبة الظن بامارة او تجربة او باخبار طبیب حاذق مسلم مستور۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۲ فصل فی العوارض المبیحة للصوم)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۳۶ ج۱ ص۲۰۷ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار۔ صلوٰۃ المریض۔

۲ــہ قال عبد الله النسفیؒ : اوخاف زیادة المرض صلّی قاعداً یرکع ویسجد وموميا ان تعذر وجعل سجوده اخفض ولا یرفع الی وجهه شیئاً یسجد علیه۔ فان فعل وهو یخفض رأسه صح والا لا۔ وان تعذر الرکوع والسجود لا القیام اوماء قاعداً۔

(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۱۲،۱۱۳ باب صلوٰۃ المریض)

ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۱ ص۴۵۵ باب صلوٰۃ المریض۔

معذور کی نماز کا طریقہ

سوال: ایک شخص کسی شدید حادثہ کا شکار ہوا ہے اب اس کی حالت یہ ہے کہ ناف کے نیچے بالکل بے حس ہو چکا ہے، حادثے کے بعد سے اس کا پیشاب پائپ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے، پیشاب کی نالی کے ساتھ دن رات پائپ لگا رہتا ہے جس کے ذریعے قطرہ قطرہ پیشاب رِس رِس کر بوتل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے نماز کا کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ قیام اور رکوع اور سجدہ پر بھی قادر نہیں، اس کے علاوہ خود وضو کرنے سے قاصر ہو کر کسی دوسرے سے استنجاء اور وضو کرانا بھی مشکل ہے، تو ایسے شخص کے لیے تیمم اور وضو کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسے معذور شخص کا یہ عذر جب تک موجود ہو تو ایسی صورت میں یہ بغیر وضو کے تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے، اور اگر تیمم کی قدرت بھی نہ ہو تو بغیر طہارت نماز ادا کرے گا اور اعادہ بھی واجب نہیں۔

قال الحصکفیؒ: (والمحصور فاقد) ای الماء والتراب الخ وکذا العاجز عنهما لمرض (یؤخرها عنده وقالا یتشبه) بالمصلین وجوباً الخ و به یفتی والیه صح رجوعه) ای الامام کما فی الفیض وفیه ایضاً (مقطوع الیدین والرجلین اذا کان بوجهه جراحة یصلی بغیر طهارة ولا تیمم (ولا یعید علی الاصح)۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص۱۸۵ باب التیمم)

اور جب قیام، رکوع اور سجدہ پر بھی قادر نہ ہو تو یہ شخص اشارہ سے نماز ادا کرے گا۔ اشارہ کی کیفیت یہ ہو گی کہ چارپائی پر لیٹ کر پاؤں قبلہ کی جانب کرے، پیچھے سے کوئی شخص بیٹھے یا پیٹ کے نیچے سرہانہ یا کوئی دوسری چیز رکھے تاکہ سر ذرا اونچا ہو کر اشارہ کر سکے۔ اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر جیسے بھی اشارہ ممکن ہو وہ کیفیت اختیار کرکے نماز پڑھے۔

قال الحصکفیؒ: (من تعذر علیه القیام) ای کله (لمرض) حقیقی وحده ان یلحقه بالقیام ضرر به یفتی۔ قبلها (وفیها) ای الفریضة (او) حکمی بأن (خاف زیادته او بطء برئه بقیامه او دوران رأسه او وجد لقیامه الماً شدیداً) او کان لو صلی قائماً سلس بوله الخ (صلی قاعداً) ولو مستنداً الی وسادة او انسان فانه یلزمه ذلک علی المختار کیف شاء علی المذهب لان المرض اسقط عنه الارکان فالهیئات اولی الخ۔ وایضاً قال (وان تعذر القعود) ولو حکماً (اومأ مستلقیاً علی ظهره (ورجلاه نحو القبله) غیر انه ینصب رکبتیه لکراهة مد الرجل الی القبلة ویرفع رأسه یسیراً لیصیر وجهه الیها الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۹۷، ۹۸، ۹۹ باب صلوٰة المریض)[1]

---

[1] ومثله فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۲ ص۱۱۲-۱۱۴ باب صلوٰة المریض۔

باب سجدة التلاوة

(سجدۂ تلاوت کے احکام و مسائل)

سجدۂ تلاوت کے وجوب کیلئے پوری آیت کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے

سوال:۔ اگر سجدہ کی پوری آیت تلاوت نہ کی جائے بلکہ نصف یا اس سے زائد حصہ تلاوت کی جائے تو اس صورت میں سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے پوری آیت کا پڑھنا یا سُننا ضروری ہے، اگر نصف یا اس سے زائد حصہ کی تلاوت کی ہو اور جس کلمہ میں حروفِ سجدہ واقع ہوئے ہوں اس کی تلاوت نہ ہوسکے تو سجدہ واجب نہیں رہے گا، البتہ ایسا کرنا صحیح نہیں کہ سجدہ کی جگہ پر پہنچکر اس کو چھوڑ دے۔

قال علامہ ابن العابدینؒ: (تحت قولہ یجب بسبب التلاوۃ آیۃ ای اکثرھا مع حرف السّورۃ) والصحیح انہٗ اذا قرأ حرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ او بعدہ کلمۃ وجب۔الخ

(ردالمحتار ج ۱ ص۱۰۳ باب سجود التلاوۃ)[1]

سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت شرط ہے

سوال:۔ قرآن مجید کو بن دیکھے تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں، اس لیے بلا وضو تلاوت کرتے ہوئے اگر کہیں آیتِ سجدہ تلاوت کی جائے تو سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں تلاوتِ قرآن کے لیے اگرچہ طہارت (وضوء) شرط نہیں لیکن سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط ہے، اور چونکہ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں اس لیے بغیر وضوء کے جو آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو طہارت حاصل کرنے کے بعد سجدہ ادا کیا جائے گا، بغیر وضو کے اگر سجدہ کیا گیا تو از روئے شرع اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما شرائط الجواز فکل ماھو شرط لجواز الصلوٰۃ من

---

[1] لما فی الھندیۃ: ولو قرأ آیۃ السجدۃ الا الحرف الذی فی اٰخرھا لا یسجد۔الخ
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۱۳۲ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ)

طہارت الحدث وھی الوضوء والغسل وطہارت النجس وھی طہارت البدن ۔ الخ
(بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۶ فصل اما شرائط الجواز) [1]

آیتِ سجدہ پڑھنے اور سُننے سے سجدہ کا وجوب

سوال :۔ آیتِ سجدہ پڑھنے یا سُننے سے سجدہ کے وجوب کی دلیل کیا ہے ؟ بسا اوقات سُننے والے کا ارادہ نہیں ہوتا، کیا ارادہ نہ ہونے کے باوجود سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ؟

الجواب :۔ احناف کے نزدیک آیتِ سجدہ پڑھنے یا سُننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے اس میں سننے یا پڑھنے والے کے قصد وارادہ کا کوئی دخل نہیں۔

لما ورد فی الحدیث : اذا قرأ ابن آدم السجدۃ اعتزل الشیطٰن یبکی ویقول یا ویلہ امر ابن آدم ۔ الخ (الصحیح المسلم ج ۱ ص۶۱ باب بیان اطلاق اسم الکفر الخ)

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی طور پر بھی آیتِ سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا ثابت ہے، جبکہ اکثر روایات میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے جس سے خلاصی سجدہ کے بغیر ممکن نہیں [2]

آیتِ سجدہ سُننے سے بھی سجدہ واجب ہوتا ہے

سوال :۔ کیا سجدۂ تلاوت آیتِ سجدہ پڑھنے کے علاوہ سُننے سے بھی واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟ نیز کیا سننے میں قصد وارادہ کا کوئی دخل ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ سجدۂ تلاوت کے وجوب ادا کے لیے آیتِ سجدہ پڑھنے کے علاوہ سُننا بھی ایک سبب ہے، لہٰذا جب بھی آیتِ سجدہ سُنی جائے تو اس سے سجدہ واجب ہوجائے گا، تاہم اگر اس وقت

---

[1] وقال طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ : ویشترط لاداء السجدۃ مایشترط لاداء الصلوٰۃ من طہارۃ الثوب والبدن والمکان ۔ الخ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۱۸۹ باب سجود التلاوۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۳۵ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ ۔

[2] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ : قولہ فکان فی الحدیث دلیل علیٰ کون ابن آدم مامورا بالسجودؒ ومطلق الامر للوجوب الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۰ فصل اما سجود التلاوۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۳۲ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ ۔

سجدہ کرنے کی فرصت نہ ہو تو بعد میں ادا کیا جائے۔

قال برھان الدین المرغینانیؒ: والسجدۃ واجبۃ فی ھذہ المواضع علی التال والسامع سواء قصد سماع القرآن اولم یقصد الخ (الھدایۃ ج۱ ص۱۴۳ باب سجود التلاوۃ) ؎۱

ٹی وی، ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سجدۂ تلاوت کا عدم وجوب

سوال:۔ ٹیپ ریکارڈ ریڈیو یا ٹی وی کے ذریعہ اگر آیتِ سجدہ سُنی جائے تو کیا اس کے سُننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ بسا اوقات کسی قاری کی آواز براہِ راست بھی سُنی جاتی ہے، کیا ریکارڈنگ اور براہِ راست دونوں کا حکم ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

الجواب:۔ ریڈیو، ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ ریکارڈ شدہ تلاوت جب سُنی جائے تو آیتِ سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اگرچہ بعض کے نزدیک براہِ راست سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لاتجب بسماعہ من الصدی والطیر ومن کل قال حرفاً ولا بالتھجی۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۰۸ باب سجود التلاوۃ) ؎۲

اوقاتِ مکروہہ میں سجدۂ تلاوت کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر اوقاتِ مکروہہ میں تلاوت کرتے ہوئے کہیں سجدہ کی آیت پڑھی جائے تو کیا اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ خارج از صلوٰۃ سجدۂ تلاوت کی ادائیگی علی الفور واجب نہیں، یہ جس وقت بھی ادا کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، پھر بھی مکروہ اور غیر مکروہ وقت کی رعایت ضروری

؎۱ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما سبب وجوب السجدۃ فسبب وجوبھا احد شیئین التلاوۃ اوالسماع الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۰ باب سجود التلاوۃ، فصل سبب الوجوب)
ومِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۱۰۸ باب سجود التلاوۃ۔

؎۲ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: فینظر الی اھلیۃ التال واھلیتہ بالتمیز وقد وجد فوجد سماع تلاوت صحیحۃ فتجب السجدۃ بخلاف السماع من الببغاء والصدی فان ذٰلک لیس بتلاوت۔ الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۶ باب سجود التلاوۃ۔ فصل بیان من تجب علیہ)
ومِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۱۸۲ الفصل السابع عشر فی وجوب سجدۃ التلاوت۔

ہے، جب سجدہ کا وجوب وقت مشروع میں ہو تو اس کی ادائیگی اوقاتِ مکروہہ میں جائز نہیں، البتہ اگر اوقاتِ مکروہہ میں جب آیتِ سجدہ کی تلاوت کی جائے تو سجدہ کی ادائیگی ان اوقات میں جائز ہے۔

لما فی الهندية : ولو تلاها فی وقت مباح فسجدها فی اوقات مكروهة لم تجز۔ الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۳۵ الباب الثالث عشر سجود التلاوة) لہ

متعدد آیاتِ سجدہ کے لیے ایک سجدہ کافی نہیں

سوال :۔ اگر ایک مجلس میں ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت متعدد آیاتِ سجدہ پڑھے تو کیا یہ شخص ہر ایک آیتِ سجدہ کے لیے علیحدہ علیحدہ سجدہ کرے گا یا تمام آیات کے لیے ایک ہی سجدہ کافی ہے؟

الجواب :۔ متعدد آیاتِ سجدہ پڑھتے وقت ہر سجدہ کے لیے سبب مختلف ہے، اس لیے ایسی صورت سجدات میں تداخل مرخص نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک آیت پر الگ الگ سجدہ کیا جائے گا، البتہ ایک آیتِ سجدہ کسی ایک مجلس میں بار بار پڑھنے سے جب تک مجلس برخاست نہ ہو تو ایک سجدہ کافی رہے گا۔

قال علامة ابن عابدينؒ : (تحت قوله ولو كررها فی مجلسين تكررت) الاصل انه لا يتكرر الوجوب الا باحد امور الثلثة اختلاف التلاوت او السماع او المجلس الخ (رد المحتار ج ۲ ص۱۱۳ باب سجود التلاوة) ۲ہ

سجدہ صلوٰتیہ کی نیت رکوع میں جائز ہے

سوال :۔ نماز میں سجدۂ تلاوت کے وجوب پر اگر مستقل سجدہ کی جگہ رکوع میں

لہ وقال علامة ابن العابدينؒ : (تحت قوله بشروط الصلوٰة) ولكن ايشترط لها الوقت حتی لو تلاها او سمعها فی وقت غير مكروه فادّها فی وقت مكروه لا تجزء۔ الخ (رد المحتار ج ۲ ص۱۰۶ باب سجود التلاوة)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوى ج ۱ ص۱۹۰ قبيل الفصل الثامن عشر فی الندٰ ومايلزمه الخ

۲ہ وقال ملا ؤالدين الكاسانیؒ : فنقول الاصل ان السجدة لا يتكرر وجوبها الا باحد امور الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۱۸۱ باب سجود التلاوة)

سجدہ کی نیت کرے تو کیا اس سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا مستقل سجدہ ضروری ہے ؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ سجدۂ صلوتیہ نماز سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو تو وہ نماز ہی میں ادا کیا جائے گا۔ اب اگر نمازی نماز میں مستقل سجدہ کرکے اپنی بقیہ نماز جاری رکھتا ہے تو شرعاً جائز ہے اور اگر رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کے لیے دل سے ارادہ کرے تو بھی مشروع ہے، البتہ نیت کے بغیر رکوع میں سجدۂ صلوتیہ ادا نہیں ہوگا، لیکن رکوع میں سجدہ کی نیت کے لیے یہ شرط ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد رکوع کرنے کو تین آیات پڑھنے سے زیادہ فاصلہ نہ ہو ورنہ پھر رکوع میں نیت صحیح نہیں۔

قال حسن بن عمارؒ: ویجزی عنها ای عن سجدۃ التلاوت رکوع الصلوٰۃ ان نواها ای نوی ادائها فیه، وفیه وانقطاعه بان یقرأ اکثر من آیتین بعد آیة السجدۃ بالاجماع۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۶۴ باب سجود التلاوت) ؎۱

عصر اور صبح کے وقت سجدۂ تلاوت جائز ہے

سوال:۔ صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک یا عصر سے مغرب تک نوافل کا پڑھنا جائز نہیں، کیا ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے یا یہ بھی ممنوع ہے ؟

الجواب:۔ ان اوقات میں نوافل اگرچہ ممنوع ہیں لیکن قضا نمازوں کی طرح ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی جائز ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: لا یکون قضاء فائتة ولو وترًا او سجدۃ تلاوت و صلوٰۃ جنازۃ۔ الخ (الدر المختار ج۱ ص۳۷۵ کتاب الصلوٰۃ) ؎۲

؎۱ وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: فینظر ان کانت آیة السجدۃ فی وسط السورۃ فینبغی ان یختم۔ الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۸ فصل فی کیفیة ادائها)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۲ باب سجود التلاوۃ۔

؎۲ وقال ابن همامؒ: وادائها لیس علی الفور، حتی لو اداها فی ای وقت کان یکون مؤدیًا لا قاضیًا۔ (فتح القدیر ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصلوٰۃ، فصل فی الاوقات التی تکرہ فی الصلوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۳۳ الباب الثالث عشر، باب سجود التلاوۃ۔

کیا بغیر قیام کے سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص خارج صلوٰۃ (نماز کے علاوہ) آیت سجدہ پڑھ کر فوراً بغیر قیام کے سجدۂ تلاوت کرے، تو کیا یہ جائز ہوگا یا کھڑے ہو کر پھر سجدۂ تلاوت ادا کرے؟

الجواب:۔ نماز سے خارج سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نیت کر کے اللہ اکبر کہنے کے بعد سجدہ کے لیے بغیر رفع الیدین کے چلا جائے، سجدہ میں تسبیحات کا ورد کر کے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے بغیر سلام کے اٹھ جائے، البتہ اگر کوئی بیٹھے بیٹھے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ومما یستحب لاداٴیھا ان یقوم فیسجد لان الخرور وسقوط من القیام والقرآن ورد بہ وھو مروی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا وان لم یفعل لم یضرہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۲۶ باب سجود التلاوۃ) [1]

بلا وضو سجدۂ تلاوت کرنا

سوال:۔ ایک شخص بغیر وضو تلاوتِ قرآنِ مجید کر رہا تھا کہ اس دوران اس نے آیتِ سجدہ تلاوت کی، تو کیا یہ شخص بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے سجدۂ تلاوت فوراً کرنا متعذر ہو تو آیت سجدہ پڑھنے کے بعد یہ کلمات پڑھ لیے جائیں، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ، اور پھر جب موقع ملے تو سجدہ ادا کر لیا جائے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ویستحب للتالی اوالسامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ۱ ص۴۸۹ کتاب الصلوٰۃ۔ فصل سجدۃ التلاوۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن ھمامؒ: وقیل یکبر فی الابتداء بلاخلاف وفی الانتھاء علی قول محمدؒ نعم وعلی قول ابی یوسفؒ لا والظاھر الاول للاعتبار المذکور ویستحب ان یقوم فیسجد روی ذلک عن عائشۃؓ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۴۷۷ باب سجود التلاوۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص۴۷۳ باب فی سجود التلاوۃ۔

[2] قال العلامۃ حسن بن عمارؒ: ویستحب للتالی اوالسامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ اھ ثم یقضیھا۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۰۷ باب سجود التلاوۃ)

سوئے ہوئے آدمی سے آیت سجدہ سُننا

سوال:۔ اگر کوئی شخص سوئے ہوئے آدمی کی زبان سے آیت سجدہ سُنے تو کیا اُس پر سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سجدۂ تلاوت ہر اُس آیت سجدہ کی تلاوت کے سماع سے واجب ہوتا ہے جو مکلف شخص سے سُنی جائے چاہے وہ شخص بیدار ہو یا سویا ہوا ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں سجدۂ تلاوت کرنا لازم ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: تلا آیۃ السجدۃ وهو نائم فسمعه رجل تلزمه السجدۃ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۶۱ باب سجود التلاوۃ) لہ

سورۂ حج کی دوسری آیت سجدہ پر سجدہ کرنا

سوال:۔ ہمارے محلہ کی مسجد کے قاری صاحب نے سورۂ حج (اقترب للناس) کی دوسری آیت سجدہ کے پڑھنے پر سجدہ کیا جو کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مقام سجدہ ہے، تو کیا فقہ حنفی کے مطابق اس مقام پر سجدہ کرنے سے نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا کرنے سے نماز میں تو کوئی نقصان نہیں آیا البتہ اگر اس مقام پر سجدہ کرنے والا عالم ہو اور اس نے قوت دلیل سے راجح سمجھ کر سجدہ کیا ہو تو کوئی کراہت نہیں اور اگر بلا دلیل کے سجدہ کیا ہو تو چونکہ حنفی فقہ کے مطابق موصوف نے بلاضرورت تاخیر کی ہے اس لیے سجدۂ سہو واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: والظاهر ان هذه السجدة من المجتهد فيه اى مما للاجتهاد فيه مساغ۔ (ردالمحتار ج۱ ص۵۶۶ باب سجود التلاوۃ) ۲ہ

سورۂ صٓ میں آیت سجدہ کون سی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے ایک مسئلہ درپیش ہے، وہ یہ کہ سورۂ صٓ میں ایک جگہ

لہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ومن النائم الصحيح انها يجب ان سمعها منه۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۸۴ الفصل السابع عشر فی وجوب السجدة التلاوة)

ومثله فی التاتارخانیة ج۱ ص۲۲۳ سجدة التلاوة۔

۲ہ قال العلامة سید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله والحج) ای اولی الحج لا الثانية وقال الشافعیؒ فيها سجدتان لنا ماعن ابن عباسؓ وابن عمرؓ قالا السجدة التلاوة فی الحج الاولی والثانية سجدة الصلوٰة۔
(طحطاوی ص۲۹۲ باب سجدة التلاوة)

خَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ آیا ہے اور ایک جگہ حسن مآب آیا ہے ان دونوں مقامات میں سے کس مقام کی تلاوت پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے؟

الجواب:۔ سورۂ صٓ کے مقام سجدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام زیلعیؒ نے خَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ کو سجدہ کی جگہ قرار دیا ہے مگر علامہ شرنبلالیؒ نے حسن مآب کو سجدہ کی جگہ قرار دے کر اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی صٓ عند حسن مآب ھو اولی من قول الزیلعیؒ عند وَاَنَابَ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰۴ باب سجود التلاوة) [1]

آیت سجدہ کو ترک کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص سجدۂ تلاوت سے بچنے کے لیے آیتِ سجدہ کی تلاوت چھوڑ دے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص تلاوت کے دوران سجدۂ تلاوت سے بچنے کی غرض سے آیتِ سجدہ کو ترک کردے تو ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں، اسلئے ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال العلامة ابراھیم الحلبیؒ: ویکرہ ان یقرأ سورۃ فی صلوٰۃ اوغیرھا ویترک آیة السجدة لانه یشبه الفرار عن السجدة والاستنکاف عنھا وذا لیس من اخلاق المؤمنین۔ (کبیری ص۴۷۰ باب سجود التلاوة) [2]

نماز سے خارج شخص کا آیتِ سجدہ پڑھنا اور نمازی کا سننا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز میں مشغول ہو کر اچانک غیر نمازی

---

[1] قال العلامه حسن بن عمارؒ:۔ (وصٓ) وظن داؤد انما فتناه فاستغفر ربه وَخَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ فغفرنا له ذلك وان له عندنا لزلفی وَحُسْنَ مَاٰبٍ وھذا ھو الاولی مما قال الزیلعیؒ تجب عند قوله تعالیٰ: وَخَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ، وعند بعضھم عند قوله تعالیٰ: وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔ (مراقی الفلاح ص۲۹۳ باب سجود التلاوة)

[2] قال العلامة الکاسانیؒ: یکرہ للرجل ترک آیة السجدة من سورۃ یقرأھا لان فیه قطعاً لنظم القرآن وتغیرا لتألیفه واتباع النظم والتألیف مأمور به قال الله تعالیٰ: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ ای تالیفه کا لتغیر مکروھاً یقتضی کراھة ذلك۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۹۲ باب سجود التلاوة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۷ باب سجود التلاوة۔

نے آیتِ سجدہ تلاوت کی اور نمازی نے دورانِ نماز سُنی تو سامع (نمازی) کب سجدۂ تلاوت ادا کرے گا؟

الجواب: سجدۂ تلاوت آیتِ سجدہ سنتے ہی ادا کرنا چاہیئے مگر جو آیتِ سجدہ غیر نمازی سے دورانِ نماز سُنی جائے تو سجدہ کی ادائیگی بعد از نماز کی جائے گی، دوران نماز سجدۂ تلاوت نہیں کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو سمع المصلی السجدة من غیرہ لم یسجد فیھا لانھا غیر صلاتیة بل یسجد بعدھا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۱۲ باب سجود التلاوة) ؎۱

صرف آیتِ سجدہ لکھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا

سوال: اگر کوئی آدمی آیتِ سجدہ ہاتھوں سے لکھے مگر زبان پر اس کا اجراء نہ کرے تو کیا اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے پوری آیتِ سجدہ کا زبانی پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی آدمی آیتِ سجدہ صرف کاغذ وغیرہ پر لکھے اور زبان پر اس کا اجراء نہ کرے تو ایسے آدمی پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: یجب بسبب تلاوة آیة السجدة۔ قال ابن عابدینؒ: احترز عما لو کتبھا او تھجاھا فلا سجود علیه۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰۳ باب سجود التلاوة) ؎۲

صرف آیتِ سجدہ کے ترجمہ سے بھی سجدۂ تلاوت لازم ہے

سوال: کیا صرف آیتِ سجدہ کا ترجمہ پڑھنے سے

؎۱ قال العلامة الکاسانیؒ: اما اذا سمع المصلی ممن لیس معه فی الصلوٰة حیث یسجد خارج الصلوٰة لان السجدة وجبت علیه ولیست من افعال الصلوٰة لأن تلک التلاوة لیست من افعال الصلوٰة لعدم الشرکة بینه بین التالی فی الصلوٰة والوجوب علیه بسبب سماعه والسماع لیس من افعال الصلوٰة اذا لم یکن من افعال الصلوٰة امکن اداء خارج الصلوٰة فیؤدی اھ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۸۸ باب سجدة التلاوة)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۲۱ باب سجود التلاوة۔

؎۲ قال العلامة ابراھیم الحلبیؒ: وکذا لا تجب بالکتابة او النظر من غیر تلفظ لانه لم یقرأ ولم یسمع۔ (کبیری ص۴۶۴ باب سجود التلاوة)۔

سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قرآن چونکہ الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے اس لیے اگر کوئی شخص پوری آیتِ سجدہ کا ترجمہ پڑھے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے گا، البتہ مفہوم یا تفسیر بیان کرنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والسماع شرط فی حق غیر التالی ولو بالفارسیة اذا اخبر۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا اخبر) ای بانها آیة سجدة سواء فهمها اولا۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۱۰۵ باب سجود التلاوة) [1]

نماز میں سجدۂ تلاوت بلا تاخیر فوراً ادا کرنا ضروری ہے

سوال :- اگر کسی شخص نے نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی مگر فوراً سجدہ نہیں کیا بلکہ کچھ اور آیات تلاوت کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت کیا، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے ؟

الجواب :- سجدۂ تلاوت آیتِ سجدہ پڑھنے یا سُننے کے بعد فوراً ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ آیتِ سجدہ پڑھتے یا سنتے ہی اُسی وقت سجدۂ تلاوت ادا کیا جائے تاخیر کرنا موجبِ گناہ ہے البتہ بصورتِ مجبوری تاخیر کی جاسکتی ہے ۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وصفتها الوجوب علی الفور فی الصلوٰة وعلی التراخی ان کانت غیر صلوتیة ۔ قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله علی الفور) ای فور التلاوة وظاهر انه لو آخرها الی رکعة ثانیة اثم. الخ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۶۰ باب سجود التلاوة) [2]

---

[1] قال العلامة فخر الدین الشهیر بقاضی خانؒ: ولو تلی بالفارسیة تجب علیه وعلی من سمعها السجدة فهم السامع اولم یفهم اذا اخبر السامع انه قرأ آیة السجدة ۔ (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیہ ج ۱ ص۱۵۶ فصل فی قرأة القرآن خطاء الخ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۳۲ الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة ۔

[2] قال العلامة الکاسانیؒ: اما وقت ادائها فی الصلوٰة فوقتها فوراً الصلوٰة لما مران وجوبها فی الصلوٰة علی الفور وهو ان لا تطول المدة بین التلاوة وبین السجدة فاما اذا طالت فقد دخلت فی القضاء وصار آثماً بالتفویت عن الوقت۔ (البدائع الصنائع ج ۱ ص۱۹۱ باب سجود التلاوة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۲۴ باب سجود التلاوة ۔

پرندے کی زبان سے آیتِ سجدہ سُننے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص پالتو اور سدھائے ہوئے طوطے یا کسی دوسرے پرندے سے آیتِ سجدہ سُن لے تو کیا اس پر سجدۂ تلاوت کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:- وجوبِ سجدۂ تلاوت کے لیے ضروری ہے کہ تالی (تلاوت کرنے والا) مکلف اور اہل ہو، اگر آیتِ سجدہ کا ظہور کسی غیر مکلف شئے سے ہوجائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی شخص کسی سدھائے ہوئے پرندے یا کسی دوسرے غیر مکلف آلات (مثلاً ٹی وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ) سے آیتِ سجدہ کی سماعت کرے تو اس پر سجدہ تلاوت لازمی نہیں۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: ولو سمع اٰیة السجدة من حیوان صرحوا بعدم وجوبها على المختار لعدم اهلیة القاری۔ (الاشباہ والنظائر ج۱ ص۱۸۱ القاعدة الثانیة ص۲۴۰ خاتمة) ؎۱

پاگل اور مجنون سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص کسی پاگل یا سوئے ہوئے آدمی سے آیتِ سجدہ کی تلاوت سُنے تو اس پر اور تالی پر سجدہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ وجوبِ سجدۂ تلاوت کے لیے تالی کا اہل اور مکلف ہونا ضروری ہے اور پاگل چونکہ اس کا مکلف اور اہل نہیں اسلئے اس سے آیتِ سجدہ کی سماعت سے سجدہ لازم نہیں آتا۔ البتہ نائم (سویا ہُوا) تو ایک حقیقت کی بناء پر مکلف ہے اس لیے اس سے آیتِ سجدہ سننے پر مختار قول کے مطابق سجدہ لازم ہے لیکن خود نائم پر عدمِ علم کی وجہ سے سجدہ لازم نہیں۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: والسماع من المجنون لا یوجبها ومن النائم یوجبها على المختار۔ (الاشباہ والنظائر ج۱ ص۱۸۱ القاعدة الثانیة خاتمة) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن عابدینؒ: لکن ذکر شیخ الاسلام انه لا تجب بالسماع من مجنون ونائم وطیر لان السبب سماع تلاوة صحیحة وصحتها بالتمیز ولم توجد۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۰۷ باب سجدة التلاوة)

؎۲ قال العلامة الحصکفیؒ: وتجب بتلاوتهم یعنی المذکورین خلا المجنون المطبق فلا تجب بتلاوته لعدم اهلیته۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۰۷ باب سجدة التلاوت)

سورۃ حج کی آیتِ سجدہ کی تلاوت میں شافعی المسلک امام کی متابعت کرنا

سوال:۔ احناف کے نزدیک سورۃ حج کی آخری آیت: یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ سے تُفْلِحُوْنَ تک موجبِ سجدہ نہیں، لیکن اگر ایک شافعی المسلک امام کی اقتداء کی صورت میں جب امام صاحب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کریں تو حنفی المسلک مُقتدی کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ ایسے اجتہادی اور اختلافی مسائل میں شدت سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ امام کی متابعت ضروری ہونے کی وجہ سے امام کے ساتھ سجدہ کرلینا چاہیئے۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ: (تحت قولہ للمتابعۃ) وظاھرہ انہ یتبعہ فیھا لوکان فی الصلوٰۃ لکونہ تابعاً۔۔۔الخ

(ردالمحتار ج۲ ص۱۰۵ باب سجود التلاوۃ)

آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد پانچ چھ آئتیں پڑھ کر سجدہ کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور قراۃ میں آیتِ سجدہ تلاوت کی لیکن اس پر سجدہ کرنا بھول گیا اور مزید پانچ چھ آئتیں پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا یاد آیا تو فوراً سجدہ کیا، تو کیا اس شخص کی نماز ہوگئی یا نہیں، جبکہ آخر میں اس نے سجدہ سہو بھی کرلیا؟

الجواب:۔ تلاوت آیتِ سجدہ کے فوراً بعد سجدہ کرلینا چاہیئے، اگر نماز میں کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے اور یاد آنے پر سجدہ کرے تو نماز ہوجائے گی مگر تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا اس لیے کہ سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہوچکا ہے اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فعن الفور لصیرورتھا جزاءً منھا ویأثم بتاخیرھا ویقضیھا مادام فی حرمۃ الصلوٰۃ ولو بعد السلام۔ قال ابن عابدینؒ: ثم تفسیر الفور عدم طول المدۃ بین التلاوۃ والسجدۃ بقراءۃ اکثر من آیتین اوثلاث علی ماسیأتی حلیۃ قولہ یأثم بتاخیرھا الخ لانھا وجبت بما ھو من افعال الصلوٰۃ وھو القراءۃ وصارت من اجزائھا فوجب اداؤھا مضیقاً کما فی البدائع ولذا کان المختار وجوب سجود السھو لوتذکرھا بعد محلھا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۰۹، ۱۱۰ باب سجود التلاوۃ)

باب صلوٰۃ المسافر

(مسافر کی نماز کے احکام و مسائل)

قصر نماز کے لیے مقدارِ سفر

سوال:۔ کیا مطلق سفر کے ارادہ سے نکلنے پر نماز قصر کرنا ہوگی یا سفر کا کوئی اندازہ مقرر ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے مطلق سفر سے نماز قصر نہیں کی جائے گی بلکہ اس سے پہلے کم از کم تین دن کی مقدار سے سفر ضروری ہے۔ موجودہ وقت میں علماء نے اڑتالیس (۴۸) میل یا بہتر (۷۲) کلومیٹر اندازہ مقرر کیا ہے، اس سے کم مسافت کے ارادہ سے نکلنے والے کو شرعی مسافر نہیں کہا جائے گا۔

قال برهان الدين المرغينانيؒ: السفر الذي يتغير به الاحكام ان يقصد مسيرة ثلثة ايام دلياليها الخ (الهداية ج ۱ ص۱۴۸ صلوٰة المسافر) لـه

قصر فرائض تک خاص ہے

سوال:۔ فرائض کے علاوہ سُنن میں قصر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر سُنن پڑھنے کے لیے موقع نہ ہو تو پڑھنے کی ضرورت نہیں البتہ جب وقت ہو تو سُنت کی نماز پوری پڑھی جائے گی۔

قال علاؤالدين الحصكفيؒ: ويأتي المسافر بالسنن ان كان في حال امن وقرار والالا۔ (الدر المختار على صدر ردالمحتار ج ۲ ص۱۳۱ باب صلوٰة المسافر) ٢ـه

لـه وفي الهندية: اقل مسافة تتغير فيها الاحكام مسيرة ثلثة ايام كذا في التبيين۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۳۸ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهٗ في الزيلعي ج ۱ ص۲۰۹ باب صلوٰة المسافر۔

٢ـه وقال علاؤالدين الكاسانيؒ: وكذا لا قصر في السنن والتطوعات..... الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۹۲ فصل الكلام في صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر۔

مسافت اڑتالیس [۴۸] میل کے مقابلے میں فراسخ معتبر نہیں

سوال :۔ بعض کتابوں میں فراسخ کے لیے اعتبار نہ ہوتے کے باوجود احناف اڑتالیس میل کو اعتبار کیوں دیتے ہیں ؟

الجواب :۔ احناف کے مذہب میں بنیادی طور پر فراسخ کے لیے اعتبار نہیں بلکہ تین دن کے سفر پر دار و مدار ہے، لیکن ایک دن میں انسان اوسطاً سولہ [۱۶] میل کی مسافت طے کرسکتا ہے اس لیے ہم نے ۱۶×۳ = ۴۸ میل کو اعتبار دیا۔

قال برهان الدين المرغيناني رح : ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح ۔

(الهداية ج ۱ ص۱۴۸ باب صلوٰة المسافر) [۱]

مسافر کا پوری نماز پڑھنے کی صورت میں ذمہ فارغ ہونا

سوال :۔ اگر ایک مسافر نے قصر کی بجائے پوری نماز پڑھی تو کیا اس کا ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر درمیان میں قعدے پر بیٹھ چکا تو نماز درست ہو کر فراغتِ ذمہ کے لیے کافی ہے، البتہ تاخیرِ سلام کی وجہ سے گنہگار رہے گا، لیکن اگر قعدۂ اولیٰ کے بغیر کھڑے ہو کر مسافر نے چار رکعات پڑھ لیں تو اس کی نماز باطل ہو کر دوبارہ پڑھی جائے گی۔

قال علاؤ الدين الحصكفي رح : فلو اتم مسافر ان قعد في قعدة الاولى تم فرضه لكنه آساء ۔الخ ۔(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۸ صلوٰة المسافر) [۲]

---

[۱] وقال علاؤ الدين الحصكفي رح : ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب ۔۔ الخ

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۳ صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۱۲۹ باب المسافر۔

[۲] وفي الهندية : فان صلّى اربعًا وقعد في الثانية قدر التشهد اجزأته والاخريان نافلة ويصير مسيئًا لتاخير السلام وان لم يقعد في الثانيه قدرها بطلت كذا في الهداية ۔ (الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۱۳۰ باب المسافر۔

قصر نماز کے لیے سفر میں مشقت کا ہونا ضروری نہیں

سوال :۔ موجودہ دور کے اسفار میں کسی خاص مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، مثلاً ایک آدمی جب کراچی سے پشاور کا سفر کرتا ہے تو بغیر کسی تکلیف کے چند گھنٹوں میں منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں سہولت اور راحت کے باوجود نماز قصر کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ سفر میں رخصت پر رعایت کسی مشقت کے ہونے پر مبنی نہیں بلکہ نفسِ سفر کے ہوتے ہوئے رخصت دی گئی ہے، خود سفر مشقت کے لیے سبب ہونے کی وجہ سے احکام اس پر مرتب ہو کر محض سفر کی موجودگی میں قصر کی جائے گی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ : حتی لو اسرع فوصل فی یومین قصر۔ الخ

(الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲۳ صلوٰۃ المسافر) [1]

وطن اصلی میں تعدد ممکن ہے

سوال :۔ کیا ایک شخص کے لیے متعدد مقامات وطن اصلی بنانا ممکن ہے یا نہیں ؟ جبکہ ہر ایک جگہ میں اس کا مستقل رہنے کا ارادہ ہو، یہاں تک کہ ایک گاؤں میں چھ مہینے اور دوسرے گاؤں میں چھ مہینے رہتا ہو اور وہاں جملہ ضروریاتِ زندگی اس کو میسر ہوں ؟

الجواب :۔ وطن اصلی میں تعدد ممنوع نہیں۔ صورتِ مذکورہ کے مطابق ہر ایک جگہ میں جب مستقل رہنے کا عزم اس طرح ہو کہ چھ مہینے ایک جگہ میں اور چھ مہینے دوسری جگہ میں رہتا ہو، مثلاً دونوں جگہ شادی کر کے گھر آباد کیا ہو تو دونوں جگہیں موصوف کے حق میں وطنِ اصلی شمار ہوں گی اور دونوں جگہوں میں پوری نماز پڑھی جائے گی۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ : ثم الوطن الاصلی یجوز ان یکون واحداً او اکثر من ذٰلک بان کان لہ اھل ودار فی بلدتین او اکثر ولم یکن من نیۃ اھلہ الخروج منھا وان کان ھو ینتقل من اھل الی اھل فی السنۃ حتی انہ لو خرج مسافر

---

[1] وفی الھندیۃ : ولو کانت المسافۃ ثلاثاً بالسیر المعتاد فسار الیھا علی الفرس جریاً حثیثاً فوصل فی یومین او اقل قصر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر ص ۱۳۹)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۹ باب المسافر۔

من بلدة فيها اهله ودخل فى اى بلدة من بلاد التى فيها اهله فيصير مقيمًا من غير نية الاقامة ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ صـ۱۰۳ فصل فى بيان ما يصير به المسافر مقيمًا) لـه

ایک وطنِ اصلی کا دُوسرے وطنِ اصلی سے متاثر ہونا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنے وطنِ اصلی کو چھوڑ کر سفر کی مسافت کے اندازہ سے کسی دوسرے مقام میں اہل وعیال کے ساتھ سکونت اختیار کرے تو یہ شخص اگر دو تین دن کے لیے اپنے آبائی وطن آجائے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ جبکہ یہاں آبائی وطن میں مملوکہ زمین بھی موجود ہو؟

الجواب:۔ کسی آدمی کا اپنے وطن سے مسافتِ سفر پر نکلنا اگر بہ نیتِ سفر ہو تو پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں نماز قصر کرنا واجب ہے، البتہ یہ شخص اگر اپنے آبائی وطن چلا جائے اور وہاں اس کی مملوکہ جائیداد بھی ہو تو یہ مقام اس کا وطنِ اصلی شمار ہو کر اتمام کرنا لازمی ہے، اس لیے کہ وطنِ اصلی متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔

لما قال صاحب مجمع الانهر: (تحت قوله) ويبطل الوطن الاصلی بمثله لو كان لـهٗ اهل الكوفة واهل البصرة فمات اهله بالبصرة وبقى له دور وعقار بالبصرة قيل البصرة لا تبقى وطنًا لهٗ لانهٗ انما كانت وطنًا لهٗ بالاهل لا بالعقار الا ترى انه لو تأهل ببلدة ولم يكن لهٗ عقار صارت وطنًا لهٗ وقيل تبقى وطنًا لهٗ لانها كانت وطنًا لهٗ بالاهل والدار جميعًا وال احدهما لا يرتفع الوطن كوطن الاقامة تبقى ببقاء الثقل ۔

(مجمع الانهر ج ۱ صـ۱۶۲ باب المسافر) لـه

لـه وفى الهندية، ويبطل وطن الاصلی بالوطن الاصلی اذا انتقل عن الاول باهله واما اذا لم ينتقل باهله ولكنه استحدث اهلًا ببلدة اخرى فلا يبطل وطنه الاول ويتم فيها۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ صـ۱۴۲ الباب الخامس عشر فى صلوٰة المسافر)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۲ صـ۱۳۶ باب المسافر۔

لـه لما فى الهندية: ولو انتقل باهله ومتاعه الى بلد وبقى له دور وعقار فى الاول قيل بقى الاول وطنًا لهٗ واليه اشار محمدٌ فى الكتاب ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ صـ۱۴۲ الباب الخامس عشر فى صلوٰة المسافر)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۲ صـ۱۳۶ باب المسافر۔

شادی کے بعد والدین کا گھر عورت کیلئے وطنِ اصلی نہیں رہتا

سوال: شادی کے بعد عورت اگر چند دنوں کے لیے والدین کے گھر آئے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ قصر کرے گی یا پوری نماز پڑھے گی؟ جبکہ مسافت اڑتالیس ۴۸ میل ہو؟

الجواب: والدین کا گھر اگرچہ عورت کے لیے وطن اصلی تھا لیکن شادی کے بعد خاوند کے ہاں مستقل رہائش اختیار کرکے الوطن الاصلی یبطله بمثله کی وجہ سے اب یہ وطن اصلی نہیں رہتا، اس لیے یہاں پر اقامت کی نیت نہ کرنے کی صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله الوطن الاصلی هو موطن ولادته او تأهله او توطنه ای عزم علی القرار فیه وعدم الارتحال وان لم یتأهل فلو کان له ابوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم یتاهل به فلیس ذلک وطنا له الا اذا عزم علی القرار فیه وترک الوطن الذی کان له قبله۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۳۱ صلوٰۃ المسافر، مطلب فی الوطن الاصلی الخ)[1]

وطن اصلی کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہوگا

سوال: بسا اوقات وطن اصلی کے حدود ممتد رہتے ہیں، ایسی حالت میں سفر کی ابتداء کہاں سے ہونی چاہیے؟

الجواب: جائے اقامت کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہوگا، بڑے شہروں میں محصول چونگی کے مراکز سے عموماً شہر کے حدود شروع ہوتے ہیں، تاہم بعض جگہوں میں تقدیم و تاخیر بھی ممکن ہے۔

قال عبداللہ التمرتاشیؒ: من خرج من عمارة موضع اقامته قاصدا مسیرة ثلثة ایام ولیالیها بالسیر الواسط مع الاستراحات المعتادة صلی الفرض الرباعی رکعتین الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۲ باب صلوٰۃ المسافر)[2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: اما اذا کان له ابوان ببلدة وهو بالغ فلیس بوطن له.... الخ

(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۰۴ الفصل الثانی والعشرون فی صلوٰۃ المسافر)

ومثله فی کبیری ص ۵۴۴ صلوٰۃ المسافر۔ الرابع فی الوطن۔

[2] وفی الهندیة: الصحیح ماذکر انه یعتبر مجاوزة عمران المصر الخ (الهندیة ج ۱ ص ۱۳۹، الفصل الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۸ باب المسافر۔

سامان کے ہوتے ہوئے انشاءِ سفر سے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا

سوال: بسا اوقات وطن اقامت سے سفر کے اندازہ سے باہر جانا پڑتا ہے لیکن وطن اقامت سے ترکِ تعلق کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پورا گھرانہ اور سامان اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اِنشاءِ سفر سے وطن اقامت باطل ہوکر واپس آنے پر دوبارہ نیت کی ضرورت پڑے گی یا نہیں؟ جبکہ بعض اوقات پندرہ دن کے اندر اندر دوبارہ بھی سفر کا ارادہ ہوتا ہے؟

الجواب: جب تک اہل وعیال یا سامان وطنِ اقامت میں موجود ہوں تو اِنشاءِ سفر سے وطنِ اقامت باطل نہیں ہوتا، ایسی حالت میں دو تین دن وطن اقامت میں موقع ملنے کی صورت میں بھی پوری نماز پڑھی جائے گی، تاہم اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ایک دفعہ پندرہ دن رہنے کا باقاعدہ ارادہ کر کے قیام کرے تاکہ وطن اِقامت کی حقیقت ثابت ہوکر دوبارہ بطلان کی صورت سے بچ جائے۔

قال علامہ ابن نجیمؒ: کوطن الاقامة یبقی ببقاء الثقل وان قام بموضع آخر۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۶ باب المسافر)[1]

مسافر جس راستہ سے جارہا ہو اس کی مسافت معتبر ہوگی

سوال: اگر منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے دو راستے ہوں جن میں ایک قریب اور دوسرا راستہ دور ہو تو سفر کے لیے کون سے راستہ کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: جس راستے سے مسافر جارہا ہو اُسی راستہ کی مسافت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر اس راستہ کی مسافت سفرِ شرعی کے اندازے سے پوری ہو تو چلنے والا مسافر شمار ہوگا، اگرچہ دوسرا راستہ قریب کا بھی ممکن ہو۔

لمافی الہندیۃ: فاذا قصد بلدۃ والی مقصدہ طریقان احدھما مسیرۃ ثلثۃ

---

[1] وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویبطل بمثلہ اذا لم یبق لہ بالاول اھل فلو بقی لم یبطل بل یتم فیھا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۴ صلوٰۃ المسافر) وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۲ ص۱۴۲ الفصل الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر۔

ایام ولیالیہا والآخر دونہا فسلك الطریق الا یعد کان مسافراعند نا۔ الخ
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۳۸ الفصل الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)[۱]

دونمازوں کو بیک وقت پڑھنا

سوال:۔ سفر کی حالت میں اگر مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں دونوں اکٹھی پڑھی جائیں تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: دونمازوں کا بیک وقت پڑھنا اگر صوری ہو (یعنی ایک نماز مؤخر کر کے آخری وقت میں اور دوسری نماز پہلے وقت میں پڑھی جائے) تو بوقتِ ضرورت اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے علاوہ کسی دونمازوں کا بیک وقت پڑھنا جس میں ایک نماز اپنے وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھی جائے فقہ حنفی کی رو سے یہ ناجائز ہے، فقہ حنفی میں بجز عرفات اور مزدلفہ کے حقیقی طور سے جمع بین الصلوٰتین مشروع نہیں۔

قال محمد بن حسن الشیبانیؒ: لا یجمع بین صلوٰتین فی وقت واحد فی حضر ولا سفر الا بین العرفة والمزدلفة۔ (المبسوط ج ۱ ص۱۴۷ مواقیت الصلوٰة)[۲]

غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیّت

سوال:۔ بسا اوقات انسان کسی ایسی جگہ خیمہ زن ہوجاتا ہے جہاں پر کوئی آبادی نہیں ہوتی، یہ بھی ممکن ہے کہ ضروریاتِ زندگی کے فقدان کی وجہ سے یہ شخص نیّت کے مطابق ایک دن بھی پورا نہ کرسکے تو کیا ایسے جنگل اور غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیّت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اقامت کی نیّت کے لیے محل کی صلاحیت ضروری ہے، صورتِ مذکورہ

---

[۱] وقال علامہ ابن نجیمؒ: وفی فتاوی قاضی خان، الرجل اذا قصد بلدة والی مقصدہ طریقان احدهما مسیرة ثلثة ایام ولیالیہا والآخر دونہا فسلك الطریق الا یعد کان مسافراعند نا۔ الخ (البحرالرائق ج ۲ ص۱۲۹ باب المسافر)

وفی خلاصة الفتاوی هکذا ج ۱ ص۱۹۸ الفصل الثانی والعشرون فی صلوٰة المسافر۔

[۲] وفی الهندیة: ولا یجمع بین الصلوٰتین فی وقت واحد لا فی السفر ولا فی الحضر بعذر ما عدا عرفة والمزدلفة کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۲ الباب الاول فی المواقیت)

ومثلہٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج ۱ ص۴۰۷ کتاب الصلوٰة، المواقیت۔

ہیں ایسی غیر آباد جگہ میں اقامت کی نیت معتبر نہیں اسلئے نیت کے باوجود نماز قصر پڑھی جائے گی۔

كما فى الهندية: حتى نوى الاقامة فى برٍّ او بحرٍ او جزيرةٍ لم يصح۔ الخ
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فى صلوٰة المسافر) [1]

مدتِ اقامت کی نیت کے بغیر قصر واجب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص وطن اقامت سے ۴۸ میل کی مسافت کے سفر کے ارادہ سے نکلے مگر پندرہ دن قیام یقینی نہ ہونے کی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی موزوں مقام پر باقاعدہ پندرہ دن کی اقامت کی نیت کے بغیر یہ شخص مسافر کے حکم میں رہے گا جس پر نماز کا قصر کرنا واجب ہے۔

قال برهان الدين المرغينانىؒ: ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الاقامة فى بلدة او قرية خمسة عشر يومًا او اكثر وان نوى اقل من ذٰلك قصر۔۔ الخ
(الهداية ج ۱ ص۱۲۹ باب صلوٰة المسافر) [2]

اقامت میں ماتحت افراد بااختیار افسران کے تابع رہیں گے

سوال:۔ عسکری تربیت کے دوران جب فوجی لوگ کسی جگہ اقامت کریں تو کیا پوری نماز پڑھیں گے یا قصر نماز ادا کریں گے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں بالائی افسران کی نیت پر دارومدار ہے، اگر بااختیار افسران نے مدت اقامت کی نیت کی ہو تو ماتحت عملہ نیت نہ کرنے کے باوجود بھی پوری نماز پڑھے گا ورنہ مدت اقامت سے کم پر فوجی مشقوں میں قصر کی جائے گی۔

قال علاؤ الدين الحصكفىؒ: والمعتبر نية المتبوع لانه الاصل لا التابع كامرأة

---

[1] قال علامه ابن نجيمؒ: وقيد بالبلد والقرية لان نية الاقامة لا تصح فى غيرهما فلا تصح فى مفازة ولا جزيرة ولا بحر ولا سفينة۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۳۱ صلوٰة المسافر)
وَمِثْلُهٗ فى بدائع الصنائع ج ۱ ص۹۸ فصل فى بيان ما يصير المسافر به مقيمًا۔

[2] وقال علاؤ الدين الكاسانىؒ: فالذى يصير المقيم به مسافرًا نية مدة السفر والخروج من عمران المصر۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۹۳ فصل فى بيان يصير به المقيم مسافرًا)
وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فى صلاة المسافر۔

وفاءمهرها المعجل وعبد غیرمکاتب وجندی اذاکان یرزق من الامیراوبیت المال الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۳۳ باب صلاة المسافر) [1]

مہاجرینِ افغانستان کی نیتِ اقامت

سوال:۔ افغانستان سے ہجرت کرکے آنے والے مسلمانوں نے دشت و بیابان میں خیمے لگاکر ڈیرے ڈال دیئے ہیں، کیا ان جنگلوں میں ان کی نیتِ اقامت درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اقامت کی نیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں رہائش ممکن ہو؟

الجواب:۔ مہاجرین نے کیمپوں کے قریہ کبیرہ کی شکل اختیار کرکے جنگل میں منگل کا سا سماں پیدا کیا ہے لہٰذا جملہ ضروریاتِ زندگی میسر ہونے کی وجہ سے ان کی نیت اقامت جائز ہے، اس لیے یہ مستقل مقیم شمار ہوں گے۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ: واختلف المتاخرون فی الاعراب والاکراد والترکمان الذین یسکنون فی بیوت الشعر والصفوف۔ قال بعضھم لا یکونون مقیمین ابداً وان نوی الاقامۃ مدۃ الاقامۃ لان المفازۃ لیست موضع الاقامۃ والاصح انھم مقیمین لان عادتھم الاقامۃ فی المفاوز دون الامصار والقری فکانت المفاوز لھم کالامصار الخ
(بدائع الصنائع ج ۱ ص۹۹ فصل فی بیان مایصیرالمسافر بہ مقیما) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ: وکل من کان تبعاً لغیرہ یلزمہ طاعتہ یصیر مقیماً باقامتہ ومسافراً بنیتہ وبعد اسطر قال والجندی مع امیرہ فھٰؤلاء لایصیرون مقیمین بنیۃ انفسھم فی ظاہر الروایۃ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۲۰۳ الفصل الثانی والعشرون فی صلوٰۃ المسافر۔

[2] وفی الھندیۃ: اختلف المتاخرون فی الذین یسکنون فی الخیام والاخبیۃ فی المفازۃ من الاعراب والتراکمۃ ھل صاروا مقیمین بالنیۃ عن ابی یوسفؒ فیہ روایتان فی احدھما لا۔ وفی الاخری قال یصیرون مقیمین وعلیہ الفتوی۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۳۳ صلاۃ المسافر۔

دائمی مُسافر کی نماز کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص عام زندگی میں مسافر رہے کسی جگہ میں مستقل اقامت کا موقع بہت کم میسر ہو، مثلاً ڈرائیور یا پائلٹ جوکہ ہمیشہ کیلئے سفر میں رہتے ہیں، تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اقامت کے لیے باقاعدہ پندرہ دن کی نیت ضروری ہے، جہاں پر نیت نہ ہو تو مسافر شمار ہوگا۔ صورتِ مذکورہ میں ایسے لوگ جب بھی ایسی حالت میں اپنی ڈیوٹی پر رہیں تو نماز قصر کریں گے، البتہ اپنی سکونت کی جگہ اتمام کریں گے، اگرچہ چند نمازیں پڑھنے کا موقع کیوں نہ ہو۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ومن طاف الدنیا بلاقصد لم یقصر مسیرۃ ثلٰثۃ ایام ولیالیها صلی الفرض الرباعی رکعتین حتّٰی یدخل موضع مقامه او ینوی اقامة نصف شهر۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۳ باب صلاۃ المسافر) [۱]

مقیم امام کی اقتداء میں پوری نماز پڑھی جائے گی

سوال:۔ اگر ایک مسافر نے مقیم امام کے پیچھے اقتداء کی ہو تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام کی متابعت کی وجہ سے مسافر مُقتدی قصر نہیں کر سکتا بلکہ اتمام کرے۔

قال برهان الدین المرغینانیؒ: وان اقتدی المسافر بالمقیم فی الوقت اتم اربعًا لانه یتغیر فرضه الی اربع للتبعیة کما تتغیر بنیة الاقامة لاتصال المغیر بالسبب و هو الوقت۔ (الهدایة ج۱ ص۱۴۹ باب صلوٰۃ المسافر) [۲]

مسافر امام کی اقتداء میں مقیم کیلئے بقیہ نماز میں قرأت نہیں

سوال:۔ اگر ایک مقیم مُقتدی نے کسی مسافر امام

---

[۱] وقال علامه ابن نجیمؒ: واما الثانی فهوان یقصد مسیرۃ ثلٰثۃ ایام فلوطاف الدنیا من غیر قصد الی قطع مسیرۃ ثلٰثۃ ایام لا یترخص۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۲۸ باب المسافر)
وَمِثْلُهٗ فی الزیلعی ج۱ ص۲۰۹ صلوٰۃ المسافر۔

[۲] وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: واما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۰ باب صلوٰۃ المسافر)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۲ صلوٰۃ المسافر۔

کے پیچھے اقتداء کی تو امام کی فراغت کے بعد مقتدی باقی رکعات میں قرأت کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ امام کی فراغت کے بعد مقیم مقتدی کے لیے اپنی بقیہ نماز کا پڑھنا ضروری ہے لیکن چونکہ یہ امام کے پیچھے شمار ہوتا ہے اس لیے مقتدی کے ذمے آخری رکعات میں قرأت ضروری نہیں ہے بلکہ فاتحہ کی مقدار سے خاموش کھڑے ہو کر رکوع کرے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت وبعدہٗ فاذا قام المقیم الی الاتمام لایقرأ۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۹۔ باب صلوٰۃ المسافر)[1]

مسافر امام کے اتمام کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہونا

سوال:۔ اگر مقیم نے مسافر امام کی اقتداء کی، اس حالت میں مسافر امام نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھ لی اور اس کے ساتھ مقتدیوں نے بھی پوری نماز پڑھ لی تو مقیم مقتدیوں کی نماز کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: مسافر امام کے حق میں آخری دو رکعات نفل رہیں گی جبکہ مقیم مقتدیوں کے پوری نماز فرض ہے، لہٰذا مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے لازم ہو کر مقتدیوں کی نماز فاسد کرتی ہے اس لیے اس کا اعادہ ضروری ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لم یصر مقیماً) فلو اتم المقیمون صلوٰتہم معہ فسدت لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل۔ الخ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۱ باب صلوٰۃ المسافر)[2]

امام کی حالت سے واقفیت کی ضرورت

سوال: کسی امام کے سفر یا اقامت کے بارے میں جب مقتدی کو علم نہ ہو تو مقتدی کی ذمہ داری کیا ہے اور اس کی نماز پر اس کے کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟

---

[1] وفی الہندیۃ: وصاروا منفردین کالمسبوق الا انہم لایقرؤن فی الاصح۔ الخ (الہندیۃ ج۱ ص۱۴۲ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ صلوٰۃ المسافر۔

[2] قال ابن عابدینؒ: حتی لو اتم المقیمون صلوٰتہم معہ فسدت صلوٰتہم لان ہذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا یصح۔ الخ (منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ صلوٰۃ المسافر)
ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۰۳ صلوٰۃ المسافر۔

الجواب:۔ امام کی حالتِ سفر یا اقامت سے ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات مقتدی شکوک وشبہات کا شکار ہوتا ہے اس لیے امام کی حالت سے واقفیت مقتدی کے لیے ضروری امر ہے۔ اس لیے مقتدی کو امام کی حالتِ سفر وحضر معلوم کرنا چاہیئے تاکہ اس کی اقتداء درست ہو ورنہ لاعلمی کی صورت میں اقتداء صحیح نہ ہوگی۔

قال علامہ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ان العلم بحال الامام شرط لکن) وحاصلہ تسلیم اشتراط العلم بحال الامام۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۳۱ صلوٰۃ المسافر)[1]

میدانِ عرفات میں حنفی المسلک کے لیے مقیم امام کی اقتداء کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! حج کے دوران عرفہ کے دن اگر شرعی مسافت سے کم مسافت سے آنے والا امام قصر نماز پڑھائے تو کیا حنفی المسلک شخص کے لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک مسافتِ قصر سے کم سفر میں قصر نماز پڑھنا جائز نہیں لہٰذا جو امام مقیم ہونے کے باوجود قصر نماز پڑھائے گا حنفی مقتدی کی نماز اس کے پیچھے جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ لو کان مقیماً کامام مکۃ صلی بہم صلوٰۃ المقیمین لایجوز لہ القصر ولا للحجاج الاقتداء بہ۔ قال الامام الحلوانیؒ کان الامام النسفی یقول العجب من اھل الموقف یتابعون امام مکۃ فی القصر فانی یستجاب لہم اویرجی لہم الخیر وصلوٰتہم غیر جائز۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۰۵ کتاب الحج۔ مطلب فی شروط الجمع بین الصلوٰتین بعرفۃ)[2]

---

[1] وقال علامہ ابن نجیم المصریؒ: وھذا مجمل ما فی الفتاوٰی اذا اقتدی بالامام لایدری أ مسافر ھو ام مقیم لایصح لان العلم بحال الامام شرط الاداء بجماعۃ۔ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۵ باب المسافر)

وَمِثْلُہٗ فی الکبیری ص۵۹۱ باب صلوٰۃ المسافر۔

[2] قال العلامۃ عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ: عرفات میں حنبلی امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ادا نہ ہوگی خواہ مقیم ہو یا مسافر۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج۱ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ المسافر)

مسافر کا غلطی سے چار رکعت کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر مسافر غلطی سے دو رکعت کی بجائے چار رکعت کی نیت کرے تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا وہ نیت کے مطابق چار رکعت ہی پڑھے یا دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز کی نیت میں نماز اور وقت کا تعین ضروری ہے تعداد کی تعیین ضروری نہیں یہ ضمناً خود بخود آجاتی ہے، چونکہ مسافر کے ذمے صرف دو رکعت فرض ہے اس لیے نماز کی نیت بھی مسافرانہ ہوگی اگر زبان پر غلطی سے تعدادِ رکعات میں زیادتی ہوئی ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لا بد من التعیین عند النیة ..... لفرض...... دون تعیین عدد رکعاته لحصولها ضمناً فلا یضر الخطاء فی عددها۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۱۸ تا ۴۲۰ باب شروط الصلوٰة مطلب فی النیة)[۱]

باپ بیٹا مختلف شہروں میں رہتے ہوں تو ان کی نمازوں کا حکم

سوال:۔ اگر باپ بیٹا دو مختلف شہروں میں مقیم ہوں اور باپ بیٹے کے ہاں یا بیٹا باپ کے ہاں چلا جائے تو کیا یہ دونوں نماز قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر شخص کے الگ الگ وطن کا اعتبار ہے، صورتِ مسئولہ میں جب دونوں کے وطن اصلی الگ الگ ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے پاس جانے سے مقیم نہیں ہوں گے بلکہ مسافر ہو کر قصر کریں گے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: الوطن الاصلی هو موطن ولادته او تأهله او توطنه یبطل بمثله اذا لم یبق له بالاول اهل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۲ باب صلوٰة المسافر)[۲]

عمرہ کیلئے سعودی عرب جانے والوں پر قصر نماز کا حکم

سوال:۔ جو لوگ عمرہ کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں اُن کا ویزہ صرف

---

[۱] وفی الهندیة: النیة ارادة الدخول فی الصلوٰة والشرط ان یعلم بقلبه ای صلوٰة یصلی وادناها ما لو سئل لامکنه ان یجیب علی البدیهة ..... ولا عبرة للذکر باللسان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۶۵ الباب الرابع)
وفیه ایضاً: عزم علی الظهر وجری علی لسانه العصر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۶۶ الفصل الرابع فی النیة)

[۲] قال الشیخ وهبة الزحیلی: الوطن الاصلی هو الذی ولد فیه او تزوج او لم یتزوج وقصد التعیش فیه لا الارتحال فیه۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۳۳۴ العودة الی محل الاقامة الدائم)

پندرہ دن کا ہوتا ہے ان ایام میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں بھی قیام کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ میں بھی، تو کیا ایسے لوگ وطنِ اقامت کی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی نمازیں قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب:۔ نیتِ اقامت کے لیے پندرہ دن کی نیت کا ایک ہی مقام پر ہونا ضروری ہے صورتِ مسئولہ کے مطابق چونکہ ایسے لوگ مختلف مقامات میں پندرہ دن گذارتے ہیں اس لیے اُنکی نیتِ اقامت کا اعتبار نہیں بلکہ یہ لوگ قصر کرکے نمازیں پڑھیں گے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لو دخل الحاج مکة ایام العشر لم تصح نیته لانه یخرج الیٰ منیٰ وعرفة فصار کنیته الاقامة فی غیر موضعها۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۱۲۶ کتاب المسافر)[1]

مجاہدین غلبہ کے دوران قصر کریں گے یا اتمام

سوال:۔ جہادِ افغانستان میں بعض علاقے افغان مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہوگئے ہیں مگر ابھی انہیں مکمل کنٹرول حاصل نہیں ہو سکا تو کیا یہ مجاہدین وہاں غلبہ کے دوران پوری نماز ادا کریں یا قصر؟

الجواب:۔ مسلم افواج جب کسی علاقہ میں فاتحانہ داخل ہوں تو جب تک وہاں پورا کنٹرول ان کے ہاتھوں میں نہ ہو تو یہ افواج وہاں نماز قصر کریں گی، البتہ جب پوری طرح کنٹرول حاصل ہوجائے اور اس علاقے کو اپنا علاقہ سمجھا جائے تو پھر نیتِ اقامت کی صورت میں نماز پوری ادا کرنا ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله (للتردد بین القرار والفرار) وفی البحر عن التجنیس اذا غلبوا علیٰ مدینة الحرب ان اتخذ وها دارا اتموا والا بل ارادوا الاقامة بها شهرا واکثر قصروا لبقائها دار حرب وهم محاربون فیها بخلاف الاول۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۲۷ کتاب المسافر)[2]

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا نوی المسافر ان یقیم بمکة ومنیٰ خمسة عشر یوما لم یتم الصلوٰة لان الاعتبار النیة فی موضعین یقتضی اعتبارها فی مواضع وهو ممتنع۔ (الهدایه ج۱ ص۱۴۷ کتاب المسافر)

وَمثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۴۰ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا دخل العسکر ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروا وکذا اذا حاصروا فیها مدینة او حصنا لان الداخل بین ان یهزم فیقر وبین ان ینهزم فیفر فلم تکن دار اقامة۔ (الهدایة ج۱ ص۱۴۶ کتاب المسافر)

وَمثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۴۰ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر۔

دورانِ جہاد کمانڈر کا کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرنا

سوال:۔ افغان مجاہدین اگر کسی علاقہ میں روسی افواج سے برسرِ پیکار ہوں تو کیا وہ اپنے کمانڈر کی پندرہ روزہ اقامت کی نیت کی بناء پر وہاں اتمام کریں گے یا کہ قصر؟

الجواب:۔ تابعین کے لیے اگرچہ متبوع کی نیت کا اعتبار ہے کہ وہ جہاں اقامت کی نیت کرے تو تابعین پوری نماز ادا کریں گے مگر محاذِ جنگ ایسی جگہ ہے جہاں امیرِ جماعت کی نیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں وہاں قصر کرنا لازمی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی جنگ کی صورت ہے اس لیے مجاہدین وہاں قصر نماز پڑھیں گے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: اذا دخل العسكر ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروا وكذا اذا حاصروا فيها مدينة اوحصنًا لان الداخل بين ان يهزم فيقر وبين ان يهزم فيفر فلم تكن دار اقامة۔ (الهداية ج ۱ ص۱۴۶ كتاب المسافر) [1]

مسافر کا سہواً پوری نماز پڑھنا

سوال:۔ اگر کوئی مسافر سہواً قصر نماز کی بجائے پوری نماز پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مسافر کے ذمے چار رکعت والی نمازوں میں صرف دو رکعت سفر انہ لازم ہے، اگر کوئی مسافر سہواً پوری چار رکعت پڑھے اور اُس نے قعدۂ اولیٰ بھی کیا ہو تو نماز درست ہے اگرچہ سجدۂ سہو اُس کے ذمہ واجب ہے، اور اگر قعدۂ اولیٰ اس سے رہ گیا ہو تو نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله:۔ فلو اتم مسافر ان قعد في القعدة الاولى تم فرضه ولكنه اساء لو عامدًا لتاخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض

---

[1] وفي الهندية: حاصر قوم مدينة في دار الحرب او اهل البغي في دار الاسلام في غير مصر ونووا الاقامة خمسة عشر يومًا قصروا لان حالهم متردد بين قرار وفرار فلا تصح نيتهم وان نزلوا في بيوتهم۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۴۰ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)
وَمِثْلُهٗ في الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۷ كتاب المسافر۔

وھذا لایحل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۸ کتاب المسافر)[1]

مسافر قصداً پوری نماز پڑھے تو اس کا حکم

سوال: اگر کوئی مسافر قصداً وعمداً پوری نماز پڑھ لے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سفر میں نماز قصر کرنا شرعاً عزیمت ہے اس میں اپنی طرف سے قصداً وعمداً زیادتی کرنا موجب گناہ ہے اس لیے جو شخص قصداً سفر میں پوری نماز پڑھے تو گنہگار ہوگا جس سے توبہ کرنا لازم ہے۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وان صلی اربعًا وقعد فی الثانیۃ قدر التشھد اجزتہ الاولیان عن الفرض والاخریان لہٗ نافلۃ اعتبارًا بالفجر ویصیر مسیئًا لتاخیر السلام۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۴۶ کتاب المسافر)[2]

قیدی مجاہدین قصر کریں گے یا اتمام

سوال: ہمارے بعض مجاہدین افغانستان میں دشمن کی قید میں ہیں جو اپنے گھروں سے مسافتِ شرعی سے زیادہ دور ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ دشمن کب انہیں یہاں سے نکالیں گے تو کیا یہ قیدی قصر (سفرانہ) نماز پڑھیں یا پوری نماز پڑھیں؟

الجواب: اگر قیدیوں کو اپنے گھر جانے یا کسی دوسرے شہر منتقل ہونے کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ دشمن کب اور کتنے دنوں بعد ان کو رہا کرے گا یا کتنے دنوں کے بعد دوسرے شہر منتقل کرے گا، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ قیدی قصر (سفرانہ) نماز پڑھیں گے اگرچہ

---

[1] قال العلامۃ برھان المرغینانیؒ: ان صلی اربعًا وقعد فی الثانیۃ قدر التشھد اجزأتہ الاولیان عن الفرض والاخریان لہٗ نافلۃ اعتبارًا بالفجر ویصیر مسیئًا لتاخیر السلام۔
(الھدایۃ ج ۱ ص۱۴۶ کتاب المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلو اتم مسافران قعد فی القعدۃ الاولیٰ تم فرضہ ولکنہ أساد لو عامدًا لتاخیر السلام وترك واجب القصر وواجب تکبیرۃ افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وھذا لا یحل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۸ کتاب المسافر)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر۔

کئی سال اُسی جگہ گذر جائیں ۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني ؒ :۔ ولو دخل مصراً على عزم ان يخرج غداً او بعد غد ولم ينو مدة الاقامة حتى بقي على ذلك سنين قصر لان ابن عمرؓ اقام باذربيجان ستة اشهر وكان يقصر وعن جماعة من الصحابة مثل ذلك ۔

(الهداية ج ۱ ص ۱۴۶ كتاب المسافر) ؎۱

قصر واتمام میں فوجی سپاہی اپنے افسرانِ بالا کے تابع ہیں

سوال :۔ میں ایک فوجی ملازم ہوں جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو میرے علاوہ دوسرے ساتھیوں کے بھی ٹھکانے کا کوئی علم نہیں ہوتا، کبھی کہاں اور کبھی کہاں، کبھی کسی جگہ کئی کئی مہینے تک قیام کرتے ہیں اور کبھی دو دن کے بعد ہی روانہ ہو جاتے ہیں، تو ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ کیا ہم نمازیں قصر کریں یا پوری پڑھیں؟

الجواب :۔ فوجی ملازم یا سپاہی اپنے افسرانِ بالا کے تابع ہوتے ہیں اگر افسرانِ بالا کسی جگہ پندرہ دن کے قیام کی نیت کریں تو وہاں دیگر ماتحت فوجیوں کو بھی پوری نماز پڑھنا واجب ہے اور جس جگہ پندرہ دن سے کم کی نیت ہو تو وہاں قصر کریں، البتہ اگر کسی فوجی افسر کی نیت کا علم نہ ہو تو صحیح معلومات تک قصر کریں۔

لما قال العلامة الحصكفي ؒ : ولا بد من علم التابع بنية المتبوع فلو نوى المتبوع الاقامة ولم يعلم التابع فهو مسافر حتى يعلم على الاصح. وفي الفيض وبه يفتى كما في المحيط وغيره ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۴ كتاب المسافر) ؎۲

کیا سُنتِ مؤکدہ کی رکعتوں میں بھی قصر کی جائے گی؟

سوال :۔ حالتِ سفر میں چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت

؎۱ وفي الهندية : ولو بقي في المصر سنين على عزم انه اذا قضى حاجته يخرج ولم ينو الاقامة خمسة عشر يوماً قصر ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۳۹ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۶ كتاب المسافر ۔

؎۲ وفي الهندية : ان لم يعلم التبع باقامة الاصل قبل يصير مقيماً وقيل لا يصير مقيماً وهو الاصح لان في لزوم الحكم قبل العلم به حرجاً وضرراً وهو مدفوع شرعاً ۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۴۱ الباب الخامس عشر في صلوة المسافر)

ہوجاتی ہے تو کیا سُنتِ مؤکدہ میں بھی کچھ تخفیف ہے یا کہ وہ چار ہی پڑھی جائیں گی ؟

الجواب:۔ اس بات پر تو سب فقہاء متفق ہیں کہ فرض نمازوں کے علاوہ کسی نماز میں بھی قصر نہیں البتہ ترک اور عدم ترک میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں لیکن افضل و بہتر یہ ہے کہ اگر موقع ہو اور قافلہ چھوٹنے یا مقصود میں خلل آنے کا اندیشہ نہ ہو تو سُنتیں پڑھنی چاہئیں۔

لمافی الهندیة: ولا قصر فی السنن کذا فی المحیط السرخسی وبعضهم جوّز للمسافر ترك السنن والمختار أنه لا یأتی بها فی حال الخوف ویأتی بها فی حال القرار والامن هکذا فی الوجیز للکردری۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۳۹ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر) [1]

مسافر کا مقیم امام کے ساتھ نماز کے آخر میں ملنا

سوال:۔ اگر مسافر نے مقیم امام کی اقتداء نماز کے آخر میں کی تو کیا اس صورت میں بھی مسافر پر اتمام کرنا (پوری نماز پڑھنا) ضروری ہے یا قصر کرے گا؟

الجواب:۔ مسافر مقتدی جب مقیم امام کی اقتداء کی نیت کرے تو اتباعِ امام کی وجہ سے اُسے پوری نماز ادا کرنی ہوگی اگرچہ وہ بالکل آخر میں شامل ہوا ہو۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وان اقتدی مسافر مقیما یصلی رباعیة ولو فی التشهد الاخیر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۴۷ کتاب المسافر) [2]

بحری جہاز کے ملازمین کپتان کے تابع ہیں

سوال:۔ بحری جہاز کے ملازمین ہمیشہ جہاز کے کپتان کے تابع ہوتے ہیں، کپتان جس ملک میں جتنے ایام گذارنا چاہے گذار تاہے، کیا سفر کی نیت میں بھی ملازمین اپنے کپتان کی نیت کے تابع ہوں گے یا کہ ہر ملازم کو اپنی نیت کرنی ہوگی؟

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: ویأتی المسافر بالسنن ان کان فی حال أمن وقرار والا بأن کان فی خوف وقرار لا یأتی بها هو المختار لأنه ترك لعذر۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۱۳۱ کتاب المسافر)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی و ادلّتهٗ ج۲ ص۳۴۹ سابعاً صلوٰة السنن فی السفر۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: واما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله او القراءة)... فی السراج الی الحواشی قید خل فیه ما لو اقتدی به فی القعدة الاخیرة۔ (رد المختار ج۲ ص۱۳۰ باب صلوٰة المسافر)

الجواب:۔ بحری جہاز کے ملازمین جس طرح چلنے پھرنے اور کسی ملک میں قیام کرنے میں اپنے کپتان کے تابع ہوتے ہیں تو اسی طرح احکام سفر میں بھی کپتان کی نیت کا اعتبار ہوگا ملازمین جتنے بھی ایام کی نیت کریں معتبر نہیں، کتب فقہ میں اس کی نظیر امیر الجیش یا آقا کی ہے۔

وفی الھندیة : وکل من کان تبعاً لغیرہ یلزمه طاعته یصیر مقیما باقامته ومسافراً بنیته وخروجه الی السفر۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۴۱- الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر) [۱]

سفر کی نیت نہ ہونے کے باوجود مہینوں سفر کرنا

سوال:۔ بعض لوگ مہینوں سفر کرتے ہیں مگر ان کی نیت سفر کی نہیں ہوتی تو کیا وہ لوگ قصر کریں گے یا پوری نماز پڑھیں گے؟

الجواب:۔ مسافر کے لیے تین دن کے سفر (موجودہ دور میں ۴۸ میل یا ۷۵ کلومیٹر کے برابر مسافت) کی نیت ضروری ہے، بغیر سفر کی نیت کے سفر کرنے والا آدمی مسافر شمار نہیں ہوگا اگرچہ وہ مہینوں یا سالوں تک سفر کرتا رہے، اس لیے ایسے شخص کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله :۔ ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۲ باب صلوٰة المسافر) [۲]

سفر میں شاگرد یا مرید اپنے استاد اور مرشد کا تابع ہے

سوال:۔ شاگرد یا مرید اپنے استاد یا پیر (مرشد) کے ساتھ سفر میں ہوں تو کیا شاگرد یا مرید اپنے استاذ یا مرشد کے تابع ہونگے یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ : والمعتبر نیة المتبوع لأنه الاصل لا التابع کامرأة وفاها مهرها المعجل وعبد غیر مکاتب وجندی اذا کان یرتزق من الامیر او بیت المال واجیر و اسیر وغریم۔الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۴ کتاب المسافر)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۴۵ کتاب المسافر۔

[۲] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ : والثانیة بنیة مدة السفر لان الانسان قد یخرج من مصرہ الی موضع لاصلاح الضیعة ثم تبدو له حاجة اخری الی المجاوزة عنه الی موضع آخر لیس بینهما مدة السفر ثم وثم الی ان یقطع مسافة بعیدة اکثر من مدة السفر۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۹۳ کتاب المسافر)

الجواب:۔ اگر شاگرد یا مرید کا سفری خرچہ اُستاد و مُرشد برداشت کر رہا ہو تو اس صورت میں شاگرد و مرید تابع ہو کر استاد کی نیت سے مقیم اور اس کی نیت سے مسافر ہونگے ورنہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله (وتلمیذ) اذا کان یرتزق من استاذه والمراد به مطلق المتعلم مع معلمه الملازم له لاخصوص طالب العلم مع شیخه۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۳۴ کتاب المسافر)[1]

فرمانبردار بالغ بیٹا باپ کے تابع ہے

سوال:۔ کیا سفر میں بالغ بیٹا باپ کے تابع ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بیٹا فرمانبردار ہو اور وہ باپ کے اشارے پر چلتا ہو تو بالغ ہونے کے باوجود سفر میں باپ کے تابع ہوگا اور باپ کی نیتِ اقامت سے مقیم اور نیتِ سفر سے مسافر شمار ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: قلتُ وَمِثْلُهُ بالاولی الابن البار البالغ مع ابیه۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۳۴ کتاب المسافر)

پشاور کا رہنے والا کراچی میں سسرال کے ہاں دورانِ قیام قصر کریگا یا اتمام؟

سوال:۔ پشاور کے رہنے والے ایک شخص نے کراچی میں شادی کی ہوئی ہے، اب اگر یہ شخص اپنے سسرال کے ہاں کراچی جائے جبکہ اُس کی نیت بھی پندرہ دن سے کم کی ہو تو یہ شخص کراچی میں نمازیں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب:۔ صرف شادی کرنے سے سسرال کا وطن وطنِ اصلی نہیں بنتا بلکہ شادی کے بعد وہاں مستقل سکونت کی نیت بھی ضروری ہے چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس شخص نے کراچی میں صرف شادی کی ہے وہاں اپنا مسکن نہیں بنایا اس لیے یہ شخص جب کراچی میں پندرہ دن سے کم قیام کرنے کی نیت کرے گا تو وہاں مسافر متصوّر ہو کر قصر کرے گا۔

---

[1] وفی الهندیة: والتلمیذ مع استاذه والاجیر مع مستاجره والجندی مع امیره فهؤلاء لایصیرون مقیمین بنیة انفسهم فی ظاهر الروایة ..... ؛ ما اذا کانت ارزاقهم من مال انفسهم فالعبرة لنیتهم۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۱ الباب الخامس عشر فی صلوٰة المسافر)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۸ باب صلوٰة المسافر۔

قال الامام فخرالدین الشهیر بقاضی خانؒ: المسافر اذا جاوز عمران مصره.... وان كان ذلك وطناً اصلياً بان كان مولده وسكن فيه او لم يكن مولده لكنه تأهل به وجعله دارا۔

(فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیه ج ۱ ص۱۶۵ باب صلوٰۃ المسافر) [1]

اغوا ہونے والا شخص قصر کرے گا یا اتمام

سوال:۔ جو شخص اغوا ہو جائے اور اسے کسی دور دراز مقام پر لے جا کر محبوس کر دیا جائے تو اس شخص کے لیے نماز میں قصر یا اتمام کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جو شخص اغوا کر کے مسافتِ شرعی کی مقدار پر لے جایا گیا تو وہ اغوا کرنے والے کا تابع ہے اگر اغوا کرنے والا وہاں مقیم ہے تو یہ شخص اتمام کرے گا اور اگر متبوع بھی مسافر ہو تو یہ شخص بھی قصر کرے گا۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت قوله (وأسير) ذكر في المنتقى أن المسلم اذا أسره العدو ان كان مقصده ثلاثة ايام قصر وان لم يعلم سأله فان لم يخبره و كان العدو مقيماً أتم وان كان مسافرا قصر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۳۴ كتاب المسافر) [2]

کیا مفرور شخص کی نیتِ اقامت صحیح ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی جرم میں گرفتار ہونے کے خوف سے مفرور ہو کر کسی دور دراز شہر میں چلا جائے اور وہاں نیتِ اقامت کی کرے، تو کیا اس شخص کی نیت کا اعتبار صحیح ہو گا یا نہیں؟ جبکہ کسی وقت بھی اس کو گرفتار کر کے وہاں سے لے جایا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص مفرور ہو کر کسی ایسے مقام میں ہو جہاں کی انتظامیہ یا پولیس سے مجرم کے اپنے وطن کی پولیس یا انتظامیہ کا مجرموں کو پکڑنے یا چھاپہ مارنے کا معاہدہ ہو تو اس شخص کے

---

[1] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: فالاصلی هو مولد الانسان او موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الارتحال۔ (كبيرى ص۵۴۵ فصل فى صلوٰة المسافر)

ومثله فى فتح القدير ج ۲ ص۱۶ كتاب المسافر۔

[2] قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: أن المسلم أسره العدو وان كان مقصده ثلاثة ايام قصر وان لم يعلم سأله فان لم يخبره وكان العدو مقيماً أتم وان كان مسافراً قصر۔

(كبيرى ص۵۴۱ فصل فى صلوٰة المسافر)

نیت کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کہ اس قرار وفرار کے مابین شک وتردد ہے، البتہ اگر اس مقام کی انتظامیہ کے ساتھ مجرم (مفرور) کے وطن کی انتظامیہ کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ نہ ہو تو نیت کا اعتبار کرکے مقیم متصور ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : لان حالهم یخالف عزیمتهم للتردد بین القرار والفرار۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۳۳ باب صلوٰة المسافر) [1]

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مقیم بلوچستانی طلبہ پشاور میں قصر کریں گے یا اتمام؟

سوال: ہم چند ساتھی بلوچستان سے یہاں دار العلوم میں حصولِ تعلیم کیلئے آئے ہوئے ہیں، دورانِ تعلیم اگر ہم مدرسہ سے کسی کام کے لیے پشاور جائیں تو کیا ہم وہاں قصر کریں گے یا پوری نماز پڑھیں گے؟

الجواب: آپ لوگوں کا سفر یہاں تک ختم ہوا ہے اب یہاں آپ لوگ مقیم متصور ہوں گے، اگر آپ یہاں سے کسی ایسے مقام کو جائیں جو اکوڑہ سے شرعی حدِ مسافت سے کم مسافت پر واقع ہو تو پوری نماز پڑھیں گے اور اگر مسافتِ شرعی پر یا اس سے زیادہ پر واقع ہو تو پھر قصر کرنا واجب ہے اس لیے کہ آپ لوگوں کا دوسرا سفر اکوڑہ سے شروع ہوگا بلوچستان سے نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : والحاصل ان انشاء السفر یبطل وطن الاقامة اذا کان منه اما لو انشاءه من غیره فان لم یکن فیه مرور علی وطن الاقامة او کان ولکن بعد سیر ثلثة ایام فکذٰلک ولو قبله لم یبطل الوطن بل یبطل السفر لان قیام الوطن مانع من صحته۔ واللہ اعلم۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۲ کتاب المسافر) [2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ : او حاصر اهل البغی فی دارنا فی غیر مصر مع نیة الاقامة مدتها للتردد بین القرار والفرار۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۲۷ کتاب المسافر)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۵۴۰ فصل فی صلوٰة المسافر۔

[2] لما قال الشیخ وهبة الزحیلی : وقد اتفق الفقهاء علی ان اول السفر الذی یجوز به القصر ونحوه هو ان یخرج المسافر من بیوت البلد التی خرج منها ویجعلها وراء ظهره۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۳۲۴ الباب الثالث الموضع الذی یبدأ منه المسافر) ــــ وَمِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح ص... باب صلوٰة السفر۔

سفر کے چند مسائل کے بارے میں معلومات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:۔

(۱) مسافر اور مسافت کی توضیح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیا ہے اور کتنی اور کس چیز پر؟ کیا وقت حاضرہ کی سواری اور سفر کی دیگر سہولیات کے پیش نظر حکم شرع میں تبدیلی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مسافر کے لیے نماز قصر پڑھنا ضروری ہے، اگر پوری پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یا ثواب ملے گا؟

(۳) کیا کوئی آثار موجود ہیں کہ مجاہدین اسلام (حالتِ جنگ میں) قصر کیا کرتے تھے؟ اور اس کی قید پندرہ دن یا دس سال تک بھی کیوں نہ ہو انہیں قصر نماز پڑھنے کا حکم تھا کیونکہ قیام کی غرض تو نہ تھی۔ ایسے ہی موجودہ دور میں اگر عساکرِ اسلامی کو کسی ایسی مہم پر بھیجدیا جائے، کوئی سریہ کی شکل میں کوئی حفاظت کی شکل میں، تو کیا نماز قصر کریں گے؟ اور کیا سنت مؤکدہ ادا کرنا ان کے لیے ضروری ہے یا چھوڑ دینے کی اجازت ہے؟ کیا اطمینان شرط ہے؟

(۴) ایسا مسافر جو غیر مطمئن ہو اور اس کو کسی قسم کا علم نہ ہو کہ میں نے کتنے دن قیام کرنا ہے اور ایسی صورت میں انفرادی ارادہ کام دے گا یا اجتماعی؟ کیا نقل وحرکت کا اعتبار فرد پر ہے یا حاکم کے حکم پر ہے؟

(۵) ایسے مجاہدین جو افسران بالا کے حکم کے منتظر ہوں اور انتظار میں ان کا چاہے کتنا ہی عرصہ قیام کریں وہ نماز قصر ادا کریں گے یا نہیں؟

(۶) کیا ایسے عساکر کو ہر وقت مسافر تصور کیا جائے گا یا اطمینان کی حالت میں مقیم مسافر امام نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو گویا ضروری نہیں کہ جمعہ ترک کیا جائے بلکہ باعثِ اجر ہے اور نہ پڑھنے میں گناہ نہیں۔

(۷) عساکرِ اسلامی اگر مسجد کا سامان اپنے ساتھ پھرائیں تو کیا یہ جائز ہے؟ کیونکہ مقامی مسجد کا سامان سفر چلتا پھرتا ہے تو کیا حکم ہے ایسے سامان کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں؟

الجواب:۔ مسافت کی توضیح میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ رشیدیہ" میں تحریر فرمایا ہے جس کی عبارت یہ ہے: "چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں،

حدیث مؤطا امام مالکؒ سے ثابت ہوتی ہیں مگر مقدار میل کی مختلف ہے لہٰذا تین منزل کا سفر سب کے ہاں متفق ہے، یہی مقدارِ سفر شرعی ہے جس کی وجہ سے احکام میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ اور جس کو فقہاء کرام نے مختلف عبارات میں اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اقل مسافة تتغير فيها الاحكام مسيرة ثلاثة ايام كذا فى التبيين هو الصحيح كذا فى جواهر الاخلاطي۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۶) اس قدر سفر کا قصد کرنے والے کو شرعاً مسافر کہا جاتا ہے اور جو احکام اس قدر سفر سے متغیر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: الاحكام التى تتغير بالسفر هى قصر الصلوٰة واباحة الفطر وامتداد مدة المسح الى ثلٰثة ايام وسقوط وجوب الجمعة والعيدين والاضحية وحرمة الخروج على الحرة بغير محرم كذا فى العتابية۔ (فتاویٰ عالمگیری) اور اس مقدارِ سفر کو طے کرنے میں درمیانی رفتار معتبر ہے: والمعتبر السير الوسط كذا فى السراجية۔ اور فقہاء اس درمیانی رفتار کی وضاحت یوں کرتے ہیں، وهو سير الابل ومشى الاقدام فى اقصر ايام السنة كذا فى التبيين۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اعتبار مسافت کا ہے اگرچہ سواری کے تیز رفتار ہونے سے وہ جلدی طے ہو جائے، جیسا کہ ریل اور ہوائی جہاز وغیرہ کے سفر میں یہی حکم ہے مثلاً ایک منزلِ مقصود کو آدمی اگر پیدل یا اونٹ پر سوار ہو کر تین دن میں پہنچ جاتا ہے اور ریل کے ذریعہ ایک دن میں اور ہوائی جہاز کے ذریعہ پچیس تیس منٹ میں، تو یہ آدمی قصر کرے گا، کیونکہ اعتبار مسافت کا ہے اور فقہاء نے بھی یہی ذکر کیا ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے، ولو كانت المسافة ثلاثًا بالسير المعتاد فسار اليها على الفرض جريًا فوصل فى يومين او اقل قصر، كذا فى الجوهرة النيرة (فتاویٰ عالمگیری)

اس سے ثابت ہوا کہ وقتِ حاضرہ کی تیز رفتار سواریوں سے حکم شرع میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔ ایسا ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی امداد الفتاویٰ جلد ۱ میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق قصر واجب ہے۔ والقصر واجب عندنا كذا فى الخلاصة۔ اب جس نے اتمام کیا تو ضرور گنہگار ہوگا: فان صلى اربعا وقعد فى الثانية قدر التشهد اجزاته والاخريان نافلة ويصير مسيئًا اخير الاسلام الخ

کذا فی الھدایۃ ـــــ درمختار میں ہے: صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوباً ـــــ
علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: فیکرہ الاتمام عندنا حتی روی عن ابی حنیفۃؒ
لانہ قال من اتم الصلوٰۃ فقد اساء وخالف السنۃ۔ (شرح منیہ ـــ شامی ج ۱ ص ۷۳۵)

(۳) (الف) عسکر اسلامی اگر دارالحرب میں داخل ہو جائے یا دارالحرب میں ایک شہر یا ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیں اور وہ نیتِ اقامت کر بھی لیں تو ان کی نیتِ اقامت درست نہیں بلکہ وہ قصر کریں گے کیونکہ وہ بین القرار والحضرار ہیں۔ ھدایہ میں ہے: واذا دخل العسکر ارض الحرب فنووا الاقامۃ بھا قصروا وکذا اذا حاصروا فیھا مدینۃ او حصناً لان الداخل بین ان یھزم فیقر وبین ان ینھزم فیفر فلم تکن دار اقامۃ۔ (شامی اور عالمگیری میں بھی اسی طرح لکھا ہے) اور ایک شخص مسافر اس وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ کسی شہر یا گاؤں میں کم از کم پندرہ دن کی نیت اقامت نہ کرے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں اور اگر پندرہ دن سے کم نیتِ اقامت کرے گا تو وہ مقیم نہ ہوگا اور قصر کرے گا۔ اسی طرح امام طحاویؒ نے ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے نقل کر کے اخراج کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے:
ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامۃ فی بلدۃ او قریۃ خمسۃ عشر یوماً او اکثر ولو نوی اقل من ذلک قصر وھو ماثور عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ (اخرجہ الطحاوی عنھما) والاثر فی مثلہ کالخبر لانہ لا مدخل للرأی فیہ فالظاھر ان الصحابی رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۲۹ باب صلوٰۃ المسافر)
لہٰذا موجودہ دور میں اگر عساکر اسلامی ایسی مہم پر جاکر دارالحرب میں اتریں یا وہاں کے کسی شہر یا گاؤں کا محاصرہ کریں تو وہ اگر نیتِ اقامت کر لیں تو اتمام کریں گے نہیں۔

(ب) رہا سنتوں کا مسئلہ تو اس کے لیے سفر میں اطمینان شرط ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:
ولا قصر فی السنن کذا فی محیط السرخسیؒ۔ وبعضھم جوزوا للمسافر ترک السنن والمختار انہ لا یأتی بھا فی حال الخوف ویأتی بھا فی حال القرار والامن ھکذا فی الوجیز للکردری (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۸) اور اسی طرح صاحب درمختار نے بھی لکھا ہے۔

(۴) ایسا مسافر جو کسی حاجت کے لیے کسی شہر میں داخل ہو جائے اور ارادہ یہ ہو کہ جب بھی حاجت پوری ہو جائے تو نکلے گا اور پندرہ یوم نیتِ اقامت نہیں کی ہے اور اسی طرح وہ کئی سال

وہاں رہا تو قصر کرے گا۔ عالمگیری میں ہے: ولو بقی فی المصر سنین علی عزم انہ اذا قضی حاجتہ یخرج ولم ینو الاقامۃ خمسۃ عشر یوما قصر کذا فی التہذیب (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹ باب صلوٰۃ المسافر) اسی طرح ہدایہ میں ہے: ولو دخل مصرا علی عزم ان یخرج غدا او بعد غد ولم ینو مدۃ الاقامۃ حتی بقی علی ذلک سنین قصر لان ابن عمرؓ اقام باذربیجان ستۃ اشہر وکان یقصر (رواہ عبد الرزاق) وعن جماعۃ من الصحابۃ مثل ذلک۔ (رواہ البیہقی عن سعد ابن ابی وقاص وانس وغیرہما)

(الہدایۃ ج ۱ ص ۱۳۹ باب صلوٰۃ المسافر)

ایسی صورت میں انفرادی یا اجتماعی ارادے کے متعلق فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ نیتِ اقامت کے لیے پانچ شرائط ہیں جن میں ایک شرط استقلال رائے بھی ہے۔ اگر مستقل بالرائے نہ ہو بلکہ کسی دوسرے کا تابع ہو تو اس کے متعلق فقہاء کرام نے لکھا ہے:

الاصل ان من لا یمکنہ الاقامۃ باختیارہ لا یصیر مقیما بنیۃ نفسہ حتی ان المرأۃ اذا کانت مع زوجہا فی السفر والرقیق مع مولاہ والتلمیذ مع استاذہ والاجیر مع مستاجرہ والجندی مع امیرہ فہؤلاء لا یصیرون مقیمین بنیۃ انفسہم فی ظاہر الروایۃ کذا فی المحیط۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فوج کی اقامت اور غیر اقامت کا مدار حاکم یا اعلیٰ افسر کی نیت پر ہے اور خود اس کی اپنی نیتِ اقامت کام نہیں دے گی۔

(۵) جس کے حکم کے انتظار میں ہیں اگر اس کی طرف سے نیتِ اقامت کا کچھ پتہ نہ ہو اور اس میں کئی سال کا عرصہ گذر جائے تو قصر ہی کرے گا۔

(۶) جب یہ معلوم ہو چکا کہ یعنی فوجی سپاہی اپنے اختیار کا مالک نہیں ہے پس اگر وہ نیتِ اقامت کر بھی لے تو یہ نیت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ تو جب تک فوج کے حاکم اعلیٰ نے اقامت کی نیت نہیں کی ہے تو اس کے ماتحت سب مسافر ہیں اور مسافر پر اگرچہ اطمینان ہو نمازِ جمعہ نہیں ہے، کیونکہ شرائط جمعہ میں ایک شرط اقامت کی بھی ہے، سفر کی حالت میں جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھے گا، اس کی تو شرعاً اجازت ہے لیکن اگر مسافرین نے نمازِ جمعہ ادا کی تو یہ باعثِ اجر ہے مگر فرض وقت سے حساب ہوگا۔

شرائط وجوبِ جمعہ میں فقہاء کرام لکھتے ہیں: وہی الحریۃ والذکورۃ والاقامۃ والصحۃ

كذا في الكافي. حتى لا يجب الجمعة على العبد والنسوان والمسافرين والمرضى كذا في المحيط ـــــ اس سے چند سطر آگے کی عبارت کچھ اس طرح ہے، ومن لا جمعة عليه ان اداها جاز عن فرض الوقت كذا في الكنز۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص۱۴۴ الباب السادس عشر في صلوٰة الجمعة)

(۷) جس طرح کہ اور ضروری سفری سامان عساکرِ اسلامی اپنے ساتھ لیتے ہیں اسی طرح اگر مسجد کا سامان مثلاً چٹائی وغیرہ اپنے ساتھ لے لیں تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(فقط واللہ اعلم)

جس سفر کے درمیان وطن اقامت ہو، کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میں بسلسلہ ملازمت نوشہرہ کینٹ میں ملازم ہوں، ایک بار کسی کام کے لیے مردان گیا اور وہاں سے اسلام آباد جانے کی نیت کی، جب رسالپور پہنچا تو میں نے عصر کی نماز دو رکعت پڑھی، اس پر میرے ایک ساتھی نے کہا کہ آپ کو تو پوری نماز پڑھنی تھی، تمہارا قصر نوشہرہ سے نکل جانے کے بعد شروع ہوگا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا میرے ساتھی کی بات درست ہے یا میرا عمل؟ قرآن وسنت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ کی رُو سے سفر کا انشاء وطنِ اقامت سے ہوتا ہے کسی دوسرے مقام سے نہیں، چونکہ آپ کا وطنِ اقامت نوشہرہ ہے مردان نہیں، جبکہ مردان اور نوشہرہ کے درمیان مسافت سفر بھی نہیں اس لیے آپ کو پوری نماز پڑھنی چاہیے تھی، قصر کا حکم نوشہرہ سے نکل جانے کے بعد متوجہ ہوتا۔ اس لیے آپ کے ساتھی کی بات درست ہے، اگر آپ نے دوبارہ نماز نہ لوٹائی ہو تو نماز کا اعادہ کرلیں۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: والحاصل ان انشاء السفر يبطل وطن الاقامة اذا كان منه اما لو انشاه من غيره فان لم يكن فيه مرور على وطن الاقامة او كان ولكن بعد سير ثلثة ايام فكذلك ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لان قيام الوطن مانع من صحته والله اعلم...... وقال في الفتح ان السفر الناقض لوطن الاقامة ما ليس فيه مرور على وطن الاقامة او يكون فيه المرور به بعد سير مدة السفر۔ (رد المحتار ج ۱ ص۸۳۰ كتاب السفر)

پندرہ دن اقامت کی نیت کے بعد ارادہ بدلنے پر قصر ہے یا اتمام؟

سوال:- ایک شخص کسی شہر میں پندرہ دن کی نیت سے رہنے لگا لیکن اچانک نیت تبدیل کرکے تین چار دن کے بعد جانے کا ارادہ کر لیا حتیٰ کہ سفر کے لیے ٹکٹ بھی لے لی تو کیا یہ شخص اب قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب:- جس شخص نے ایک دفعہ اقامت کی نیت کرکے رہنا شروع کر دیا تو وہ اُس وقت تک اس شہر میں مقیم متصور ہو گا جب تک وہ اس شہر کی حدود سے باہر نہ نکلے اگرچہ درمیان میں اس نے نیت تبدیل کرکے مُدّتِ اقامت سے قبل جانے کا ارادہ کر لیا ہو۔

قال العلامة السرخسیؒ: ولا یکون مسافراً بالنیة کما یکون مقیماً بالنیة لانه لایکون مسافراً حتیٰ یسیر والاقامة تکون بالنیة لان الاقامة لیس بعمل۔ (المبسوط السرخسی ج۱ ص۲۰۰) [1]

کرفیو کی وجہ سے قصر و اتمام کا حکم

سوال:- ایک شخص کسی شہر میں ضروری کام کے لیے گیا مگر اتفاق سے وہاں کرفیو نافذ تھا جس کی وجہ سے پندرہ دن سے قبل وہاں سے نکلنا ممکن نہ رہا، تو کیا یہ شخص وہاں مقیم تصور ہو گا یا مسافر؟

الجواب:- جب کسی شہر میں پندرہ دن کا قیام یقینی ہو تو وہاں آدمی مقیم متصور ہو گا صورتِ مسئولہ میں چونکہ کرفیو کی وجہ سے پندرہ دن سے قبل نکلنا ممکن نہ رہا اگرچہ یہ اتفاقیہ حادثہ ہے تب بھی یہ شخص مقیم متصور ہو گا۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولایزال علیٰ حکم السفر حتیٰ ینوی الاقامة فی بلدة او قریة خمسة عشر یوماً او اکثر۔ (الهدایه ج۱ ص۱۳۲ باب المسافر) [2]

کسی دوسرے شہر میں ذاتی مکان ہو تو اس میں قصر و اتمام کا حکم

سوال:- بعض مالدار لوگ موسم گرما کے ایام سوات، چترال،

---

[1] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: والثالث: الخروج من عمران المصر فلا یصیر مسافراً بمجرد نیة السفر ما لا یخرج من عمران المصر۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۹۴ فصل ما یصیر به المقیم مسافر)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ولایزال المسافر علیٰ حکم السفر حتیٰ ینوی الاقامة مدة معینة ستذکرها۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۳۲۵ الثالث الموضع الذی یبدأ منه الخ)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۵۳۹ فصل فی صلوٰة المسافر۔

ایبٹ آباد، مری وغیرہ ٹھنڈے علاقہ جات میں گذارتے ہیں، اس مقصد کے لیے انہوں نے وہاں اپنے ذاتی مکان بھی بنا رکھے ہیں، تو کیا یہ لوگ ان علاقوں میں مقیم متصور ہوں گے یا مسافر؟ خواہ وہ ایک دو دن کے لیے ہی جاتے ہوں؟

الجواب:۔ جو شخص کسی دوسرے شہر میں اپنا ذاتی مکان بنائے اور وہاں ایک دفعہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ موسم گرما گذارلے تو وہ اس شخص کا وطنِ اصلی شمار ہوگا، اس طرح یہ شخص جب بھی اس شہر میں آئے گا مقیم ہوکر پوری نماز پڑھے گا جب تک اس کا مکان اس شہر میں ہو، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ایسے لوگ مقیم ہوں گے اور ان پر اتمام واجب ہے یعنی پوری نماز پڑھیں گے۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: الوطن الاصلی هو وطن الانسان فی بلدته او بلدة اخری اتخذها دارًا وتوطن بها مع اهله وولده ولیس من قصده الارتحال عنها بل التعیش بها۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۶ باب صلٰوۃ المسافر)[۱]

---

[۱] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: فالاصلی هو مولد الانسان او موضع تأهل به ومن قصده التعیش به لا الارتحال عنه۔ (کبیری ص۵۴۲ فصل فی صلٰوۃ المسافر)
ومثلهٗ فی بدائع الصنائع ج۱ ص۱۰۳ مطلب فی ان الاوطان ثلاثة۔

باب الجمعة والعیدین

(جمعہ وعیدین کے احکام ومسائل)

نمازِ جمعہ کی فرضیت سے منکر کا حکم

سوال: نمازِ جمعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر ایک شخص اس کی فرضیت سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز بھی فرضِ عین ہے، اس کی فرضیت سے انکار موجبِ کفر ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ھی فرض عین یکفر جاحدھا لثبوتہا بالدلیل القطعی۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۶ باب الجمعة) ؎۱

جمعہ کے وجوب کے لیے حاکم کی اجازت کی شرعی حیثیت

سوال: فقہاء نے نمازِ جمعہ کے وجوبِ اداء میں بادشاہ کی اجازت کا ہونا ضروری لکھا ہے لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کا حاکم نہ ہو تو وہاں پر جمعہ پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: جہاں کہیں اسلامی سلطنت قائم ہو تو وہاں پر اجازت صراحتاً یا دلالۃً ضروری ہے لیکن اگر کہیں ایسا انتظام نہ ہو تو بعد از رعایتِ شرائط عام مسلمان خود اپنی ذمہ داری محسوس کر کے نمازِ جمعہ کا اہتمام کریں گے۔

لما ذکر فی الھندیة: ولو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علیٰ رجل یصلی بہم الجمعة جاز۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۴۶ باب صلوٰة الجمعة) ؎۲

؎۱ وقال علامہ ابن نجیمؒ: وھی فریضة محکمة بالکتب والسنة والاجماع یکفر جاحدھا الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۹ باب الجمعة)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۱ باب الجمعة)

؎۲ وقال الشلبی فی حاشیة الزیلعی: ولو اجتمعت العامة علیٰ ان یقدموا رجلاً من غیر امر خلیفة المیت او القاضی لم یجز ولم تکن جمعة لانہ لم یفوض الیھم امرھم الا اذا لم یکن فیھم قاض ولا خلیفة المیت بان کان الکل میت فحینئذٍ یجوز للاجل الضرورة الخ (الزیلعی جلد۱ ص۲۲۲ باب صلوٰة الجمعة)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۳ باب صلوٰة الجمعة۔

مصر کے توابع میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی قریۂ کبیرہ کے قریب ایک چھوٹا گاؤں ہو، اس کی اپنی آبادی تو کم ہو لیکن رسم و رواج، غمی اور خوشی میں اس کے تمام تعلقات بڑے گاؤں پر مبنی ہوں تاہم درمیان میں کچھ زمین خالی پڑی ہے جس میں تاحال کوئی آبادی نہیں۔ کیا اس چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ و عیدین پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس چھوٹے گاؤں کی حیثیت ایک محلہ کی طرح ہو تو پھر درمیان میں خالی زمین اس کے لیے مانع نہیں کہ اس کو اس بڑے گاؤں کے توابع میں شمار کیا جاسکے توابع ہونے کی صورت میں جمعہ و عیدین یہاں واجب رہیں گے اگرچہ اس کی مستقل آبادی کم ہو۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وکذا لایصح اداء الجمعۃ الّا فی المصر وتوابعہ فلا یجب علیٰ اھل القریٰ التی لیست من توابع المصر الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۵۹ فصل بیان شرائط الجمعۃ)[1]

فناءِ مصر کی مقدار

سوال:۔ کسی مصر یا قریۂ کبیرہ کے توابع اور فناء کا دائرہ کتنی مسافت تک ممتد رہتا ہے جبکہ بڑے بڑے گاؤں کا دائرہ میلوں تک رہتا ہے، کیا یہ تمام علاقہ مضافات میں شمار ہوگا؟

الجواب:۔ گاؤں یا مصر کے توابع کی تعیین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق جہاں تک اذان کی آواز سنائی دیتی ہو تو وہ علاقہ توابع میں شمار ہوگا۔ دوسرے متعدد اقوال مسافت کے بارے میں بھی مروی ہیں، لیکن موجودہ وقت میں کسی بڑے گاؤں کا وہ علاقہ جو انتظامی طور پر نافذ العمل ہو وہی علاقہ توابع میں شمار ہوگا۔ مثلاً گاؤں کیمٹی کارپوریشن وغیرہ کا متعلقہ توابع سمجھا جاتا ہے اس لیے یہی علاقہ متعلقہ تنظیموں کی آمدنی اور مصارف کے لیے مخصوص سمجھے جاتے ہیں، البتہ یونین کونسل کا اس زمرہ میں آنا مشکل ہے، پھر بھی ایسے بڑے گاؤں علاقہ کے عرف کے تابع ہونے چاہئیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما تفسیر توابع المصر فقد اختلفوا فیھا روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ ان المعتبر فیہ سماع النداء ان کان موضعاً یسمع فیہ النداء

---

[1] وقال محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ: تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ وفناءہ وھو ما اتصل بہ لاجل مصالحہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۳۸ باب الجمعۃ)

[1] ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۵ صلوٰۃ الجمعۃ)

من المصر فهو من توابع المصر الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۶۰ فصل بیان شرائط الجمعة) ۱؎

متعدد آبادیوں پر مشتمل قریہ میں جوازِ جمعہ کا حکم

سوال: چند چھوٹے گاؤں جن کی مجموعی آبادی تو قریۂ کبیرہ تک پہنچتی ہے لیکن انفراداً ہر ایک کی آبادی دیہات کے حکم میں ہے، کیا ان متعدد آبادیوں کو ملا کر یہاں پر جمعہ و عیدین پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مذکورہ چھوٹی آبادیاں محلہ جات کی شکل میں ہوں اور ایک محلہ سے دوسرے محلہ تک خالی جگہ پڑی ہو تو اس معمولی مسافت کی وجہ سے اگرچہ نام الگ ہوں لیکن پھر بھی باہمی تعلقات، غمی اور خوشی اور دوسرے امور میں شرکت کی وجہ سے ایک قریۂ کبیرہ شمار ہو کر ایسی جگہ میں نماز جمعہ و عیدین ادا کرنا درست ہے۔ اور اگر ایک گاؤں کا کسی دوسرے گاؤں سے کوئی خاص تعلق نہ ہو ہر ایک میں انفرادیت ہو اور ان متعدد جگہوں کی حیثیت الگ الگ دیہات کی ہو تو اس کو مجموعی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ دیہات کی صورت میں فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ و عیدین پڑھنا جائز نہیں۔

قال علامہ ابن العابدینؒ: تقع فرضًا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق۔ الخ۔ (شامی ج۲ ص۱۳۸ باب الجمعة) ۲؎

ہنگامی حالات کے تحت بازار میں نمازِ جمعہ پڑھنا درست ہے

سوال: اگر کسی جگہ کی مقامی آبادی قریۂ کبیرہ تک نہ پہنچتی ہو لیکن جمعہ کے دن کاروباری مرکز ہونے کی وجہ سے لوگوں کا ازدحام رہتا ہے۔ تو کیا اس وقتی کثرت کی وجہ

۱؎ وقال علامہ ابن عابدینؒ: وجملة اقوالہم فی تقدیرہ ثمانیة اقوال او تسعة علوه میل میلان ثلثة فرسخ فرسخان ثلثة سماع الصوت سماع الآذان الخ۔ (شامی ج۲ ص۱۳۹ باب صلوٰة الجمعه)

ومِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۱ باب صلوٰة الجمعة۔

۲؎ قال ابن نجیمؒ، وجوب الجمعة علی ثلثة اقسام فرض علی البعض وواجب علی البعض وسنة علی البعض اما الفرض فعلی الامصار واما الواجب فعلی توابعها واما السنة فعلی القری الکبیرة والمستجمعة للشرائط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۱ باب الجمعة)

ومِثلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج۱ ص۴۵۰ باب الجمعة۔

سے اس جگہ میں نمازِ جمعہ ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ سال بھر ہر جمعہ میں یہ کیفیت قائم رہتی ہے۔

الجواب: ہنگامی حالات کے پیشِ نظر جمعہ کے دن یہ جگہ جب مصر یا قریۂ کبیرہ بن سکے تو اس میں "منیٰ" کی طرح وقتی کثرت کی وجہ سے نمازِ جمعہ پڑھنا درست ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز بمنیٰ ان کان الامیر امیر الحجاز او کان الخلیفة مسافراً عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ وقال محمدؒ لا جمعة بمنیٰ لانها من القریٰ حتی لا یعید بها۔ ولهما انها تتمصر فی ایام الموسم الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۶۸ باب صلوٰة الجمعة)[1]

متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ کا حکم

سوال: اگر کسی جگہ جمعہ کی شرائط پوری ہوں تو متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایک جامع مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شرائط پوری ہونے کے بعد جب ایک دفعہ جمعہ وعیدین واجب ہو جائیں تو متعدد مقامات پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ ابتداء ہی سے متعدد جگہوں میں جمعہ شروع ہو، بلکہ ایک جامع مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ ضرورت محسوس ہو تو نمازِ جمعہ پڑھی جا سکتی ہے۔ تاہم کسی فتنہ وفساد اور مسلمانوں کے درمیان افتراق کے لیے آلۂ کار بن کر جامع مسجد سے علیحدگی کا بہانہ بنانا دانشمندی کا تقاضا نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتویٰ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۴ باب الجمعة)[2]

فوجی چھاؤنی یا کسی ممنوعہ علاقہ میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال: بعض حساس علاقوں یا فوجی چھاؤنیوں میں غیر متعلقہ افراد کا داخلہ قانوناً ممنوع ہوتا ہے، ایسے مقامات پر جہاں ہر ایک کو آنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے "اذنِ عام" مفقود

---

[1] وقال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وجازت الجمعة بمنیٰ فی الموسم الخ۔ (رد المحتار جلد۲ ص۱۴۳ باب صلوٰة الجمعة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۲ باب صلوٰة الجمعة۔

[2] وفی الهندیة: وتؤدی فی مصر واحد فی مواضع کثیرة وهو قول ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وهو الاصح۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۴۵ صلوٰة الجمعة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۴۲ باب صلوٰة الجمعة۔

ہوتا ہے نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ فقہ کی کتابوں میں ایک شرط "اذنِ عام" بھی لکھی گئی ہے۔

الجواب:۔ ایسے مقامات پر داخلہ کی پابندی انتظامی امور کا حصہ ہے تاکہ اشرار اور مفسدین کے شر سے محفوظ رہے، اس لیے اس پابندی سے جمعہ کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی، تاہم یہاں پر بھی متعلقہ افراد کو داخلہ کی کھلی اجازت ہو کر "اضافی اذنِ عام" پایا جاتا ہے اس لیے یہ مقام جب ایسے علاقہ میں واقع ہو جہاں پر جمعہ و عیدین واجب ہو تو متعدد مقامات پر نماز مشروع ہونے کی وجہ سے یہاں پر جمعہ و عیدین پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: تحت "قولہ الاِذن العام" فلا یضر غلق باب القلعۃ لعدو او لعادۃ قدیمۃ لان الاذن العام مقرر لاھلہ الخ۔ (درمختار ج۲ ص۱۵۲ باب الجمعۃ) [1]

دیہات میں نمازِ جمعہ و عیدین کا حکم

سوال:۔ دیہات میں نمازِ جمعہ و عیدین کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے نمازِ جمعہ کے وجوب ادا کیلئے دیگر شرائط کے علاوہ قریۂ کبیرہ مصر یا فناء مصر کا ہونا ضروری لکھا ہے، اس لیے دیہات میں شرائط کے فقدان کی وجہ سے نمازِ جمعہ و عیدین کا پڑھنا واجب نہیں، عدمِ وجوب کے باوجود پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وفی القنیۃ صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریمًا ای لانہ اشتغال بما لا یصح الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۷ باب العیدین) [2]

دیہات میں جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا

سوال:۔ جہاں پر جمعہ واجب نہ ہو اور مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود محض ہٹ دھرمی پر قائم رہ کر بعض لوگ جمعہ پڑھتے رہیں، تو کیا ان سے ظہر کی نماز کی ذمہ داری چھوٹ جاتی ہے یا نہیں ؟

---

[1] قال داماد آفندیؒ: وما یقع فی بعض القلاع من غلق ابوابہ خوفًا من الاعداء او کانت لہ عادۃ قدیمۃ عند حضور الوقت فلا بأس بہ لان الاذن العام مقرر لاھلہ الخ۔ (مجمع الانھر ج۱ ص۱۶۶ باب الجمعۃ)

[2] وقال علامہ ابن نجیم المصریؒ: ای شرط صحتھا ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریۃ ولا مفازۃ۔ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۰ صلوٰۃ الجمعۃ)

ومثلہ فی الزیلعی ج۱ ص۲۱۷ باب صلوٰۃ الجمعۃ۔

الجواب:۔ جب جمعہ واجب نہ ہو تو ظہر کی نماز فرض ہوگی ایسی حالت میں باوجود عدمِ وجوب جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہو کر ظہر کی نماز سے فراغت ذمہ کے لیے بے سود ہے۔

قال العلامہ ابن العابدینؒ: وفیما ذکرنا اشارۃ الی انہ لا تجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیھا قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمرات والظاھر انہ أرید بہ الکراھۃ لکراھۃ النفل بالجماعۃ الا تری ان فی الجواھر لو صلوا فی القُرٰی لزمھم اداء الظھر الخ (شامی ج ۱ ص ۱۳۸) [1]

صحراء میں نمازِ جمعہ پڑھنا

سوال:۔ کسی صحراء میں (لوگ جمع ہو کر) نمازِ جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ خاص کر لوگ جب وہاں پر کثیر تعداد میں موجود تو ہوں لیکن مستقل طور پر وہاں آباد نہ ہوں؟

الجواب:۔ اگر یہ صحراء کسی مصر یا قریۂ کبیرہ کے توابع میں سے نہ ہو تو نمازِ جمعہ وعیدین ایسی جگہ میں ادا کرنا جائز نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا بعرفات لانھا مفازۃ۔ الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۴ باب الجمعۃ) [2]

دیہات میں نمازِ جمعہ

سوال:۔ عام علاقوں میں جمعہ کی نماز میں احناف کے نزدیک مصر یا فناء مصر ہونے کے شرائط میں کافی کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگ چند گھرانوں پر مشتمل آبادی کو کافی جان کر جمعہ کی نماز شروع کر دیتے ہیں، جبکہ فقہ حنفی میں میں مصر کی تعریف مختلف عبارات سے ہوتی ہے، کسی ایک تعریف کو دیکھ کر ہمارے لیے فیصلہ کرنے کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک نمازِ جمعہ کے وجوب اداء کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ مصر یا فناء مصر ہونا مستقل شرط ہے، تاہم قریۂ کبیرہ بھی مصر کے حکم میں داخل ہے، لیکن مصر

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: قولہ شرط ادائھا المصر ای شرط صحتھا ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریۃ ولا مفازۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۰ باب الجمعۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البنایۃ شرح الھدایۃ ج ۳ ص ۲۸۶ باب الجمعۃ۔

[2] وفی الھندیۃ: ولا جمعۃ بعرفات اتفاقاً کذا فی الکافی۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۱۴۵)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۲ باب الجمعۃ۔

اور قریۂ کبیرہ کی کوئی خاص حد مقرر نہیں جس کو ہم اعتبار کا درجہ دے دیں۔ یہ ایک عرفی حقیقت ہے جو زمانے اور حالات سے متاثر ہوتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاءِ احناف نے اپنے زمانے کے اعتبار سے مصر کی تعریف کی ہے جو ہماری کتابوں میں مختلف عبارات سے نقل ہوئی ہے۔ یہاں تک تو اتفاق ہے کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے ظہر کی نماز کی ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی۔ موجودہ وقت کے اعتبار سے جس گاؤں کی مستقل آبادی بشمول مرد و زن، چھوٹے بڑے اور مسلم و غیر مسلم دو ہزار تک پہنچتی ہو تو وہ گاؤں بڑا سمجھا جاتا ہے اور اس میں ضروریاتِ زندگی کا سامان بھی موجود ہو۔

لہٰذا نمازِ جمعہ کے وجوب کے لیے ایک گاؤں کی آبادی کم از کم دو ہزار ہونا ضروری ہے لیکن واضح ہو کہ یہ گاؤں کی اپنی آبادی ہونی چاہیئے ورنہ قرب و جوار "جو اس کے فناء میں نہ ہو" کی آبادی ملا کر اگر کئی ہزار تک ہو تو اسے دیہات ہونے کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: وفی القنیۃ صلوٰۃ العید فی القریٰ تکرہ تحریمًا ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط لصحتہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۷ باب العید) [1]

مسافر کے لیے جمعہ کا حکم

سوال: مسافر پر نمازِ جمعہ واجب نہ ہونے کے باوجود اگر ادا کرے تو کیا اس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا نمازِ ظہر الگ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب: اقامت نمازِ جمعہ کے وجوبِ ادا کے شرائط میں سے ہے جن کی عدم موجودگی میں بھی نمازِ جمعہ پڑھی جا سکتی ہے، اس لیے مسافر کی نمازِ جمعہ درست ہے، اس پر ظہر کی نماز جمعہ پڑھنے کے بعد لازم نہیں۔

قال علامہ ابن عابدینؒ: تحت قولہ واقلہا ثلثۃ رجال اطلق فیہم فشمل العبید والمسافرین والمرضیٰ والامیین والخرسیٰ لصلاحیتہم للامامۃ الخ (شامی ج ۲ ص ۱۵۱ باب الجمعۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ای شرط صحتہا ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریۃ ولا مفازۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۰ باب الجمعۃ)

ومثلہٗ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۱۷ باب الجمعۃ۔

[2] وفی الہندیۃ: وتنعقد الجمعۃ باتمام العبید والمسافرین والمرضیٰ وکذا بالامیین والخرس الخ۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۱۴۸ صلوٰۃ الجمعۃ)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳ باب صلوٰۃ الجمعۃ۔

نماز جمعہ وعیدین کے لیے عورتوں کی حاضری

سوال:۔ مساجد میں جمعہ وعیدین کے لیے عورتوں کی حاضری کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عورتوں کے لیے مستقل طور پر جمعہ وعیدین کا اہتمام مشروع نہیں اور نہ ان پر واجب ہے، تاہم کسی جامع مسجد میں تبعاً شرکت بذاتِ خود ممنوع نہیں۔ لیکن دورِ حاضر میں عورتوں کا نکلنا فتنہ وفساد سے خالی نہیں اس لیے جمعہ کے لیے کسی مسجد میں حاضری کے بجائے خود گھر میں ظہر کی نماز پڑھیں، اور عیدین کی نماز ان (عورتوں) پر واجب نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وأما المرأة فلانها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج الی محافل الرّجال لکون الخروج سبباً للفتنة ولهٰذا لا جماعة علیهن ولا جمعة الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۵۸ فصل بیان شرائط الجمعة) [۱]

معذور پر نماز جمعہ واجب نہیں

سوال:۔ ایسا شخص جو چلنے پھرنے پر قادر نہ ہو اُس کے لیے نمازِ جمعہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کسی قریبی جامع مسجد تک نماز جمعہ کے لیے پہنچنے پر قادر نہ ہو تو ایسا شخص دوسرے معذورین کے حکم میں ہو کر نمازِ جمعہ کے وجوب سے مستثنیٰ ہے، تاہم اگر کسی طریقہ پر کہیں جا کر جمعہ پڑھے تو ادا صحیح ہے لیکن نہ جانے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

قال العلامه ابن العابدینؒ: (تحت قوله وقدرته علی المشی) فلا تجب علی المقعد وان وجد حاملاً اتفاقاً خانیة۔ لانه غیر قادر علی السعی اصلاً فلا یجری فیه الخلاف فی الاعمی کما نبه علیه القهستانی۔

(رشامی ج ۲ ص۱۵۴، مطلب فی شروط وجوب الجمعة) [۲]

---

[۱] وذکر السرخسی: والمرأة کذلك مشغولة بخدمة الزوج منهیة عن الخروج شرعاً لما فی خروجها الی مجمع الرّجال فتنة۔ (المبسوط ج ۲ ص۲۲ باب الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۲۸۱ باب الجمعة۔

[۲] وفی الهندیة: حتی لا تجب الجمعة علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضیٰ کذا فی المحیط السرخسی ولا علی المقعد بالاجماع الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۴۴ باب صلوٰة الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۱۵۱ باب صلوٰة الجمعة۔

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے دینے کا حکم

سوال:۔ جمعہ کے دن خطبہ کی اذان کہاں دی جائے گی؟ کیا امام سے دائیں بائیں جانب اذان کہنا جائز ہے یا لازمی طور پر امام کے سامنے دی جائے گی؟

الجواب:۔ اگرچہ اذان ایک اعلان ہونے کی حیثیت سے کسی مقام سے مخصوص نہیں لیکن خطبہ سے قبل اذان کے لیے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونی چاہیئے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ویؤذن ثانیاً بین یدیہ ای الخطیب۔

(رد المحتار ج ۲ ص۱۶۱ مطلب فی حکم الاذان بین یدی الخطیب) [۱]

جمعہ کے لیے ایک خطبہ پر اکتفاء خلافِ سُنّت ہے

سوال:۔ اگر کسی خطیب نے دو خطبوں کی جگہ ایک خطبہ پر اکتفاء کیا تو کیا اس سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور اسی حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایک خطبہ پڑھنے سے اگرچہ خطبہ کی شرط پوری ہو جاتی ہے لیکن دو خطبے پڑھنا مسنون ہے اس لیے ایک خطبہ پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے تاہم نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال محمد بن عبداللہ التمرتاشی: ویسن خطبتان بجلسۃ بینھما۔

(تنویرالابصار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۱۴۸ باب الجمعۃ) [۲]

خُطبہ سُننے کیلئے بیٹھنے کی کیفیت

سوال:۔ خطبہ کے دوران بیٹھنے کی کیفیت کیسی ہونی چاہیئے؟ کیا تشہد کی حالت بنانا ضروری ہے؟

الجواب:۔ عام کتابوں میں تشہد کی سی کیفیت اختیار کرنے کو بہتر لکھا گیا ہے لیکن روایات کی رُو سے اس کے علاوہ طبعی کیفیت پر بیٹھنا بھی ممنوع نہیں۔

---

[۱] وفی الھندیۃ: واذا جلس علی المنبر اذن بین یدیہ .... الخ (الفتاوی الھندیۃ جلد ۱ ص۱۴۹ صلوٰۃ الجمعہ)
وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۱۵۷ باب صلوٰۃ الجمعۃ۔

[۲] قال برھان الدین المرغینانیؒ: ویخطب خطبتین یفصل بینھما بقعدۃ وبہٖ جرّی التوارث۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۴۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الزیلعی ج ۱ ص۲۲۰ باب الجمعۃ۔

لما ورد فی الحدیث : حدثنا داؤد بن رشید نا خالد بن حیان الرقی نا سلیمان بن عبد اللہ بن الزبرقان عن یعلی بن شداد بن اوس قال شہدت مع معاویہؓ بیت المقدس فجمع بنا فنظرنا فاذا اجل من فی المسجد اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأیتہم محتبین والامام یخطب۔ قال ابوداؤد وکان ابن عمر یحتبی والامام یخطب ...الخ (ابوداؤد شریف ج۱ ص۱۵۸) ؎۱

منبر پر خطبہ دینا مسنون ہے

سوال:۔ منبر کے بغیر خطبہ دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ منبر پر خطبہ دینا سنتِ نبوی ہے اس کے بغیر خطبہ دینا خلافِ سُنت ہے۔

قال العلامة جلال الدین عبد الرحمٰن ابن ابی بکر السیوطیؒ :۔ واخرج ابن ابی شیبۃ عن الشعبیؒ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعۃ استقبل الناس بوجہہ الکریم فقال السلام علیکم ویحمد اللہ ویثنی علیہ ویقرأ سورۃ ثم یجلس ثم یقوم فیخطب ثم ینزل وکان ابوبکرؓ وعمرؓ یفعلانہ۔ (تفسیر درمنثور ج۶ ص۲۲۲) ؎۲

دورانِ خطبہ خلفاء راشدینؓ کے تذکرہ کا حکم

سوال:۔ عام کتابوں میں خطبہ جمعہ میں حمد و صلوٰۃ اور وعظ و نصائح کا تذکرہ ملتا ہے، اس کے علاوہ خلفاء راشدینؓ کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ خطبہ کا جواز خلفاء راشدینؓ کے تذکرہ پر موقوف نہیں لیکن پھر بھی صحابہ کرامؓ اور خصوصاً خلفاء راشدین کا تذکرہ کرنا مستحسن فعل ہے۔

قال الحصکفیؒ :۔ ویندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین الخ (ردالمحتار ج۲ ص۱۴۹ مطلب فی قول الخطیب الخ) ؎۳

؎۱ وفی الھندیۃ :۔ اذا شھد الرجل عند الخطبۃ ان شاء جلس محتبیًا او متربعًا او کما تیسر لانہ لیس بصلوٰۃ عملاً وحقیقۃ کذا فی المضمرات۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۴۸، الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ)

ومِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۶۳ باب الجمعۃ، شرائط الجمعۃ۔

؎۲ وقال العلامۃ ابن العابدینؒ : ومن السنۃ ان یخطب علیہ اقتداءً بہ صلی اللہ علیہ وسلم ...الخ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۶۱ باب العیدین)

ومِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ۔

؎۳ وفی الھندیۃ : وذکر خلفاء الراشدین والعمین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مستحسن بذلک جرٰی التوارث کذا فی التجنیس۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۴۷، الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ)۔

دورانِ خطبہ درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ دورانِ خطبہ آیتِ کریمہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ سُن کر درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل میں درود شریف پڑھے، البتہ زبان سے پڑھنے سے احتراز کرے تاکہ خطبہ کا سننا متاثر نہ ہو۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وروی عن ابی یوسفؒ انہ ینبغی ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہ عند سماع اسمہ ...الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۶۴ فصل بیان شرائط الجمعۃ)[1]

دورانِ خطبہ باتیں کرنے کا حکم

سوال:۔ خطبہ کے دوران باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر خطیب دورانِ خطبہ کوئی بات کرے تو کیا اس سے خطبہ کی متاثر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دورانِ خطبہ خطیب کے لیے امر بالمعروف کے علاوہ دوسری قسم کی باتیں کرنا مکروہ ہے تاہم خطبہ کا اعادہ کرنا ضروری نہیں، البتہ سامعین کو سماعِ خطبہ کے وجوب کی وجہ سے مطلقاً کلام کرنا یا اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویکرہ تکلمہ فیہا الا لامر بمعروف لانہ منہا... الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۴۹ باب الجمعۃ)

وایضاً کل ما حرم فی الصلوٰۃ حرم فیہا ای فی الخطبۃ خلاصۃ وغیرہا فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحاً او رد سلام او امراً بمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵۹ مطلب فی شروط وجوب الجمعۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵۹ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۸ باب الجمعۃ۔

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: تحت قولہ واذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام) ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا اذا کان امراً بمعروف فلا یکرہ..... اما وقت الخطبۃ فالکلام مکروہ تحریماً لو کان امراً بمعروف او تسبیحاً او غیرہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۵ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۰۶، الفصل الثالث والعشرون فی صلوٰۃ الجمعۃ۔

دورانِ خطبہ دُعا کرنے کا حکم

سوال:۔ جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان خطیب یا سامعین کے لیے دعا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دعا کا ثبوت مروی نہیں، اس لیے اس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔

حدثنا احمد بن منیع، نا ھشیم، نا حصین قال سمعت عمارة بن رُوَیبَة وبشر بن مروان یخطب فرفع یدیہ فی الدعاء، فقال عمارة قبح اللہ ھاتین الیدیتین القصیرتین لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یزید علی ان یقول ھکذا واشار ھشیم بالسبابة قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن صحیح۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۱۴) لہ

نمازِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں

سوال:۔ کیا مسجد سے باہر کسی مکان وغیرہ میں چند آدمی جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ مقامی طور پر یہ جگہ قریہ کبیرہ یا مصر کے حکم میں ہو؟

الجواب:۔ نمازِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں، اس لیے کسی بیرونی جگہ میں نمازِ جمعہ پڑھنا باعثِ الزام نہیں، جبکہ یہ جگہ قریہ کبیرہ کے فناء میں ہو، تاہم بہتر یہ ہے کہ جمعہ جامع مسجد میں ادا کیا جائے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ویشترط لصحتہا ۔۔ الخ المصر الخ او فنائہ وھو ماحولہ اتصل بہ او لا الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۳۷ باب الجمعة) ٢ہ

عیدین کی جماعت ہونے کے بعد دوبارہ جماعت کا اہتمام کرنا

سوال:۔ عیدین کی جماعت ہو جانے کے بعد جن لوگوں سے نماز رہ گئی ہو اُن کیلئے دوبارہ جماعت کا اہتمام کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ ایک ہی شہر کے اندر متعدد مقامات پر ایک ہی وقت میں جمعہ و عیدین کی

لہ وقال الشیخ عبدالحق دھلویؒ: و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیان ہر دو خطبہ لحظۂ بنشستی چنانچہ در حدیث جابر بن سمرہؓ آمدہ خاموش بودی و دعا از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درین وقت بصحت نرسیدہ۔ (شرح سفر السعادت ص۲۷۲)
وَمِثْلُہٗ فی غایة الاوطار ج۱ ص۳۷۳ باب الجمعة۔

٢ہ وقال ابن نجیمؒ المصریؒ: او مصلاہ ای مصلی المصر لانہ من توابعہ فکان فی حکمہ والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع افنیة المصر لانہا بمنزلة المصر ۔۔ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۰ باب صلوٰة الجمعة۔
ومِثلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۴ باب الجمعة۔

نماز پڑھنا درست ہے، ایک ہی جگہ پر متعدد جماعات کرانا جائز نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں سے عید کی نماز رہ گئی ہو وہ کسی اور جگہ میں دوسرے امام کی اقتدا کر سکتے ہیں یا دوسرے مقام پر جماعت کا اہتمام کر سکتے ہو تو درست ہے، ورنہ اسی جگہ (مسجد یا عیدگاہ) میں دوبارہ نماز پڑھنا درست نہیں۔

وقال العلامة ابن نجیمؒ : والا اذا فاتت مع امام وامکنه ان یذهب الی امام اٰخر فانه یذهب الیه لانه یجوز تعددها فی مصر واحد فی موضعین واکثر اتفاقاً۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۱۶۲ باب العیدین)

عیدین کی نماز میں مسبوق کا حکم

سوال :۔ اگر کسی نے عیدین کی نماز میں امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شرکت کی تو فوت شدہ رکعت کس طرح پوری کی جائے گی؟

الجواب :۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق کھڑے ہو کر سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ پڑھ کر بعد میں اپنے مسلک کے مطابق تکبیراتِ زوائد کہہ کر اپنی رکعت مکمل کرے۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ : فاذا فرغ الامام من صلٰوته یقوم الی قضاء ماسبق به ثم ان کان رأیه یخالف رأی الامام یتبع رأی نفسه لانه منفرد فیما یقضی بخلاف اللاحق لانه فی الحکم کانه خلف الامام وان کان رأیه موافقاً لرأی امامه بان کان امامه یری رأی ابن مسعودؓ وهی کذٰلک بدأ بالقرأة ثم بالتکبیرات....الخ

(بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۷۹ فصل بیان صلٰوۃ العیدین)[1]

عیدین کی نماز کے لیے باہر نکلنا بہتر ہے

سوال :۔ عیدین کی نماز محلہ یا گاؤں کی جامع مسجد میں پڑھی جائے یا اس کے لیے آبادی سے باہر عیدگاہ کو نکلنا ضروری ہے؟ جبکہ بعض مقامات پر عیدگاہ میسّر نہیں ہوتی؟

الجواب :۔ عیدگاہ کا گاؤں سے باہر ہونا کوئی ایسا امر نہیں جس کو واجب یا فرض قرار دیا جائے، اور نہ ہی فقہاء کرام نے اشتراط پر قول کیا ہے، نہ ہی عیدین کی نماز کی صحت اس پر موقوف

---

[1] وقال العلامة ابن العابدینؒ : یقرأ ثم یکبر ای اذا قام الی قضائها لئلا یتوالی التکبیر۔
(رشامی ج ۲ ص۱۷۴ باب العیدین، مطلب امر الخلیفة لایبقی بعد موته۔
وَمِثْلُهٗ فی الطحطاوی ص۲۹۳ باب احکام العیدین۔

ہے۔ تاہم بعض اقوال اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ صحراء میں ہونا بہتر ہے لیکن گاؤں کی جامع مسجد میں بھی عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع ... الخ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۶۹ باب العیدین) [1]

نمازِ جمعہ کے لیے افضل وقت

سوال:۔ فقہ حنفی کی رُو سے ظہر کی نماز میں سردیوں میں تعجیل اور گرمیوں میں ابراد افضل ہے، لیکن جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ وقت کے تعین اور افضلیت دونوں کے اعتبار سے جمعہ کا حکم ظہر کی نماز کی طرح ہے، اس لیے نمازِ جمعہ کے لیے بھی سردیوں میں تعجیل اور گرمیوں میں ابراد مستحب ہے۔

قال العلامہ ابن نجیم المصریؒ: والجمعۃ کالظھر اصلاً واستحباباً فی الزمانین کذا ذکرہ الاسبیجابی۔ (البحرالرائق ج۱ ص۲۴۷ کتاب الصلوٰۃ فی المواقیت الصلوٰۃ) [2]

عیدین کے لیے صاف ستھرے کپڑے پہننا

سوال:۔ عیدین میں نئے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہننے کے اہتمام کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ ایسے اجتماعی مواقع میں صاف ستھرے یا نئے کپڑے پہننا مستحب ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وندب یوم الفطر اکلہ الخ وبعد سطر۔ ولبس احسن ثیابہ ولو غیر ابیض۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۶۸ باب العیدین) [3]

---

[1] وفی الھندیۃ: الخروج الی الجبانۃ فی صلوٰۃ العید وان کان یسعھم المسجد الجامع علی ھذا عامۃ المشائخ وھو الصحیح ھکذا فی المضمرات۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۵۰ صلوٰۃ العیدین)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ العیدین۔

[2] وقال برھان الدین المرغینانیؒ: ومن شرائطھا الوقت فتصح فی وقت الظھر ولاتصح بعدہٗ لقولہ علیہ السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعۃ۔ الخ (الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۷ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الزیلعی ج۱ ص۲۱۹ باب الجمعۃ۔

[3] وفی الھندیۃ: ویستحب یوم الفطر للرجل الاغتسال والسواک ولبس احسن ثیابہ ..... الخ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۴۹ صلوٰۃ العیدین)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۱۵۷ باب صلوٰۃ العیدین۔

جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کا وقت

سوال:۔ جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کس وقت ناخن کٹوانا مناسب ہے؟

الجواب:۔ بعض علماء نے جمعہ کی سعادتمندی کے حصول کی خاطر نماز جمعہ کے بعد ناخن کٹوانا موزوں جانا ہے، لیکن رسول اللہؐ سے نماز جمعہ سے قبل ناخن کاٹنے کے بارے میں روایت ثابت ہے، اگرچہ محدثین نے اس روایت پر کلام کیا ہے لیکن فضائل میں ایسی روایات کو اعتبار دیا جاتا ہے۔

عن ابی هریرۃؓ: کان یقلم اظفاره ویقص شاربه یوم الجمعة قبل ان یخرج الی الصلوٰة اخرجه البزاز والطبرانی والبیهقی بسند حسن هکذا فی الدر المنثور ج ۱ ص۱۱۲)۔ [1]

جمعہ کی اذان کے بعد کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر جمعہ کے دن کھانا کھاتے کے دوران جمعہ کی اذان شروع ہو جائے تو کیا اس کے بعد کھانا کھانا جائز ہے یا خرید و فروخت کی طرح حرام ہے؟

الجواب:۔ اذان کے وقت اگر کھانے میں رغبت زیادہ ہو یا نماز سے فارغ ہوتے تک اس کے خراب یا بے لذت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کھانا جاری رکھ کر فراغت کے بعد نماز پڑھی جائے، تاہم اگر کہیں نماز جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کھانا بند کر کے نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، کیونکہ ہر وہ عمل جس سے جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو اذان کے بعد اس کا جاری رکھنا حرام ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: سمع النداء وهو یأکل ترکه ان خاف فوت الجمعة او مکتوبة وذکر الشامی تحت قوله والاحصل ای الذی تمیل الیه النفس ویخاف ذهاب لذته عنه فی ترك الجماعة۔ (شامی ج ۲ ص۱۶۳ قبل مطلب اذا شرك فی عبارته الخ) [2]

---

[1] وقال العلامة ابن العابدینؒ: قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقص شاربه ویقلم اظفاره یوم الجمعة قبل ان یروح الی الصلوٰة۔ قال السیوطیؒ: وبالجملة فارجحها ای الاقوال دلیلاً ونقلاً یوم الجمعة والاخبار الواردة فیه لیست بواهیة جداً مع ان الضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال (رد المحتار مع الدر المختار ج ۵ ص۲۸۷ فصل فی البیع)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۱۱، الفصل التاسع فی الحظر والاباحة۔ کتاب الطهارة۔

[2] وقال العلامة ابن نجیمؒ: وفی کثیر من الکتب لو سمع النداء وقت الاکل یترکه اذا خاف فوت الجمعة الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۵۷ باب الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص۸ باب صلوٰة الجمعة المتفرقات۔

عیدین کے لیے اذان دینا خلاف سنت ہے

سوال:۔ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے لیے اذان دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے علاوہ اور نمازوں کے لیے اذان واقامت دینا خلافِ سنت ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: لا یسن لغیرھا کعید۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۵ باب الاذان) [1]

خطیب کی تقرری کا حق کس کو ہے

سوال:۔ اگر متعدد افراد کسی مسجد میں خطیب بننے کا دعویٰ کریں تو ان میں کون زیادہ حق دار ہے؟

الجواب:۔ جہاں پر قاضی یا حاکم ذمہ داری محسوس کر کے جس کسی کو بھی خطیب مقرر کرے تو وہ خطبہ دینے کا زیادہ حقدار ہے، البتہ جہاں پر ایسا انتظام نہ ہو تو پھر قوم کا مقرر کردہ خطیب جمعہ پڑھا سکتا ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: او القاضی الماذون لہ فی ذلک، الی ان قال: ونصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۳ باب الجمعۃ) [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین جمعہ پڑھنا

سوال:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولین جمعہ کہاں ادا فرمایا؟

الجواب:۔ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء سے مدینہ منورہ تشریف لائے

---

[1] وفی الھندیۃ: ولیس لغیر الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ نحو السنن والوتر والتطوعات والتراویح والعیدین اذان ولا اقامۃ کذا فی المحیط۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۵۳ الباب الثانی فی الاذان)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۴۸ الفصل الاول فی الاذان۔

[2] وقال العلامۃ ابن نجیمؒ المصری: ولو اجتمعت العامۃ علی تقدیم رجل لم یأمرہ القاضی والخلیفۃ المیت لم یجز ولم تکن جمعۃ ولو لم یکن ثمۃ القاضی ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز للضرورۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۳ باب الجمعۃ۔

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۴۶ صلوٰۃ الجمعۃ۔

اس وقت کوئی مسجد آباد نہیں تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی بنی سالم بن عمرو میں جمعہ کا خطبہ پڑھا، یہ جمعہ کا اولین خطبہ تھا جو آپ سے سنا گیا۔

کما فی البدایة والنهایة: قال ابن جریر حدثنی یونس بن عبد الاعلیٰ اخبرنا ابن وهب عن سعید بن عبد الرحمٰن الجمحی انه بلغه عن خطبة النبی صلی الله علیه وسلم فی اول جمعة صلاها بالمدینة فی بنی سالم بن عمرو بن عوف رضی الله عنهم الخ (البدایہ والنہایہ ج۳ ص۲۱۳) [۱]

تکبیراتِ ایامِ تشریق کن پر واجب ہیں

سوال:- کیا تکبیراتِ ایامِ تشریق صرف مردوں پر واجب ہیں یا عورتیں بھی اس حکم میں شریک ہیں؟ جبکہ عورتیں عموماً انفراداً نماز پڑھتی ہیں؟

الجواب:- چونکہ صاحبینؒ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق کیلئے جماعت، اقامت اور مصر کی شرط نہیں بلکہ تمام نمازیوں پر یہ واجب ہیں خواہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے یا انفراداً ادا ہو، بنا بریں صورت مردوں کی طرح عورتوں پر بھی تکبیرات واجب ہیں، تاہم عورتوں کیلئے ضروری ہے کہ تکبیرات پڑھتے وقت اخفاء کریں۔ کتبِ فقہ سے صاحبینؒ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وقالا بوجوبه فور کل فرض مطلقاً ولو منفرداً او مسافراً او امرأة لانه تبع للمکتوبة الی عصر یوم الخامس آخر ایام التشریق وعلیه الاعتماد والعمل والفتوی فی عامة الامصار وکافة الاعصار... الخ (الدر المختار ج۲ ص۱۷۹ قبل باب الکسوف مطلب المنار... الخ) [۲]

---

[۱] قال العلامة السیوطیؒ: واخرج الزبیر بن بکار فی اخبار المدینة عن شهاب قال رکب رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم الجمعة من قباء فمر علی بنی سالم فصلی فیهم الجمعة ببنی سالم وهو المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعة صلاها رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (الدر المنثور ج۶ ص۲۱۸ سورة الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۳۹ باب الجمعة۔

[۲] قال حسن بن عمار الشرنبلالی: وقالا ای ابو یوسفؒ ومحمدؒ یجب التکبیر فور کل فرض علی من صلاه ولو کان منفرداً او مسافراً او قرویاً لانه تبع للمکتوبة من فجر عرفة الی عقیب عصر الیوم الخامس من یوم العرفة فیکون الی آخر ایام التشریق وبه ای بقولهما یعمل وعلیه الفتوی۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۴۳ احکام العیدین)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۶۶ باب العیدین۔

بحری جہاز میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال: بعض عازمینِ حج بحری جہاز کے ذریعے حج کے لیے جاتے ہیں، اگر وہ سب مل کر جہاز میں ہی نمازِ جمعہ ادا کرنا چاہیں تو کیا فقہ حنفی کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: فرضیتِ جمعہ کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصر یعنی شہر کا ہونا ضروری ہے اور جہاز چونکہ مصر کے حکم میں نہیں اگرچہ اس میں عازمینِ حج کافی تعداد میں موجود ہوں، اس لیے فقہ حنفی کی رُو سے بحری جہاز میں نمازِ جمعہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویشترط لصحتها سبعة اشیاء المصر وهو ما لا یسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها وعلیه فتوی اکثر الفقهاء۔ (الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج ۱ ص ۳۳۸ باب الجمعة) [1]

جیل میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال: آج کل پاکستان میں اکثر جیلیں شہروں کے وسط میں واقع ہیں جن میں باہر سے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی جبکہ ان جیلوں میں قیدیوں کی تعداد ہزاروں تک ہوتی ہے، اندریں صورت ایسی جیلوں میں نمازِ جمعہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: فقہ حنفی کے مطابق جمعہ کی ادائیگی کے لیے اِذنِ عام شرط ہے چونکہ جیل کے اندر باہر سے لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے جیل میں جمعہ و عیدین ہر دو جائز نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: الشرط السادس الإذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فیؤذن بالناس کافة حتی ان جماعة لو اجتمعوا فی الجامع وأغلقوا ابواب المسجد علی انفسهم وجمعوا لم یجزهم۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص ۶۷ شرائط الجمعة) [2]

عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنا

سوال: آجکل اکثر دیہاتوں (گاؤں) اور کئی شہروں میں بھی عیدین کی نماز مساجد میں ادا کی جاتی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا

---

[1] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع

(الهدایة ج ۱ ص ۱۵۰ باب صلوة الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۴۵ الباب السادس عشر فی صلوة الجمعة۔

[2] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صحت صلوٰۃ جمعہ کے شرائط میں سے اِذنِ عام بھی ہے اور صورت مذکورہ فی السوال وہ مفقود ہے لہٰذا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۷۵۶ فصل فی الجمعہ والعیدین)

وَمِثْلُهٗ فی کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۳۸۹ فصل شروط الجمعة۔

عیدگاہ کو نکلنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید باہر عیدگاہ میں ادا فرمائی ہے اس لیے عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ کو نکلنا مسنون ہے تاہم مساجد میں بھی عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: الخروج الی الجبانۃ فی صلوٰۃ العید سنۃ وان کان یسعھم المسجد الجامع علی ھذا عامۃ المشائخ وھو الصحیح۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۵۰ الباب السابع عشر فی صلوٰۃ العیدین)[1]

خطبہ میں تعوّذ اور تسمیہ جہراً کہنا

سوال:۔ اگر کوئی خطیب خطبہ شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہراً پڑھے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ خطیب کے لیے خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ سے اعوذ باللہ پڑھنا چاہیئے بسم اللہ الخ منقول نہیں تاہم اگر پڑھ لیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ قال فی الدرر ویبداء بالتعوّذ سرّاً) ای قبل الخطبۃ الاولیٰ بالتعوّذ سرّاً ثم بحمد اللہ .... والثانیۃ کالاولیٰ الا ان یدعوا للمسلمین مکان الوعظ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۴۹ باب الجمعۃ، مطلب فی قول الخطیب)[2]

دوسرے شخص کے تعاون کے بغیر نابینا آدمی کے لیے جمعہ کا حکم

سوال: زید کا بھائی بصارت سے محروم (نابینا) ہے مگر اس کو چلنے پھرنے میں دقت نہیں ہوتی بلکہ بغیر کسی دوسرے آدمی کی مدد کے دور دور تک چلتا پھرتا ہے، کیا اس نابینا پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ نابینا جو دوسرے شخص کی مدد کے بغیر اپنے دنیاوی کام کاج کر سکتا ہو اور اس کو چلنے پھرنے میں تکلیف نہ ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے اس کو جمعہ و عیدین کے لیے جانا ضروری ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ، واقول بل یظھر لی وجوبھا علی العمیان الذی یمشی فی الاسواق

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی التجنیس والخروج الی الجبانۃ سنۃ لصلوٰۃ العید ان کان یسعھم المسجد الجامع عند عامۃ المشائخ وھو الصحیح۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۹ باب صلوٰۃ العید)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۲ ص۳۶۷ رابعاً موضع اداء صلوٰۃ العید۔

[2] لما قال الشیخ ظفر العثمانیؒ:۔ پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے صرف اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم آہستہ پڑھ لے جہر کرے اور بسم اللہ کا پڑھنا منقول نہیں ...... اس عبارت کے اخیر جُز سے قیاساً حیث قال والثانیۃ کالاولیٰ معلوم ہوا کہ دوسرے خطبہ کو اعوذ باللہ الخ آہستہ پڑھ کر شروع کیا جائے۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۷۴۳ فصل فی الجمعۃ والعیدین)

ویعرف الطرق بلا قائد ولا کلفة ویعرف ای مسجد اراده بلا سوال احد لانه حینئذٍ کالمریض القادر علی الخروج بنفسه۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۵۴ مطلب شروط الجمعة) لے

خطبہ میں عصا پکڑنا

سوال: کیا جمعہ وعیدین کے خطبوں کے لیے ہاتھ میں عصا پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبہ کے لیے ہاتھ میں عصا پکڑنا مسنون ہے مگر اس کو مقصودی سنت نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ایک استحبابی امر تک محدود رکھا جائے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ ان یتکئ علی قوس او عصا۔ قال ابن عابدینؒ: نقل القہستانی عن عبد المحیط ان اخذ عصا سنة کالقیام۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۶۳ باب الجمعة۔ مطلب اذا شرك فی عبادته الخ) ۲ے

نمازِ عید کے بعد دُعا مانگنا

سوال: عیدگاہوں میں لوگ نمازِ عید کے بعد دُعائیں مانگتے ہیں کیا نمازِ عید کے بعد دُعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن وسنت نے دعار مانگنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا بلکہ دُعا کے وقت کو مطلق رکھا ہے، جس وقت بھی کوئی دعا مانگے جائز ہے۔ نمازِ عیدین کے بعد دعا مانگنے پر اکابرینِ اُمت کا تعامل بھی چلا آرہا ہے اس لیے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ دُعا مانگنا مستحب ہے۔

لما قال اللہ تبارك وتعالیٰ: اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶) ۳ے

لے کتب الشیخ عبد الکریم وصححه العلامة ظفر احمد العثمانیؒ:۔ الجواب: جو نابینا بدون دوسرے شخص کے ہمراہ ہوئے بھی پھرتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اس کے ذمہ جمعہ واجب ہے۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۶۷ فصل فی الجمعة والعیدین)

۲ے قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: عصا لینا مستحب ہے لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام ما لا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔
(امداد الاحکام ج۱ ص۱۵۹ فصل فی الجمعة والعیدین)

۳ے قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: پس عیدین کی نماز کے بعد مناجات و دعا کرنا عموماتِ حدیث سے مستحب ہے بلکہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۱۴۲ فصل فی الجمعہ والعیدین)

خطبۂ جمعہ کے بعد اقامت سے پہلے حدیث کا ترجمہ کرنا

سوال: ہماری مسجد کے خطیب صاحب خطبۂ جمعہ کے بعد اور اقامت سے پہلے کبھی کبھی خطبہ کی حدیث وغیرہ کا ترجمہ فرماتے ہیں، کیا ایسا کرنا ممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبۂ جمعہ اور اقامت کے درمیان دنیاوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے البتہ دینی وعظ یا مسئلہ اگر مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: فاذا اتم اقيمت ويكره الفصل بامر الدنيا۔ ذكره العيني۔

قال ابن عابدينؒ: ...... اما بنهي عن منكر او امر بمعروف فلا۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۱ باب الجمعة) [1]

جمعہ کے دن اذانِ ثانیہ کا جواب دینا

سوال: فرض نماز کے لیے کہی گئی اذان کا جواب دینا تو ضروری ہے کیا جمعہ کے دن اذانِ ثانیہ کا جواب دینا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ اذان کا جواب دینا ضروری امر ہے لیکن جمعہ کے دن اذانِ ثانی کا جواب زبان سے دینا فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے مناسب یہ ہے کہ جواب نہ دیا جائے، البتہ اگر دل ہی دل میں جواب دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وينبغي ان لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الاذان بين يدى الخطيب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۳۹۹ باب الاذان) [2]

نمازِ جمعہ میں تاخیر کرنے کا حکم

سوال: بعض خطیب صاحبان جمعہ اتنی دیر سے پڑھتے ہیں کہ مثلِ اول کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب: ظہر کا وقت مثلِ ثانی کے اختتام تک ہے اور مثلِ اول سے مثلِ ثانی کا وقت

---

[1] قال العلامة السيد احمد الطحطاويؒ: (تحت قوله ويكره الفصل بامر الدنيا) يفهم منه انه لا يكره الفصل بامر الاخرة كذكر۔ (حاشية طحطاوى على الدر المختار ج۱ ص۳۴۸ باب الجمعة)

[2] قال الشيخ العلامة عبد الحى اللكهنويؒ: ينبغي ان لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الاذان بين يدى الخطيب وان يجيب اتفاقاً في الاذان الاول يوم الجمعة۔

(السعاية في حل شرح الوقاية ج۲ ص۵۳ باب الاذان)

مکروہ ہے اس لیے جو جمعہ مثل اول کے بعد پڑھا جائے تو وہ مکروہ ہے، اگرچہ بعض علماء کے نزدیک مثلِ اول کے بعد جمعہ باطل ہے اس لیے جمعہ مثلِ اول سے پہلے پہلے پڑھنا چاہیئے۔

لما قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله ويستحب الابراد بالظهر) وفی الخزانة الوقت المكروه فی الظهران یدخل فی حد الاختلاف واذا اخره حتى صار ظل كل شئ مثلهٗ فقد دخل فی حد الاختلاف۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۰۵ کتاب الصلوٰۃ) ؎۱

ایک ہی دن میں جمعہ اور عید کے خطبہ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں سے سُنا گیا ہے کہ اگر جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھنے سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں، کیا واقعی دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں یا کہ دونوں واجب ہیں؟

الجواب:۔ جمعہ و عید کی نمازیں دونوں الگ الگ واجبات ہیں، ایک کی ادائیگی سے دوسرا ساقط نہیں ہوتا اس لیے دونوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اما مذهبنا فلزوم كل واحد منهما (ردالمحتار ج۲ ص۱۶۶ باب العیدین مطلب فی الفأل والطیرۃ) ؎۲

جمعہ کے دن نماز سے پہلے سورۂ کہف کی تلاوت کرنا

سوال:۔ ہمارے بعض احباب کا معمول ہے کہ وہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے سورۂ کہف ضرور تلاوت کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا ثبوت ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ میں جمعہ کے دن سورۃ کہف تلاوت کرنے کی بہت فضیلت

؎۱ قال الشیخ محمد یوسف البنوریؒ: قال شیخنا والحق ما قاله صاحب البدائع والدر المختار فان المثل الثانی وقت الضرورة للظهر وحكى الشیخ السید احمد زینیؒ دحلان الشافعی فی رسالة له عن الفتاوی الظهیریة وخزانة المفتیین رجوع ابی حنیفةؒ الی المثل الاول اھ (معارف السنن ج۲ ص۱۱۲۱ باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ)

؎۲ قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ، فی الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنة والثانی فریضة ولا یترك واحد منهما. قال بدر الدینؒ تحته ای من العید والجمعة اما الجمعة فلانها فریضة واما العید فلان تركها بدعة وضلال۔ (البنایہ ج۳ ص۳۵ باب صلوٰۃ العیدین)

ومثله فی امداد الفتاوی ج۱ ص۴۳۱ باب صلوٰۃ الجمعة والعیدین۔

آئی ہے کہ یہ دو جمعوں کے درمیان ایک نور ہوگا۔ شراح حدیث نے اس کو دل، قبر، حشر کی چمک پر محمول کیا ہے۔

عن ابی سعیدؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ سورۃ الکھف فی یوم الجمعۃ اضاء له النور ما بین الجمعتین۔ (رواہ البیہقی) ـــ قال العلامۃ الطیبیؒ: قوله اضاء له فی قلبه او فی قبره او یوم حشره۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۹) [1]

بارش کی وجہ سے جمعہ کی نماز کا ترک کرنا

سوال:۔ اگر عین جمعہ کی اذان کے بعد تیز بارش شروع ہو جائے تو کیا پھر بھی جمعہ کے لیے مسجد میں جانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بارش اتنی شدید ہو کہ اس میں جمعہ کیلئے مسجد میں جانا ممکن نہ رہے تو اس مجبوری کی وجہ سے جمعہ کو ترک کرنا مرخص ہے تاہم کوشش کر کے جانا بہتر ہے۔

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: اذا اصاب الناس مطر شدید یوم الجمعۃ فھم فی سعۃ من التخلف۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۱۱ باب الجمعۃ و ما یتصل بھذا) [2]

مریض کی عیادت پر مامور تیماردار کے لیے جمعہ کا حکم

سوال:۔ ہسپتال میں بیمار کی خدمت پر مامور تیماردار سے جمعہ ساقط ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مریض کی حالت زیادہ خراب ہو اور تیماردار کے جمعہ کیلئے جانے سے اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو تیماردار سے جمعہ ساقط ہے، مریض کے پاس رہ کر صرف ظہر کی نماز

---

[1] عن ابی سعید الخدریؓ انه قال من قرأ سورۃ الکھف یوم الجمعۃ اضاء له من النور ما بینه وبین البیت العتیق ھکذا وقع موقوفاً۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۹ سورۃ الکھف)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المنثور ج ۴ ص ۲۰۹ سورۃ الکھف۔

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلیؒ: فلابُدَّ لِمَن تجب علیه الجمعۃ من الصحۃ والامن والحریۃ والبصر والقدرۃ علی المشی وعدم الحبس وعدم المطر الشدید والوحل والثلج ونحوھا۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۲۶۷ باب الجمعۃ۔ السلامۃ من الاعذار)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۴ باب الجمعۃ۔

پڑھے اور اگر ہلاکت کا خطرہ نہ ہو تو جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔

قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: الحق بالمریض الممرض ان بقی المریض ضائعًا بخروجه علی الاصح۔ (طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۲۱۲ باب الجمعة) [۱]

خطبۂ جمعہ کے دوران کسی کو منکر کام سے منع کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص دورانِ خطبۂ جمعہ کسی کو منکر کام کرتے دیکھے اور اس کو اشارہ سے منع کرے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دورانِ خطبہ ہر ایسا عمل جو استماعِ خطبہ کے منافی ہو کرنا جائز نہیں البتہ اگر کسی کو منکر کام کرتے دیکھ کر اشارہ سے منع کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

لما قال العلامه ابراهیم الحلبیؒ: وکذا لو اشار برأسه او عینه او یده عند رؤیة المنکر ولم یتکلم بلسانه الصحیح انه لا یکره۔ (کبیری ص۵۶۲ باب الجمعة) [۲]

خطبہ کے دوران خطیب کا دائیں بائیں دیکھنا

سوال:۔ بعض خطباء کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خطبہ کے دوران دائیں بائیں دیکھتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خطبہ کے دوران سنت طریقہ یہ ہے کہ خطیب سامنے کی طرف توجہ کرے اِدھر اُدھر نہ دیکھے، فقہاء کرام نے اس طرح کرنے (دائیں بائیں دیکھنے) سے منع فرمایا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وما یفعله بعض الخطباء من تحویل الوجه جهة الیمین وجهة الیسار عند الصلوٰة علی النبیؐ علیه الصلوٰة والسلام فی الخطبة الثانیة لم ار من ذکره والظاهر انه بدعة ینبغی ترکه لئلا یتوهم انه سنة ثم رأیت فی منهاج النووی

---

[۱] قال الشیخ وهبة الزحیلی: فلا تجب الجمعة علی مریض لعجزه عن ذٰلك وممرض ان بقی المریض ضائعًا وشیخ فانٍ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۲۷۰ باب الجمعة، السلامة من الاعذار)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۱۵۳ باب الجمعة۔ مطلب فی شروط وجوب الجمعة۔

[۲] ذکر العلامه ابن نجیمؒ: وعن ابی یوسفؒ انهٗ کان ینظر فی کتابه ویصححه وقت الخطبة ولو لم یتکلم لکن اشار بیده او بعینه حین رأی منکر الصحیح انهٗ لا بأس به۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۶ باب الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة۔

ولا یلتفت یمیناً وشمالاً فی شئ منها قال ابن حجر فی شرحہ لان ذٰلک بدعۃ۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۹ باب الجمعۃ مطلب فی قول الخطیب الخ) [1]

خطبہ کے دوران سنتیں پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ عین خطبہ کے دوران جمعہ کے لیے مسجد آتے ہیں اور آتے ہی سنتیں پڑھنا شروع کردیتے ہیں، کیا خطبہ کے دوران سنتیں پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے اس دوران ہر وہ عمل جو خطبہ سننے سے مشغول رکھے کرنا جائز نہیں اس لیے فقہ حنفی کی رُو سے دورانِ خطبہ سنتیں پڑھنا درست نہیں۔

لما قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: اذا خرج الامام فلاصلوٰۃ ولا کلام ـــ قال ابن نجیمؒ: فی شرحہ لما رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن علیؓ وابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہم کانوا یکرھون الصلوٰۃ والکلام بعد خروج الامام وقول الصحابی حُجّۃ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۵ باب الجمعۃ) [2]

دورانِ خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا

سوال:۔ یہاں ہمارے محلے کی مسجد میں خطبۂ جمعہ کے دوران مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: جمعہ کا خطبہ سننا اور اس کے لیے متوجہ ہوکر خاموش رہنا واجب ہے اس دوران نماز و کلام جیسے امور جائز نہیں، لہٰذا دورانِ خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا صحیح نہیں، چندہ کیلئے

---

[1] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اما سُنن الخطبۃ فھی عند الحنفیۃ ثمانی عشر سنۃ..... استقبال القوم بوجھہ دون التفات یمیناً وشمالاً سُنۃ بالاتفاق لما روی ابن ماجہ: عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدّہ قال کان النبیؐ اذا قام علی المنبر استقبلہ الناس بوجوھھم۔

(الفقہ الاسلامی وَاَدِلّتہ ج ۲ ص ۲۹۱ المطلب السادس سُنن الخطبۃ ومکروھاتھا)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: اذا خرج الامام من الحُجرۃ ان کان والا فقیامہ للصعود شرح المجمع فلاصلوٰۃ ولا کلام الیٰ تمامھا۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ فلاصلوٰۃ) شمل السنۃ وتحیۃ المسجد۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۸ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص ۱۵۱ باب الجمعۃ۔

کوئی اور وقت مقرر کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ: واذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا کلام۔

(کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۵ باب الجمعة) لہ

خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے وقت خطیب کا السلام علیکم کہنا

سوال: ہمارے خطیب صاحب جب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتے ہیں تو حاضرین کو السلام علیکم کہتے ہیں، کیا اس وقت سلام کرنا سنت ہے؟

الجواب: جب خطیب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جائے تو اس دوران اس کا حاضرین کو سلام کہنا احناف کے ہاں درست نہیں، اگرچہ امام شافعیؒ نے جواز کا قول نقل کیا ہے مگر چونکہ یہ بھی کلام ہے جو بنصِ حدیث ممنوع ہے اس لیے فقہاءِ کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے۔

لما قال العلامة محمد ابراھیم الحلبیؒ: الخطیب اذا صعد المنبر لایسلم علی القوم عندنا وبه قال مالك وقال الشافعی واحمد یسلم علیھم (المروی من سلام عندنا غیر مقبول) قال البیھقیؒ: لیس بالقوی۔ وقال عبد الحق فی الاحکام الکبریٰ ھو مرسل قال واسند ابواحمد من حدیث ابن لھیعة وھو معروف فی الضعفاء ولا یحتج به۔

(کبیری ص ۵۶۲ باب الجمعة البحث الثالث) ۲ہ

کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے

سوال: ہماری مسجد کے خطیب اتنی آواز سے خطبہ پڑھتے ہیں کہ بمشکل ایک دو صف والے سن سکتے ہیں، کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے یا آہستہ آواز سے؟

الجواب: اصلاً تو کلماتِ خطبہ پر تلفظ ضروری ہے بمع صوت (آواز کے ساتھ) اگرچہ ...

لہ قال العلامة الحصکفیؒ: اذا خرج الامام من الحجرة ان کان والا فقیامه للصعود شرح المجمع فلا صلوٰة ولا کلام الی تمامھا وان کان ذکرا لظلمة فی الاصح۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۸ باب الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی الھدایة ج ۱ ص ۱۵۱ باب الجمعة۔

۲ہ لما قال العلامة الحصکفیؒ: ومن السنة جلوسه فی مخدعه عن یمین المنبر ولبس ... وترك السلام من خروجه الی دخوله فی الصلوٰة۔ وقال الشافعیؒ اذا استوی علی المنبر سلّم۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۰ باب الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوی ج ۱ ص ۴۰۸ باب صلوٰة الجمعة والعیدین۔

یہ ہے کہ خطبہ معتاد آواز سے اونچا پڑھا جائے۔

لما فی الهندیة : ومن المستحب ان یرفع الخطیب صوته وان یکون الجهر فی الثانیة دون الاولیٰ ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة) [1]

خطبہ کے دوران بیٹھنے کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ خطبہ سننے کے لیے کس طرح بیٹھنا چاہیے؟ جبکہ بعض لوگ پہلے خطبے میں زیرِ ناف ہاتھ رکھتے ہیں اور دوسرے خطبے میں التحیات کی طرح گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب: خطبہ سننا واجب ہے، اس کے سننے کے لیے جیسے بھی سہولت ہو بیٹھنا جائز ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ خطبہ سننے کے لیے ایسے بیٹھنا چاہیے جس طرح نماز میں التحیات کے لیے بیٹھا جاتا ہے، باقی پہلے خطبہ میں ناف اور دوسرے میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا عامیانہ عمل ہے شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

وفی الهندیة : اذا شهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبیا او متربعا او کما تیسر لانه لیس بصلوٰة عملا وحقیقة کذا فی المضمرات ویستحب ان یقعد فیها کما یقعد فی الصلوٰة کما فی معراج الدرایة ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۴۸ الباب السادس عشر فی الجمعة) [2]

خطبہ کے دوران وعظ کرنے کا حکم

سوال: بعض خطباء خطبہ کے دوران ہی خطبے کا ترجمہ بصورتِ وعظ شروع کر دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی سارے خطبے کا ترجمہ بھی کر جاتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: خطیب کے لیے دورانِ خطبہ گفتگو کرنا مکروہ ہے، علماءِ امت کا تعامل بھی آرہا ہے کہ وہ خطبہ میں عربی عبارت کے علاوہ دوسری کسی بھی زبان کے الفاظ کو ملحق نہیں

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ : ومن المستحب أن یرفع الخطیب صوته کما فی السراج الوهاج ومنه ان یکون الجهر فی الثانیة دون الاولیٰ ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۴۸ باب الجمعة)

[2] قال العلامة مفتی رشید احمد لدهیانوی : اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یہ فعل بدعت ہے دونوں کے دوران حالتِ تشہد میں بیٹھنا مستحب، دونوں میں ہاتھ رانوں پر ہی رکھے، یہ نشست مستحب ہے ویسے جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے ۔ (احسن الفتاوی ج ۴ ص۱۳۳ باب الجمعة)

کرتے، اس لیے خطبہ کے دوران خطبہ کا ترجمہ کرنا خلافِ سُنت ہے تاہم مختصراً بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

لما قال الامام شاہ ولی اللہ المحدث الدھلویؒ : ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنھم وھلم جرا فتنقحنا وجود اشیاء منھا الحمد والشھادتین والصلوٰۃ علی النبی والامر بالتقوٰی وتلاوۃ اٰیۃ والدعا للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیۃ الی قولہ واما کونھا عربیۃ فلا ستمرار اھل المسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین۔ وقال النووی فی الاذکار رحمہ اللہ تعالیٰ ویشترط کونھا ای خطبۃ الجمعۃ وغیرھا بالعربیۃ ۔

(المصفیٰ شرح مؤطا مالک بحوالہ الجواھر الفقہ ج۱ ص۳۵۴) ؎۱

خطبہ جمعہ کے بغیر نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ کیا بغیر خطبہ جمعہ کے نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ خطبہ جمعہ کے شرائط میں داخل ہے اس لیے بغیر خطبہ کے نمازِ جمعہ درست نہیں ۔

وفی الھندیۃ : ومنھا الخطبۃ قبلھا حتی لو صلوا بلا خطبۃ او خطب قبل الوقت لم یجز۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۶ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ) ؎۲

سلطان یا اسکے نائب کے بغیر نمازِ جمعہ کا حکم

سوال:۔ کتبِ فقہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ جمعہ کی امامت کے لیے

؎۱ قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانویؒ : جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل وتوارث رہا کہ خطبہ میں اور کوئی غیر چیز لاحق نہیں کرتے اس لیے فقط عربی خطبہ پر اکتفا کرنا چاہیئے ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت پر کسی واقعہ درپیش شدہ میں کردے تو جائز ہے۔ (آگے ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں) ..... باقی اس کی عادت کر لینا یا بلا ضرورت ایسا کرنا یا زیادہ حصہ کا ترجمہ کرنا یا طویل وعظ کہنا اثناء خطبہ میں خلافِ سُنت ہے۔ (امداد الفتاوٰی ج۱ ص۴۳۵، ۴۳۶ باب صلوٰۃ الجمعہ والعیدین)

وَمِثْلُہٗ فی الجواھر الفقہ ج۱ ص۳۶۶ خلاصہ احکام الخطبۃ ۔

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیمؒ : وفی فتح القدیر واعلم ان الخطبۃ شرط الانعقاد فی حق من ینشئ التحریمۃ للجمعۃ الخ ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۴۷ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۲۸۲ باب الجمعۃ الخطبۃ قبل الصلوٰۃ ۔

امام (سلطان) یا اس کے مقرر کردہ نائب کا ہونا ضروری ہے جو زمانہ حال میں ناپید ہے جبکہ ہر جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاتی، کیا امام یا اس کے نائب کے بغیر اقامتِ جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر کی عبارات پر غور کرنے سے اس شرط کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ سلطان یا اس کے نائب کا وجود مقصود بالذات نہیں بلکہ فتنہ کے سدِ باب کے لیے ہے، لہٰذا اگر مسلمان باہمی رضامندی سے کسی اور شخص کو امامتِ جمعہ کے لیے مقرر کریں تو اس کی اتباع میں ادائیگی جمعہ میں کوئی شک نہیں، لہٰذا موجودہ زمانہ میں بھی جمعہ کی امامت اور دوسری نمازیں صحیح ہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ولا يجوز اقامتها الا للسلطان اولمن امره السلطان لانها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة فى التقدم والتقديم۔
(الهداية ج ۱ ص۱۵۱ باب الجمعة) [۱]

خطبۂ جمعہ اور نماز کیلئے علیحدہ علیحدہ اماموں کا حکم

سوال:۔ بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جمعہ کا خطبہ ایک آدمی نے دیا اور نماز دوسرے شخص نے پڑھائی، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس سے جمعہ کی نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑتا ؟

الجواب:۔ خطبۂ جمعہ اور نماز دونوں تقریباً ایک چیز ہیں اس لیے ان دونوں کے لیے ایک ہی شخص ہونا چاہیئے، البتہ اگر کہیں ایسا ہو جائے تو جمعہ ادا ہو جائے گا البتہ اس کو عادت نہیں بنانا چاہیئے، تاہم تقریر اور خطبہ و نماز الگ الگ آدمی پڑھائیں تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشئ واحد فان فعل بان خطب صبي باذن السلطان وصلى بالغ جاز۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۶۲ باب الجمعة) [۲]

دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار

سوال:۔ دو خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھنا سنت ہے ؟

---

[۱] قال العلامة الحصكفيؒ: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۴۳ باب الجمعة۔ مطلب فى جواز استنابة الخطيب)
وَمِثْلُهٗ فى امداد الفتاوى ج ۱ ص۴۳۴ باب صلوٰة الجمعة والعيدين۔

[۲] وفى الهندية: ولا ينبغي ان يصلي غير الخطيب كذا فى الكافى۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فى الجمعة)
وَمِثْلُهٗ فى الفقه الاسلامى وادلته ج ۲ ص۲۸۴ الخطبة قبل الجمعة۔

الجواب: دونوں خطبوں کے درمیان ایک مرتبہ اتنی دیر بیٹھنا کہ بدن کے اعضاء اپنی جگہ پر قرار پکڑ سکیں مسنون ہے۔

وفی الھندیۃ: والخامس عشر الجلوس بین الخطبتین ھٰکذا فی البحر الرائق ومقدار الجلوس بینھما مقدار ثلاث آیات فی ظاھر الروایۃ ھٰکذا فی السراج الوھاج ناقلاً عن الفتاوی۔ قال شمس الائمۃ السرخسیؒ فی تقدیر الجلسۃ بین الخطبتین انہ اذا تمکن فی موضع جلوسہ واستقر کل عضو منہ فی موضعہ قام من غیر مکث ولبث۔ کذا فی التاتارخانیۃ والمختار ما قالہ شمس الائمۃ السرخسیؒ ۔(الفتاوی الہندیۃ ج۱ صـ۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعۃ)[1]

جمعہ وعیدین کا خطبہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! جمعہ اور عیدین کے خطبہ کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب: جمعہ وعیدین کے خطبہ کو کھڑے ہو کر پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے بیٹھ کر خطبہ پڑھنا خلافِ سنت ہے، البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا بھی مرخص ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وَیَسُنُّ خطبتان...... وطھارتہ وستر عورۃ قائماً۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ صـ۱۵۰ باب الجمعۃ)[2]

غیر مستقل امام یا خطیب نمازِ جمعہ وعیدین پڑھا سکتا ہے

سوال: اگر کوئی عالم دین کسی مسجد کا امام یا خطیب نہ ہو اور وہ عید کی نماز پڑھائے تو عید کی نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ جبکہ ایک عالم صاحب نے عدم ادائیگی

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وَیَسُنُّ خطبتان خفیفتان وتکرہ زیادتھما علی قدر سورۃ من طوال المفصل بجلسۃ بینھما بقدر ثلاث آیات علی المذھب وتارکھا مسیء علی الاصح۔(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ صـ۱۴۸ باب الجمعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ صـ۲۸۳ الخطبۃ قبل الجمعۃ۔

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: قال الحنفیۃ...... ویخطب قائماً...... ولو خطب قاعداً اَوْ علی غیر طھارۃ جاز لحصول المقصود الا أنہ یکرہ لمخالفتہ المورث۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ صـ۲۸۳ باب الجمعۃ۔ الخطبۃ قبل الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج۱ صـ۴۲۵ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین۔

کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مناسب اور بہتر یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز اُسی مسجد کا امام یا خطیب خود ہی پڑھائے اور اگر اس (امام وخطیب) کو کوئی شرعی عذر ہو تو کسی دوسرے عالمِ دین کا جمعہ وعیدین کی نماز پڑھانا بلا کراہت جائز ہے، البتہ اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو اس صورت میں اگرچہ عیدین اور جمعہ کی نماز تو ادا ہو جائے گی مگر یہ عمل خلافِ اولیٰ ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: الشرط الخامس للجمعة لكن سيجيئ انه لا يشترط الامام والخطيب (وقال بعد صفحات) ....لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب...... جاز هو المختار۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۵۱، ۱۶۲ باب الجمعة) [۱]

خطیب کا خطبہ کے دوران منکر سے منع کرنا

سوال: خطبۂ جمعہ کے دوران مسجد کے صحن میں چند بچے شور شرابہ کر رہے تھے کہ اچانک خطیب نے بچوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ خاموش، آرام سے بیٹھ جاؤ۔ دریافت طلب بات یہ ہے کیا خطبہ کے دوران خطیب صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: خطبۂ جمعہ کے دوران اگرچہ باتیں کرنا جائز نہیں لیکن خطیب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اگر وہ خطبہ کے دوران ہی کسی کو منکر و ناجائز کام سے منع کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اس سے خطبہ پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

لما في الهندية: ويكره للخطيب ان يتكلم في حال الخطبة الا ان يكون امراً بالمعروف۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۹۴ باب الجمعة) [۲]

---

[۱] قال الشيخ وهبة الزحيلي: ولا يشترط اتحاد الامام والخطيب لكن لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشئ واحد۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۲۹۴ الخطبة قبل الصلوٰة۔ باب الجمعة)

ومِثلُهٗ في امداد الفتاوى ج۱ ص۴۲۶ باب صلوٰة الجمعة والعيدين۔

[۲] قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: يكره للخطيب ان يتكلم في حالة الخطبة للاخلال بالنظم الا ان يكون امر بمعروف لقصة عمرؓ وعثمانؓ وهي معروفة۔

{فتح القدير ج۱ ص۳۰
باب الجمعة ومن شرائطها الخطبة}

عیدین کی نماز کا اصل وقت

سوال :- عیدین کی نماز طلوعِ آفتاب سے کتنی دیر بعد پڑھنی چاہیئے؟

الجواب :- جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اُس وقت سے لیکر زوال تک عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : ووقتها من الارتفاع قدر رمح فلا یصح قبله بل تکون نفلا محرما الی الزوال باسقاط الغایة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۶۷ باب صلوٰة العیدین) [۱]

حنفی العقیدہ کیلئے شافعی العقیدہ امام کے پیچھے نماز عید پڑھنے کا حکم

سوال :- ہم لوگ بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم ہیں، عیدین کی نماز میں ہمارا امام شافعی المسلک ہوتا ہے جو تکبیراتِ زوائد چھ سے زیادہ (۱۲) پڑھتا ہے، کیا ہم اس امام کی اقتداء کر سکتے ہیں؟

الجواب :- عیدین میں تکبیراتِ زوائد کی تعداد شرعاً مختلف ہے، احناف نے چھ کو ترجیح دی ہے جبکہ دیگر مذاہب والوں نے بارہ کو ترجیح دی ہے، چونکہ یہ اجتہادی ترجیح ہے اس لیے چھ سے زائد تکبیرات کہنے والے کی اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : ولو زاد تابعه الی ستة عشر لانه مأثور۔ اھ قال ابن عابدینؒ : (تحت قوله الی ستة عشر) کذا فی البحر عن المحیط وفی الفتح : قیل یتابعه الی ثلاث عشرة وقیل الی ستة عشر اھ...... فهذا یؤید القول الاول ولذا قدمه فی الفتح ونسبه فی البدائع الی عامة المشائخ علی ان ضم الثلاث الاصلیة الی الزوائد بعید جداً لان القرأة فاصلة بینهما۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۷۲ باب صلوٰة العیدین، مطلب امر الخلیفة لایبقی بعد موته) [۲]

---

[۱] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : وابتداء وقت صحة صلوٰة العید ارتفاع الشمس قدر رمح او رمحین حتی تبیض للنهی عن الصلوٰة وقت الطلوع الی ان تبیض لانه صلی الله علیه وسلم کان یصلی العید حتی ترفع الشمس قدر رمح او رمحین فلو صلوا قبل ذلک لا تکون صلوٰة عید بل نفل محرما۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۳۶ باب صلوٰة العیدین)

وَمِثْلُهُ فی خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۲۱۴ الفصل الرابع والعشرون فی صلوٰة العیدین۔

[۲] قال محمد فی الجامع : اذا دخل الرجل مع الامام فی صلوٰة العید وهذا الرجل یری تکبیرات ابن مسعود رضی الله عنهما فکبر الامام غیر ذلک اتبع الامام الا اذا کبر الامام تکبیراً لم یکبره احد من الفقهاء فحینئذ لا یتابعه۔ (الفتاوٰی الهندیه ج ۱ ص۱۵۰ باب صلوٰة العیدین)

عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات جہراً پڑھے یا سراً

سوال:۔ کیا عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے عیدگاہ جاتے وقت راستے میں تکبیرات جہراً (باوازِ بلند) پڑھے یا سراً (دل میں)؟

الجواب:۔ عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات جہراً (بلند آواز سے) کہے جبکہ عیدالفطر کی نماز کے لیے جاتے وقت سراً (دل میں) پڑھی جائیں، یہی امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے اور علامہ قاسم بن قطلوبغا نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ویوم الفطر لا یجهر به عنده وعندهما یجهر وهو روایة عنه والخلاف فی الافضلیة اما الکراهة فمنتفیة عن الطرفین۔ وقد ذکر الشیخ القاسم فی تصحیحه ان المعتدل قول الامام۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۷۰ باب صلوٰة العیدین مطلب یطلق المستحب علی السنة بالعکس) [1]

عید کی نماز اور خطبہ دو آدمیوں کے پڑھنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں عید کی نماز ایک مولوی صاحب پڑھاتے ہیں اور خطبہ دوسرے مولوی صاحب پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ اگر عید کی نماز ایک مولوی صاحب پڑھائیں اور خطبہ کوئی اور دے تو اس سے نماز کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ نماز صحیح اور درست ہوگی، البتہ مناسب یہ ہے کہ نماز اور خطبہ ایک ہی آدمی پڑھائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ما یُسَنُّ فی الجمعة ویکره یُسَنُّ فیها ویکره۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۷۵ باب صلوٰة العید)

وقال ایضاً: لاینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشئ واحد۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۶۲ باب الجمعة) [2]

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان یغدو الی المصلی جاهراً بالتکبیر فی عید الاضحیٰ فاذا انتهی الی المصلی ترك ....واُما فی عید الفطر فلا یجهر بالتکبیر عند ابی حنیفة الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۷۹ باب صلوٰة العیدین)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۵۰ باب صلوٰة العیدین۔

[2] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: ویسنُّ فیها ما یسنُّ فی خطبة الجمعة ویکره فیها ما یکره فیها۔

(کبیری ص۵۷۱ باب صلوٰة العیدین)

وفی الهندیة: ولا ینبغی أن یُصلی غیر الخطیب کذا فی الکافی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۷ الباب السادس عشر فی الجمعة)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۲۸۴ الخطبة قبل الجمعة۔

تکبیراتِ زوائد بھول جانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی امام کو نمازِ عید میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے دوران یاد آئے کہ اس سے تکبیراتِ زوائد رہ گئی ہیں تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ عیدین کی نماز میں تکبیراتِ زوائد واجب ہیں، اگر امام کو درمیان فاتحہ یا فاتحہ پڑھنے کے بعد یاد آئے بشرطیکہ سورۃ نہ پڑھی ہو تو اس صورت میں امام اوّلاً تکبیرات کہے اور پھر از سرِ نو فاتحہ وسورۃ پڑھے اور اگر سورۃ پڑھ چکا ہو تو تکبیرات ساقط اور سجدۂ سہو لازم ہو جائے گا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فی البحر عن المحیط بدأ الامام بالقرأۃ سہواً فتذکر بعد الفاتحۃ والسورۃ یمضی فی صلوتہ وان لم یقرأ الّا الفاتحۃ کبّر واعاد القرأۃ لزوماً لان القرأۃ اذا لم تتم کان امتناعاً عن الاتمام لا رفضاً للفرض۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۷۳ باب صلوٰۃ العیدین، مطلب أمر الخلیفۃ لا یبقی بعد موتہ)[1]

تکبیراتِ زوائد پڑھنے کے بعد نماز میں شامل ہونا

سوال:۔ اگر کوئی شخص تکبیراتِ زوائد کے بعد نماز میں شامل ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جو شخص تکبیراتِ زوائد کے بعد نماز میں شامل ہو اس کی چند صورتیں ہیں:۔

(۱):۔ اگر پہلی رکعت میں شامل ہوا ہو تو اس صورت میں پہلے از خود تین تکبیرات کہے۔

(۲):۔ اور اگر دوسری رکعت میں امام کے ساتھ ملا ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب قضا شدہ رکعت کے لیے کھڑا ہو تو اوّلاً تکبیرات کہہ کر پھر قرأت وغیرہ پوری کرے۔

(۳):۔ اور اگر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو تو اگر رکوع کے پانے کی اُمید ہو تو پہلے تکبیرات کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں ملے ورنہ نا امیدی کی صورت میں تکبیرات رکوع ہی میں ادا کرے۔

(۴):۔ اور اگر تکبیرات کے دوران امام رکوع سے اُٹھ جائے تو جتنی تکبیرات کہہ چکا ہے وہ تو صحیح

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ: فاما اذا تذکر قبل الفراغ منہا بان قرأ الفاتحۃ دون السورۃ ترک القرأۃ ویاتی بالتکبیرات لانہ اشتغل بالقرأۃ قبل اوانہا فیترکہا ویأتی بما ہو الاہم لیکون المحل محلا لہ ثم یعید القرأۃ لان الرکن متی ترک قبل تمامہ ینتقض من الاصل۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۷۸ باب صلوٰۃ العیدین، فصل بیان قدر صلوٰۃ العیدین وکیفیۃ ادائہا)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۶۱ باب صلوٰۃ العیدین۔

ہے اور باقی ساقط ہو جائیں گی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو ادرك المؤتم الامام فی القیام بعد ما کبر کبر فی الحال برأی نفسہ لانہ مسبوق ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیرات ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فی القیام) ای الذی قبل الرکوع اما لو ادرکہ راکعاً فان غلب علی ظنہ ادرکہ فی الرکوع کبر قائماً برأی نفسہ ثم رکع والا رکع وکبر فی رکوعہ خلافاً لابی یوسفؒ ولا یرفع یدیہ لان الوضع علی الرکبتین سنۃ فی محلہ والرفع لا فی محلہ وان رفع الامام رأسہ سقط عنہ ما بقی من التکبیر لئلا تفوتہ المتابعۃ ولو ادرکہ فی قیام الرکوع لا یقضیہا فیہ لانہ یقضی الرکعۃ مع تکبیراتہا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۷۳ باب صلوٰۃ العیدین) لہ

تکبیراتِ تشریق کی تعداد

سوال:۔ تکبیراتِ تشریق فرض نمازوں کے بعد کتنی مرتبہ پڑھی جائیں؟

الجواب:۔ فرض نماز کے بعد ایک دفعہ تکبیر یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد پڑھنا واجب ہے اس سے زائد یعنی تین دفعہ پڑھنا مستحب ہے اگرچہ بعض فقہاء نے اس کو خلافِ سنت کہا ہے ۔ علامہ رافعیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تین دفعہ پڑھنا نقل کیا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: یجب تکبیر التشریق فی الاصح للامر بہ مرۃ وان زاد علیہا یکون فضلاً۔ قالہ العینیؒ: صفتہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

لہ قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: وان ادرکہ بعد ما کبر الامام الزوائد وشرع فی القرأۃ فانہ یکبر تکبیرۃ الافتتاح ویأتی بالزوائد برأی نفسہ لا برأی الامام لانہ مسبوق وان ادرك الامام فی الرکوع فان لم یخف فوت الرکوع مع الامام یکبر الافتتاح قائما ویأتی بالزوائد ثم یتابع الامام فی الرکوع ...... فان رفع الامام رأسہ من الرکوع قبل ان یتمہا رفع رأسہ لان متابعۃ واجبۃ وسقط عنہ ما بقی من التکبیرات لانہ فات محلہا.... ھذا اذا ادرك الامام فی الرکعۃ الاولی فان ادرکہ فی الرکعۃ الثانیۃ کبر للافتتاح وتابع الامام فی الرکعۃ الثانیۃ یتبع فیہا رأی امامہ لما قلنا فاذا فرغ الامام من صلوٰتہ یقوم الی قضاء ما سبق بہ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۷۸،۲۷۹ باب صلوٰۃ العیدین، فصل بیان قدر صلوٰۃ العیدین وکیفیۃ ادائہا)

ومثلہ فی کبیری ص۵۷۲ باب صلوٰۃ العیدین۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله وان زاد الخ) أفاد أن قوله مرة بیان للواجب لکن ذکر ابوالسعود ان الحموی نقل عن القراحصاری ان الاتیان به مرتین خلاف السنة ۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۷۹ باب صلوٰۃ العیدین) [1]

تکبیراتِ تشریق عید کی نماز کے بعد پڑھنے کا حکم

سوال :۔ فقہی ذخائر میں تکبیرات تشریق کے بارے میں ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کا حکم ہے، ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد میں بھی پڑھنے کا کہتے ہیں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے ؟

الجواب :۔ ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیر کہنا واجب ہے اور عید کی نماز کے بعد تکبیر پڑھنا مستحب ہے، فقہاء کرام نے اس کی تصریح کردی ہے اس لیے آپ کی مسجد کے امام صاحب کا عمل درست ہے اور فقہی ذخائر میں اس عمل کے ساتھ تعارض نہیں ۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : ولا بأس به عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم وعلیه البلخیون ۔ قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله لا بأس به) قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم قوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح علیه وفی البحر عن المجتبیٰ والبلخیون یکبرون عقب صلوٰۃ العید لانها تؤدی بجماعة فاشبهت الجمعة ۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۸۰ باب صلوٰۃ العیدین، مطلب کلمه لا بأس الخ) [2]

تکبیراتِ تشریق بھول جانے کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص تکبیراتِ تشریق بھول جائے تو کیا اس پر دوبارہ پڑھنا واجب ہے یا کہ ذمہ سے

---

[1] قال العلامة عبد القادر الرافعیؒ : (تحت قوله خلاف السنة) لکن أخرج ابن المنذر ان ابن عمرؓ کان یکبر ثلاثا وکلا دار الصلوٰۃ ویقول، لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر (تقریرات الرافعی علی رد المحتار ج۲ ص۱۱۶ باب صلوٰۃ العیدین) ومثله فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۴۴۲ باب صلوٰۃ العیدین ۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : ولا بأس بالتکبیر عقب صلوٰۃ العیدین کذا فی المبسوط ابی اللیث لتوارث المسلمین ذلک ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۴۴ باب صلوٰۃ العیدین)

ساقط ہو جائیں گی ؟

الجواب: تکبیراتِ تشریق اگر کوئی شخص بھول جائے اور اسی حالت میں وہ مسجد سے باہر جا چکا ہو یا کسی کام میں مشغول ہو گیا ہو تو اس شخص کے ذمہ سے تکبیرات ساقط ہو جائیں گی البتہ اگر اپنی جگہ پر موجود ہو تو تاخیر کی صورت میں دوبارہ کہنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: عقب کل فرض عینی بلا فصل یمنع النساء فلو خرج من المسجد او تکلم عامداً أو ساھیاً او احدث عامداً سقط عنه التکبیر وفی استدبار القبلة روایتان ولو احدث ناسیاً بعد السلام الاصح انه یکبر ولا یخرج للطهارة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷۹ باب صلوٰۃ العیدین) [۱]

تکبیراتِ تشریق میں مفتیٰ بہ قول

سوال: تکبیراتِ تشریق میں جو ائمہ احناف کا اختلاف ہے اس میں مفتیٰ بہ رائے امام صاحبؒ کی ہے یا صاحبینؒ کی؟ ازراہ کرم جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق عرفہ کی صبح سے لے کر عید والے دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کی عصر تک ہر اُس شخص پر واجب ہیں جو فرض نماز جماعت سے ادا کرے اور صاحبین کے نزدیک عرفہ کی صبح سے لے کر ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ہر اُس عاقل بالغ مسلمان پر واجب ہیں جو فرض نماز پڑھے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، متاخرین فقہاء کرام نے صاحبینؒ کی رائے کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قالا بوجوبه فور کل فرض مطلقاً ولو کان منفرداً او مسافراً او قرویاً لانه تبع للمکتوبة الی عصر الیوم الخامس آخر یوم التشریق وعلیه الاعتماد والعمل والفتوی فی عامة الامصار وکافة الاعصار۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۸۰ باب صلوٰۃ العیدین) [۲]

---

[۱] قال العلامہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وقالا ای ابو یوسف ومحمد رحمهما اللہ یجب التکبیر فور کل فرض علی من صلاہ ولو کان منفرداً او مسافراً او قرویاً لانه تبع للمکتوبة من فجر عرفة الی عقب عصر الیوم الخامس من یوم عرفة فیکون الی آخر ایام التشریق وبه ای بقولهما یعمل وعلیه الفتوی۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۹۳ باب صلوٰۃ العیدین)

[۲] ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا) (" " " " " " " ")

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۶۶ باب صلوٰۃ العیدین۔

تکبیراتِ زوائد کے وقت ہاتھ باندھنا خلافِ سُنّت ہے

سوال:۔ کیا تکبیراتِ زوائد کے وقت ہاتھوں کو زیرِ ناف باندھا جائے گا یا کہ چھوڑ دیا جائے گا؟

الجواب:۔ تکبیراتِ زوائد کہنے کے دوران ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا مسنون ہے زیرِ ناف باندھنا خلافِ سنت ہے۔

لما قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: ویرفع یدیه عند کل تکبیرة منهن ویرسلهما فی اثنائهن .... فاذا قام الی الرکعة الثانیة یبتدی بالقرأة ثم یکبر بعدها ثلث تکبیرات علی هیئة تکبیرة الاولی۔ (کبیری ص۵۶۷ باب صلوٰة العیدین) [1]

دو یا تین سو افراد پر مشتمل گاؤں میں نمازِ عید کا حکم

سوال:۔ جس گاؤں کی آبادی دو تین سو افراد پر مشتمل ہو تو کیا اُس گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جمعہ کی طرح احناف کے ہاں عید کی نماز کے لیے بھی مصر یا قریۂ کبیرہ ہونا شرط ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس گاؤں پر مصر یا قریۂ کبیرہ کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے اس میں عید کی نماز جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق .... وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض وامیر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۳۸ باب الجمعة) [2]

---

[1] وفی الهندیة: ویرفع یدیه فی الزوائد ویسکت بین کل تکبیرتین مقدار ثلاث تسبیحات کذا فی التبیین ویه افتی مشائخنا ویرسل الیدین بین التکبیرتین ولا یضع هکذا فی الظهیریة۔ (الهندیة ج۱ ص۱۵۰ الفصل السابع عشر فی صلوٰة العیدین)
ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۵ ص۲۲۸ مسائلِ نمازِ عیدین۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۴۸ باب صلوٰة الجمعة)
ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص۲۲۳ مسائل نمازِ عیدین۔

نمازِ عید کے لیے عید گاہ پیدل جانا سنت ہے

سوال:۔ نمازِ عید کے لیے عید گاہ پیدل جانا سُنت ہے یا سوار ہو کر جانا بہتر ہے؟

الجواب:۔ کتبِ فقہ میں بتصریح یہ بات موجود ہے کہ نمازِ عید کے لیے عید گاہ پیدل جانا مسنون ہے البتہ اگر واپسی پر سوار ہو کر گھر آئے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ثم خروجه .... ماشیاً الی الجنانة هی المصلی العام والواجب مطلق التوجه ...... ولا بأس بعوده راکبا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۸۶ باب العیدین) [۱]

ایک ہی گاؤں میں دو عید گاہوں میں نمازِ عید کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں دو عید گاہیں ہیں جن میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے، کیا دونوں عید گاہوں میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ایک شہر یا گاؤں میں متعدد مقامات پر عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے، اسلیئے آپ کے گاؤں کی دونوں عید گاہوں میں نمازِ عید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: وتؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرة اتفاقاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۷ باب العیدین) [۲]

ایامِ تشریق میں قضا نمازوں کے بعد تکبیراتِ تشریق پڑھنا

سوال:۔ ایک شخص ایامِ تشریق میں قضاءً نمازیں ادا کر رہا ہے تو کیا وہ اِن قضاء نمازوں کے بعد بھی تکبیراتِ تشریق پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کی مختلف صورتیں لکھی ہیں: (۱) ایامِ تشریق

---

[۱] وفی الهندیة: والخروج الی المصلی ماشیا والرجوع فی طریق آخر کذا فی القنیة ولا بأس بالرکوب فی الجمعة والعیدین والمشی افضل فی حق من یقدر علیه کذا فی الظهیریة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۹ الباب السابع عشر فی صلوٰة العیدین)

ومِثلُهٗ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۳۵ باب صلوٰة العیدین۔

[۲] وفی الهندیة: وتؤدی الجمعة فی مصر واحد فی مواضع کثیرة وهو قول ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وهو الاصح۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۴۵ الباب السادس عشر فی صلوٰة الجمعة)

ومِثلُهٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۵ ص۲۰۸ مسائل نمازِ عیدین۔

کے علاوہ ایام کی قضاء نمازیں ایام تشریق میں ادا کرے۔ (۲) ایام تشریق کی قضاء نمازیں غیر ایام تشریق میں قضاء کرے۔ (۳) ایک سال کے ایام تشریق کی قضاء نمازیں دوسرے سال قضاء کرے۔ (۴) ایک سال کے ایام تشریق کی قضاء نمازیں اسی سال کے ایام تشریق میں ادا کرے۔

اِن جملہ صورتوں میں سے صرف اخیر صورت میں قضاء نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں گی باقی صورتوں میں نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او قضٰی فیها منها من عامه لقیام وقته کالاضحیة۔ قال ابن عابدینؒ: تحته المسئلة رباعیة فائتة غیر العید قضاها فی ایام العید، فائتة ایام العید قضاها فی غیر ایام العید، فائتة ایام العید قضاها فی ایام العید عام آخر، فائتة ایام العید قضاها فی ایام العید من عامه ذٰلك لایکبر الا فی الاخیر فقط۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۷۹ باب العیدین)[۱]

احناف کے نزدیک عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد

سوال:- احناف کے ہاں عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد کی تعداد کتنی ہے؟

الجواب:- عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد کا مسئلہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، احناف کے نزدیک چھ تکبیرات زائد ہیں یعنی ہر رکعت میں تین تکبیرات کہنی ہوں گی۔ یہی رائے عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے کبار صحابہؓ کی ہے اور ایک روایت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وَیُصَلِّی الامام بهم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة۔ قال العلامة ابن عابدینؒ (تحت قوله ثلاث تکبیرات) هٰذا مذهب ابن مسعودؓ و کثیر من الصحابةؓ وروایة عن ابن عباسؓ وبه اخذ ائمتنا الثلاثة۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۷۲ باب العیدین، قبل مطلب ...الخ)[۲]

---

[۱] قال السید احمد الطحطاویؒ: تحت (قوله وتفوت فیها) والمسئلة رباعیة فائتة غیر العید قضاها فی ایام العید فائتة ایام العید قضاها فی غیر ایام العید فائتة ایام العید قضاها فی ایام العیدین من عام آخر وفائتة ایام العید قضاها ایام العید من عامه ذٰلك ولا یکبر الا فی الاخیر فقط۔ (الطحطاوی حاشیة الدرالمختار ج۱ ص۳۵۶ باب العیدین)

[۲] قال برهان الدین المرغینانیؒ: ویصلّی الامام بالناس رکعتین یکبر فی الاولی للافتتاح وثلاثا بعدها ثم یقرأ الفاتحة وسورة ویکبر تکبیرة یرکع بها ثم یبتدی فی الرکعة الثانیة بالقراءة ثم یکبر ثلاثا بعد ویکبر رابعة یرکع بها، وهٰذا قول ابن مسعودؓ وهو قولنا۔ اھ قال بدرالدین العینیؒ (تحت قوله وهو قولنا) ای قول ابن مسعودؓ مذهبنا وهو مذهب جماعة من الصحابة والتابعین علی ما ذکرناه آنفا۔ (البنایة شرح الهدایة ج۳ ص۳۶۲، ۳۶۳ باب صلوٰة العیدین)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۵۶۹ باب صلوٰة العیدین۔

ساس کے پستانوں کو پکڑنے سے بیوی حرام ہوجاتی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر داماد ساس کے پستانوں کو ہاتھوں سے پکڑلے تو اس پر بیوی حرام ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر داماد نے بنظرِ شہوت ساس کے پستانوں کو بلاحائل ہاتھ لگایا یا حائل تھا مگر بہت باریک تھا جس کے ہوتے ہوئے بھی لذت حاصل ہوسکتی تھی تو اس شخص پر بیوی حرام ہوجائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وحرم اصل ممسوسۃ بشھوۃ ولو لشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ...... وفروعھن مطلقاً والعبرۃ للشھوۃ عند المس۔ قال ابن عابدینؒ: تحت (قولہ بشھوۃ) ای ولو من احدھما (قولہ بحائل) ای لو بحائل..... فلوکان مانعاً لا تثبت الحرمۃ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۸۵ فصل فی المحرمات) [۱]

حرمتِ مصاہرت کے اثبات کیلئے گواہوں کی تعداد

سوال:۔ حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے کتنے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ جس کی وجہ سے بوقتِ انکار دعویٰ ثابت کیا جاسکے؟

الجواب:۔ زنا کے علاوہ دیگر حقوق اور دعاوی کے اثبات کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے، لہٰذا حرمتِ مصاہرت بھی مذکورہ گواہوں کی گواہی سے ثابت کی جاسکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ولغیرھا من الحقوق سواء کان الحق مالاً او غیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ..الخ۔ رجلان او رجل وامرتان۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۴ ص۵۱۳ کتاب الشھادۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: فما علی الرأس کالبدن بخلاف المسترسل وانصرف اللمس الی ای موضع من البدن بغیر حائل واما اذا کان بحائل فان وصلت حرارۃ البدن الی یدہ تثبت الحرمۃ والا فلا۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ فصل فی المحرمات)

[۲] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولغیرھا رجلان اورجل وامرأتان للاٰیۃ اطلقہ فشمل المال وغیرہ کالنکاح والطلاق والوکالۃ والوصیۃ والنسب۔
(البحر الرائق ج۷ ص۶۲ کتاب الشھادۃ)

مزنیہ کی بیٹی کا نکاح زانی کے بیٹے سے جائز ہے

سوال:۔ ایک شخص اپنے ناجائز تعلقات والی عورت کی بیٹی کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ نکاح جائز ہے جبکہ مزنیہ کی یہ بیٹی اپنے شوہر سے ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت میں جانبین پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں، یہ حکم دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا، صورتِ مرقومہ میں چونکہ زانی کے بیٹے اور مزنیہ کی بیٹی کے درمیان حرمت کا کوئی رشتہ نہیں اس لیے ان دونوں کا نکاح زانی اور مزنیہ کے ناجائز تعلقات کی وجہ سے متاثر نہیں ہوگا۔

وفی الهندیة: لا بأس بان یتزوج الرجل امرأة ویتزوج ابنه ابنتها اوامها کذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۷ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة) [1]

مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے نکاح کرنا جائز نہیں

سوال:۔ کیا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے زانی کا نکاح کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زنا چونکہ حرمتِ مصاہرت کا سبب ہے اور اس کی وجہ سے جانبین پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں چاہے وہ نسبی ہوں یا رضاعی! اسلئے زانی کا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی وغیرہ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ: حرمت المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمت اصولها وفروعها علی الزانی نسبا ورضاعا۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع لانه یجوز ان یتزوج باخت اخیه من النسب۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع) ومثله فی

[2] قال العلامة ابوالبرکات النسفی رحمه الله: حرم تزوج امه وبنته وان بعدتا واخته وبنتها وبنت اخیه وعمته وخالته وام امرأته وبنتها ان دخل بها وامرأة ابیه وابنه وان بعدا والکل رضاعا۔

(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

مزنیہ کی پوتی سے زانی کا نکاح جائز نہیں

سوال:۔ ایک شخص کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات تھے جس میں لمس وتقبیل کے علاوہ زنا کا ارتکاب بھی ہو چکا ہے، اب یہ شخص اس عورت کی پوتی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ لمس وتقبیل اور زنا کے ارتکاب سے مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر اور زانی کے اصول وفروع مزنیہ پر حرام ہو جاتے ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مزنیہ کی پوتی زانی کے لیے حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمت اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔

(الدر المختار علی ھامش ردّ المختار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) [۱]

منکوحہ کی ربیبہ بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے منکوحہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کی بیٹی (جو کہ اُسکے پہلے شوہر سے ہے) کے ساتھ زنا کیا، تو کیا اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب:۔ شوہر کا اپنی منکوحہ کی ربیبہ بیٹی سے زنا کرنا موجب حرمتِ مصاہرت ہے اس لیے اس شخص پر اُس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاہرۃ المحرمات الاربع حرمت المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمت اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ (ردّ المختار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: فمن زنا بأمرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت الخ
(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصہریۃ)
وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات۔

[۲] وفی الھندیۃ: فمن زنی بأمرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت۔ الخ
(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصہریۃ)
وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات۔

منکوحہ غیر مدخول بہا کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی تک دخول نہیں ہوا ہے اب وہ چاہتا ہے کہ اس عورت کی بیٹی جو کہ اسکے پہلے شوہر سے ہے کے ساتھ نکاح کرلے، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں منکوحہ عورت کی بیٹی اگرچہ محرمات میں داخل ہے مگر اس کی حرمت بشرط دخول کے ساتھ معلق ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دخول نہیں ہوا ہے اس لیے یہ شخص اس عورت کو طلاق دینے اور عدت گذر جانے کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وربائبکم الّتی فی حجورکم من نسائکم الّتی ان دخلتم بھنّ. (النساء ۲۳)[1]

بیٹے کی منکوحہ غیر مدخول بہا سے نکاح کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کی ایک جگہ منگنی کی جس میں باقاعدہ طور پر نکاح بھی باندھا گیا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک حادثے میں انتقال کرگیا، اب اگر اس لڑکے کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟

الجواب:۔ جب گواہان شرعی کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول بصورتِ نکاح صحیح ہوجائے تو یہ لڑکی اب شخص مذکور کے بیٹے کی منکوحہ ہے باپ کا اس کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے چاہے بیٹے نے دخول کیا ہو یا نہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال المرغینانیؒ: ولا بامرأۃ ابنہ وبنی اولادہ — لقولہ تعالیٰ. وحلائل ابنائکم الّذین من اصلابکم. (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۸ فصل فی بیان المحرمات)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وحرم بالمصاھرۃ بنت زوجتہ الموطوءۃ وام زوجتہ وجداتھا مطلقاً بمجرد العقد الصحیح۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمختار ج۲ ص۳۸۲ فصل فی المحرمات)۔ ومثلہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات۔

[2] قال ابن نجیمؒ: اما حلیلۃ الابن فبقولہ تعالیٰ: وحلائل ابنائکم الّذین من اصلابکم. فاعتبرت الحلیلۃ من حلول الفراش وحل الازار تنا ولت الموطوءۃ بملک الیمین او شبھۃ اوزنیٰ فیحرم الکل علی الاباء.... والغرض انھا بمجرد العقد تحرم علی الاباء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۴ فصل فی المحرمات)

ومثلہٗ فی الدر المختار علی ھامش ردالمختار ج۲ ص۲۶۸ فصل فی المحرمات۔

خُسر پر فقط دعویٰ زنا سے بیٹے پر اسکی بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ میرے ساتھ میرے خُسر نے زنا کیا ہے جبکہ خُسر اس سے انکاری ہو تو کیا یہ عورت اس کے بیٹے کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں عورت کا دعویٰ بغیر شہادتِ معتبرہ یا خُسر کے اقرار کے ثابت نہ ہوگا اور نہ صرف دعویٰ کرنے سے میاں بیوی کے درمیان حرمت ثابت ہوگی جب تک کہ شوہر اس امر کو قبول نہ کرے، بغیر تسلیم الزوج اقرار کی صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں، تاہم واقعتاً عورت کے ساتھ ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو کسی مناسب طریقے سے جدائی اختیار کی جا سکتی ہے۔

وفی الهندية: رجل تزوج امراةً علی انها عذراء فلما اراد وقاعها وجدها قد افتضت فقال لها من افتضك فقالت ابوك ان صدقها الزوج بانت منه ولا مهر لها وان كذبها فهي امرأته۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۲۷۶ القسم الثانی المحرمات بالصهرية)

مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر حرام ہو جاتے ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک مطلقہ سے عدتِ طلاق ختم ہونے سے پہلے ہی نکاح کر لیتا ہے، پھر اپنی فاسد منکوحہ سے جماع کے کچھ عرصہ بعد اپنی ساس سے زنا کا مرتکب ہو جاتا ہے، مطلقہ منکوحہ سے زید کے بچے بھی ہیں اور اب بھی اس کا زید سے حمل ہے، تو دونوں کے نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا دوبارہ کسی طریقہ سے وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ زید اور موصوفہ کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے کوئی حیلہ یا طریقہ اس نکاح کے جواز کا نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وحرم ايضاً بالصهرية اصل مزنيته واصل ممسوسته بشهوة واصل ماسته وناظرة الی ذكره ۔۔ الی قوله وفروعهن مطلقاً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۰۲، ۳۰۴ فصل فی المحرمات)[1]

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ومن زنی بامرءة حرمت عليه امها وبنتها..... فيصير اصولها وفروعها كاصوله وفروعه الخ۔ (الهداية ج ۲ ص۲۸۹ فصل فی بيان المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۹۸ فصل فی المحرمات۔

خون دینے سے حرمتِ مصاہرت کا حکم

سوال:۔ اگر خاوند اور بیوی کے خون کا گروپ ایک ہو تو خاوند کا خون بیوی کو چڑھانے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کا بیوی کو خون دینے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی جیسے کوئی شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو باوجود اس فعل کے حرام ہونے کے ان کے درمیان حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی حالانکہ وہ دودھ جزوِ بدن بنے گا۔

سالی کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ اگر زید اپنی بیوی کی بہن سے زبردستی زنا کرے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سالی سے زبردستی زنا کرنے پر زید کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی، البتہ سخت گنہگار ہوگا۔

قال العلامة طاهر بن عبدالرشيد البخاريؒ: وفی الفتاوی النسفی رجلٌ وطئ اُخت امرأته لاتحرم عليه امرأته اھ۔ (خلاصة الفتاوی ج۲ ص کتاب النکاح الفصل الثانی فيمن يكون محلاً للنکاح وفيما لايکون) لـه

لـه قال العلامة علاؤالدين الحصكفيؒ: وفی الخلاصة وطئ اخت امرأته لاتحرم عليه امرأته۔ قال ابن عابدينؒ (قوله فی الخلاصة) هذا محترز التقييد بالاصول والفروع وقوله لاتحرم ای لاتثبت حرمة المصاهرة فالمعنٰی لاتحرم حرمة مؤبدة والافتحرم الی انقضاء عدة الموطوءة لوبشبهة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۴ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج۷ ص۳۴۴ کتاب النکاح۔ فصل فی حرمت مصاهرة۔

باب الحضانۃ

(چھوٹے بچوں کی پرورش کے مسائل)

چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال:- ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور اس کے چھوٹے بچوں پر دادا اور دادی نے قبضہ کیا ہوا ہے جو بچوں کو والدہ کے پاس جانے نہیں دیتے، ایسی حالت میں تربیت کا حق ماں کو حاصل ہے یا دادا دادی کو؟

الجواب:- از روئے شرع مرقومہ صورت میں بچوں کی تربیت کا حق والدہ کو حاصل ہے خواہ والدہ نکاح میں ہو یا میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو گئی ہو، صورتِ مذکورہ میں جب بچوں کی والدہ انکی تربیت کے لیے بیتاب ہے تو باپ کے ورثاء کا بچوں کو اپنے پاس رکھ کر والدہ کے پاس نہ چھوڑنا ظلم وزیادتی کے مترادف ہے۔

لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ: تثبت للأم ولو بعد الفرقۃ الا ان تکون مرتدۃ.

(تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۸۷ باب الحضانۃ) [1]

والدہ کے بعد تربیت کا حق نانی کو ہے

سوال:- ایک عورت کی وفات کے بعد اس کی چھوٹی بچی کی تربیت وپرورش کے بارے میں نانی اور دادی کے مابین تنازع پیدا ہو گیا ہے، ہر ایک بچی کی تربیت کرنے کا دعویدار ہے، ایسی حالت میں از روئے شرع کس کو تربیت کا حق پہنچتا ہے؟

الجواب:- از روئے شرع بچی کی پرورش کا حق ماں کے بعد اس کی نانی کو حاصل ہے، بالغ ہونے تک بچی نانی کے پاس رہے گی، بالغ ہونے کے بعد اس کی مرضی ہے کہ چاہے تو باپ کے گھر رہے یا نانی کے گھر، بشرطیکہ نانی کے گھر میں اس وقت اسکی عصمت

---

[1] وقال فی الہندیۃ:- احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقۃ الأم۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۶۷ باب الحضانۃ)

کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

لما قال فی الهندیة: وان لم یکن له أم تستحق الحضانة بان کانت غیر اهل للحضانة اومتزوجة بغیر محرم أو ماتت فأم الأم اولیٰ من کل واحدة۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)[۱]

والد کی بجائے نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاقِ ثلاثہ دے دی، مطلقہ کے بطن سے ایک بچی ہے جو طلاق کے بعد اس کے پاس رہی اور باپ اس بچی کا خرچہ دیتا رہا، کچھ عرصہ بعد مطلقہ مذکورہ نے نکاحِ ثانی کر لیا، اب نانی کہتی ہے کہ بچی کی پرورش کا مجھے حق ہے جبکہ باپ کہتا ہے کہ بچی میرے پاس رہے گی۔ از روئے شرع بچی کی پرورش کا کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق مطلقہ کا نکاحِ ثانی کر لینے سے اس کا حقِ حضانت ساقط ہو جاتا ہے، لیکن والد کی بجائے بچی کی تربیت کی نانی زیادہ حق دار ہے تاہم بچی کے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: ثم ای بعد الأم أم الأم۔

(تنویر الابصار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۹۲ باب الحضانۃ)[۲]

لڑکی کے حقِ پرورش کی مدت

سوال:۔ اگر ایک بچی کی تربیت اس کی والدہ کے ذمہ ہو تو والدہ کو کتنی مدت تک یہ حق حاصل ہے؟ کیا والد کو بچی اپنے ساتھ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

---

[۱] وقال العلامة الحصکفیؒ: (ثم) ای بعد الأم بان ماتت او لم تقبل او سقطت حقها اوتزوجت بأجنبی (أم الأم)۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۹۲ باب الحضانۃ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۷ باب الحضانة

[۲] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ثم أم الام ای بعد الام۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۷ باب الحضانۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة۔

الجواب: بچی کے بالغ ہونے تک والدہ اُسے اپنے پاس رکھ سکتی ہے اور اس دوران اُسی کو بچی کی تربیت کا حق حاصل ہے، جب تک حقِ تربیت کے اسقاط کے اسباب موجود نہ ہوں تو والد اس بچی کو والدہ سے نہیں لے جا سکتا، البتہ بالغ ہونے کے بعد بچی اپنی مرضی سے والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہے رہ سکتی ہے۔

لما ذکر علاؤ الدین الحصکفیؒ: والأم والجدة احق بها حتی تحیض وغیرهما احق بها حتی تشتهی وقدر بتسع وبه یفتی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۵ باب الحضانۃ) [1]

بیوہ کا نکاحِ ثانی کرنے سے شیر خوار بچی کی تربیت کا مسئلہ

سوال: ایک بیوہ عورت نے جب نکاحِ ثانی کیا تو اس کی گود میں چار ماہ کی شیر خوار بچی بھی تھی، نکاح کے وقت طرفین میں سے کسی نے بھی بچی کی تربیت کے استحقاق کا مسئلہ نہیں چھیڑا تھا، اب جبکہ بچی سات سال کی ہو گئی ہے تو اس کے عصبہ (ورثاء) واپسی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بچی کو عصبہ واپس لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ بچی کا سوتیلا باپ اس کی تربیت اور اخراجات کے تکفل کے لیے تیار ہے؟

الجواب: جب خاوند ربیبہ کے اخراجات اور تربیت کی تبرعاً ذمہ داری قبول کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ ماں کے پاس رہنے سے بچی کو جو سکون و اطمینان حاصل ہوگا وہ عصبہ (یعنی ورثاء) کے پاس ممکن نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ بچی والدہ کے پاس رہے اور ورثاء کے پاس نہ جائے۔

قال الحصکفیؒ: وفی الحاوی تزوجت باجنبی وطلبت تربیته بنفقته والتزمه ابن عمه مجانًا ولا حاضنة له فله ذلك۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۶ باب الحضانۃ) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وقدره ابو اللیث بتسع سنین وعلیه الفتوی۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۷۱ باب الحضانۃ)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۵۴۲ الباب السادس عشر فی الحضانۃ۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: والصحیح انه یقال للوالدة اما ان تمسکی الولد بغیر اجر واما ان تدفعیه الی العمة۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۲۰۴ باب النفقة)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۵۴۳ الباب السادس عشر فی الحضانۃ۔

بیوہ کا کسی غیر محرم سے نکاح کرنے سے حق تربیت کا ساقط ہونا

سوال:۔ ایک بیوہ نے عدت گذارنے کے بعد کسی ایسے شخص سے نکاح کر لیا جو اس کے سابقہ خاوند کی بچی کا رشتہ دار نہیں بلکہ اجنبی ہے اور وہ بیوہ کی بچی کو اپنے پاس رکھنے اور تربیت کرنے پر کبیدۂ خاطر بھی ہے لیکن عورت استحقاقِ تربیت کا دعویٰ کر کے اس پر مُصر ہے کہ بچی میرے پاس رہے گی، کیا یہ عورت بچی کو اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بچی کے غیر محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے والدہ کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں حق حضانت بچی کی نانی کو حاصل ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: یسقط حقها بنکاح غیر محرمه۔

(تنویر الابصار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۹۴ باب الحضانة) [۱]

اخلاقی حالت اور کردار متاثر ہونے کی صورت میں والدہ کا حق تربیت ساقط ہو جاتا ہے

سوال:۔ ایک بچی ماں کی گود میں پل رہی ہے اگرچہ شرعاً اور عرفاً والدہ کو تربیت کا حق زیادہ حاصل ہے اور والدہ اپنی بچی کی جو تربیت کر سکتی ہے وہ کسی دوسرے کے ہاں مشکل ہے لیکن اسکے باوجود والدہ کی اخلاقی حالت اور کردار مخدوش ہے اب اگر بچی کو والدہ کے پاس رہنے دیا جائے تو ڈر ہے کہ وہ والدہ کی تربیت سے متاثر ہو کر بے راہروی کا شکار نہ ہو جائے، تو کیا اس حالت میں والدہ کا حق تربیت ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ازروئے شرع بچی کی دینی تربیت اور کردار کے تحفظ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن جب والدہ کے فسق و فجور کی وجہ سے بچی کے بے دینی اور بے راہروی کا شکار ہونے کا خدشہ ہو اور اخلاق تربیت کے تحفظ کے سقوط کا قوی احتمال ہو تو اصحابِ تربیت کو چاہیئے کہ جہاں کہیں اسکی زندگی، اخلاق اور عصمت و عفت کے تحفظ کی ضمانت پائی جاتی ہو وہاں اس کی تربیت کا انتظام کریں۔

لما قال التمرتاشیؒ: تثبت للأم ولو بعد الفرقة الّا ان تکون مرتدة او فاجرة او غیر مامونة۔ (تنویر الابصار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۸۶ باب الحضانة) [۲]

---

[۱] وقال الشیخ ابی البرکات عبد الله بن احمد النسفیؒ، ومن نکحت غیر محرم سقط حقها۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۴ ص۱۶۸ باب الحضانة) ـــــ وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۱۸۵ باب الولد من احق به۔

[۲] وفی الهندیة: احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقة الأم الّا ان تکون مرتدة او فاجرة غیر مامونة۔ (الفتاویٰ الهندیه ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة) ـــــ وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۶۸ باب الحضانة۔

ولد الزنا کی حضانت (پرورش) کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ جو بچہ ناجائز حمل سے پیدا ہو اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے؟ زانی یا مزنیہ (بچے کی ماں)؟

الجواب:۔ جس بچے کا باپ معلوم نہ ہو اس کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے، لہٰذا اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی ماں پر ہی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: الحضانة تثبت للأمّ النسبية۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۸۸ باب الحضانة)[1]

عورت کو بچہ دار الحرب لے جانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص یہاں سے جاپان چلا گیا اور وہاں اس نے ایک عورت سے شادی کر لی، کئی سال کے بعد واپس پاکستان آگیا اور یہیں رہنے لگا اور کچھ عرصہ بعد گھریلو ناچاکی کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچ گئی اور اس نے بیوی کو طلاق دے دی، اس شخص کا اس عورت سے ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہے جسے اب وہ عورت اپنے ساتھ جاپان لے جانا چاہتی ہے جبکہ یہ شخص بچے کو اس کے ساتھ جاپان نہیں دیتا، تو کیا اس عورت کو بچہ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضانت میں یہ ضروری ہے کہ بچہ زوجین میں سے کسی ایک کے گھر میں پرورش پائے مگر دار الحرب اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں یہ عورت اس بچے کو شرعاً اپنے ساتھ جاپان نہیں لے جاسکتی بلکہ بچے کی تربیت پاکستان میں رہ کر ہی کرے گی۔

لما فی الهندية: ليس للمرأة ان تنقل ولدها الى دار الحرب وان كان تزوجها هناك وكانت حربية بعد ان يكون زوجها مسلما او ذميا۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۴۵ الباب السادس عشر فی الحضانة)

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: اذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأمّ احق بالولد۔

(الهداية ج۲ ص۴۱۳ باب حضانة الولد ومن احق به)

ومثلہ فی فتاوى دار العلوم دیوبند ج۱ ص۹۱ باب الحضانة۔

باب الولیمة

(ولیمہ کے مسائل و احکام)

ولیمہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! شریعتِ مقدسہ میں ولیمہ کی حیثیت واجب کی ہے یا سنت کی؟

الجواب:۔ دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قول و فعل اس پر دال ہے تاہم واجب نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

فخرج إلى السّوق فباع واشترٰی فاصاب شیئاً من أقط وسمن فتزوج فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم أولم ولو بشاۃ۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۷۷۷ باب من أولم علی بعض نسائہ)

وعن انس رضی اللہ عنہ قال ما أولم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی أحد من نسائہ ما أولم علی زینب أولم بشاۃ۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۸ باب الولیمة) [1]

دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت

سوال:۔ دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے؟ شادی کے بعد یا پہلے؟

الجواب:۔ دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت دلہن کو گھر لانے کے بعد کا ہے، خلوتِ صحیحہ اور دخول کے بعد دعوت کھلانا مسنون ولیمہ ہے، تاہم دلہن کو گھر لانے سے قبل کھلایا جانے والا طعام مسنون ولیمہ نہیں بلکہ عام دعوت کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے قربانی کے جانور کو قربانی کے وقت سے پہلے ذبح کیا جائے تو قربانی نہیں ہوگی تاہم اس کا کھانا جائز ہے۔

قال فی الھندیة: وولیمة العرس سنة وفیھا مثوبة عظیمة وھی إذا بنی الرجل بامرأتہ ینبغی أن یدعوا الجیران والاقرباء والاصدقاء ویذبح

---

[1] قال فی الھندیة: وولیمة العرس سنة وفیھا مثوبة عظیمة۔
(الفتاوی الھندیة ج۵ ص۳۴۳ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات)
ومثلہٗ فی اعلاء السنن ج۱۱ ص۱ باب استحباب الولیمة۔

لهم وليصنع لهم طعاماً ۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات) [1]

دعوتِ ولیمہ میں غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے شرکت نہ کرنا

سوال:- جس دعوتِ ولیمہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اُس میں شرکت کرنی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:- جس دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور یہ بات پہلے سے معلوم ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں اور اگر چلے جانے کے بعد معلوم ہوا تو اگر دسترخوان کے پاس نہ ہو عالم اور مقتدا ہونے کی صورت میں واپس آجائے اور اگر عوام الناس میں سے ہے تو ٹھہر جانے میں بھی گنجائش ہے، اور اگر غیر شرعی امور کا ارتکاب دسترخوان کے قریب ہو رہا ہو تو پھر واپس ہو جانا ضروری ہے چاہے عوام الناس میں سے کیوں نہ ہو۔

قال المرغيناني: ومن دعي الى وليمة او طعام فوجد ثمه لعباً او غناء فلا بأس بأن يقعد ويأكل۔ قال ابو حنيفة ابتليت بهذا مرة فصبرت وهذا لأن إجابة الدعوة سنة. قال عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى أبا القاسم فلا يتركها لما اقترنت به من البدعة من غيره كصلوٰة الجنازة واجبة الإقامة وإن حضرتها نياحة فان قدر على المنع منعهم وان لم يقدر يصبر وهذا إذا لم يكن مقتدى فان كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد لأن في ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين والمحكي عن ابي حنيفة في الكتاب كان قبل أن يصير مقتدى ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى لقوله تعالى: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥ هذا كله بعد الحضور، ولو علم قبل الحضور لا يحضر لأنه لم يلزمه حق الدعوة بخلاف ما إذا هجم عليه لأنه قد لزمه ۔ (الهداية ج۴ ص۴۵۵ كتاب الكراهية) [2]

---

[1] عن انس رضي الله عنه قال اصبح النبي صلى الله عليه وسلم بها ربزينب ابنة جحش رضي الله عنها عروساً فدعا القوم فاصابوا من الطعام ثم خرجوا وبقي رهط۔ (الصحيح البخاري ج۲ ص۷۷۴)۔ وقال الشيخ العثماني: نقلاً عن فتح الباري وحديث أنس في هذا الباب صريح أنها اى الوليمة بعد الدخول لقوله فيه أصبح عروساً بزينب فدعا القوم۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۱)

[2] قال الطوري: وان كان ذلك على المائدة فلا يقعد وان كان هناك لعب وغناء قبل ان يحضر فلا يحضر لانه لا يلزمه الاجابة اذا كان هناك منكر لما روى عن علي قال صنعت للنبي صلى الله عليه وسلم طعاماً فدعوته له فحضر فرأى في البيت تصاوير فرجع ۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۸ كتاب الكراهية)

ومثله في بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۸ كتاب الاستحسان ۔

لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ولیمہ شمار نہیں ہوگا

سوال :۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں (برات) کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے کیا وہ ولیمہ میں داخل ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں (برات) کو کھانا کھلانا ولیمہ میں داخل نہیں، ولیمہ اس طعام کو کہتے ہیں جو شادی کے بعد خاوند کی طرف سے کھلایا جاتا ہے۔

قال فی الھندیۃ : ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بإمرأته أن يدعو الجيران والاقرباء والاصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعامًا۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات) ؎۱

ولیمہ کئی دن تک کرنا جائز ہے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ! ولیمہ صرف ایک دن ہی ہونا چاہیئے یا ایک دن سے زیادہ بھی کرنا جائز ہے ؟

الجواب :۔ ولیمہ اُس دعوت کو کہا جاتا ہے جو شادی کے بعد دی جاتی ہے شریعت نے اس کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ اِس دعوت کو شادی کرنے والے کی استطاعت پر چھوڑا گیا ہے، اگر وہ ایک دن سے زیادہ یہ دعوت کرنا چاہتا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

لما فی الحدیث : عن انسٍ رضی اللہ عنہ قال تزوج النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم صفیۃؓ وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلاثة ايام ۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۳ باب جواز الوليمة الى ايام ان لم يكن فخرًا) ؎۲

؎۱ عن انس رضی اللہ عنہ : قال مارأيت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم أولم على أحد من نساءه ما أولم على زينب أولم بشاة ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۷۸ باب الوليمة ۔

وَمِثْلُهٗ فی اعلاء السنن ج ۱ ص ۱ باب استحباب الوليمة ۔

؎۲ عن حفصة بنت سيرين قالت لما تزوج ابی دعا الصحابة سبعة ايام فلمّا كان يوم الانصار دعا ابی بن كعب وزيد بن ثابت وغيرهما فكان ابی صائمًا فلما طعموا دعا ابی واثنی ۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۳ باب جواز الوليمة الى ايام ان لم يكن فخرًا)

منگنی کے موقعہ پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا حکم

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ تقریب نکاح میں جس کو عرف میں (کوجلان) کہتے ہیں، سوائے کھجور یا مٹھائی کے دیگر خوردنی اشیاء کھانا ناجائز ہے اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور یا مٹھائی میں ہے، اور دلیل میں یہ آیاتِ کریمہ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ( ) وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ( ) جبکہ عمرو کہتا ہے کہ چونکہ کھجور یا مٹھائی بھی ایک نوع خوراک ہے اس لیے کھانا پینا ہر قسم خوراک کا عقدِ خطبہ کے بعد جائز ہے اور دلیل میں آیتِ کریمہ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ( ) پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حرمت کے لیے اس پر دلیل ہونا چاہیئے، نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر کھانے پینے سے منع نہیں فرمایا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب۔ مجلسِ نکاح میں اشیاء خوردنی کی تقسیم خواہ وہ اشیاء از قسم کھجور یا مٹھائی ہوں یا دوسری چیزیں، نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنتِ مؤکدہ کے قبیل سے ہے، کیونکہ صحیح روایات میں بوقتِ نکاح ان چیزوں کی تقسیم کا ذکر نہیں آیا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے نہ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے صحابہؓ نے اس پر مواظبت کے طور پر عمل فرمایا ہے، لہٰذا اگر اس عمل کو لازم یا سنت سمجھ کر اگر کیا جائے تو ناجائز ہوگا لیکن اگر بوقتِ نکاح اشیاء خوردنی کی تقسیم اس غرض سے کی جائے کہ چونکہ یہ ایک مبارک مجلس اور نیک تقریب ہے جس میں مسلمان مرد اور عورت کے درمیان عقدِ نکاح کیا گیا ہے جو ایک عبادت بھی ہے اور خدا کی طرف سے ایک نعمت بھی، لہٰذا اس موقعہ پر شکرانے کے طور پر یا فریقین میں سے ایک فریق اس نیت سے کھانا کھلانے کا انتظام کردے کہ آپس میں محبت بڑھے اور دوستی مضبوط ہوجائے تو ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور کچھ بعید نہیں کہ تالیفِ قلوب کی نیت سے کیا گیا یہ عمل اجر وثواب کا ذریعہ بن جائے، کیونکہ شریعت نے ہر اس عمل کی ہمیں ترغیب دی ہے جس کی وجہ سے آپس میں باہمی محبت بڑھتی ہو اور دینی تعلقات مضبوط ہوتے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: اطعموا الطعام وافشوا السلام الخ اور فرمایا کہ تحابوا تهادوا۔ (الحدیث) اس کے علاوہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بعض دفعہ اشیاء خوردنی مجالسِ نکاح میں کھائی بھی گئی ہیں۔ چنانچہ بیہقی، اوسط اور معجم میں مروی

مروی ہے: ان النبی علیہ السلام حضر فی املاک ای عقد نکاح فاتی باطباق علیھا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال رسول اللہ صلعم مالکم لاتاخذون فقالوا انک نہیت عن النھبیٰ فقال انما نھیتکم عن فھی العساکر خذوا علی اسم اللہ الخ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ا ص۴۲۶)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا واقعہ (جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شاہِ حبشہ نجاشی کے واسطے سے ہو چکا تھا) طبقات ابن سعد سے نقل کر کے لکھتے ہیں: ثم بعد الفراغ من النکاح ارادوا ان یقوموا فقال اجلسوا فان سنۃ الانبیاء اذا تزوجوا ان یؤکل طعام علی التزویج ندعی بطعام فاکلوا ثم تفرقوا. انتہیٰ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ا ص۴۲۶)

چونکہ ان دونوں روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں لہٰذا ان سے سنیت، وجوب یا فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی، البتہ اباحت وجواز ثابت ہو سکتا ہے۔

بہرحال اگر ان چیزوں کا ثبوت عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہؓ میں صحیح احادیث اور معتبر روایات سے نہ بھی ملتا ہو تب بھی اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ عمل امورِ مباح میں شمار ہو گا بشرطیکہ اس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً کھانے کی یہ چیزیں یا طعام لڑکے یا لڑکی والوں نے بطیبِ خاطر تیار کیا ہو اور ان پر کسی قسم کا جبر نہ کیا گیا ہو، نہ وہ اس پر ناراض ہوں اور اس کو لازم اور سنت بھی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ ایسا صرف باہمی محبت ومودت کے استحکام کے لیے کیا گیا ہو تو ایسی حالت میں یہ ایک قسم کی ضیافت ہو گی جس کو کسی طرح بھی ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (فقط واللہ اعلم)

کتاب الجنائز

(جنازے کے مسائل واحکام)

نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:۔ کسی مسلمان کے فوت ہوجانے پر جنازہ کے بارے میں زندہ مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اور یہ ذمہ داری کون کون لوگ نباہ سکتے ہیں؟

الجواب:۔ احادیث کی رُو سے فوت ہوجانے والے مسلمان کی نمازِ جنازہ تمام اہلِ اسلام پر فرضِ کفایہ ہے یعنی بعض مسلمانوں کی ادائیگی سے باقی لوگوں کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، البتہ اگر تمام لوگ اجتماعی طور پر نمازِ جنازہ چھوڑ دیں تو تمام لوگ گنہگار رہوں گے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: والاجماع منعقد علی فرضیتها ایضاً إلا انها فرض کفایة اذا قام به البعض یسقط عن الباقین... الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ فصل الکلام فی صلوٰة الجنازہ)[1]

بغیر نیت کے نمازِ جنازہ کا کوئی اعتبار نہیں

سوال:۔ نمازِ جنازہ میں کھڑے ہوتے وقت نیت اگر بھول کر چھوڑ دی جائے تو اس طرح جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ دیگر نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ میں بھی نیت ضروری ہے لہٰذا بلانیت پڑھی ہوئی نمازِ جنازہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: اما ما تختص به فکل ما یعتبر شرطاً لصحة سائر الصلوٰت من الطهارة الحقیقیة والحکمیة واستقبال القبلة وستر العورة والنیة یعتبر شرطاً لصحتها۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۵ فصل بیان ما تصح به وما یفسد)[2]

---

[1] وفی الهندیة: الصلوٰة علی الجنازة فرض کفایة اذا قام به البعض واحداً کان او جماعة ذکراً کان او انثیٰ سقط عن الباقین واذا ترك الکل اثموا۔ هکذا فی التاتارخانیة۔ (ج ۱ ص ۱۶۲ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۹ فصل السلطان احق بصلوٰته۔

[2] وقال العلامة ابن عابدینؒ: واما الشروط التی ترجع الی المصلی فهی شروط بقیة الصلوٰة من الطهارة الحقیقیة بدناً وثوباً ومکاناً والحکمیة وستر العورة والاستقبال والنیة... الخ

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۱ مطلب فی صلوٰة الجنازة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت۔

نمازِ جنازہ کے لیے طہارتِ مکان ضروری ہے

سوال:۔ نماز جنازہ کے لیے جس جگہ صفیں بنائی جاتی ہیں کیا اس کا پاک ہونا ضروری ہے؟ یا بغیر کسی امتیازِ طہارت و نجاست مکان کا استعمال جائز ہے؟

الجواب:۔ نماز جنازہ کے لیے جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، لہٰذا ناپاک جگہ پر نماز جنازہ کی صفیں کھڑی ہو کر اگر نماز جنازہ ادا کی جائے تو وہ صحیح نہیں ہوگی، جیسا کہ بلا طہارت جنازہ کو اعتبار نہیں دیا جاتا۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: اما ماتصح به فکل مایعتبر شرطاً لصحة سائر الصلوات من الطهارة الحقیقیة والحکمیة الخ۔ (بدائع الصنائع ج ا ص۳۱۵ فصل بیان ماتصح به ومایفسد) [۱]

ولد الزنا کا جنازہ

سوال:۔ اگر کوئی بچہ کسی غیر شرعی ذریعہ یعنی زنا سے پیدا ہو تو ایسے بچے کے مرنے کی صورت میں اس کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ زنا کی قباحت کی نسبت بچے کی والدہ اور زانی کی طرف کی جاتی ہے، خود بچہ ایسے جرائم میں بری الذمہ متصور ہوتا ہے، لہٰذا اس کی معصومیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں پر ایسے بچہ کے مرنے کی صورت میں نماز جنازہ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو خود زانی اور مزنیہ کے اس شنیع فعل کے ارتکاب کے باوجود ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی تو پھر اس بچے کا جنازہ تو بطریقِ اولیٰ جائز ہونا چاہیئے۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی الله علیه وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر۔ (کنز العمال ج ۶ ص۵۴ حدیث ۱۵۱۱۵) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن العابدینؒ: واما الشروط التی ترجع الی المصلی فهی شروط بقیة الصلوٰة من الطهارة الحقیقیة بدناً وثوباً ومکاناً...... الخ
(ردالمحتار ج ا ص۶۴۰ مطلب فی صلوٰة الجنازة)
وَمِثْلُهٗ فِی الهندیة ج ا ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت۔

[۲] وفی الهندیة: ویصلی علی مسلم مات بعد الولادة صغیراً کان او کبیراً ذکراً کان او انثیٰ... الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ا ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص۲۱۰ باب الجنائز۔

جنازہ نہ پڑھانے کی صورت میں ماخوذ کون ہوگا؟

سوال:۔ ایک مسلمان اگر بلا جنازہ دفنایا گیا تو اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ کیا مرنے والا مسلمان گنہگار ہوگا یا یہ پسماندگان کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:۔ جو شخص شرعاً مستحق جنازہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھنا تمام مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے، لہٰذا جو مسلمان بلا جنازہ دفن کیا گیا تو وہ مسلمان جو جنازہ پڑھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود جنازہ نہ پڑھ سکے گنہگار ہوں گے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ومن صفتها انها فرض کفایة اذا قام بها البعض وفی شرح المتفق واحد کان اوجماعة ذکرًا کان او اُنثیٰ سقط عن الباقین واذا ترک کلهم اثموا۔ (التاتارخانیة ج ۲ ص۱۵۲ باب صلاة الجنازة۔ نوع اٰخر من هٰذا الفصل فی الصلوٰة علی الجنازة) [۱]

جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال:۔ جنازہ پڑھانے کے لیے سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ کیا فرض نماز کی طرح جنازہ پڑھانے کیلئے بھی الہیت کا اعتبار کیا جائے گا یا اس کا حکم الگ ہے؟

الجواب:۔ نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکم وقت ہے بشرطیکہ وہ پڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اگر حاکم وقت نہ ہو تو علاقہ کے قاضی کو پڑھانے کا موقع دیا جائے گا ورنہ پھر محلہ کا امام جنازہ پڑھائے، ورنہ قرابتداروں میں سے کوئی قریبی رشتہ دار جنازہ پڑھانے کا حقدار ہے۔

لما فی الهندیة: اولی الناس بالصلوٰة علیه السلطان ان حضر فان لم یحضر فالقاضی ثم امام الحی ثم الولی۔ (الهندیه ج ۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: الصلوٰة علی الجنازة فرض کفایة اذا قام به البعض واحدًا کان اوجماعة ذکرًا کان او اُنثیٰ سقط عن الباقین واذا ترک الکل اثموا۔ (الهندیة ج ۱ ص۱۶۲ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۱۷۹ فصل فی الصلوٰة علی المیت۔

[۲] وقال علاؤالدین الکاسانیؒ: وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان الامام الاعظم احق بالصلوٰة ان حضر فان لم یحضر فامیر المصر وان لم یحضر فامام الحی فان لم یحضر فالاقرب من ذوی قرباته وهٰذا هو حاصل المذهب عندنا۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۱۷)

وَمِثْلُهٗ فی کبیری ص۵۸۴ باب الجنائز۔

اگر مرد موجود نہ ہوں تو خواتین نماز جنازہ پڑھا سکتی ہیں

سوال :- اگر نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی مرد حاضر نہ ہو تو کیا خواتین جنازہ پڑھا سکتی ہیں یا نہیں؟ نیز ان کی جنازہ پڑھانے کی کیا کیفیت ہوگی؟

الجواب :- جنازہ میں تبعاً عورتیں حاضر ہو سکتی ہیں، یہاں تک کہ جنازہ میں محاذات بھی مفسد نہیں البتہ اگر کہیں مرد نہ ہوں تو خواتین یہ حق ادا کر سکتی ہیں۔ اس حالت میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورتیں بلا جماعت انفراداً بیک وقت نماز جنازہ پڑھیں، البتہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ ہو تو پھر امامت کرنے والی عورت درمیان میں رہے گی۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ، واذا صلین النساء جماعة علی جنازة قامت الامام متوسطهن کمافی الصلوٰة المفروضة المعهودة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۴ فصل بیان کیفیة الصلوٰة علی المیت) [۱]

مُردے کا جنازہ کتنے دنوں تک جائز ہے

سوال :- اگر کوئی مسلمان کسی وجہ سے بغیر جنازہ کے دفنایا گیا تو اس کی قبر پر کتنے دنوں تک جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب :- جب تک اعضاء سالم ہوں اُس وقت تک قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس میں مدت کا کوئی تعین نہیں بلکہ زمین کی حرارت اور برودت کی وجہ سے جسم کے گلنے اور سڑنے میں تفاوت یقینی ہے۔ اس لیے غلبہ ظن کا اعتبار کر کے جب تک یقین ہو کہ جسم محفوظ ہوگا تو اس پر جنازہ پڑھا جائے گا۔

قال برهان الدین الفرغانیؒ : وان دفن المیت ولم یصلّ علیه صلی علی قبره ...الخ (الهدایة ج۱ ص۱۸۰ فصل فی الصلوٰة علی المیت) [۲]

---

[۱] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ : ولو امّت امرأة فیها تأدت الصلوٰة ...... الخ (البحرالرائق ج۲ ص۱۸۰ فصل فی الصلوٰة علی المیت)
وَمِثْلُهٗ فی الصغیری ص۳۰۰ کتاب الجنائز۔

[۲] وقال علاؤالدین الکاسانیؒ : ولو دفن بعد الغسل قبل الصلوٰة علیه صلی علیه فی القبر ما لم یعلم انهٗ تفرق ... الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۵ فصل فی بیان ما تصح به وما تفسد)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۶۵ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت۔

مُرتد کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا

سوال:۔ اگر کوئی شخص علماءِ کرام کو محض اس وجہ سے گالی دے کہ یہ لوگ دینِ اسلام کے پاسبان ہیں، اس کے علاوہ علماء کی تشبیہ بدترین حیوانات سے دیتا ہو، حدیث کا منکر ہو اور اس کو عجمی سازش کہہ کر قرآنی آیات کی من مانی تاویل کرکے لوگوں کو گمراہ کرتا ہو، ایسے شخص کی موت کے بعد اس کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسے عقائد رکھنے والا شخص کافر اور مُرتد ہو کر خارج از اسلام ہے اور مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے جنازے کا بھی اہل نہیں، جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا ضروری ہے جیسا کہ کتابوں میں، ومن شرائطہ اسلام المیت ذکر ہوا ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وشرطھا ستۃ اسلام المیت۔ قال ابن عابدینؒ: ای ولو بطریق التبعیۃ لأحد ابویہ اوللدار اوللسابی کما سیأتی۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۰۷ مطلب فی صلوٰۃ الجنازۃ) [۱]

شیعہ کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:۔ جو شخص ضروریاتِ دینِ اسلام کا منکر ہو، مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت یا نبوت کا قائل ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والا ہو تو ایسے شیعہ کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس کا جنازہ ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسے عقائد رکھنے والا شیعہ کافر، مُرتد اور خارج از اسلام ہے، اس کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا۔

قال علامہ ابن العابدینؒ: نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اوانکر صحبۃ الصدیقؓ او اعتقد الألوھیۃ فی علیؓ .... الخ۔ (شامی ج ۳ ص ۳۲۱ باب المرتد) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وشرطھا اسلام المیت فلا تصح علی الکافر للآیۃ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۹ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۶۲ الفصل الخامس فی صلوٰۃ الجنازۃ۔

[۲] وفی الھندیۃ: ولو قذف عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالزنا کفر باللہ ... الخ (الھندیۃ ج ۲ ص ۲۶۴)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۱ باب المرتد۔

جرائم کے دوران ہلاک شدگان کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:- بعض لوگ تاوان کی بھاری رقم کی وصولی کے لیے انسانوں کو اغوا کرتے ہیں، اور اگر موقع ملے تو قتل وغارت سے بھی پہلو تہی نہیں کرتے، ایسے لوگ اگر ان جرائم کے دوران کسی طرح مارے جائیں تو کیا ان کا جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- اگر دورانِ اغوا اور ڈاکہ یہ لوگ مارے جائیں تو ان کا جنازہ بطور تعزیر نہیں پڑھا جائے گا، البتہ اگر ان جرائم میں ملوث افراد اپنی طبعی موت مر جائیں تو پھر مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وهي فرض على كل مسلم مات خلا اربعة بغاة وقطاع طريق فلا يغسلوا ولا يصلى عليهم اذا قتلوا في الحرب ولو بعده صلى عليهم..... الخ۔[1]
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۲ باب الجنائز مطلب في صلوٰة الجنازة)

فاسق کی نماز جنازہ کا حکم

سوال:- جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور عمر بھر کسی نے اسے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہو تو کیا ایسے شخص کا جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ نیز زانی، چور اور دوسرے امورِ فسقیہ کے مرتکب کا جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- کسی میت کی نماز جنازہ کے لیے صرف اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، جب تک صریح کفر کا ثبوت نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا، نماز نہ پڑھنے یا دوسرے جرائم سے کوئی شخص اسلام کے دائرے سے نہیں نکلتا، اس لیے مسلمانوں پر ایسے شخص کا جنازہ پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ جید علماء کرام اور اصحابِ مروت اسکے جنازہ میں تادیباً شریک نہ ہوں۔

لما ورد في الحديث: وقال النبي صلى الله عليه وسلم صلوا خلف كل بر وفاجر وصلوا على كل بر وفاجر۔ (كنز العمال ج ۶ ص۵۴ حديث ۱۴۸۱۵)

---

[1] وقال علاؤ الدين الكاسانيؒ: إلا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم.... الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۱۱ فصل الكلام في صلوٰة الجنازة)
ومِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس في الصلوٰة على الميت۔

[2] وقال ابن العابدينؒ: وهي فرض على كل مسلم مات الخ (رد المحتار ج ۲ ص۲۱۰ باب الجنائز)
ومِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۱۶۲ الفصل في الصلوٰة على الميت۔

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال:۔ خودکشی کرنا قرآن و حدیث کی رُو سے عظیم گناہ ہے، اس کا ارتکاب کرنے والے کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خودکشی کرنا یقیناً عظیم گناہ ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسی گناہ کا ارتکاب موجبِ کفر نہیں، لہٰذا خودکشی کرنے والا بھی دیگر گنہگار مسلمانوں کی طرح ایک گنہگار ہے جس کا جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ جن روایات میں نفی آئی ہے وہ تعزیر پر محمل ہے تاکہ معاشرہ میں اس کے خوف سے کوئی ایسے قبیح فعل کا ارتکاب نہ کر سکے۔

قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وقاتل النفس يغسل ويصلّى عليه عند ابي حنيفةؒ ومحمدؒ وبه كان يفتي شمس الائمة الحلوانيؒ۔ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۱۷ الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، الجنس الاول في الشهيد) [۱]

مجنون کے جنازے کی کیفیت

سوال:۔ جس شخص کے بارے میں قطعی طور پر یقین ہو کہ یہ مجنون ہے تو اس کی موت پر اس کے جنازہ کی کیفیت کیا ہو گی؟

الجواب:۔ اگر مجنون کی یہ بیماری بچپن سے چلی آ رہی ہو حتیٰ کہ بالغ ہونے تک وہ صحتیاب نہیں ہوا ہو تو ایسا شخص نابالغوں کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، اس کے جنازے کی آخری تکبیر میں وہی دعا پڑھی جائے گی جو نابالغ بچوں کے لیے پڑھی جاتی ہے! البتہ اگر یہ جنون بلوغت کے بعد اس پر طاری ہوا ہو تو پھر جنون اگرچہ معاصی کے لیے دافع ہے لیکن مزیل نہیں اسلئے مدتِ بلوغت کے ایامِ صحت کی رعایت کرتے ہوئے یہ شخص بالغ شمار ہو گا۔

قال العلامة ابن العابدينؒ: تحت قوله كصبي سبي مع احد ابويه والمجنون

---

[۱] وفي الهندية، ومن قتل نفسه خطأً بان ناول رجلاً من العدو وليضربه بالسيف فاخطأ واصاب نفسه ومات غسل وصلّى عليه وهذا بلاخلاف كذا في الذخيرة۔ ومن قتل نفسه عمدًا يصلّى عليه عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله وهو الاصح كذا في التبيين۔ (ج ۱ ص ۱۶۳ الفصل الخامس في الصلوٰة على الميت)
وَمِثْلُهٗ في ردالمحتار ج ۲ ص ۲۱۱ باب الجنائز۔

البالغ کالصبی۔ الخ (رد المحتار ج ۱ ص۶۵۵ باب الجنائز) ؎۱

جسم کے بعض اعضاء پر جنازہ کا حکم

سوال:۔ اگر جہاز کے حادثہ میں یا کسی دوسرے حادثہ میں انسانی جسم متاثر ہو کر بعض حصے دستیاب ہوں تو پورا جسم نہ ملنے کی صورت میں بعض دستیاب حصوں پر نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگر جسم کا اکثر حصہ مل جائے یا نصف حصہ سر کے ساتھ مل جائے تو پھر اس بعض حصہ پر جنازہ پڑھا جائے گا ورنہ اس کے بغیر جنازہ کی ضرورت نہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وذکر القاضی فی شرحہ مختصر الطحاوی انہ اذا وجد النصف ومعہ الرأس یغسل وان لم یکن معہ الرأس لا یغسل فکانہ جعلہ مع الرأس فی حکم الاکثر لکونہ معظم البدن۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۰۲ فصل شرائط الوجوب کتاب الجنائز) ؎۲

متعدد اموات کا ایک ہی جنازہ کافی ہے

سوال:۔ اگر ایک وقت میں متعدد جنازے جمع ہو جائیں تو ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جنازہ پڑھنا ضروری ہے یا کہ تمام کے لیے ایک ہی جنازہ کافی ہے؟

الجواب:۔ ہر ایک میت پر علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنا افضل ہے، اور اگر ایک ہی دفعہ تمام کا جنازہ پڑھا گیا تو یہ بھی صحیح ہے۔

قال العلامہ الحصکفیؒ: اجتمعت الجنائز فافراد الصلوٰۃ علی کل واحدۃ اولیٰ من الجمع وان جمع جاز۔ الخ (الدر المختار علی رد المحتار ج ۲ ص۲۱۸ باب الجنائز) ؎۳

؎۱ وقال ابراھیم بن محمدؒ: والمجنون کالطفل وینبغی ان یقید بالمجنون الاصلی دون العارضی۔ الخ (صغیری ص۲۹۴ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۸۲ باب الجنائز، فصل فی الصلوٰۃ علی المیت۔

؎۲ وفی الھندیۃ: ولو وجد اکثر البدن او نصفہ مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی علیہ کذا فی المضمرات۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۵۹ الفصل الثانی فی الغسل)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۱۹۹ کتاب الجنائز، مطلب فی تحدیث کل سبب ونسب منقطع۔

؎۳ وفی الھندیۃ: ولو اجتمعت الجنائز یخیر الامام ان شاء صلّی علی کل واحد۔ وان شاء صلّی علی الکل دفعۃ بالنیۃ علی الجمع کذا فی معراج الدرایۃ (ج ۱ ص۱۶۵ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت)

وَمِثْلُہٗ فی الخلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۲۴ الفصل الخامس العشرون فی الجنائز۔

جنازہ میں ہاتھ اٹھانے کا حکم

سوال:۔ جنازہ میں تکبیر کہتے وقت ہاتھ اُٹھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک تکبیرِ اُولیٰ کے علاوہ دیگر تکبیرات میں ہاتھ اُٹھانا سُنت نہیں (سوائے تکبیراتِ عیدین کے) اسلئے نماز جنازہ میں تکبیرِ اولیٰ کے وقت ہاتھ اُٹھانا سُنت ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وھی اربع تکبیرات کل تکبیرۃ قائمۃ مقام رکعۃ یرفع یدیہ فی الاولیٰ فقط۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۱۲ باب الجنائز)[۱]

تکبیر کا رہ جانا مفسدِ جنازہ ہے

سوال:۔ چار تکبیرات میں سے کسی تکبیر کے رہ جانے کی صورت میں جنازے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز جنازہ میں چار تکبیرات کی حیثیت ارکان کی ہے، کسی ایک تکبیر کے رہ جانے سے جنازہ فاسد ہوگا اور فساد کی صورت میں دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: وکان کل تکبیرۃ من ھٰذہ الصلوٰۃ قائمۃ مقام رکعۃ بدلیل انہ لو ترک تکبیرۃ منھا تفسد صلوٰتہ کما لو ترک رکعۃ من ذوات الاربع۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۴ فصل بیان کیفیۃ صلوٰۃ علی الجنازۃ)[۲]

جنازہ کی پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت ضروری نہیں

سوال:۔ اگر امام نے غلطی سے پانچویں تکبیر شروع کی تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا ایسی صورت میں امام کی متابعت ضروری ہے یا نہیں؟ ایسا ہی اگر امام نے غلطی سے پانچویں تکبیر کہہ دی تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جنازہ کل چار تکبیرات سے عبارت ہے اس لیے پانچویں تکبیر کہنے کی صورت

---

[۱] قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ولا یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ...الخ
(بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۴ فصل بیان کیفیۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ)
وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ص۲۲۴ کتاب الجنائز۔

[۲] وقال العلامۃ ابن الھمامؒ: ولذا لو ترک تکبیرۃ واحدۃ منھا فسدت صلوٰتہ کما لو ترک رکعۃ من الظھر۔ (فتح القدیر ج۲ ص۸۸ باب الجنائز)
وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۲۴۱ کتاب الجنائز۔

میں امام کی متابعت نہیں ہو گی بلکہ مقتدی خاموشی سے سلام پھیر نے تک امام کا انتظار کریں گے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو کبر امامہ خمساً لم یتبع لانہ منسوخ فیمکث المؤتم حتی یسلم معہ اذا سلم بہ یفتی۔ (در مختار ج ۲ ص۲۱۴ باب الجنائز) لے

مسجد میں نماز جنازہ کا حکم

سوال:۔ اگر بیرونِ مسجد جنازہ پڑھنے کے لیے کوئی موزوں جگہ نہ ملے تو کیا مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رو سے بغیر کسی شرعی عذر کے مسجد کو جنازہ کے لیے بروئے کار نہیں لایا جاسکتا، البتہ اگر بارش ہو یا دوسرے ایسے اعذار ہوں کہ بیرونِ مسجد جنازہ پڑھنے میں تکلیف ہو تو پھر مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولم یصلوا رکبانا۔ الخ۔ وبعد اسطر ولا فی مسجد لحدیث ابی داؤد مرفوعاً: من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر لہ وفی روایۃ فلا شئ لہٗ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۸۶ کتاب الجنائز) ٢ے

جنازہ الٹا رکھا گیا تو

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر کبھی نماز جنازہ کے لیے میت کی چارپائی الٹی رکھ دی جائے یعنی میت کے پاؤں شمال کی طرف اور سر جنوب کی جانب ہو اور اسی کیفیت میں نماز جنازہ پڑھ لی جائے تو کیا اس جنازہ کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جنازہ کیلئے میت کی چارپائی رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جن مقامات میں قبلہ مغرب کی جانب ہو تو میت کا سر شمال کی جانب اور پاؤں جنوب کی جانب کر کے جنازہ کیلئے میت کی چارپائی رکھی جائے، اگر کہیں لاعلمی میں میت کی چارپائی الٹی رکھی گئی اور اس پر نماز پڑھی گئی تو نماز ادا ہو گئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں البتہ جان بوجھ کر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامۃ احمد الطحطاویؒ: وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلین واساؤا ان تعمدوا۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۵۹۳ کتاب الجنائز) ٣ے

لے وقال برھان الدینؒ: ولو کبر الامام خمساً لم یتابعہ المؤتم۔ الخ (الہدایۃ ج ۱ ص۱۸۰)

٢ے قال ابراھیم الحلبیؒ: وتکرہ الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی مسجد جماعۃ عندنا۔ الخ (کبیری شرح المنیۃ ص۵۸۸)

٣ے لما قال العلامۃ المفتی عبد الرحیم: الجواب: جان بوجھ کر جنازہ الٹا رکھنا مکروہ ہے بھول سے ہو گیا تو کوئی حرج نہیں۔ (فتاوٰی رحیمیہ ج ۱ ص۳۶)

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھے تو کیا جنازہ کا اعادہ کیا جائے گا؟

الجواب :۔ احناف کے نزدیک نماز جنازہ درحقیقت دُعا ہے اس میں سورۃ فاتحہ یا کسی دوسری سورۃ کی قرأت ضروری نہیں، اس میں صرف دُعائیں پڑھی جائیں گی۔ سورۃ فاتحہ بھی اگر کہیں دُعا کی نیت سے پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ قرأت کی نیت سے پڑھنا ناجائز ہے۔ چونکہ جنازہ چار تکبیرات سے عبارت ہے اس کے ہوتے ہوئے جنازہ ادا ہو گیا لہٰذا قرأتِ فاتحہ کی صورت میں اعادہ واجب نہیں۔

لما فی الهندية : ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به وان قرأها بنية القرأة لا يجوز لانها محل الدعاء دون القرأة كذا فی المحيط السرخسی (ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی الميت) [۱]

دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ بار بار جنازہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :۔ ایک دفعہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر میت کے ولی یا قاضی نے اصالۃً یا نیابۃً نماز جنازہ ایک دفعہ ادا کی تو دوبارہ یا متعدد بار جنازہ پڑھنا غیر مشروع ہے، البتہ اگر کہیں ولی کی اجازت کے بغیر اجنبی لوگ جنازہ پڑھا لیں تو ولی اور قاضی اعادہ کا حق رکھتے ہیں۔

قال فی الهندية : ولا يصلی علی ميت الا مرة واحدة والتنفل بصلوٰة الجنازة غير مشروع كذا فی الايضاح ولا يعيد الولی ان صلی الامام الاعظم او السلطان او الوالی او القاضی او امام الحی لان هؤلاء اولی منه وان كان غير هؤلاء له ان يعيد۔ (الهندية ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی الميت) [۲]

---

[۱] قال علاؤ الدين الكاسانیؒ : ولا يقرأ فی الصلوٰة علی الجنازة بشیء من القرآن۔ الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۳ فصل بيان كيفية الصلوٰة علی الجنازة)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳ باب الجنائز فصل فی الصلوٰة علی الميت۔

[۲] وقال علاؤ الدين الكاسانیؒ : ولا يصلی علی ميت الا مرة واحدة لا جماعة ولا وحدانا عندنا۔ الخ۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۱ فصل الكلام فی صلوٰة الجنازة)

غائبانہ نماز جنازہ میں شرکت کا حکم

سوال:۔ کیا نماز جنازہ کے لیے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو ہمارے ملک میں عموماً کسی بڑے لیڈر کی موت پر حنفی مسلک کے لوگ بھی غائبانہ جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، شرعاً اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک نماز جنازہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرنے والے کی لاش سامنے ہو، یہی وجہ ہے کہ احناف غائبانہ جنازہ کے قائل نہیں ہیں، البتہ نامور شخصیات کی موت پر ملک کے طول وعرض میں ان کے جنازے اور حنفی المسلک لوگوں کا ان میں شریک ہونا ایک سیاسی حربہ ہے جس کا مسلک و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں، یہ محض عوام کو خوش رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے جس میں شرکت سے اجتناب ضروری ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وشرطها ایضاً حضوره ووضعه وکونه هوا واکثره امام المصلی الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۸ باب الجنائز مطلب فی صلوٰة الجنازة)[۱]

نماز جنازہ میں درود شریف کا تعین

سوال:۔ عموماً نماز جنازہ میں درود شریف پڑھتے وقت کما صلیت وسلمت وبارکت ورحمت وترحمت کا اضافہ کیا جاتا ہے، اس درود شریف کے ثبوت کے لیے دلیل کیا ہے؟ نیز اگر کسی شخص کو یہ درود شریف یاد نہ ہو تو وہ نماز میں پڑھا جانے والا مشہور درود شریف پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نماز جنازہ کے لیے کسی خاص درود شریف کا تعین نہیں صرف درود شریف پڑھنا سنت ہے لیکن اکثر کتابوں میں مشہور درودِ ابراہیمی لکھا گیا ہے لہٰذا اس کا پڑھنا بہتر ہے۔

قال علاؤالدین الکاسانیؒ: واذا کبر الثانیة یأتی بالصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم وهی الصلوٰة المعروفة ....الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳ فصل فی بیان کیفیة الصلوٰة علی الجنازة)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة: ومن الشروط حضور المیت ووضعه وکونه امام المصلی فلا تصح علی غائب ولا علی محمول علی دابة ولا علی موضع۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۹ فصل السلطان احق بصلاته۔

[۲] وقال العلامة ابن العابدینؒ: (تحت قوله کما فی التشهد) ای المراد الصلوٰة الابراهیمیة التی یأتی بها المصلی فی قعدة التشهد۔ رشامی ج ۲ ص ۲۱۲ باب الجنائز)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز۔

(نوٹ) تاہم مذکورہ درود شریف یعنی کما صلیت وسلمت ...الخ بعض روایات سے ثابت ہے اس لیے اس درود کا انکار کرنا یا اس کو بدعت کہنا مناسب نہیں۔

اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اوقاتِ مکروہہ میں دوسری نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ بھی مکروہ ہے یا اس کا حکم علیحدہ ہے؟ حضرت علیؓ کی اس روایت سے کہ یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلوٰة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوًا۔ (مشکوٰۃ ص۶۱) معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ جس وقت حاضر ہو جائے تو اسی وقت ادا کیا جائے گا، اس میں اوقاتِ مکروہہ کا استثناء نہیں، حالانکہ عام فقہاءؒ نے اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے؟

الجواب:۔ تعجیل کے بارے میں جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے، ایسا ہی منع کے بارے میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت بھی موجود ہے جو کہ صاحبِ مشکوٰۃ نے ان الفاظ سے نقل کی ہے: عن عقبة بن عامر قال ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلی فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۹۴) دونوں روایات درجہ کے اعتبار سے مساوی ہیں، لہٰذا ایک روایت کو لے کر دوسری روایت کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ تو احناف نے ایسے وقت میں تطبیق کی صورت نکالی ہے تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہو سکے۔ فقہی اعتبار سے ان روایات کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنازہ کا پڑھنا اس وقت فرض ہو جاتا ہے جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ پھر فقہاءؒ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ وقت کی صحت اور نقصان سے وجوب کی حیثیت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی، جہاں کہیں وقت صحیح ہو تو وجوب کامل رہے گا اور جہاں کہیں وقت ناقص ہو تو وجوب ناقص رہے گا۔ کما بیّن بالتفصیل فی الاعصر یومه۔ لہٰذا جنازہ اگر کہیں پہلے سے حاضر ہو تو وجوب کامل کی وجہ سے ایسا جنازہ وقتِ مکروہہ تک مؤخر کرنا ناجائز ہے اور اوقاتِ مکروہہ میں ایسے جنازے کا پڑھنا حضرت علیؓ کی روایت کی رُو سے مکروہ ہے لیکن اگر کہیں جنازہ وقتِ مکروہہ میں حاضر ہو تو پھر حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت کی رُو سے اوقاتِ غیر مکروہہ تک اس کی تاخیر مکروہ ہے اور وجوب ناقص کی وجہ سے اس مکروہ وقت میں اس جنازہ کا پڑھنا جائز مع الکراہت ہے۔

لما قال العلامة بدر الدين العينيؒ: لا تجوز الصلوٰة الجنازة فى الاوقات الثلاثة المذكورة هذا محمول على جنازة حضرت قبل التغير لان الصلوٰة وجبت بحضورها كاملة

ولاتؤدی بالناقص حتی لو حضرت جنازة فی ھٰذا الوقت جازت الصلوٰۃ مع الکراھة لانھا ادیت ناقصة کما وجبت ۔ (البنایة ج ۱ ص ۶۴ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت) [1]

نمازِ جنازہ کی دعاؤں میں اخفاء سنت ہے

سوال :۔ نمازِ جنازہ میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان کے پڑھنے کی مسنون کیفیت کیا ہے؟ اگر کوئی شخص یہ دعائیں جہر سے پڑھے تو کیا جنازہ کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ نمازِ جنازہ کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس میں محض تکبیرات ارکان ہیں اور ان کے علاوہ ثناء، درود شریف یا جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں یہ تمام سنت ہیں، اس لیے یہ دعائیں خاموشی سے پڑھنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص یہ دعائیں جہر سے پڑھے تو اس نے خلافِ سنت کا ارتکاب کیا تاہم اعادہ ضروری نہیں۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ویسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسلیمتین ناویا المیت مع القوم ویسر الکل إلا التکبیر الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۳ باب الجنائز) [2]

جنازہ کی صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت

سوال :۔ نمازِ جنازہ میں صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جبکہ بعض علاقوں میں اس پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ صفیں طاق ہونے تک تکبیر موقوف رہتی ہے؟

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: (وکرہ) تحریما وکل ما لا یجوز مکروہ (صلوٰۃ) مطلقاً (ولو) قضاءً او واجبة او نفلاً (او) (علیٰ جنازة وسجدة تلاوة وسھو) لا شکر قنیه مع شروق واستواء..... وغروب الا عصر یومه ...... لا ینعقد الفرض وما ھو ملحق به کواجب لعینه کوتر وسجدة تلاوة وصلوٰۃ جنازة تلیت الاٰیة فی کامل وحضرت الجنازة قبل لوجوبه کاملاً فلا یتأدی ناقصاً فلو وجبتا فیھا لم یکرہ فعلھما ای تحریما۔ قال ابن عابدینؒ: قوله او تحریما افاد ثبوت الکراھة التنزیھیة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۱ تا ۳۷۵ الاوقات المکروھة)

وَمِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح وطحطاوی ص ۱۳۹ کتاب الصلوٰۃ، فصل فی الاوقات المکروھة۔

[2] وفی الھندیة: ویخافت فی الکل إلا فی التکبیر کذا فی التبیین۔ (الھندیة ج ۱ ص ۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳ باب صلوٰۃ الجنازة۔

الجواب: بلاشک نماز جنازہ میں طاق صفوں کی فضیلت روایات سے ثابت ہے لیکن فقہی کتابوں کی عام عبارتیں تین صفوں تک کی نشاندہی کرتی ہیں اس لیے اس کی رعایت بہتر ہے تاہم جنازہ کو اس پر موقوف کرنا اچھا نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: ما من مسلم یموت فیصلّی علیہ ثلٰثۃ صفوف من المسلمین الّا اوجب۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۷ الفصل الثالث فی المشی الی الجنازۃ)[۱]

جنازہ میں قدم شمار کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: کئی علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت امام مسجد چارپائی کے دائیں پاؤں سے شروع ہو کر ہر پاؤں پر دس دس قدم اٹھا کر چالیس قدم پورے کرتا ہے، اور امام کے ہر دس قدم تبدیل کرنے پر دوسرے پاؤں والے بھی تبدیل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض گاؤں میں امام مسجد کے لیے یہ عمل لازمی شمار ہوتا ہے اور ترک کرنے پر لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ از روئے شرع قدموں کا یہ شمار کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: قدم شمار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے جنازے کو چالیس قدم تک اٹھایا تو اس کے چالیس بڑے گناہ معاف ہوں گے۔ فقہاء نے اس حدیث پر عمل کی یہ صورت بیان کی ہے کہ چار پاؤں میں سے ہر پاؤں کے ساتھ دس دس قدم تک چلنے میں چالیس قدم پورے ہو کر میت کا حق ادا ہو جاتا ہے، لیکن مروجہ طریقہ سے قدم شمار کرنے میں کئی قباحتیں سامنے آتی ہیں، مثلاً یہ صرف امام مسجد کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے حالانکہ یہ ہر اٹھانے والے کے لیے ہونا چاہیئے، مزید برآں یہ امام کے فرائض میں شمار ہوا، نیز اس میں خصوصی طور پر نیکی اور ثواب کا عقیدہ رکھا جاتا ہے جو زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اس لیے اس لزوم سے اجتناب کیا جائے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: واذا حمل الجنازۃ وضع مقدمہا یمینہ عشر خطوات لحدیث من حمل جنازۃ اربعین خطوۃ کفرت عنہ اربعین کبیرۃ۔ (الدر المختار ج۱ ص۹۳ الجنائز)

اور حدیث کنز العمال جلد ۱۵ ص؁ حدیث ۴۲۳۶۵ میں مذکور ہے لیکن اس نے لفظ خطوۃ

---

[۱] وقال علامہ ابن العابدینؒ: ویستحب ان یصف ثلٰثۃ صفوف۔ الخ (رد المحتار جلد ۲ ص۲۱۴ کتاب الجنائز)
وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۶۴ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت۔

ذکر نہیں کیا ہے ؂

تعزیت کے لیے چند منٹ کے سکوت کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل حکومتی سطح پر جب کسی وفات پر پسماندگان سے تعزیت کی جاتی ہے تو اس کے لیے چند منٹ کی خاموشی اختیار کی جاتی ہے، کیا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام نے کسی کی وفات پر میت کے پسماندگان کے غم میں شرکت اور تعزیت کا ایک طریقہ مسلمانوں کو بتایا ہے اور مسلمان اسی طریقہ کے مطابق کسی کے غم میں شرکت اور تعزیت کا اظہار کرسکتا ہے۔ سوال میں اظہارِ تعزیت کا درج شدہ طریقہ یہود و ہنود کا ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ یہود و ہنود سے مشابہت کی وجہ سے واجب الترک ہے۔

عن عبادة بن الصامت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لایجلس حتی یوضع المیت فی اللحد فکان قائماً مع اصحابہ علی رأس قبر فقال یہودی ھکذا نصنع بموتانا فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال خالفوھم۔

(بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص۳۸۵ کتاب الجنازہ)

ولی کے لیے تیمم جائز نہیں

سوال:۔ کیا نماز جنازہ کے لیے باوجود پانی کے حصول پر قادر ہونے کے تیمم جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا اس رخصت سے میت کا ولی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے یا غیر اولیاء کے لیے خاص ہے اور میت کے ولی کے لیے وضو ضروری ہے؟

الجواب:۔ نماز جنازہ کے لیے تیمم کی اجازت اور رخصت ملنے میں بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ نماز جنازہ ایسی عبادت ہے جس کے فوت ہوجانے سے قضا نہیں، کیونکہ تنفل بالجنازہ غیر مشروع ہے، لہٰذا جب کسی سے جنازہ فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو تو معقول عذر کی وجہ سے یہ شخص وضو کی جگہ

؂ وقال ابراھیم بن محمدؒ: ویستحب من کل جانب عشر خطوات لقولہ علیہ السلام من حمل اربعین خطوۃ۔الخ (صغیری ص۳۹۵ کتاب الجنائز)

ومثلہٗ فی غایۃ الاوطار ج ۱ ص۴۱۸ کتاب الجنائز۔

تیمم کر سکتا ہے، لیکن ولی کے مقام قرابت اور حیثیت کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ اس کی اجازت پر موقوف ہے جب تک ولی اجازت نہ دے تو کوئی دوسرا شخص جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ لہٰذا اس کے حق میں جنازہ کا فوت ہو جانا متحقق نہیں، اس لیے ولی باقاعدہ وضو کرے وہ تیمم پر اکتفاء نہیں کر سکتا۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وتیمم الصحیح فی المصر اذا حضرت جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ لانّھا لاتقضی.... الخ (الھدایۃ ج ۱ ص ۵۵،۵۶ باب التیمم) [1]

میت کے لیے چارپائی کا استعمال کرنا

سوال:۔ اگر کسی مسلمان کی میت چارپائی پر رکھی جائے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:۔ چارپائی پر میت رکھنا مقصود بالذات نہیں، سہولت کی خاطر اگر میت کو چارپائی پر رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے، جنازہ پڑھنے کے لیے اس کو علیحدہ کرنا ضروری نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ بھی چارپائی پر رکھ کر پڑھی گئی تھی۔

لما ذکر فی مسند امام احمدؒ: عن عبد اللہ بن عمر بن علی ابن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ عن علیؓ قال: لما وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السریر قال لا یقوم علیہ احد ھو امامکم حیًّا ومیتاً فکان یدخل الناس رسلاً رسلاً فیصلون علیہ صفاً صفاً لیس لھم امام ویکبرون۔ (ج ۳ ص ۱۲۳) [2]

---

[1] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ حتی لو حضرتہ الجنازۃ وخاف فوت الصلوٰۃ لو اشتغل بالوضوء تیمم وصلّی تا قولہ حتی لو کان ولی المیت لا یباح لہ التیمم.... الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۱ باب التیمم فصل کیفیۃ التیمم)

وَمِثْلُہٗ فی الشامی ج ۱ ص ۲۴۱ باب التیمم۔

[2] وفی المشکوٰۃ المصابیح: وعن نافع ابی غالب قال صلّیتُ مع انس بن مالک علی جنازۃ رجل فقام حیال رأسہ ثم جاؤا بجنازۃ امرأۃ من قریش فقالوا یا ابا حمزۃ صل علیہا فقام حیال وسط السریر فقال لہ العلاء بن زیاد ھٰکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الجنازۃ مقامک منھا ومن الرجل مقامک منہ قال نعم۔ (ص ۱۴۷)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۱۵۶ کتاب الجنائز۔

جنازہ میں میت کی چارپائی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں

سوال: نمازِ جنازہ میں جس جگہ میت کی چارپائی رکھی جاتی ہے کیا اس جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کی چارپائی کی جگہ کا پاک ہونا جنازہ کی صحت کی شرائط میں سے نہیں اسلئے یہ جگہ اگر پاک نہ ہو تو جنازے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامۃ ابن العابدینؒ وفی التاتارخانیۃ: سئل قاضی خان عن طہارۃ مکان المیت ھل تشترط لجواز الصلوٰۃ علیہ قال ان کان المیت علی الجنازۃ لاشک انہ یجوز والّا فلا روایۃ لھذا وینبغی الجواز۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۴۱ مطلب فی صلوٰۃ الجنازۃ)[1]

دعا بعد الجنازہ کی شرعی حیثیت

سوال: بعض علاقوں میں نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد فوراً امام قوم کی طرف منہ کرکے ہاتھ اٹھا کر قوم کی معیت میں ہیئتِ اجتماعی کے ساتھ دعا مانگتے ہیں، لوگوں کے ذہنوں میں اجتماعی دعا کی اہمیت اتنی بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعا نہ کرے تو اس کو ملامت کی جاتی ہے بلکہ بعض علاقوں میں خود علماء کی دخل اندازی سے ایک دوسرے کو سبّ وشتم تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ از روئے شرع اس کیفیّت سے دعا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دعا بعد الجنازہ علیٰ ہیئتِ اجتماعی کا حکم بیان کرنے سے قبل چند مقدمات کی طرف توجہ دینی ضروری ہے: (۱) پہلا مقدمہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ بذاتِ خود دعا ہے، امام قوم کی معیت میں مرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مغفرت اور رفعِ درجات کے لیے سفارش کرتا ہے (۲) دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شریعت میں عمل کا وہی طریقہ معتبر ہوگا جس کی اجازت شریعت نے دی ہو، اگر کہیں شریعت کے عملِ متوارثہ کی شرعی حیثیّت کسی ایسی حرکت سے مجروح ہوتی ہو تو ایسی حرکت سے اجتناب ضروری ہے (۳) تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ میت کیلئے اس کے پسماندگان جب

---

[1] وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: قید المصنف بطھارۃ المیت احترازاً عن طھارۃ مکانہ قال فی الفوائد التاجیۃ ان کان علی جنازۃ لاشک انہ یجوز وان کان بغیر جنازۃ لا روایۃ لھذا وینبغی ان یجوز لان طھارۃ مکان المیت لیس بشرط لانہ بموضع۔ (البحرالرائق ج۲ ص۱۷۹)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت۔

صدقِ نیّت سے دعا کریں تو اس کا فائدہ یقیناً میت کو پہنچتا ہے۔

ان تین مقدمات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ میت کے لیے جب بھی کوئی دعا مانگی جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی فائدہ اسے پہنچتا ہے لیکن مقدمہ ثانیہ کی رُو سے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کو کسی ایسی حرکت سے محفوظ رکھے جس سے اس کی شرعی حیثیت متاثر ہوتی ہو۔ مقدمۂ اولیٰ کی رُو سے جب جنازہ خود دعا ہے تو سلام پھیرنے کے ساتھ ہی یہ دعا ختم ہوجاتی ہے، سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ دعا مانگنے سے لازمی طور پر عمل متوارثہ یعنی جنازہ پر زیادت کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ لوگ صفوں میں ایسی توجہ سے کھڑے رہتے ہیں جیساکہ جنازہ کی تکبیر ادا ہورہی ہو، لہٰذا اس اشتباہ سے بچنے کے لیے ایسی کیفیت پر دعا کرنے سے اجتناب ضروری ہے خاص کر جب اہتمام کی حالت یہ ہو کہ ایسی رسمی دُعا میں شرکت نہ کرنا موجبِ عار سمجھا جاتا ہے۔ البتہ اگر بغیر کسی لزوم والتزام کے ایسے وقت میں دُعا کی جائے کہ صفیں توڑ دی گئی ہوں تو بعد کسرالصفوف اشتباہ نہ رہنے اور کسی اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر اس کو کہیں جنازہ کا جزء قرار دیا جائے تو اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة ... الخ

(خلاصة الفتاویٰ ص۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز: نوع منه)[۱]

میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا

سوال:۔ میت کے قرب وجوار میں بیٹھے ہوئے لوگ اگر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن کی تلاوت کریں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر میت کو غسل دے کر کفنانے کے بعد اس کے پاس قرآن کی تلاوت کی جائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے، البتہ غسل دینے سے پہلے تلاوت کرنے کو اکثر کتابوں میں مکروہ لکھا ہے لیکن علامہ علاؤالدینؒ فرماتے ہیں کہ میت قبل از غسل محدث تو ضرور ہے لیکن نجاست یقینی نہیں اس لیے قبل الغسل بھی قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ویقرأ عنده القرآن الیٰ ان یرفع

---

[۱] قال ملا علی قاریؒ: ولا یدعو للمیت بعد صلوٰة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوٰة الجنازة۔ (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح ج۲ ص۳۶۹ کتاب الجنائز) ومِثْلُهٗ فی تجهیز الجنازة ص۱۶ کتاب الجنائز۔

الی الغسل ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۹۳ باب الجنائز) ؎۱

شرکائے جنازہ کا ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے

سوال:۔ بعض جگہوں میں جنازہ اٹھاتے وقت شرکاء زور زور سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ذکر کرتے ہیں، کیا راستہ میں یہ ذکر کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ دل میں ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن صورتِ مذکورہ میں بلند آواز سے ذکر کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندیة: ویکره رفع الصوت بالذکر وقرأة القرآن۔ وفیه ایضاً فان اراد ان یذکر الله یذکره فی نفسه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۶۲ الفصل الرابع فی حمل الجنازة) ؎۲

تجہیز و تدفین میں تاخیر کرنا

سوال:۔ تجہیز و تدفین میں دُور دراز رہنے والے رشتہ داروں کی آمد کے انتظار میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟ جبکہ بعض اوقات دوسرے شہروں سے اعزاء و اقرباء کے پہنچنے تک کافی انتظار کرنا پڑتا ہے؟

الجواب:۔ عام طور پر اموات کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں بغیر کسی معقول عذر کے زیادہ تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی معقول شرعی عذر کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یا علی ثلث لا تؤخرها الصلوٰة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوًا۔ (مشکوٰة شریف ص۶۱) ؎۳

؎۱ وقال العلامة ابن عابدینؒ فی منحة الخالق: وتکره قرأة القرآن عنده الی ان یغسل... الخ (منحة الخالق حاشیة البحر الرائق ج۱ ص۱۹۱)

؎۲ وقال ابن نجیمؒ: ویکره رفع الصوت بالذکر وقرأة القرآن وغیرهما فی الجنازة الخ (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۲ باب صلوٰة الجنازة)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۰ فصل الکلام فی حمله علی الجنازة۔

؎۳ وقال عبد الله التمرتاشی: وکره تاخیر صلوٰته ودفنه لیصلی علیه جمع عظیم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۳۲ کتاب الجنائز)۔

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۹۱ باب الجنائز۔

عورت کی تدفین میں غیر محارم کی شرکت

سوال:۔ کیا کوئی غیر محرم شخص کسی عورت کے جنازہ کو کندھا دے کر اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی تدفین کے وقت قبر میں اتارنے میں غیر محرم شخص کی شرکت اور تعاون کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جہاں تک فوت شدہ عورت کی چارپائی اٹھانے کا مسئلہ ہے اس میں محارم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ باپردہ ہونے کے بعد اجنبی اشخاص بھی اٹھا سکتے ہیں۔ امہات المؤمنینؓ کی ڈولیاں باقاعدہ صحابہ کرامؓ اٹھایا کرتے تھے۔ اور قبر میں اتارنے کے وقت جب تک محارم موجود ہوں تو یہ ذمہ داریاں محارم خود نباہ لیا کریں، البتہ جب محارم موجود نہ ہوں تو پھر غیر محارم بھی ضرورت کے وقت یہ ذمہ ادا کر سکتے ہیں۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ذوالرحم المحرم بادخال المرأة القبر من غیرہ لانہ یجوز لہ مسہا حالۃ الحیاۃ فکذا بعد الموت وکذا ذوالرحم المحرم منہا اولی من الاجنبی ولو لم یکن فیہم ذو رحم فلا بأس للاجانب وضعہا فی قبرہا۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۲۰) [1]

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں ایک شخص کی نماز جنازہ ایسی جگہ پڑھائی گئی کہ قبر جنازہ سے ایک گز کے فاصلے پر واقع تھی، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ کا حکم ہے کہ کسی ایسی جگہ نماز جنازہ پڑھنا جہاں قبریں ہوں مکروہ ہے، فقہاء نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے، تاہم اگر قبریں اتنی دور ہوں کہ نمازیوں کو نظر نہ آئیں یا دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس صورت میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ حضرت تھانویؒ سے قبر کے ہونے ہوئے بھی نماز جنازہ جائز ہے۔

قال ابو حنیفۃؒ: ولا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور، وکان علیؓ وابن عباسؓ یکرھان ذلک فان صلوا اجزءھم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۹۵ باب الجنائز) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ: ذوالرحم المحرم اولی بادخال المرأة من غیرھم وکذا ذوالرحم غیر المحرم اولی من الاجنبی فان لم یکن فلا بأس للاجانب وضعھا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۶۶ الفصل السادس فی الدفن)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص۱۹۳ باب الجنائز۔

[2] قال العلامۃ الکاسانیؒ: قال ابو حنیفۃؒ ولا ینبغی ان یصلی علی المیت بین القبور۔ (بدائع والصنائع ج ۱ ص۳۱۵ کتاب الجنائز)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفاء اربعہ کی شرکت

سوال :- کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفاء اربعہ شریک ہوئے تھے؟

الجواب :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں چاروں خلفاء کی شرکت عام روایات سے ثابت ہے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر فقال السلام علیك ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومعهما نفر من المهاجرین والانصار قدر ما یسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر۔ الخ (طبقات الکبریٰ ج ۵ ص۲۹۰) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی تحقیق

سوال :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کیسے پڑھا گیا۔ آپ چونکہ گناہوں سے پاک تھے اس لیے آخری تکبیر میں آپ کے لیے کیسی دعا مانگی گئی؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں باقاعدہ امامت کا ثبوت نہیں اور نہ کسی کو امام بننے کی جرأت ہوئی بلکہ صحابہؓ جماعت در جماعت حجرۂ عائشہؓ میں داخل ہو کر آپ کا جنازہ پڑھتے رہے یوں متعدد بار آپ کا جنازہ ادا کیا گیا اور عام دعا کی بجائے مندرجہ ذیل کلمات پڑھے گئے۔

قال العلامۃ سید زرقانیؒ : ومنها انہ صلی علیہ الناس افواجًا افواجًا روی الترمذی قالوا لابی بکرؓ انصلی علی رسول اللہ قال نعم قال وکیف نصلی قال یدخل قوم ویصلون ویدعون ثم یدخل القوم فیصلون فیکبرون ویدعون فردًا۔ الخ (زرقانی ج ۵ ص۳۷۹) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن کثیر رحمہ اللہ : قال الواقدی حدثنی موسیٰ بن محمد بن ابراهیم قال وجدت کتابًا بخط ابی فیہ انہٗ لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر۔ الخ (البدایۃ والنهایۃ ج۲ ص۲۳۲)

[2] وفیہ ایضًا، وبغیر دعاء الجنازۃ المعروف عن علی انهم کانوا یکبرون ویقولون السلام علیك ایها النبی ورحمۃ اللہ اللهم انا نشهد ان محمد قد بلغ ما انزل علیہ ونصح لامتہ وجاهد فی سبیلك حتی اعز اللہ کلمتہ۔ (زرقانی ج ۵ ص۳۷۹)

مَسَائِلِ شَتّٰی بَابُ الجَنَائِز

(جنائز کے مختلف مسائل و احکام)

میت کو کنگھی کرنا یا سُرمہ لگانا ناجائز ہے

سوال:۔ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کو کنگھی کرتے اور سرمہ وغیرہ لگاتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ مرنے کے بعد میت کی زینت کے لیے اُسے سُرمہ لگانا اور کنگھی وغیرہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله:۔ التزين بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لایجوز۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز۔ قبل مطلب فی حدیث کل سبب ونسب منقطع) [1]

میت کو غسل دینے کے لیے تختہ پر لٹانے کا طریقہ

سوال:۔ میت کو غسل دیتے وقت اس کا رُخ کس طرف کرنا مسنون ہے؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر میں میت کو غسل کے لیے تختے پر لٹانے کے دو طریقے لکھے گئے ہیں۔ ۱ میت کے پاؤں کو قبلہ رُخ کرکے تختہ پر رکھا جائے ۲ صرف چہرہ قبلہ رُخ کرکے رکھا جائے جس طرح کہ میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے، یہ دونوں طریقے جائز ہیں البتہ دوسرا طریقہ مستحسن ہے۔

لما فی الهندية: وكيفية الوضع عند بعض اصحابنا الوضع طولًا كما فی حالة المرض اذا اراد الصلوٰة بایماء ومنهم من اختار الوضع كما يوضع فی القبر والاصح انه يوضع كما تيسر۔ (الفتاوٰی الهندیه ج ۱ ص۱۵۸) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم: قوله ولایسرح شعره ولحيته ولايقص ظفره وشعره) لانها للزينة وقد استغنى عنها والظاهر ان هٰذا الصنيع لايجوز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۳ کتاب الجنائز)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۱ ص۴۸۵ باب الجنائز۔

[2] قال الشیخ العلامة اشرف علی التھانوی: غسل کے وقت تختہ پر مُردہ کو رکھنے کی دو صورتیں لکھی ہیں، ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کرکے لٹانا، دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے قبر میں رکھتے ہیں اور دونوں صورتوں میں سے جو صورت ہو سکے جائز ہے.... مگر زیادہ مستحسن صورت ثانیہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ قبلہ ہے زندوں کا بھی اور مُردوں کا بھی۔

(امداد الفتاوٰی ج ۱ ص۴۹۳ باب الجنائز)

نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے وصیّت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ فلاں شخص ہی میری نماز جنازہ پڑھائے، کیا ایسی وصیت پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میّت کی اس قسم کی وصیّت نافذ العمل نہیں ہوگی اس لیے کہ مرنے کے بعد اس کی وصیت باطل ہو جائے گی، نماز جنازہ جو بھی پڑھائے ادا ہو جائے گی۔

وفی الهندية : فی الکبری المیت اذا اوصی بان یصلی علیه فلان فالوصیة باطلة وعلیه الفتوٰی۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج ۱ ص۱۶۳ کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت) [۱]

نمازِ جنازہ میں دُرُود شریف کا پڑھنا

سوال:۔ نماز جنازہ میں کون سا درود شریف پڑھنا زیادہ مناسب ہے؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ میں وہ درود شریف پڑھنا چاہیئے جو پنج وقتہ فرض نمازوں میں پڑھا جاتا ہے، یعنی درود ابراہیمی مراد ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله ویصلی علی النبی کما فی التشهد) ای المراد الصلوٰة الابراهیمیة التی یأتی بها المصلّی فی قعدة التّشهد۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۱۲ کتاب الجنازہ مطلب هل تسقط فرض الکفایہ بفعل الصبی) [۲]

قبر میں میت کے صرف چہرے کو قبلہ رُخ کرنا چاہیئے

سوال:۔ یہاں ہمارے علاقے میں میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو صرف اس کے چہرے کو قبلہ رُخ کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا مسنون ہے یا چت لٹا کر قبلہ رُخ کرنا مسنون ہے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں میت کے چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم ہے اور

---

[۱] لما قال العلامة الحصکفیؒ : والفتوٰی علیٰ بطلان الوصیّة بغسله والصّلوٰة علیه۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۲۱ کتاب الجنائز)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص۲۲۱ کتاب الجنائز۔ مطلب تعظیم اولی الامر واجب۔

[۲] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : والمراد بالصلوٰة الصلوٰة علیه فی التشهد وهو الاولیٰ۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۱۸۳ کتاب الجنائز)
وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص۴۸۶ رابعاً ارکان صلوٰة الجنازة الخ

یہ امر دونوں صورتوں میں پورا ہوسکتا ہے تاہم دائیں کروٹ لٹا کر قبلہ رخ کرنا بہتر ہے اگرچہ چت لٹا کر قبلہ رُخ کرنا بھی جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: ویوضع فی القبر علیٰ جنبہ الایمن مستقبل القبلۃ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۶۶ الباب الحادی والعشرون) لہ

نمازِ جنازہ میں سلام بھول جانا

سوال:۔ اگر نمازِ جنازہ میں کسی سے سلام پھیرنا بھول جائے تو کیا اس سے نمازِ جنازہ متاثر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنا نہ فرض ہے اور نہ واجب، اس لیے بھول کر سلام نہ پھیرنے کی صورت میں نمازِ جنازہ متاثر نہیں ہوتی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: صلوٰۃ الجنازۃ ورکنھا شیئان التکبیرات الاربع والقیام وسنتھا ثلٰثۃ التحمید والثناء والدعاء فیھا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۷۲ باب الجنائز) لہ

شوہر بیوی کو قبر میں نہیں اتار سکتا

سوال:۔ کیا شوہر اپنی بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں جبکہ عورت کے ورثاء موجود ہوں؟

الجواب:۔ خاوند کے لیے اپنی بیوی کو مرنے کے بعد ہاتھ لگانا شرعاً ممنوع ہے لہٰذا دیگر ورثاء کی موجودگی میں خاوند بیوی کو قبر میں نہیں اتار سکتا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویمنع زوجھا عن غسلھا ومسھا لا من النظر الیھا علی الاصح منیۃ۔ وقالت الائمۃ الثلاثۃ یجوز لان علیاً غسل فاطمۃ قلنا ھٰذا محمول علیٰ بقاء الزوجیۃ الخ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۷۶ باب الجنائز) لہ

لہ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویوجہ الیھا وجوباً وینبغی کونہ علیٰ شقہ الایمن ولا ینبش لیوجہ الیھا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۸۱ باب صلوٰۃ الجنائز)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۲ ص۴۸۵ کتاب الجنائز۔

لہ قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: وفی الدر المختار صلوٰۃ الجنازۃ ورکنھا شیئان التکبیرات الاربع والقیام وسنتھا ثلٰثۃ التحمید والثناء والدعاء فیھا۔ (امداد الفتاوٰی ج ۱ ص۵۰۳ باب الجنائز)

لہ لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: قال الحنفیۃ لایجوز للرجل غسل زوجتہ ومسھا لانقطاع النکاح ویجوز لہ النظر الیھا فی الاصح۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص۴۵۸ باب صلوٰۃ الجنازۃ ثانیاً صفۃ الغاسل)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۲ ص۵۰ باب الجنائز۔

بیوی کی وفات پر شوہر اسے غسل نہیں دے سکتا

سوال:۔ کیا بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: خاوند کا اپنی بیوی کو غسل دینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں، اس لیے حنفیہ کی تحقیق کے مطابق بیوی کی وفات کے بعد چونکہ دونوں کا نکاح ختم ہوجاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں اس لیے شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز، مطلب فی حدیث کل سبب الخ)[۱]

بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

سوال:۔ کیا عورت اپنے خاوند کو مرنے کے بعد غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شوہر کے مرنے کے بعد دونوں کا نکاح من کل الوجوہ ختم نہیں ہوتا، عورت ایام عدت میں من وجہ شوہر کے نکاح میں ہوتی ہے اس لیے شوہر کے مرنے کے بعد وہ اسے غسل دے سکتی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وهي لا تمنع من ذلك۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وهي لا تمنع من ذلك) ای من تغسیل زوجها دخل بها اولا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز، مطلب فی حدیث کل سبب الخ)[۲]

شوہر بیوی کو کفن نہیں پہنا سکتا

سوال:۔ کیا کوئی شوہر اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اسے کفن پہنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیوی کے مرنے کے بعد میاں بیوی دونوں کا رشتہ ازدواج ختم ہوجاتا ہے

---

[۱] لما قال الشیخ وهبة الزحیلی: قال الحنفیة لا یجوز للرجل غسل زوجته ومسها لانقطاع النكاح ویجوز له النظر إليها فی الأصح لأن النظر أخف من اللمس۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص۴۵۸ کتاب الجنائز، ثانیاً صفة الغاسل)

[۲] لما قال العلامه ابن نجیمؒ: والزوجة تغسل زوجها دخل بها اولا بشرط بقاء الزوجیة عند الغسل۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۹ باب الجنائز)

اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں اس لیے مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو کفن پہنائے تاہم دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ، ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر الیها علی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۹۸ کتاب الجنائز مطلب فی حدیث کل سبب)[1]

چھوٹے بچے کا جنازہ ایک آدمی کے لیے اٹھانا جائز ہے

سوال:۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کوئی چھوٹا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو ایک آدمی اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ کسی بڑے (مرد یا عورت) کا جنازہ اٹھانے کے لیے چار آدمیوں کا ہونا مناسب ہے البتہ چھوٹے بچے کے جنازہ کو اگر ایک آدمی بھی اٹھائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الہندیۃ، وذکر الاسبیجابی ان الصبی الرضیع او الفطیم او فوق ذٰلک قلیلاً اذا مات فلا بأس بان یحملہ رجل واحد علی یدیہ ویتداولہ الناس بالحمل علی ایدیہم۔ الخ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۱۶۲)[2]

نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے ولی کی اجازت کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے میں ایک آدمی ہے جو یہ کہتا ہے کہ میت کا ولی جس کو اجازت دے وہی نماز جنازہ پڑھائے چاہے محلے کی مسجد کا امام موجود ہو تو کیا اس کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب:۔ میت کے ولی کو اگرچہ نماز جنازہ پڑھانے کا اختیار ہے یا جس کو اجازت دے وہ پڑھا سکتا ہے لیکن محلے کی مسجد کا امام قاضی یا بادشاہ کی عدم موجودگی کی صورت میں یہ شخص مقدم ہے لہٰذا امام کی موجودگی میں وہ نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

---

[1] لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: قال الحنفیۃ لا یجوز للرجل غسل زوجتہا ومسہا لانقطاع النکاح ویجوز لہ النظر الیہا فی الاصح لان النظر اخف من المس۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص۴۵۸ کتاب الجنائز ثانیاً صفۃ الغاسل)
وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۱ ص۴۸۵ باب الجنائز۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: والصبی الرضیع او الفطیم او فوق ذٰلک قلیلاً یحملہ واحد علی یدیہ ولو راکباً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۳۱ کتاب الجنائز مطلب فی حمل المیت)

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ویقدم فی الصلوٰۃ علیه السلطان ان حضر او نائبه وهو امیر المصر ثم القاضی ثم صاحب الشرط ۔۔۔۔۔ ثم امام الحی فیه ابهام، وذٰلک ان تقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی ۔۔۔۔ ثم الولی الخ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰ کتاب الجنائز، مطلب فی بیان من هو احق بالصلوٰۃ علی المیت) لـه

جنازہ اٹھانے سے قبل اجتماعی دعا کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ جنازہ اٹھانے سے قبل قریب کی مسجد کے امام صاحب بآوازِ بلند میت اور اس کے اہلِ خانہ کے لیے دعا کرتے ہیں اور حاضرین بآوازِ بلند آمین کہتے ہیں، دعا ختم ہونے کے بعد جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ میت اور اس کے اہلِ خانہ کے لیے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، جنازہ اٹھانے سے قبل اور اس کے بعد انفرادی طور پر دعا کی جا سکتی ہے، البتہ اجتماعی طور پر بآوازِ بلند امام مسجد کا دعا کرنا اور حاضرین کا آمین کہنا سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں دعاء کا درج شدہ طریقہ کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندیة: کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰۃ ویدعوا للمیت ویرفع صوته۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۵ ص ۳۱۹ کتاب الکراهیة) لـه

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے

سوال:۔ قبرستان میں جا کر وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت و شرک کہتے ہیں؟

لـه لما قال الشیخ وهبة الزحیلی: الرأی الاوّل للحنفیة: السلطان ان حضر او نائبه احق بالصلوٰۃ علی المیت بسبب السلطنة ولأن فی التقدم علیه ازدراء به فان لم یحضر فالقاضی لانه صاحب ولایة فان لم یحضر فیقدم امام الحی لأنه رضیه فی حیاته۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۴۸۳ کتاب الجنائز ثانیا من هو الاولی بالصلوٰۃ)

لـه لما قال العلامة المفتی عبد الرحیم: الجواب: ہر ایک کو ذاتی طور پر دعا کرنے کی اجازت ہے سب کے جمع ہو کر دعا مانگنے کا دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نیز سلف صالحین کے عمل اور طریقہ کے خلاف ہے لہٰذا سوال میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ مکروہ ہے۔ (فتاوٰی رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۳ کتاب الجنائز)

الجواب: قبرستان میں کھڑے ہوکر اہلِ قبور کے لیے دُعا کرنا شرعاً ثابت ہے اور پھر دُعا میں ہاتھ اٹھانا تو آدابِ دعا میں سے ہے لہٰذا قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا جائز ہے بدعت کہنا درست نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ومن اٰدابھا ان یسلم بلفظ السلام علیکم علی الصحیح لا علیکم السلام فانہ ورد..... ثم یدعو قائماً طویلا وان جلس یجلس بعیدا او قریبا بحسب مرتبتہٖ فی حال حیاتہ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۴۲ کتاب الجنائز مطلب فی زیارۃ القبور) [۱]

سوال و جواب کا سلسلہ میت کو دفنانے کے بعد ہوگا

سوال: بعض لوگ غیر ممالک میں فوت ہو جاتے ہیں اور ان کی میت کو اپنے وطن لانے میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں، تو عرض ہے کہ ایسی اموات سے سوال جواب کب ہوگا؟ کیا فوت ہونے کے بعد پہلی رات جو بغیر دفنائے ہوئے گذرے اس رات میں سوال و جواب ہوگا یا میت کو دفنانے کے بعد ہوگا؟

الجواب: علماء کرام نے لکھا ہے کہ میت سے سوال و جواب کا وقت اُسے دفن کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے جب تک میت کو دفن نہ کر دیا جائے اس وقت کوئی سوال و جواب نہیں ہوتا۔

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: والسوال فی القبر بان مات ولم یدفن ایاماً بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر اٰخر ما لم یدفن لا یسأل۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۲۶ کتاب الجنائز) [۲]

---

[۱] لما قال الشیخ العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: وفی ردّ المحتار آداب زیارۃ القبور ثم یدعو قائماً طویلاً۔ اس سے دُعا کا جائز ہونا ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آدابِ دُعا سے ہے پس یہ بھی درست ہوا۔ (امداد الفتاوٰی ج۱ ص۵ باب الجنائز)

[۲] قال العلامۃ عبد الرحیم لاجپوریؒ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دفن کے بعد سوال ہوتا ہے۔ (فتاوٰی رحیمیہ جلد ۵ ص۹۷، باب احکام الجنائز)

میت کو قبرستان تک لے جانے کا مسنون طریقہ

سوال:۔ میت کو قبرستان تک لے جانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ کیا اس کے پاؤں کی طرف سے آگے لے جایا جائے گا یا سر کی طرف سے؟

الجواب:۔ جنازے کو قبرستان لے جاتے وقت میت کے سر کو آگے کی طرف رکھنا چاہیئے۔

کما فی الهندية: وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس۔

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۶۲ باب الجنائز) [۱]

رنگ دار کپڑے میں میت کو کفنانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ میت کو سفید کپڑے کے علاوہ رنگدار کپڑے سے کفن پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میت کے لیے کفن رنگین کپڑے سے تیار کیا جاسکتا ہے، جن رنگوں کا استعمال زندگی میں اس کے لیے جائز تھا مرنے کے بعد بھی کفن رنگ دار کپڑے سے تیار کرنا جائز ہے، البتہ افضل و بہتر یہ ہے کہ مردے کو سفید کفن میں کفنایا جائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا بأس فی الکفن ببرود وکتان وفی النساء بحریر ومعصفر لجواز مایجوز لبسه حال الحیوٰة واحبه البیاض اومایصلی فیه۔

(الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۷۲ باب صلوٰة الجنازة) [۲]

---

[۱] لما قال العلامة اشرف علی التهانویؒ: جنازہ لے جانے کے وقت مردہ کا سر آگے رکھنا چاہیئے۔ (امداد الفتاوی ج ۱ ص۴۹۵ باب الجنائز)

[۲] وفی الهندية: ولا بأس بالبرود والکتان والقصب وفی حق النساء بالحریر والابریشم والمعصفر والمزعفر ویکره للرجال ذلك واحب الاکفان الثیاب البیض .... وکل ما یباح للرجال لبسه فی حال الحیاة یباح تکفینه بعد الوفاة ومالایباح له لبسه حال الحیاة لایباح تکفینه بعد الوفاة۔

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص۱۶۱ باب الجنائز۔ الفصل الثالث فی التکفین)

ومثلهٗ فی فتاوی دار العلوم الدیوبند ج ۵ ص۲۶۳ کتاب الجنائز۔

دریا میں ڈوب کر مرنے والے کو غسل دینے کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص دریا میں ڈوب کر مر جائے تو کیا پانی سے نکالنے کے بعد بھی اسے غسل دیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- ہر مسلمان کو فوت ہو جانے کے بعد غسل دینا ضروری ہے چاہے وہ خشکی پر مرا ہو یا پانی میں ڈوب کر فوت ہوا ہو ، تاہم اگر پانی سے نکالتے وقت غسل کی نیت سے میت کو تین غوطے دیئے جائیں تو اتنا ہی کافی ہے دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ۔

قال العلامة فخرالدین الشہیر بقاضی خانؒ : الغریق یغسل ثلثاً فی قول ابی یوسفؒ وعن محمدؒ فی روایۃ ان نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلاثاً وعنہ فی روایۃ یغسل واحدۃ۔

(فتاوی قاضی خان ج ۱ ص۹۰ کتاب الجنائز) لہ

آبِ زمزم سے دھوئے ہوئے کفن کے استعمال کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب ایک صاحب سے سنا ہے کہ زمزم کے پانی سے دھوئے ہوئے کپڑے کا کفن استعمال کرنا صحیح نہیں اس میں سوءِ ادب ہے ، جس طرح اس پانی سے استنجاء وغیرہ کرنا مکروہ ہے تو اسی طرح اس سے کفن کے لیے کپڑے کو دھونا بھی کراہت سے خالی نہیں ہے ، کیا واقعی مسئلہ کی نوعیت اسی طرح ہے ؟

الجواب :- برکت کے حصول اور عذاب سے نجات کے لیے کوئی متبرک اپنے پاس رکھنا یا اس کو استعمال کرنا منصوص ہے ، اسی طرح آبِ زمزم سے تر شدہ کفن استعمال کرنا بھی جائز ہے ۔

لہ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : والغریق یغسل ثلاثاً عند ابی یوسفؒ وعن محمدؒ اذا نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلاثاً وفی روایۃ یغسل مرۃ واحدۃ ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۴ کتاب الجنائز)

قال العلامة اسماعیل حقی البروسویؒ : قال فی الاسرار المحمدیة لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عصاہ او سوطہ علی قبر عاصٍ لنجا ذٰلک العاصی ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب ومن ھٰذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہٖ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بھا۔

(تفسیر روح البیان بحوالہ فتاویٰ رحیمیۃ ج ۱ ص۳۶۲ کتاب الجنائز) [۱]

جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ دورِ حاضر میں بعض فیشن ایبل قسم کے لوگ جوتوں سمیت ہی نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں، تو کیا جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر جوتے پاک، صاف اور ستھرے ہوں تو جوتوں سمیت نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے اور اگر جوتے نجس اور ناپاک ہوں تو ناپاک جوتوں کے ساتھ نماز جنازہ یا اور بھی کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے ۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : ولو افترش نعلیہ وقام علیھما جازت وبھذا یعلم ما یفعل فی زماننا من القیام علی النعلین فی صلوٰۃ الجنازۃ لکن لا بد من طھارۃ النعلین ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۱۲۹ کتاب الجنائز) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ المفتی عبد الرحیم لاجپوری : ہاں حصول برکت کی غرض سے آبِ زمزم میں تر کرکے خشک کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں اس میں سوء ادب جیسی کوئی چیز نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیۃ ج ۱ ص۳۶۳ کتاب الجنائز)

[۲] قال العلامۃ المفتی عبد الرحیم لاجپوری : جوتیاں پہن کر یا جوتیاں نکال کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں جوتیوں کا پاک ہونا ضروری ہے جوتیاں پاک ہوں گی تو نماز ہوگی ناپاک ہوں گی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

(فتاویٰ رحیمیۃ ج ۱ ص۳۶۰ کتاب الجنائز)

نفل نماز پڑھنے کے دوران جنازہ حاضر ہونے پر نماز توڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص نفل نماز کی نیت کر کے کھڑا ہو کہ اسی دوران کوئی جنازہ حاضر ہو جائے تو کیا یہ شخص اب نفل نماز توڑ کر جنازہ میں شریک ہو جائے یا نماز پوری کرے؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ ایک ایسی نماز ہے کہ اس کی کوئی قضاء نہیں، لہٰذا اگر متنفل (نفل نماز پڑھنے والے) کو نمازِ جنازہ کے فوت ہو جانے کا یقین ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ نفل نماز ختم کر کے نمازِ جنازہ میں شریک ہو جائے اور اگر اسے یہ یقین ہو کہ نفل نماز مکمل کر کے جنازہ میں شریک ہو سکے گا تو نفل نماز کو پورا کرے۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: اوكان في النفل فجئ بجنازة وخاف فوتها قطعه لامكان قضائه۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۶۶ باب النوافل)[1]

غلطی سے جنازہ الٹا رکھ کر اس پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر غلطی سے جنازہ الٹا رکھا گیا ہو یعنی میت کا سر جنوب کی طرف اور پاؤں شمال کی طرف ہو گئے ہوں اور اسی حالت میں جنازہ کی نماز بھی اس پر پڑھی گئی ہو تو کیا غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد اس پر دوبارہ نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ میّت کا سر شمال اور پاؤں جنوب کی طرف کر کے جنازہ رکھا جائے، جان بوجھ کر قصداً و عمداً الٹا رکھنا کراہت سے خالی نہیں لیکن اگر سہواً ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ نماز دہرانے کی ضرورت ہے۔

قال العلامة السيد احمد الطحطاويؒ: وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين واساؤوا ان تعمدوا۔ (طحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج۱ ص۵۹۳ کتاب الجنائز)[2]

---

[1] قال المفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ: نمازِ جنازہ کے ہاتھ نہ آنے کا خوف ہو تو نماز میں شامل ہونے کی غرض سے نفل نماز توڑ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج۱ ص۳۶۱ باب احکام الجنائز)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا اخطؤا بالرأس وقت الصلوٰة فجعلوه في موضع الرجلين فصلوا عليها جازت الصلوٰة فان فعلوا ذلك عمداً جازت صلاتهم وقد اساؤوا ولا تعاد۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۲ ص۱۷۷ باب الجنائز المتفرقات)

قبرستان سے سبز گھاس ختم کرنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض لوگ محرم الحرام کے مہینے میں اپنے رشتہ داروں کی قبروں سے سبز گھاس وغیرہ جڑسے اکھیڑتے ہیں اور ان پر نئی مٹی ڈالتے ہیں، شرعاً اس سبز گھاس کو ختم کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- سبز گھاس اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد بیان کرتی ہے اس لیے اسے قبروں سے ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے لیے خصوصاً محرم الحرام کا تعین تو اور زیادہ قبیح عمل ہے البتہ خشک گھاس کو مرخص ہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: کرہ قطع الحشیش الرطب وکذا الشجرۃ من المقبرۃ لانہٗ مادام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمۃ ولا بأس بقلع الیابس منھما الحشیش والشجر لزوال المقصود۔

(مراقی الفلاح علیٰ صدر طحطاوی ص۱۲۱ کتاب الجنائز)[1]

قبرستان میں خشک گھاس کو آگ لگانے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قبرستان میں جب بھی گھاس خشک ہوجاتی ہے تو لوگ اسے آگ لگادیتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام نے قبرستان میں آگ لے جانے سے منع کیا ہے اس لیے خشک گھاس صاف کرنے کے لیے اُسے آگ نہ لگائی جائے بلکہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔

قال الشیخ المفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ:- جب قبرستان میں آگ لے کر جانے کی ممانعت ہے تو قبروں کے اوپر کی گھاس وغیرہ جلانے کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے! صفائی کے لیے دوسری تدبیر عمل میں لائی جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج۵ ص۱۰۳ باب احکام الجنائز)

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ الا اذا کان یابسا ولا یستحب قطع الحشیش الرطب۔ (البحرالرائق ج۲ ص۱۹۶ باب الجنائز)

ومثلہٗ فی فتاویٰ التاتارخانیہ ج۲ ص۱۰۳ باب الجنائز المتفرقات۔

میّت کو دفن کرتے وقت اس کا منہ غلط سمت ہو جانے پر قبر کو دوبارہ کھولنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک واقعہ پیش آیا ہے وہ یہ کہ ایک میت کو دفن کرنے والوں سے سہواً میّت کا منہ قبلہ رُخ کی بجائے مشرق کی جانب رہ گیا ہے، اب مٹی وغیرہ ڈالنے اور قبر برابر کرنے کے بعد یاد آیا کہ میت کا منہ تو قبلہ رُخ کرنا چاہیئے تھا، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اب قبر کو دوبارہ کھول کر میت کا منہ قبلہ رُخ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان میّت کو دفن کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے وقت میّت کا رُخ قبلہ کی طرف کیا جائے لیکن اگر غلطی سے میت کا رُخ قبلہ کی جانب نہ ہو سکے اور مٹی وغیرہ ڈالنے کے بعد یاد آئے تو اب قبر کو دوبارہ کھولنے کی ضرورت نہیں، تاہم اگر مٹی ڈالنے سے قبل یاد آ جائے تو پھر مناسب یہ ہے کہ میّت کا رُخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: لو دفن مستدبرًا لها واهالوا التراب لا ينبش لان التوجه الى القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ما اذا كان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب۔

(رد المحتار ج ۱ ص۸۳۷ کتاب الجنائز۔ مطلب فی دفن المیّت) [1]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: افاد كلام المصنف انه لو وضع لغير القبلة او على شقه الايسر او جعل رأسه في موضع رجليه او دفن بلا غسل واهيل عليه التراب فانه لا ينبش قال في البدائع لان النبش حرام۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۱۹۵ باب الجنائز)

ومثله فی فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۱۷۵ باب الجنائز المتفرقات۔

دفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا

سوال:۔ میت کو کفن دینے سے پہلے یا بعد اس کا چہرہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ دفن سے پہلے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے، چاہے کفن دینے سے پہلے ہو یا کفن دینے کے بعد ہو۔

لما في الهندية : ولا بأس بأن يرفع ستر الميت ليرى وجهه وانما يكره ذلك بعد الدفن، كذا في القنية۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۵۱ كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور وقرأة القرآن في المقابر)

دو قبروں میں سے میت کو نسی قبر میں دفن کی جائے

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک عورت فوت ہوگئی ہے، شوہر والوں نے ایک جگہ قبر تیار کی اور اس کے بھائیوں نے دوسری جگہ، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس عورت کو کس قبر میں دفن کیا جائے ؟

الجواب:۔ فتنہ اور فساد سے دور رہتے ہوئے جہاں چاہیں مرحومہ کو دفن کر دیں شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

رشتہ داروں کی قبریں ایک ساتھ ہونے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے سخت بیماری کی حالت میں وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اپنے بھائی کے قریب دفن کیا جائے، تو کیا ان کی وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے یا قبرستان میں جہاں جگہ ملے دفن کردیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں اقارب اور رشتہ داروں کو ایک جگہ قریب قریب دفن کرنا مستحب ہے اس سے رشتہ داروں کی قبروں کی پہچان میں آسانی ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی خواہش فرمائی تھی اور ایسا کر کے دکھایا بھی ہے۔

لما ورد في الحديث: عن المطلب بن ابي وداعة قال: لما مات عثمان بن مظعون اخرج بجنازته فدفن فامر النبي صلى الله عليه وسلم رجلا ان يأتيه بحجر فلم يستطع حملها فقام اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم .... فوضعها عند رأسه وقال اعلم بها قبر اخي وادفن اليه من مات من اهلي۔

(مشكوٰة ص۱۴۹ كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

منکرِ حدیث کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! کسی پرویزی یعنی منکرِ حدیث کی نمازِ جنازہ پڑھنا، پڑھانا یا اس میں شرکت کرنا شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب :۔ احادیثِ مبارکہ کو حجت ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے' اس کی حجیت کا انکار کرنا کفر ہے ۔ اس لیے علماءِ امت نے پرویزی فرقے کے معتقدین کو خارج عن الاسلام قرار دیا ہے ۔ چونکہ نمازِ جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا ضروری شرط ہے جو صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے' اس لیے کسی پرویزی (منکرِ حدیث) کی نمازِ جنازہ پڑھنا، پڑھانا یا اس میں شرکت کرنا ناجائز و حرام ہے ۔

لقوله تعالیٰ : وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۸۴)

قال اللہ تعالیٰ : مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ۔ (التوبہ ۱۱۳)

دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ زید بیرونِ ملک فوت ہوا وہاں اس کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی جس میں اس کے بیٹوں نے بھی شرکت کی، جب میت اس کے آبائی گاؤں لائی گئی تو اس کے دوسرے ورثاء نے اصرار کیا کہ ہم یہاں دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھیں گے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً اُن کو دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حق حاصل ہے ؟

الجواب :۔ جب مسلمان میت پر اس کے ولی کے ہوتے ہوئے ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے تو دوبارہ (چاہے ولی موجود ہو یا نہ ہو) نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے اس لیے کہ ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے ۔

لہ لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ : وشرطها ستة اسلام الميت وطهارته مالم يهل عليه التراب فيصلي على قبره بلا غسل ۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۲ باب الجنازہ ، مطلب فی صلوٰۃ الجنائز)
وَمِثْلُهٗ فی طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۹ باب الجنائز ۔

لما قال العلامة المرغیناني رحمه الله : وان صلى غير الولي او السلطان اعاد الولي یعنی ان شاء لما ذكرنا ان الحق للاولياء وان صلى الولي لم يجز لاحد ان يصلي بعده لان الفرض يتادى بالاول والنفل بها غير مشروع ۔

(الهداية ج ۱ ص۱۶۲ كتاب الجنائز) ؎۱

میت کا قبر میں قبلہ رخ ہونا ضروری ہے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں قبریں شمالاً جنوباً کھودی جاتی ہیں، کیا ہر جگہ یہی حکم ہے یا نہیں؟ شرعی مسئلہ سے مطلع فرمائیں؟

الجواب :۔ میت کو قبر میں رکھتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس کا چہرہ قبلے کی طرف ہو جا ہے قبلہ شمالاً جنوباً ہو یا شرقاً غرباً، میت کے چہرے کا قبلہ کی طرف ہونا واجب ہے ۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله : ويوجه اليها وجوباً وينبغي كونه على شقه الايمن ولاينبش ليوجه اليها ۔ قال ابن عابدين رحمه الله : قلت ووجهه ان ظاهره التسوية بين الحياة والموت في وجوب استقباله ۔

(رد المحتار ج ۲ ص۲۶۳ كتاب الجنائز، مطلب دفن الميت) ؎۲

؎۱ لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله : لذا قلنا ليس لمن صلى عليها ان يعيد مع الولي لان تكرارها غير مشروع ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۲۳ كتاب الجنائز)

؎۲ لما في الهندية : ويدخل الميت مما يلي القبلة وذلك ان يوضع في جانب القبلة من القبر ويحمل الميت منه ويوضع في اللحد فيكون الآخذ له مستقبل القبلة حالة الاخذ، كذا في فتح القدير ويقول واضعه بسم الله وعلى ملة رسول الله كذا في المتون ويوضع في القبر على جنبه الايمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة ۔

{الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۶۶ كتاب الجنائز
الفصل السادس في القبر والدفن ... الخ}

ومثله في قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص۱۹۴ باب غسل الميت .... الخ

باب فی حکم الشہید

(شہید کے احکام و مسائل)

شہید کی حقیقت

سوال: شریعتِ محمدی کی رُو سے ہم کس کو شہید کا نام دے کر بغیر غسل دینے کے دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب: شہید کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے (۱) اُخروی شہید (۲) دنیوی شہید۔ اول الذکر شہید کا دائرہ وسیع ہے، لیکن احکام شہید کے اجراء کے لیے دنیاوی شہید ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کرام کی عبارات کی رُو سے دُنیاوی شہید وہ مسلمان ہے جس کو کافر قتل کریں یا میدانِ جنگ میں مُردہ پایا جائے اور اس پر زخموں کے آثار ہوں یا ظلماً قتل کر کے اس کے قتل کے عوض دیت واجب نہ ہو۔ غسل نہ دینا دُنیاوی شہید کی خصوصیات میں سے ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني رحمه الله: الشهيد من قتله المشركون او وجد في المعركة وبه اثر او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه. الخ ومن قتله اهل الحرب او اهل البغي او قطاع الطريق فبأي شيء قتلوه لم يغسل. الخ
(الهداية ج ۱ ص ۱۸۳ باب الشهيد) [1]

اُخروی اور دُنیوی شہید کے درمیان فرق

سوال: اگر کوئی آدمی آگ میں جل جائے یا دریا میں ڈوب کر مر جائے یا کوئی گاڑی اُسے کچل ڈالے تو کیا اس کو شہید کہا جا سکتا ہے؟

الجواب: ایسے شخص کو شہیدِ اُخروی کہنا درست ہے مگر دُنیوی شہید نہیں ہے، لہٰذا اس کو غسل وغیرہ دیا جائے گا، کیونکہ اُخروی شہید وہ ہے جس کے بارے میں کتبِ فقہیہ نے

---

[1] وقال عبد الله التمرتاشي رحمه الله: الشهيد هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة ولم يجب بنفس القتل مال ولم يرتث وكذا لو قتله باغ او حربي او قاطع طريق او وجد جريحاً ميتاً في معركتهم. الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۷ تا ۲۴۹ باب الشهيد)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۶۷ باب الشهيد۔

مندرجہ ذیل تعریف ذکر کی ہے :-
قال الحصکفیؒ ہو کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلماً بجارحۃ ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۴۷ باب الشہید) [1]

زخمی ہونے کے بعد کھانے پینے کا موقع ملنے سے مقتول دُنیوی شہید نہیں رہتا

سوال :- اگر ایک مسلمان شہید کی تعریف کی رُو سے میدانِ کارزار میں زخمی ہو جائے یا کسی مسلمان کے ہاتھوں ظلماً زخمی ہو جائے اور پھر اس کا علاج بھی ہو جس میں چند دن زندہ رہ کر کھانا پینا نصیب ہو جائے تو کیا اس سے دُنیاوی شہادت متاثر ہوتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ایسا شخص اُخروی شہادت سے محروم نہیں رہتا، البتہ زخمی ہونے کے بعد کھانے پینے اور علاج معالجہ کے لیے موقع ملنے سے یہ دُنیوی شہید نہیں رہا، اس لیے اس کو غسل دیا جائے گا۔

لما فی الہندیۃ : او قتلہ مسلم ظلماً ولم تجب بہ دیۃ کذا فی الکافی وبعد اسطر قال ویغسل من ارتث وھو من صار خلقاً فی حکم الشہادۃ لنیل مرافق الحیاۃ وھو ان یاکل او یشرب او ینام او یداوی ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۶۸ باب الشہید) [2]

رات کے اندھیرے میں نامعلوم افراد کے ہاتھوں مارا جانیوالا شخص شہید ہے

سوال :- ایک شخص کو اپنے گھر میں رات کے وقت کسی نامعلوم آدمی نے قتل کر دیا تو کیا یہ مقتول شہداء میں شمار کیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- مذکورہ مقتول کا شہداء کے زمرے میں شمار کرنا صحیح ہے اور اس کا جنازہ

---

[1] وفی الہندیۃ : وھو فی الشرع من قتلہ اھل الحرب والبغی وقطاع الطریق ۔ الخ
(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۶۷ باب الشہید)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۹۶ باب الشہید ۔

[2] وقال محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ : ھو کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلماً ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۴۷ باب الشہید)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۱۰۸ باب الشہید ۔

بغیر غسل کے پڑھا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله او قاطع طریق) والمکابرون فی المصر لیلاً بمنزلة قطاع الطریق کما فی البحر عن شرح المجمع ممن قتلوه ولو بغیر محدد فهو شهید کما لو قتله القطاع وکذا من قتله اللصوص لیلاً۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۹ باب الشهید) [1]

محاذِ جنگ میں بم پھٹنے سے مرنے والوں کا حکم

سوال:۔ اگر ایک مجاہد محاذِ جنگ میں بم کے پھٹنے سے مرجائے تو کیا اس کو شہید سمجھا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ میدانِ کارزار میں شہادت کے لیے تلوار یا کسی دوسرے آلہ جارحہ سے قتل ہونا ضروری نہیں بلکہ دشمن کے ہاتھوں سے جس کیفیت سے بھی مسلمان مرجائے تو وہ شہید سمجھا جائے گا، صورتِ مسئولہ میں بم جدید ہتھیار کی ایک قسم ہے اس لیے اس کے ذریعے مقتول مسلمان شہید سمجھا جائے گا۔

لما فی الهندیة: والاصل ان کل من صار مقتولاً فی قتال ثلاث اهل الحرب او البغاة او قطاع الطریق بمعنی مضاف الی العدو وسواء کان بالمباشرة او السبب کان شهیداً۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۹ الفصل السابع فی الشهید) [2]

قاتل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ارادۂ قتل مبطل شہادت نہیں

سوال:۔ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کے ارادہ سے جا رہا تھا لیکن اُسے قتل کرنے سے پہلے اس کو کسی دوسرے آدمی نے بغیر کسی

---

[1] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ولو نزل علیه اللصوص لیلاً فی المصر فقتل بسلاح او غیره او قتله قطاع الطریق خارج المصر بسلاح او غیره فهو شهید۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۲۱ فصل فی الشهید)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۹ باب الشهید۔

[2] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ، وهو من قتله اهل الحرب والبغی او قطاع الطریق او وجد فی المعرکة وبه اثر۔ الخ ـ وبعد اسطر قال وقیدنا بکونه فی المعرکة وهی موضع الحرب لانه لو وجد فی عسکر المسلمین قتیل قبل لقاء العدو فلیس بشهید۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ باب الشهید)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۱۶ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز۔

وجہ کے راستہ میں قتل کردیا، توکیا اس مقتول کی شہادت میں قتل کا ارادہ کرنے سے کوئی خلل واقع ہوا یا نہیں ؟

الجواب :۔ یہ شخص ازروئے شرع شہید ہے کیونکہ قاتل کے ہاتھوں سے وہ ظلماً قتل ہوا ہے، البتہ دوسرے شخص کے قتل کے ارادہ سے اگرچہ یہ گنہگار ہوتا ہے لیکن قاتل کے حق میں مباح الدم نہیں ہوسکتا، اس لیے محض ارادہ کی وجہ سے اس کی شہادت متاثر نہیں ہوتی۔

قال برهان الدين المرغيناني : او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية ۔ الخ

(الهداية ج ۱ ص ۱۸۳ باب الشهيد) ؎۱

تخریب کاری میں مرنے والے مسلمان شہید ہوتے ہیں

سوال :۔ آجکل بڑے بڑے شہروں اور اجتماعات میں انتظامیہ کو بدنام کرنے کے لیے بموں کے دھماکے کیے جاتے ہیں جن میں بے شمار بیگناہ مسلمان مرجاتے ہیں ایسے مرے ہوئے لوگوں کا شریعت میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ ایسے مقتولین شہداء کے حکم میں ہیں، ان کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ بم دھماکے کرنے والے افراد اسی نیت سے بم رکھتے ہیں تاکہ مظلوم مسلمانوں کا جانی نقصان ہو اور عوام جذبات میں آکر انتظامیہ کے متعلق کوئی قدم اٹھائیں۔

قال علامه ابن نجيمؒ : كان ما قصد به القتل فهو تسبيب وما لا فلا ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ باب الشهيد) ؎۲

ظلم کے تعین کے بغیر دنیوی شہید کا حکم لگانا درست نہیں

سوال :۔ ایک شخص کسی جگہ مردہ پایا گیا، اس کے قتل کی وجوہات

؎۱ وقال علاؤ الدين الكاسانيؒ : ومنها ان يكون مظلوماً الخ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۲۰ فصل اما الشهيد)

؎۲ وقال برهان الدين المرغينانيؒ : او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل لانه في معنى شهداء أحد وقال عليه السلام فيهم زملوهم بكلومهم ودمائهم ولا تغسلوهم فكل من قتل بالحديدة ظلماً وهو طاهر بالغ ولم يجب به عوض مالى فهو في معناهم فيلحق بهم ۔ (فتح القدير ج ۲ ص ۱۰۳ باب الشهيد)

ومثله في تبيين الحقائق ج ۱ ص ۲۴۷ باب الشهيد ۔

معلوم نہیں کیا ایسی صورت میں اسے شہید کہا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد ہے، البتہ دنیوی شہادت کا حکم لگانے کے لیے جب تک اس کا مظلوم ہونا ثابت نہ ہو تو اسے شہید نہیں کہا جائے گا۔

قال برهان الدین المرغینانیؒ: او قتله المسلمون ظلماً ولم یجب بقتله دیة الخ (الهدایة ج۱ ص۱۸۳ باب الشهید) [1]

آپس کے تنازعات میں مرنے والے لوگوں کا حکم

سوال:۔ خاندانی اور قومی تنازعات میں مرنے والے لوگ شہداء کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ ایسے خاندانی تنازعات میں اگر مقتول نے فریق مخالف (قاتل) کے قتل کیلئے ابتداء نہیں کی ہو اور قاتل نے دیدہ دانستہ دوسرے مسلمان کا حق ظلماً چھین لینے کا ارادہ کیا ہو تو یہ مقتول شہید کے حکم میں آتا ہے، لہٰذا اس کا جنازہ بغیر غسل کے پڑھا جائے گا۔

قال علاؤ الدین الکاسانیؒ: واذا عرف شرائط الشهادت فنقول اذا قتل الرجل فی المعرکة او غیرها وهو یقاتل اهل الحرب او قتل مدافعاً عن نفسه وماله واهله او واحد من المسلمین او اهل الذمة فهو شهید سواء قتل بسلاح او غیره لاستجماع شرائط الشهادة فی حقه۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۳ فصل اما الشهید) [2]

دفاعی جنگ میں مرنے والوں کا حکم

سوال:۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان کی سرحدات پر جارحانہ حملہ کیا اور پاکستان کو بزعم خود ختم کرنے کا ارادہ کیا تو پاکستان کی طرف سے دفاع کرنا جہاد میں شمار

---

[1] وقال علاؤ الدین الکاسانیؒ: ومنها ان یکون مظلوماً۔ الخ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۲۰ فصل اما الشهید)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۔۔۔ کتاب الجنائز باب الشهید۔

[2] وفی الهندیة: ومن قتل مدافعاً عن نفسه او ماله او عن المسلمین او اهل الذمة بای آلة قتل بحدید او حجر او خشب فهو شهید۔ الخ
(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۶۸ الفصل السابع فی الشهید)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۱۹۷ باب الشهید۔

ہوگا یا نہیں اور اس میں مرنے والے شہید ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب :۔ چونکہ پاکستان نے یہ جنگ اپنے دفاع کے واسطے لڑی ہے لہٰذا یہ دفاعی جہاد شمار ہو کر اس میں حصہ لینے والے مقتولین شہداء شمار ہوں گے ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ودخل فیه المقتول مدافعاً عن نفسه او ماله او المسلمین او اهل الذمة فانهٗ شهید لکن لایشترط بحدد کما فی البحر عن المحیط ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۷۷ باب الشهید) [1]

افغانستان کے جہاد میں مرنے والوں کا حکم

سوال :۔ افغانستان کے موجودہ جہاد کے دوران اگر کوئی قتل ہو جائے تو کیا اس کو شہادت کا مقام ملے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ جہادِ افغانستان چونکہ احیاء دین اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے کیا جا رہا ہے لہٰذا اس میں حصہ لینا ضروری ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حصہ لینے والا اگر قتل ہو جائے تو وہ شہید ہو گا ۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ : الشهید هو من قتله اهل الحرب او البغی او قطاع الطریق او وجد فی المعرکة وبه اثر او قتله مسلم ظلماً ولم یجب بقتله دیة ۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۴ باب الشهید) [2]

---

[1] وفی الهندیة : ومن قتل مدافعاً عن نفسه او ماله او المسلمین او اهل الذمة بای آلة قتل بحدید او حجر او خشب فهو شهید کذا فی محیط السرخسی۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۸ باب الشهید)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۷ باب الشهید ۔

[2] وقال العلامة الحصکفیؒ : وکذا یکون شهیداً لو قتل باغ او حربی او قاطع طریق ۔ (رد المحتار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص ۶۷۲ باب الشهید)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۷ باب الشهید۔

شہید کو دفنانے سے قبل یا بعد اپنے وطن واپس لانا

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! عصر حاضر میں مجاہدین اسلام جس جگہ شہید ہو جائیں تو ان کی لاش کو قبل از دفن یا بعد از دفن قبر سے نکال کر اپنے وطن لانا شریعت مطہرہ کی رُو سے کیسا ہے؟ فائدہ اور نقصان، ثواب و عذاب جس میں ہو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ نیز عوام الناس میں یہ جو مشہور ہے کہ ہم نے فلاں میت کو اتنا عرصہ امانت کے طور پر دفنائے رکھا ہے پھر نکالنے میں جرم نہیں ہے، اس مسئلے کا کوئی شرعی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا۔ (الآیہ)

اسلام ایک مکمل دین اور مکمل قانون ہے۔ ہر ایک مسئلہ کے لیے اسلام میں جواز اور عدم جواز کی اصل اور دلیل موجود ہے۔ جن چیزوں کا تعلق مسلمانوں کی اس دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی سے ہے قرآن و حدیث اور دیگر مذہبی کتب میں ان پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلمان کی زندگی اور موت سے وابستہ جتنے احکام ہیں ان کی تفصیلات میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی، اور کسی شخص کی ذاتی رائے اور خواہش کو بھی اس میں دخل دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مسلمانوں کو ہر حالت میں رضا بالقضا کا شیوہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالےٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے اور مطیع و فرمانبردار رہنے میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ مسلمان سے اس کی جان و مال اللہ تعالےٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اور اللہ کے دشمنوں سے لڑ کر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرے گا اور اس میں اگر اسے اپنی جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ قف (سورۃ التوبۃ آیت ۱۱۱)

مسلمان کی موت جہاں بھی واقع ہو جائے وہ اس کے لیے مبارک ہے اچاہے تخت پر ہو یا خاکِ زمین پر، لیکن اس سے ہزار درجہ بہتر و مبارک وہ موت ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی میں تلواروں کے سایہ تلے واقع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں شہداء کی امتیازی شان اور اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کا جا بجا ذکر ہے۔ شہید فی سبیل اللہ کی یہ

کتنی خوش قسمتی ہے کہ قیامت کے دن اُسی خون میں لت پت قبر سے اٹھایا جائے گا جو کہ معرکۂ کارزار میں دشمنوں کے وحشیانہ اور جارحانہ حملوں کے وار سہہ کر اللہ کی راہ میں نکل گیا تھا۔ ایسے مواقع میں ان اعلیٰ مدارج کی بناء پر شریعت نے شہید کے ورثاء کو استقلال اور صبر و استقامت کا سبق دیا ہے۔ غزوۂ اُحد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور کافروں نے ان کے کان اور ناک کاٹ کر مثلہ بنا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا خطرہ میرے ساتھ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گی کہ میرے بھائی کو دفن تک نہیں کیا گیا تو میں اپنے چچا کو ایسے ہی زمین پر چھوڑ دیتا اور درندے و پرندے آکر ان کے گوشت و پوست کو نوچ ڈالتے اور کل قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے حضور میں مجھے یہ سرخروئی حاصل ہوتی کہ میرے چچا کے گوشت و پوست کو درندوں اور پرندوں کے پیٹ سے جمع کیا جاتا اور میں کہتا کہ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان نے تیری راہ میں یہ قربانی دی ہے۔ یہ کتنا بڑا مقام ہے اور کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و استقلال کا مظاہرہ فرمایا اور ایسے مواقع پر صبر و استقلال سے کام لینے کی امت کو تعلیم دی۔

حضرت عمرو ابن جموح رضی اللہ عنہ ایک جان نثار اور عاشقِ رسول صحابی ہیں جو ایک پاؤں سے لنگڑے تھے، غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا، اور ساتھ آپ کے بیٹے بھی شہید ہوئے تو بیوی نے خاوند اور بیٹے کو اونٹنی پر لاد کر مدینہ طیبہ لے جانے کا ارادہ کیا تو اونٹنی میدانِ اُحد سے چند قدم آگے چل کر بیٹھ گئی، اور رُخ اُحد کی طرف کر لیا اور باوجود کوشش کے مدینہ منورہ کی طرف نہ چلتی تھی۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھر آتے وقت اس نے کچھ کہا تو نہیں تھا؟ تو بیوی نے کہا جی ہاں! قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دُعا کی تھی؛ اللّٰھم لا تردّنی الیٰ اھلی، اے اللہ مجھے میدانِ جنگ سے گھر واپس نہ لانا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یہیں دفن کر دو۔ چنانچہ وہیں دفن کئے گئے۔

ان فضائل، برکات اور بلند مراتب کی وجہ سے شریعت نے عام مردوں کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ جہاں ان کی موت واقع ہو وہیں ان کو دفن کرنے میں بہتری ہے۔ کتب مذہب میں میں یہاں تک لکھا ہے کہ آدمی کی جہاں موت واقع ہو جائے وہاں اسے دفن کرنا بہتر ہے اور اگر قبل از دفن اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو جائز ہے۔ لیکن جب ایک دفعہ اس کو دفن

کرکے اوپر مٹی ڈال دی گئی تو اب قبر کھودنا اور میت کو نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنا حرام اور گناہ ہے، ہاں اگر کوئی ضرورتِ شرعیہ داعیہ موجود ہو تو پھر ایسا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً زمین مغصوبہ ہو یا شفعہ پر لی گئی ہو۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل عبارات :۔

فتاوی عالمگیری ج۱ ص۱۷۱ میں ہے: ویستحب فی القتیل والمیت دفنہ فی المکان الذی مات فی مقابر اولئک القوم، وان نقل قبل الدفن الی قدر میل او میلین فلا بأس بہ، کذا فی الخلاصۃ۔ وکذا لو مات فی غیر بلدہ یستحب ترکہ فان نقل الی مصر آخر لا بأس بہ ولا ینبغی اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا کانت الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ کذا فی فتاوی قاضی خان۔

درمختار میں ہے: ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ــــ اس سے چند سطور آگے درمختار میں ہے: لا بأس بنقلہ قبل دفنہ ــــ اس کی شرح میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: واما نقلہ بعد دفنہ فلا مطلقاً قال فی الفتح واتفقت کلمۃ المشائخ فی امرأۃ دفن ابنہا وہی غائبۃ فی غیر بلدہا فلم تصبر وارادت نقلہ علی انہ لا یسعہا ذلک فتجویز شواذ بعض المتاخرین لا یلتفت الیہ وا ما نقل یعقوب و یوسف علیہما السلام من مصر الی الشام لیکونا مع آبائہما الکرام فہو شرع من قبلنا ولم یتوفر فیہ شروط کونہ شرعاً لنا۔ اھ

فقہاء کرام کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ میت شہید ہو یا غیر شہید قبل از دفن اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن بہتر نہیں، اور بعد از دفن تو بالکل جائز نہیں، قبر کھولنا اور میت کا اخراج حرام ہے۔ ہاں اگر ضرورتِ شرعیہ پیش آجائے تو جائز ہے، اور ضرورتِ شرعیہ کی صورتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں ــــ نیز میت کو کچھ عرصہ کے لیے امانتاً دفن کرکے پھر نکالنا یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

حریق بالنار کے حکم کے بارے میں تعارض کا ازالہ

سوال :- جناب مفتی صاحب ! فتاویٰ ہندیہ کی ایک عبارت ولو کان المسلمون فی سفینۃ فرماھا العدو بالنار فاحترقوا من ذٰلک وتعدی الیٰ سفینۃ اخری فیہا المسلمون فاحترقوا فہم کلہم شہداء کذا فی الخلاصۃ وحکمہ (ای الشہید) ان لا یغسل ویصلی علیہ کذا فی المحیط السرخسی ویدفن بدمہ وثیابہ کذا فی الکافی سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عبارت میں حریق بالنار کو حقیقی شہید کے حکم میں داخل کیا گیا ہے، حالانکہ عام فقہاء کرام نے حریق بالنار کو صرف اخروی شہداء میں شمار کیا ہے۔ براہِ مہربانی اس تعارض کو رفع فرما کر مشکور فرمائیں ؟

الجواب :- حریق بالنار کے متعلق فتاویٰ ہندیہ اور دیگر کتبِ فقہ کی عبارات میں کوئی تعارض نہیں ہے، سب اپنے اپنے محل کی مناسبت سے بالکل صحیح ہیں۔ اس لیے اگر آپ فتاویٰ ہندیہ کی مذکورہ بالا عبارت پر غور کریں تو اس میں فرماھا العدو بالنار کی قید بہت واضح نظر آتی ہے جو کہ قیدِ احترازی ہے، اس لیے کہ دشمن خواہ کسی بھی چیز سے کسی مسلمان کو مار ڈالیں وہ شہید ہی ہوتا ہے۔ اور فتاویٰ ہندیہ کی عبارت میں دشمن کے آگ لگانے سے مرنے والے مسلمان کا حکم بیان ہوا ہے وہ بھی حریق بالنار العدو کے ساتھ خاص ہے، عام آگ سے جل کر مرنے والے کا حکم الگ ہے، جو کہ عام فقہاء کرام نے صرف شہید اخروی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

ھٰکذا قال المفتی عبدالکریم : (الجواب) یہ حکم بالکل صحیح ہے کیونکہ رماھا العدو بالنار کی قید ہے، اور دشمن خواہ کسی چیز سے مار ڈالیں ہر حال میں شہید ہوتا ہے اور وہ حریق جس پر حکم شہید جاری نہیں ہوتا اس سے وہ مراد ہے جو بدون حملہ دشمنان ویسے ہی جل کر مر گیا ہو۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۸۴۱ کتاب الجنائز، فصل فی الشہید)

کتاب
الزکوٰۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملیگا اور قیامت کے دن اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔

سورة البقرة : آية ٢٧٧

باب وجوب الزکوٰۃ
(زکوٰۃ کے واجب ہونے کے مسائل)

دوہزار روپے میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

سوال :۔ ایک شخص کے پاس دوہزار روپے ہیں سوال ان حول (سال) کے گذر جانے کے بعد ان میں زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

الجواب :۔ نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون (۵۲½) تولہ چاندی یا ساڑھے سات (۷½) تولہ سونا یا اس کی قیمت کے برابر نقدی ہے، لہٰذا اگر دوہزار روپے چاندی یا سونے کی قیمت کے برابر بنتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ اقل میں زکوٰۃ نہیں۔

لما فی الهندیة : ومنها کون المال نصاباً فلا تجب فی اقل منه۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها) [1]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت کی اہمیت

سوال :۔ اگر ایک شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ فقراء اور غرباء کو کچھ رقم صدقہ میں دے دے، کیا یہ ادائیگی زکوٰۃ میں شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب :۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت انتہائی ضروری ہے، صورت مسئولہ میں رقم دیتے وقت خیرات وصدقہ کی نیت تھی تو ادائیگی کے بعد زکوٰۃ کی نیت کرنے سے یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم اگر دینے کے وقت نیت کوئی نہ تھی لیکن بعد میں زکوٰۃ کی نیت کی اور رقم فقیر کی ملک میں ہو تو ایسی صورت میں یہ رقم زکوٰۃ میں شمار ہوگی۔

لما قال العلامة تمرتاشیؒ : وشرط صحة ادائها نیة مقارنة له ای للاداء ولو کانت المقارنة حکماً کما لو دفع بلانیة ثم نوی والمال قائم فی ید الفقیر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ : وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبته للحول لحولانه علیه تام بالرفع صفة ملک خرج مال المکاتب۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال الشیخ نظام : واذا دفع الی الفقیر بلانیة ثم نواه عن الزکوٰۃ فان کان المال قائماً فی ید الفقیر اجزاه والا فلا۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرها وصفتها)

وَمِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص ۵۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے حولانِ حول شرط ہے

سوال:۔ ایک آدمی سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوگیا ہے جب تک اس کو جی پی فنڈ وغیرہ کی رقم حکومت کی طرف سے نہ ملے تو اس پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں لیکن جب اس آدمی کو یہ رقم مل جائے تو کیا اس پر فوری طور پر زکوٰۃ اور حج فرض ہوجائے گا یا سال گذرنے کے بعد؟

الجواب:۔ ایسے آدمی پر زکوٰۃ حولانِ حول کے بعد فرض ہوتی ہے، یعنی جب اس آدمی کو تمام واجبات کی رقم مل جائے اور اس کا اپنی رقم پر قبضہ ہوجانے کے بعد سال گذر جائے تو پھر اس آدمی پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور فوری طور پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن حج کے لیے حولانِ حول شرط نہیں صرف استطاعت شرط ہے۔

لما قال ابن نجیمؒ: والمراد بکونه حولیًا ان یتم الحول علیه وهو فی ملکه لقوله علیه السلام لا زکوٰة فی مال حتی یحول علیه الحول۔ قال فی الغایه سمی حولاً لان الاحوال تحول فیه وفی القنیة العبرة فی الزکوٰة للحول القمری۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰة)[۱]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں قمری سال کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے حولانِ حول کا ہونا جو ضروری قرار دیا گیا ہے تو اس سے کون سا سال مراد ہے؟ قمری یا شمسی؟ کیونکہ قمری سال شمسی سال سے نسبتاً کم ہوتا ہے۔

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں قمری سال کو اعتبار دیا ہے اس لیے زکوٰۃ کی فرضیت میں اسلامی (قمری) مہینوں کا سہارا لینا ضروری ہے، اور فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق قمری سال کی مقدار تین سو چون (۳۵۴) دن، آٹھ گھنٹے اور اڑتالیس منٹ ہیں۔

کما فی شرح الوقایة: والسنة القمریة اثنا عشر شهرًا قمریًا ومدتها ثلاث مائة واربعة وخمسون یومًا وثُلُث یوم وثُلُث عشر یوم۔
(شرح الوقایة ج۲ ص۱۴۲ باب العنین)

لما قال فی الهندیة: ومنها حولان الحول علی المال العبرة فی الزکوٰة

---

[۱] قال شیخ الاسلام التمرتاشیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبته للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰة، الباب الاول فی تفسیرها الخ

للحول القمری۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)[1]

کئی سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص کے پاس تقریباً پندرہ[15] تولے سونا تھا اور کئی سالوں تک اس کا مالک رہا لیکن ایک سال بھی زکوٰۃ نہ دی اب زکوٰۃ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی میں بنیادی طور پر قیمت کی ادائیگی کا اعتبار فقراء کی ضرورت کے پیشِ نظر ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں اس شخص کو جملہ ایامِ گذشتہ کی زکوٰۃ سونے کی مقدار سے فرض ہے، جملہ گذشتہ سالوں کا حساب کرکے پندرہ تولہ سے مفروضہ سونے کی مقدار مروجہ قیمت لگا کر ادا کرے، تاہم لاحق سال سے سابق سال کی مقدار منہا کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔

لما قال التمرتاشیؒ: واللازم فی مضروب کل منھا (ای الذھب والفضۃ) ومعمولہ ولو تبراً اوحلیاً مطلقاً مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقۃ لانھما خلقا اثماناً فیزکیھما کیف کانا۔ (الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۷ باب زکوٰۃ المال)[2]

کیا زکوٰۃ علی الفور واجب ہے یا علی التراخی

سوال: نصاب مکمل ہونے کے بعد آدمی پر جب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو یہ شخص زکوٰۃ کی رقم وقفے وقفے سے ادا کرتا رہے حتیٰ کہ اس پر سال گذر جائے تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا زکوٰۃ علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟ جو ائمہ تراخی کے قائل ہیں اُن کے نزدیک وقفے وقفے میں زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جو ائمہ علی الفور

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ نسبۃ للحول) ای الحول القمری لا الشمسی۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: قمریۃ بالاھلۃ علی المذھب وھی ثلثمائۃ واربعۃ و خمسون یوماً وبعض یوم۔ (در المختار ج ۳ ص ۴۹۷ باب العنین)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وفی تبر الذھب والفضۃ وحلیھما واوانیھما الزکوٰۃ۔ (الھدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۱۶۳ باب زکوٰۃ فی الاموال فصل فی الذھب)

وَمِثْلُہٗ فی البدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۷۶ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل صفۃ ھذا النصاب۔

کے قائل ہیں اُن کے نزدیک تراخی سے گناہ لازم آتا ہے، اور صاحب ہندیہ نے علی الفور کو اصح قرار دیا ہے جبکہ ابن الھمامؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال الشیخ النظامؒ: وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر وفی روایة الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح کذا فی التہذیب۔ (الفتاوی الہندیة ج ۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰة، الباب الاول) ؎۱

زکوٰۃ کی ادائیگی میں وقت کا تعین کرنا

سوال:۔ بعض لوگ زکوٰۃ رجب یا رمضان کے مہینے میں ادا کرتے ہیں، کیا ازروئے شرع اس کیلئے کوئی وقت متعین ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ازروئے شرع زکوٰۃ کی ادائیگی سال پورا ہونے پر واجب ہے اس لیے اس میں کسی خاص مہینے کا تعین نہیں تاہم رمضان میں عبادات کی عظمت بڑھنے کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس میں ادائیگی زیادہ مناسب ہے لیکن یہ واضح رہے کہ وجوب کے بعد رمضان تک مؤخر کرنے کے بجائے مالک ہونے کے بعد پہلے رمضان میں ادا کرے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وسببہ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانہ علیہ۔ (الدر المختار ج ۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰة) ؎۲

صاحب نصاب آدمی کے پاس سال کے درمیان میں مزید مال آجائے تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال:۔ ایک شخص کے پاس رمضان میں دس ہزار روپے موجود تھے دوسرے سال رمضان آنے پر اس شخص کے پاس پچاس ہزار روپے پائے گئے، ظاہر ہے کہ دس ہزار روپے پر تو سال گذرا ہے لیکن بقیہ چالیس ہزار پر حولان حول

؎۱ لما قال العلامة الحصکفیؒ: وافتراضہا عمری ای علی التراخی وصححہ الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیہ الفتوی کما فی شرح الوھبانیة۔ (الدر المختار ج ۲ ص۲۷۱ کتاب الزکوٰة قبیل من الباب السائمة)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص۱۱۱ کتاب الزکوٰة۔

؎۲ قال الحسن بن عمار بن علیؒ: وشرط وجوب ادائہا حولان الحول علی النصاب الاصلی۔ (مراقی الفلاح ص۳۸۹ کتاب الزکوٰة۔

وَمِثْلُہٗ فی الجوھرة النیرة ج ۱ ص۱۳۸/۱۳۹ کتاب الزکوٰة۔

نہیں ہوا ہے، تو کیا اس شخص کو دس ہزار روپے سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا پچاس ہزار روپے پر زکوٰۃ لازم ہوگی؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے نصاب پر سال کا گذرنا ضروری ہے یہ ضروری نہیں کہ تمام رقم پر پورا سال گذرے، صورتِ مذکورہ میں دورانِ سال جو آمدنی ہوتی ہے اس سے بھی رمضان میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی، گویا مالِ مستفاد اگرچہ شعبان کے مہینے میں آیا ہو پھر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة حسن بن عمار بن علیؒ: وشرط وجوب ادائها حولان الحول على النصاب الاصلي واما المستفاد فى اثناء الحول فيضم الى مجانسه ويزكى بتمام الحول الاصلى سواء استفيد بتجارة او ميراث اوغيره۔ (مراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۳۸۸ کتاب الزکوٰۃ) [1]

زکوٰۃ قضاء ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ اگر ایک آدمی نے غفلت سے یا قصداً اپنے مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کے بعد عند الشرع کیا حکم ہے، آیا زکوٰۃ ساقط ہوگی یا پھر ادا کرنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے وقت جلدی ادا کرنا زیادہ مناسب ہے تاہم زکوٰۃ کسی وقت سے خاص نہیں کہ جس کے گذر جانے پر یہ قضا ہو بلکہ مدت گذرنے کے باوجود ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

لما قال فی الهندية: وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتاخيره من غير عذر وفى رواية الرازى على التراخى حتى يأثم عند الموت والاول تصح۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فى تفسيرها الخ) [2]

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ: والمستفاد ولو بهبة او ارث وسط الحول يضم الى نصاب من جنسه فيزكيه بحول الاصل۔ (الدر المختار على صدر رد المختار ج۲ ص۲۸۸ باب زکوٰۃ الغنم)
وَمِثْلُہٗ فی الهندية ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فى تفسيرها۔ الخ۔

[2] قال الشيخ الاسلام ابى بكر بن على بن محمدؒ: قال فى الوجيز على الفور عند محمدؒ حتى لا يجوز التراخى من غير عذر فان لم يؤد لا تقبل شهادته لانها حق للفقراء وفى تاخير الاداء عنهم اضرار لهم۔ (الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۳۸ کتاب الزکوٰۃ۔
وَمِثْلُہٗ فی المراقی الفلاح علی صدر طحطاوی ص۳۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔

مکان کا نہ ہونا مانع وجوب زکوٰۃ نہیں

سوال :- اگر ایک آدمی کے پاس نصاب کی مقدار سے زائد رقم موجود ہو لیکن اس آدمی کا ذاتی مکان نہیں ہے تو کیا یہ آدمی دوسروں سے زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں، اور اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- ایک آدمی جب نصاب کا مالک ہو اور یہ رقم حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو تو یہ آدمی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے بلکہ اس کو خود بھی اس رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی، اگر مملوکہ مکان نہ ہو تو یہ ایسا عذر نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اسے غریب شمار کیا جائے، جب تک یہ رقم خرچ نہ ہو تو ضرورت سے زائد متصور ہوگی۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ : ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلیة من ای مال کان۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۴۷ باب المصرف) [1]

مہتمم مدرسہ کا ذاتی مال طلباء پر خرچ کرنے کیلئے روزانہ نیت ضروری ہے یا ایک دفعہ کافی ہے

سوال :- ایک صاحب کا اپنا دینی مدرسہ ہے اور مدرسے کی تمام ضروریات مثلاً اساتذہ کی تنخواہ، بجلی کا بل وغیرہ اپنی جیب سے ادا کرتا ہے، مہتمم صاحب نے شروع سے نیت کی ہے کہ مدرسے کے جس شعبہ میں زکوٰۃ جائز ہے تو وہ میری زکوٰۃ ہے اور جس میں زکوٰۃ جائز نہیں وہ میری طرف سے خیرات ہے، تو آیا مہتمم کے لیے روزانہ یا ماہانہ یا سالانہ نیت ضروری ہے یا ایک دفعہ ہی زکوٰۃ کی نیت کافی ہے؟

الجواب :- اگر مہتمم صاحب زکوٰۃ کا مال جدا کرتے وقت نیت کریں اور پھر وہ منہا شدہ رقم تھوڑی تھوڑی خرچ کریں تو دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں بلکہ زکوٰۃ جدا کرتے وقت نیت کرنا ہی کافی ہے، اور اگر تھوڑا تھوڑا کرکے خرچ کرے اور پہلے سے نیت نہ ہو تو اس وقت نیت ضروری ہے ورنہ پھر زکوٰۃ نہ ہوگی۔

لمافی البزازیة : قال کلما تصدقت فی هٰذه السنة فهو عن الزکوٰة ثم جعل یتصدق

---

[1] قال الشیخ النظام : ولا یجوز دفع الزکوٰة الی من یملک نصاباً ای مال کان دنانیر او دراهم او سوائم او عروضاً للتجارة او لغیر التجارة فاضلاً عن حاجته فی جمیع السنة هٰکذا فی الزاهدی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰة، الباب السابع فی المصارف)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۴۲ الفصل الثامن فی اداء الزکوٰة۔

ولا یحضرہ النیۃ ان کان افرز جملۃ من المال فی حرۃ وقال وقت الاوقت لا فراز ذٰلک وقع الکل عن الصدقۃ والا لا۔ (البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۴ ص۸۷ فصل الثانی فی المصرف نوع اٰخر)[1]

اگر یہ معلوم نہ ہو کہ آدمی کب صاحبِ نصاب بن گیا تو کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ اگر کسی شخص کو اپنے غنی (یعنی صاحبِ نصاب) ہونے کا علم نہ ہو کہ میں کب سے صاحبِ نصاب ہوا ہوں، تو ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ ایسے شخص کو جتنی مدت سے صاحبِ نصاب ہونے کا ظن غالب ہو تو اُس وقت سے حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے تاہم احتیاط کے پہلو پر عمل کرنا زیادہ احوط ہے۔

لما قال ابن نجیم المصریؒ: والظن الطرف الراجح وھو ترجیح جھۃ الصواب والوھم رجحان جھۃ الخطاء واما اکبر الرائ وغالب الظن فھو الطرف الراجح اذا اخذ بہ القلب وھو المعتبر عند الفقہاء... وبعد اسطر وغالب الظن عندھم ملحق بالیقین وھو الذی یبتنی علیہ الاحکام۔ (الاشباہ والنظائر ج۱ ص۲۴۰/۲۴۱ القاعدۃ الثالثۃ الیقین لایزول بالشک)[2]

حوائجِ اصلیہ کے لیے جمع کی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص جو کسی سرکاری یا کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہو، ذاتی مکان نہ ہونے کی وجہ سے اپنی تنخواہ سے اس نے کئی سالوں میں کچھ بچا کر رقم جمع کی ہوئی ہو، یہ رقم اگرچہ ایک لاکھ روپے تک پہنچتی ہو لیکن ذاتی مکان کے لیے زمین خریدنے اور اس پر آبادی کے لیے یہ رقم ناکافی ہو، محض ذاتی ضرورت کی تکمیل کے لیے یہ رقم رکھی گئی ہو تو کیا حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس رقم سے کسی قسم کی تجارت بھی

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وشرط ادائھا نیّۃٌ مقارنۃ للاداء او لعزلِ ما وجب او تصدق بکلہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہٗ فی الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۲۵ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال ابن نجیمؒ: (تحت قولہ ولو دفع بتحرٍ الخ) والظن ترجیح احدھما من غیر دلیلٍ والتحری ترجیح احدھما بغالب الرأی وھو دلیل یتوصل بہ الیٰ طرف العلم وان کان لا یتوصل بہ الیٰ مایوجب حقیقۃ العلم۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف)

نہیں ہورہی، ممکن ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کرتے یہ تمام رقم ختم ہوجائے اور مکان بنانے کی خواہش پوری نہ ہوسکے؟ اس بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ وجوبِ زکوٰۃ کے لیے فقہاء نے فارغ عن الدّین وعن حوائج الاصلیہ کی قید کا ذکر کیا ہے، ایسی صورت میں حوائجِ اصلیہ میں مصروف اور مشغولیت میں تو یقیناً زکوٰۃ واجب نہیں لیکن جو رقم کسی ضرورت کی تکمیل مثلاً مکان، اسلحہ، کتب وغیرہ کے لیے رکھی گئی ہو اور مجموعہ رقم پر سال گذر جائے تو ایسی رقم میں وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کی رائے مختلف ہیں، شیخ ابن الملک کے نزدیک ایسی رقم حکماً ضروریات میں مصروف ہے جو بمنزلہ معدوم ہوکر اس میں حولانِ حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں۔ فاذا کان عندہ دراھم اعدھا لھذہ الاشیاء وحال علیھا الحول لا تجب فیھا الزکوٰۃ۔ علامہ ابنِ عابدینؒ کا میلان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: فاذا کان لہٗ دراھم مستحقۃ یصرفھا الی تلک الحوائج صارت کالمعدوم کما ان الماء المستحق یصرفہ الی العطش کان کالمعدوم وجاز عندہ التیمم الخ۔ لیکن ابن نجیمؒ کی عبارت سے ایسی رقم میں زکوٰۃ کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ ویخالف ما فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ (ج۲ ص۲۰۶)

موجودہ وقت میں انسان کی غیر متناہی ضروریات کے تقاضا کی صورت میں کسی شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں رہے گی، ہر شخص ایک بڑی رقم کسی عالیشان محل، موٹر، ایر کنڈیشن اور دوسری ضروریاتِ زندگی خریدنے کے ارادہ سے رکھے گا جو اُس کی ضروریات میں مصروف ہوکر زکوٰۃ کا موقع نہیں رہے گا، اس لیے احتیاطاً ہر صورت میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی خواہ یہ رقم مکان خریدنے کے ارادہ سے کیوں نہ ہو۔ اگر فقہاء کی عبارات کو دیکھا جائے تو ان میں بھی فارغ عن الدّین وعن الحوائج الاصلیۃ لکھا گیا ہے، اس پر کسی نے نہیں لکھا ہے کہ فارغ عن قیمۃ حوائجہ الاصلیۃ۔ یہ عبارت بھی وجوبِ زکوٰۃ کی نشاندہی کرتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ویخالف ما فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ) [1]

---

[1] وفی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: وھو مخالف لما فی المعراج والبدائع ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیف امسکہ للنفقۃ او للنماء (ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ علی الدرر ص۱۰۴ کتاب الزکوٰۃ۔

حوائج اصلیہ سے زائد رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ نصاب زکوٰۃ روپوں کی تعداد کے لحاظ سے کتنی ہے اور گھر کی ضروری حاجات سے جو رقم زائد ہو اُس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی کے پاس نقد روپے موجود ہوں جو تمام حوائج اصلیہ اور قرض وغیرہ سے خالی ہوں، حوائج اصلیہ زمانہ عرف اور حالات سے بدلتے رہتے ہیں، جب تمام اخراجاتِ ضروریہ کے علاوہ جو رقم مقدارِ نصاب تک پہنچے تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور روپوں سے زکوٰۃ نکالنے میں سونا اور چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اس لیے نقد رقم کا نصاب ایک مقرر نہیں ہو سکتا کیونکہ سونے اور چاندی کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے اس لیے مقدارِ نصاب میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی تام فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد و فارغ عن حاجته الاصلیة لان المشغول بها کالمعدوم۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)[1]

محفوظ رقم میں ہر سال کی علیحدہ زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس نقد اتنی رقم ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہے اور کئی سال تک اس کے استعمال کی نوبت نہ آئے تو کیا یہ شخص صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا اسے ہر سال کی علیحدہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کے پاس نقد اتنی رقم موجود ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہو یا نصاب سے زائد ہو تو سال کے گذرنے سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح جتنے سال یہ رقم محفوظ رہے گی اور مقدارِ نصاب میں بھی کوئی فرق نہ آیا ہو تو ہر سال کی علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وملك نصاب حولی فارغ عن الدَّین وحوائجه الاصلیة نامٍ ولو تقدیراً۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔

اذا ملك نصاباً ملكاً تاماً وحال عليه الحول ۔ (الهداية ج ۱ ص۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ) لہ

زکوٰۃ کی یکمشت ادائیگی ضروری نہیں

سوال :۔ اگر کسی کے پاس زکوٰۃ کی رقم موجود ہو اور وہ کسی مستحق کو ماہانہ کچھ رقم بطور زکوٰۃ دیتا ہے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ زکوٰۃ کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں ، قسط وار دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے ، تاہم مجموعی طور پر ادائیگی کے وقت نیت ضروری ہے ورنہ ہر قسط میں نیت کرنا پڑے گی ۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ : او مقارنة بعزل ما وجب كله او بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے

سوال :۔ اگر کسی کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود ہو لیکن منکوحہ کے حق مہر کی ادائیگی تا حال اس کے ذمہ باقی ہو اندریں صورت یہ شخص اگر حق مہر ادا کرے تو باقی مال نصاب زکوٰۃ سے کم رہتا ہے ، کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب رہے گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ منکوحہ کا حق مہر مستقل حق ہے جس کی ادائیگی خاوند کے ذمہ واجب ہے ، اگر خاوند فوت ہو جائے تو منکوحہ کا حق مہر دیگر قرضہ کی طرح متروکہ جائیداد سے ورثاء کے درمیان تقسیم کرنے سے قبل منہا کیا جائے گا ۔ خاوند کی اس ذمہ داری سے فراغت کے لیے حق مہر کی ادائیگی یا منکوحہ کی طرف سے برضا و رغبت معافی کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں لہٰذا خاوند کے ذمہ واجب الادا قرضہ ہونے کی وجہ سے یہ مانع وجوب زکوٰۃ ہے ، اگر نصاب سے حق مہر منہا کر کے باقی کا نصاب نہ بنتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں رہے گی اور اگر بقایا مال نصاب کی مقدار

لہ قال علاؤ الدین الحصکفیؒ : وَسَبَبُهُ ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی تام ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۹۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ ۔

؎۲ قال زین الدین ابن نجیمؒ : وشرط ادائها نية مقارنة للاداء او لعزل ما وجب او تصدق بكله ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۰ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فی الهندية ج ۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ ۔

تک پہنچا ہو تو پھر مہر مؤجل منہا کر کے بقایا رقم سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ قال ابن عابدینؒ: فارغ عن دَین لہٗ مطالب من جهة العباد سواء کان للہ کزکوٰۃ وخراج او للعبد ولو کفالۃ او مؤجلاً ولو صداق زوجته المؤجل وفی ردالمحتار والصحیح انہ غیر مانع۔ (کتاب الزکوٰۃ ج۲ ص۵)

البتہ منکوحہ کے حق میں دَین قوی نہ ہونے کی وجہ سے جب تک حق مہر وصول نہ ہوا ہو تو اس کے ذمہ زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، منکوحہ پر مہر مؤجل میں زکوٰۃ کے وجوب کا اعتبار وصولی کے بعد رہے گا تاہم اگر منکوحہ کے پاس اس کے علاوہ نصاب موجود ہو اور حولانِ حول سے قبل مہر مؤجل وصول ہو جائے تو پھر مال مستفاد کے حکم میں ہو کر تمام مال میں زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعدہ ای بعد قبض من دَین ضعیف وھو بدل غیر مال کمھر ودیۃ الخ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۰۶ باب زکوٰۃ المال) [1]

حج کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نے حج کے لیے کئی سالوں سے کچھ رقم بینک میں جمع کی ہو اور رقم نصاب سے زیادہ ہو تو کیا حولانِ حول کے بعد اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حج کے لیے رقم رکھنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، جب تک یہ رقم حج میں خرچ نہ ہوئی ہو اور اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اس پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال ابن عابدینؒ: فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] لما قال العلامۃ ابو بکر الکاسانیؒ: وعلی ھذا یخرج مھر المرأۃ فانہ یمنع وجوب الزکوٰۃ عندنا معجلاً کان او مؤجلاً لانھا اذا طالبتہ یؤاخذ بہ۔ وقال بعض مشائخنا ان المؤجل لا یمنع لانہ غیر مطالب بہ عادۃ۔ الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: ویخالفہ ما فی المعراج الدرایۃ فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکہ للنماء او للنفقۃ۔ اھ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۶ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔

منگنی یا شادی کے مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ منگنی یا شادی کے لیے خریدے ہوئے سامان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ اس سامان کی قیمت مقدار نصاب سے بہت زیادہ ہے ۔

الجواب :۔ منگنی و شادی کے لیے جمع شدہ سامان چونکہ اثاث البیت میں داخل ہے اور اثاث البیت پر زکوٰۃ لازم نہیں' اس لیے صورتِ مسئولہ میں منگنی یا شادی کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ : ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمت وسلاح الاستعمال زکوٰۃ ۔

(الھدایۃ ج ۱ ص۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

شادی کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے شادی کے لیے کچھ رقم جمع کی ہے جو کہ نصاب سے متجاوز ہے اور یہ رقم کئی سال اُس شخص کے پاس موجود رہی لیکن پورے وسائل میسر نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک شادی نہیں کی جبکہ یہ رقم ضرورتِ شادی کے لیے مختص ہے ، کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :۔ جب تک یہ رقم خرچ نہیں ہو تو شادی کی ضروریات کی وجہ سے وجوبِ زکوٰۃ متاثر نہیں ہوتی اور اس شخص پر باقاعدہ زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ اسی طرح اگر والدنے اپنی اولاد کی شادی کے لیے رقم جمع کی ہو اور نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے۔

وسبب لزوم ادائھا توجہ الخطاب یعنی قولہ تعالیٰ : وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۔ وشرطہ ای شرط افتراض ادائھا حولان الحول وھو فی ملکہ وَثَمَنِیَّۃُ المال کالدراھم والدنانیر لتعینھما للتجارۃ باصل الخلقۃ فتلزم الزکوٰۃ کیفما امسکھما

---

[1] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ : ولا فی ثیاب البدن المحتاج الیھا لرفع الحر والبرد ابن ملک واثاث المنزل ودور السکنی ونحوھا ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ ۔

ولولنفقة عياله۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ) [1]

گھر میں استعمال ہونے والے سامان میں زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ گھریلو ضروریات کیلئے رکھے ہوئے سامان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ نیز ضرورت کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟ بسا اوقات گھر میں متعدد بستر ے اور کھانے پینے کے برتن پڑے رہتے ہیں جن کی قیمت ہزاروں روپے تک پہنچتی ہے۔

الجواب:۔ ضرورت کے وقت جس سامان کے استعمال کی حاجت پڑے تو وہ اشیاء گھریلو ضروریات کے زمرہ میں شمار ہوں گی۔ معاشرہ میں وقت، حالات اور تعلقات میں اختلاف کی وجہ سے ضروریات میں تفاوت لازمی چیز ہے۔ اگر کسی مسلمان کے مہمان زیادہ آتے ہوں تو اس کیلئے زیادہ سامان رکھنا ضروری ہے، بہر حال ضرورت کا کوئی مخصوص معیار نہیں ہے۔ قال محمد ابن عبد الباقی الزرقانیؒ فی شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة فکان یقتصر منه قدره اوصفة علی قدر الحاجة الخ۔ وقال جنس الفراش فیصدق بتعدده عند الاحتیاج الیه لکثرة ضیفاته عادة (ج ۵ ص ۶) تاہم جو چیز گھر کے استعمال کے نام سے خریدی جائے خواہ ضرورت کے لیے ہو یا ضرورت سے زائد ہو لیکن تجارت کی نیت سے نہ خریدی گئی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ قربانی اور صدقۂ فطر کے لیے ضرورت سے زائد اشیاء کی قیمت لگا کر اگر نصاب کو پہنچے تو پھر قربانی اور صدقۂ فطر واجب رہے گا۔

قال الامام علی ابن ابی بکر الفرغانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰة۔

(الهدایة ج ۱ ص ۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] وشرط وجوب ادائها ای افتراضها حولان الحول وهو فی ملکه ای فی تمنیة المال کالدراهم والدنانیر۔ (حاشیة الطحطاوی ص ۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ حاشیة الطحطاوی الخ)
وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا فی ثیاب البدن المحتاج الیها لدفع الحر والبرد ابن ملك واثاث المنزل ودور السکنی ونحوها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۴ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب میں مُؤدی کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے، لہٰذا بناء برایں نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ۔
(الهداية ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ)[۱]

والد کے مال سے بیٹا بلا اجازتِ والد زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں

سوال:۔ اگر والد کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوئی ہو تو یہ زکوٰۃ بلا اجازتِ والد کے بیٹا کسی مستحق کو دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بغیر اجازت والد کے بیٹا اس کے مال میں سے زکوٰۃ نہیں دے سکتا، البتہ اگر والد کی اجازت کے بغیر بیٹے نے والد کے مال میں سے زکوٰۃ دے دی اور پھر والد نے ایسی حالت دیکھی کہ وہ زکوٰۃ کی رقم فقیر (محتاج) کے ہاتھ میں موجود تھی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ والا فلا

لما قال فی الهندیة: رجل ادی زکوٰۃ غیرہ عن مال ذٰلك الغیر فاجازہ المالك فان کان المال قائماً فی ید الفقیر جاز والافلا۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول)[۲]

میت کی طرف سے زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی عینِ حیات میں خود زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو اس کی وفات کے بعد اگر اس کے ورثاء اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیں تو یہ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہ ؟

الجواب:۔ اگر میت نے مرتے وقت وصیت کی ہو کہ میرے ذمے اتنی زکوٰۃ کی ادائیگی

---

[۱] قال العلامة علاؤالدین الحصکفیؒ: وشرط افتراضها عقل وبلوغ ....الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] قال الحسن بن عمار بن علیؒ: ولو مقارنة حکمیة کما لو دفع بلا نیةٍ ثم نوی والمال قائم بید الفقیر ولا یشترط علم الفقیر انها زکوٰۃ۔ (مراقی الفلاح ص۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ۔

باقی ہے تو ثلث جائیداد سے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے، ورثاء پر لازم ہے کہ ذمہ کی فراغت کے لیے اس کی وصیت پر عمل کریں، اور اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو تو اگرچہ ورثاء پر لازم نہیں لیکن ادائیگی کی صورت میں فراغ ذمہ کی اُمید ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولومات فأداها وارثه جاز) فی الجوهرة اذا مات من عليه الزكوٰة اوفطرة اوكفارة اونذر لم توخذ من تركته عندنا الا ان يتبرع ورثته وهم من اهل التبرع ولم يجبروا عليه وان اوصى تنفذ من الثلث۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۵۹ باب صدقة الفطر) لـه

نوٹ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

سوال: کیا زکوٰۃ میں دس پانچ یا دس روپے کے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ مال نہیں بلکہ ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ حامل ھٰذا کو مطالبہ پر ادا کیا جائے گا۔

الجواب: کرنسی نوٹ کی حقیقت کے بارے میں علماء کرام کی آراء مختلف ہیں، کچھ علماء کے نزدیک مروجہ کرنسی نوٹ ایک رسید کی مانند ہیں یعنی جس نوٹ پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ "اتنا حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کیا جائے گا" تو اس سے جنس میں خرچ ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، تاہم ایک روپے کے نوٹ پر یہ الفاظ نہیں لکھے ہوتے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن جن علماء کے نزدیک مروجہ کرنسی نوٹ ثمن عرفی کے حکم میں ہیں جیسا کہ یہ احتمال راجح ہے، تو اس صورت میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ: وجاز دفع القيمة فی زكوٰة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الاعتاق وتعتبر القيمة يوم الوجوب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۸۵) لـه

لـه قال الشيخ النظامؒ: اذا مات من عليه زكوٰة اوفطرة اوكفارة اونذر لم يوخذ من تركته عندنا الا ان يتبرع ورثته بذلك وهم من اهل التبرع فان امتنعوا لم يجبروا عليه وان اوصى بذلك يجوز وينفذ من ثلث ماله۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۹۳ كتاب الزكوٰة الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۳ كتاب الزكوٰة ـ فصل بيان مايسقطها۔

لـه قال فی الهندية: ويجوز دفع القيم فی الزكوٰة عندنا وكذا فی الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۸۱ الباب الثالث فی زكوٰة الذهب مسائل شتّٰی)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۱ كتاب الزكوٰة۔

قرض پر دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- ایک شخص کے پاس کچھ رقم موجود ہے جس کی زکوٰۃ وہ خود ادا کرتا ہے لیکن کچھ رقم اس سے عزیز و اقارب نے بطور قرض لی ہوئی ہے جس کی باوجود تحریری سند کے واپسی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہو تو ایسے قرض پر دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر عزیز و اقارب اس قرض کا اقرار کرتے ہوں یعنی قرض واپس کرنے سے منکر نہ ہوں تو وصولی کی صورت میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب ہوگی۔ تاہم اگر یہ رقم یکمشت حاصل ہو جائے تو رقم وصول ہونے ہی اس کی مقدار سے حساب کرکے ۴/۱ واں حصہ ادا کرے۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: واعلم ان الدیون عند الامام ثلٰثۃ قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوتہا اذا تم نصابا وحال الحول لکن لا فورا بل عند قبض اربعین درھما من الدین (اقول وھو خمس النصاب) من الدین القوی وبدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درھما یلزمہ الدرھم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [1]

کمیٹی کی رقم یعنی بیسی میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- ہم بائیس افراد نے مل کر ایک کمیٹی بنائی ہے جس میں ہر ایک ممبر پانچ سو روپیہ ماہوار جمع کراتا ہے، اور ہر ماہ کے آخر میں قرعہ اندازی سے نام نکالتے ہیں جس کا بھی نام نکل آئے تو جمع شدہ رقم (گیارہ ہزار روپے) اُسے دے دی جاتی ہے اسی طرح اکیس ماہ بعد میرا نام نکل آیا تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اکیس ماہ بعد میں نے جو رقم حاصل کی ہے اس میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ کار ہوگا؟ رقم ملتے ہی زکوٰۃ دینی ہوگی یا سال کے بعد؟

الجواب :- اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں تو اپنے نصاب کے ساتھ اس کمیٹی والی

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمارؒ: الدین علی اقسام قوی ووسط وضعیف فالقوی وھو بدل القرض ومال التجارۃ اذا قبضہ وکان علی مقر ولو مفلسا او علی جاحد علیہ بینۃ زکّاہ لما مضی ویتراخی وجوب الاداء الی ان یقبض اربعین درھما ففیہا درھم لان ما دون الخمس من النصاب عفو لا زکوٰۃ فیہ صح وکذا فیما زاد بحسابہ۔

(مراقی الفلاح ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔

رقم کی زکوٰۃ بدستور دیا کریں، اور اگر آپ پہلے سے صاحبِ نصاب نہیں تو جب کمیٹی میں آپ کی رقم نصاب کے برابر جمع ہو جائے تو اُسی وقت سے آپ صاحبِ نصاب شمار ہوں گے اور اس کے حساب سے حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دیں گے خواہ اقساط پر سال گذرا ہو یا نہ ؟

لما قال التمرتاشی والعلامۃ الحصکفیؒ: وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضھا ملک نصاب حولی نسبۃ للحول لحولانہ علیہ ...... والمستفاد ولو بھبۃٍ او ارثٍ وسط الحول یضم الیٰ نصاب من جنسہ فیزکیہ بحول الاصل۔ قال ابن عابدینؒ (تحت قولہ ولو بھبۃ او ارث) ادخل فیہ المفاد بشراء او میراث او ھبۃ وما کان حاصلًا من الاصل کالاولاد والربح (رد المحتار ج۲ ص۲۸۸ کتاب الزکوٰۃ مطلب مہمّ امام فی اللغۃ واجب الخ)[1]

قرض منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی یا قرض کی موجودگی میں؟

سوال: ۔ایک شخص کے پاس بیس ہزار روپے نقد ہوں لیکن اُس کے ذمہ واجب الادا قرض بھی ہو اگرچہ قرض فی الحال ادا کرنا ضروری نہ ہو لیکن قرض خواہ کی طرف سے کسی وقت بھی اس کا مطالبہ ہوسکتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں موجود تمام رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا پہلے قرض منہا کیا جائے گا؟

الجواب: ۔جو قرض واجب الادا ہو اور مدیون مطالبہ ہو رہا ہو یا دائن کے پاس گواہان موجود ہوں تو کل مال سے قرضہ منہا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اگرچہ کسی وقت بھی ادا ہو، لیکن اگر قرض پورے مال کو محیط ہو تو پھر اس کے ذمہ کوئی زکوٰۃ نہیں۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: ومن کان علیہ دَینٌ یحیط بمالہ فلا زکوٰۃ علیہ

---

[1] قال فی الھندیۃ: ومن کان لہٗ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالًا من جنسہ ضمہ الیٰ مالہ وزکاۃ سواء کان المستفاد من نمائہ اولا وبای وجہ استفاد ضمہ سواء کان بمیراث او ھبۃ او غیر ذٰلک ولو کان من غیر جنسہ من کل وجہ کالغنم مع الابل فانہ لایضم۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۵ الباب الاول)

وفیہ ایضًا: تجب فی کل مائتی درھم خمسۃ دراھم وفی کل عشرین مثقال ذھب نصف مثقال الخ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ، الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ)

وَمِثْلُہٗ فی: بدائع الصنائع ج۲ ص۵۱ فصل حولان الحول فلیس من شرائط الاداء۔

وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصاباً۔ (الہدایۃ ج ۱ ص۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ) [1]

بیٹی کے حق مہر کی رقم والد نے لی ہو تو زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا حق مہر تقریباً دس ہزار روپے لے کر اپنے پاس رکھا، تو سال گذر جانے کے بعد زکوٰۃ کس پر لازم ہوگی؟ باپ یا بیٹی پر؟

الجواب:۔ اگر بیٹی نے شرم وحیاء کی وجہ سے یہ رقم اپنے والد کو دے دی ہو تو اس ہبہ کا اعتبار نہیں کیونکہ ہبہ میں رضاءِ واہب ضروری ہے، پس اس صورت میں زکوٰۃ لڑکی پر واجب ہوگی، اور باپ کے لیے اس رقم کا استعمال جائز نہیں، البتہ اگر بیٹی نے یہ رقم خوشی سے باپ کو دی ہو تو پھر باپ کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور اس رقم کی زکوٰۃ والد پر واجب ہوگی۔

لما فی الہندیۃ: ومن کان لہٗ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالاً من جنسہ ضمہ الیٰ مالہ وزکاہ سواء کان المستفاد من نمائہ اولا۔ وبای وجہٍ استفاد ضمہ سواء کان بمیراثٍ اوھبۃٍ اوغیر ذٰلک ولو کان من غیر جنسہ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرھا) [2]

وجوبِ زکوٰۃ کے لیے قرض کا منہا کرنا

سوال:۔ ایک شخص کے پاس بارہ ہزار روپے کے زیورات ہیں اور دس ہزار روپے کا وہ مقروض بھی ہے تو کیا اس صورت میں وہ بارہ ہزار سے زکوٰۃ دے گا یا قرض منہا کرکے دو ہزار سے دے گا؟

الجواب:۔ اگر اس آدمی کے پاس زیورات کے علاوہ کوئی دوسری رقم نہ ہو جس سے وہ قرضہ ادا کرسکے تو اس صورت میں وہ صرف دو ہزار روپے ہیں زکوٰۃ ادا کرے گا بشرطیکہ یہ رقم نصاب تک پہنچتی ہو، اور اگر قرضہ کی ادائیگی کے لیے اور بھی کچھ ہو تو اس صورت میں بارہ ہزار پر

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فارغ عن دینٍ لہٗ مطالب من جہۃ العباد) وھذا اذا کان الدَّین فی ذمتہ قبل وجوب الزکوٰۃ فلو لحقہ بعدہ لم تسقط الزکوٰۃ لانہا تثبت فی ذمتہ فلا یسقطہا مالحق من الدَّین بعد ثبوتہا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۶۰ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۱۷۲/۱۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول۔

[2] قال ابن نجیمؒ: والمراد فی المستفاد تشمل المستفاد بمیراثٍ اَوْ ھِبَۃٍ اوشراءٍ اووَصِیَّۃٍ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۲ فصل فی الغنم)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج ۲ ص۱۱۲ کتاب الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: سَبَبُہٗ ای سبب افتراضہا ملک نصاب۔۔۔۔۔۔۔ تام۔۔۔۔۔۔ فارغ الدّین لہٗ مطالب من جھۃ العباد سواءٌ کان للہ کزکوٰۃ وخراج۔۔۔ وسبب لزوم ادائہا توجہ الخطاب رقولہ تعالیٰ: وَاٰتُوا الزکوٰۃَ) وشرطہ ای شرط افتراض ادائہا حولان الحول وھو فی ملکہ وثمنیۃ المال کالدراھم والدنانیر لتعینھما للتجارۃ باصل الخلقۃ فتلزم الزکوٰۃ کیف امسکھما ولو للنفقۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۰/۲۶۷ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

امانت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے دوسرے شخص کے پاس کچھ رقم بطورِ امانت رکھی ہے، تو اس کی زکوٰۃ اصل مالک پر ہوگی یا جس کے پاس رقم بطورِ امانت رکھی ہے؟

الجواب:۔ کسی کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھنے سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، اس لیے جب تک ملکیت مبرہن اور مسلّم ہو تو اصل مالک پر بعد از حولانِ حول زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ فلو لہ بینۃ تجب) والظاھر علی القول بالوجوب ان حکمہ حکم الدّین القوی۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۶ کتاب الزکوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال فی الھندیۃ: منہا الفراغ عن الدّین قال اصحابنا کل دَین لہٗ مطالب من جھۃ العباد یمنع وجوب الزکوٰۃ۔۔۔۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ الباب الاوّل)

وفیہ ایضاً: تجب فی کل مائتی درھم خمسۃ دراھم و فی کل عشرین مثقال ذھب نصف مثقالٍ مضروبًا کان اولم یکن مصوغًا کان او غیر مصوغ حلیًا کان للرجال او للنساء تبرًا کان او سبیکۃ کذا فی الخلاصۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۱۶/۱۷ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی صفۃ ھذا النصاب۔

[۲] قال الامام ابن الھمامؒ: (تحت قولہ ولو کان الدّین علی مقر) ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھمًا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرہ۔

حلال وحرام سے مخلوط مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بینک کے سودی کھاتہ جات میں نقد رقم جمع کی ہو اور کئی سال کے بعد سود کے اضافے کی وجہ سے وہ رقم کئی گنا زیادہ ہوگئی، تو ایسی صورت میں اگر وہ شخص زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کیا اصل رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گا یا مع سود کل رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب:۔ اگر حلال اور حرام کی مقدار معلوم ہو تو حلال آمدنی سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اور حرام مال کے بارے میں اصل حکم یہ ہے کہ اگر وہ کسی اور شخص کا مال ہو تو اس کو واپس کیا جائے اور جہاں کہیں مالک معلوم نہ ہوسکے تو بلانیتِ ثواب خیرات کردیا جائے تاکہ حرام مال سے ذمہ فارغ ہوجائے اور اگر مالک کا ذہن نہیں بنا ہو اور وہ دونوں (حرام اور حلال مال) سے مجموعی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی اس کے حق میں باعثِ تخفیف ہے جس کی رُو سے حلال مال سے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور حرام مال میں زکوٰۃ کے نام سے ادا شدہ رقم سے اس کی ذمہ داری فارغ ہوگی، ایسی حالت میں اگر حلال اور حرام میں تمیز نہ ہوسکے اور دونوں قسم کا مال اکٹھا ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے؟

لما قال ابن نجیمؒ: ولذا قالوا لو ان سلطانًا غصب مالاً وخلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكوٰة وورث عنه على قول ابو حنيفةؒ لان خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك اما على قولهما فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۵ كتاب الزكوٰة) [1]

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ آجکل بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری محکموں میں ملازمین کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ لی جاتی ہے اور کچھ رقم محکمہ اپنی طرف سے ملا کر اس رقم کو ملازم کے نام پر جمع کرتا ہے، اور یہ رقم ملازم کو ملازمت کے ختم کرنے سے قبل نہیں دی جاتی بلکہ ملازمت ختم ہونے (یعنی ریٹائر ہونے) پر دی جاتی ہے اور عرف

---

[1] قال ابن عابدينؒ: لو اخرج زكوٰة المال الحلال من مال حرام ذكر في الوهبانية انه يجزى عند البعض ونقل القولين في القنية۔ وقال في البزازية لو نوى في المال الخبيث الذى وجبت صدقته ان يقع عن الزكوٰة وقع عنها اى نوى في الذى وجب التصدق به لجهل اربابه۔

(رد المحتار ج ۲ ص۲۹۱ مطلب في التصدق من المال الحرام الثانى فى العرف نوع آخر)

وَمِثْلُهُ في البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص۸۶ كتاب الزكوٰة۔

میں اس رقم کو پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں، کیا ایسی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ جو ملازم کی تنخواہ سے جبراً کچھ رقم کاٹتا ہے، اور باوجود ملازم کی ملک ہونے کے اس مال پر ملازم کو تصرف وقبضہ حاصل نہیں ہوتا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اس پر زکوٰۃ نہیں۔ علامہ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے: روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عمر ابن میمون قال قال اخذ الولید بن عبد الملک مال رجل من اھل الرقۃ یقال لہ ابوعائشۃ عشرین الفا فالقاھا فی بیت المال فلما ولی عمر بن عبد العزیز اتاہ ولدہ فرفعوا مظلمتھم الیہ فکتب الی میمون ان ادفعوا الیھم اموالھم وخذوا زکوٰۃ عامھم ھذا۔ الخ۔ کیونکہ یہ دَینِ ضعیف میں شامل ہے جو وصولی کے بعد حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وعند قبض مائتین مع حولانِ حول بعدہ ای بعد القبض من دَین ضعیف وھو بدل غیر مال کمھر ودیۃ وبدل کتابۃ وخلع۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۶ باب زکوٰۃ المال)[1]

شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اس جدید دور میں شیئرز کا کاروبار عروج پر ہے جس میں مشترکہ سرمایہ نصاب زکوٰۃ سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے لیکن ان کو تقسیم کیا جائے تو بعض حصہ داروں کا حصہ نصاب تک پہنچتا ہے اور بعض کا نہیں، تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے معاملہ میں جیساکہ مال کا نصاب تک پہنچنا ضروری ہے بالکل اسی طرح مزکّی کا بھی صاحب نصاب ہونا ضروری امر ہے۔ یہاں اگرچہ مشترکہ مال نصابِ زکوٰۃ سے زیادہ ہے لیکن تقسیم کے بعد بعض حصّہ داروں کا حصہ نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتا ہے اور بعض کا نہیں، اس لیے شیئرز کے کاروبار میں مشترکہ مال پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ہر حصہ دار کے حصّہ پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ حصہ دار صاحبِ نصاب بن سکتا ہو۔

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وفی الضعیف لا تجب مالم یقبض نصاباً ویحول الحول بعد القبض علیہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ولا تجب الزکوٰۃ عندنا فی نصاب مشترک من سائمۃ ومال تجارۃ وان صحت الخلطۃ فیہ ..... وان تعدد النصاب تجب اجماعًا ویتراجعان بالحصص وبیانہ فی الحاوی فان بلغ نصیب احدھما نصابًا زکوٰۃ دون الآخر ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۴ باب زکوٰۃ السائمۃ) ؎۱

لمیٹڈ کمپنیوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ چند اشخاص مشترکہ کاروبار کرتے ہیں اور جس کی مالیت نصاب زکوٰۃ سے بھی زیادہ ہے، لیکن اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصہ کی مالیت نصاب زکوٰۃ سے کم ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے لیے جس طرح مال کا نصاب تک پہنچنا ضروری ہے اسی طرح مزکی (یعنی زکوٰۃ دینے والے) کا صاحب نصاب ہونا بھی ضروری ہے ۔صورت مسئولہ میں اگرچہ مشترکہ مالیت نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہے لیکن اگر تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کا حصہ نصاب تک نہ پہنچتا ہو تو اس مال مشترکہ پر زکوٰۃ نہیں، تاہم اگر مالیت اس قدر ہو کہ اگر اس کو تقسیم کیا جائے اور ہر ایک کا حصہ یا جس کسی کا حصہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے ۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: فاما اذا کانت مشترکۃ بین اثنین فقد اختلف فیہ قال اصحابنا انہ یعتبر فی حال المشترکۃ مایعتبر حال الانفراد وھو کمال النصاب فی حق کل واحدٍ منھما فان کان نصیب کل واحد منھما یبلغ نصابًا تجب الزکوٰۃ والا فلا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۰۰.....) ؎۲

؎۱ لما قال العلامۃ الکاسانیؒ: فاما اذا کانت مشترکۃ بین اثنین فقد اختلف فیہ قال اصحابنا انہ یعتبر فی حال المشترکۃ مایعتبر حال الانفراد وھو کمال النصاب فی حق کل واحد منھما فان کان نصیب کل واحد منھما یبلغ نصابًا تجب الزکوٰۃ والا فلا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۰۰ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۲۹۷ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا تجب الزکوٰۃ عندنا فی نصاب مشترک من سائمۃ ومال تجارۃ وان صحت..... وان تعدد النصاب تجب اجماعًا..... فان بلغ نصیب احدھما نصابًا زکوٰۃ دون الآخر۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۴ باب زکوٰۃ المال)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوی تاتارخانیۃ ج ۲ ص۲۹۷ کتاب الزکوٰۃ ۔

فکسڈ ڈپازٹ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جدید بینکاری نظام میں ایک کھاتا فکسڈ ڈپازٹ ہے جس میں رقم ایک مقررہ مدت مثلاً تین سال یا پانچ سال کے لیے جمع کی جاتی ہے اور اس مدت کے ختم ہونے سے قبل کھاتہ دار اپنی رقم بینک سے واپس نہیں لے سکتا، تو کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اگرچہ ملکِ تام کا ہونا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے اختیار سے اپنا مال دوسرے کے حوالہ کرے اور دوسرا شخص اس کا مقر ہو لیکن سرِدست دینے والا مال پر قبضہ نہ کرسکتا ہو تو یہ دَین میں داخل ہے اس لیے اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی مگر ادائیگی اس وقت ضروری ہے جب وہ مال قبضہ میں آجائے لہٰذا بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں زکوٰۃ فرض ہے مگر ادائیگی بوقتِ وصول لازمی ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: لو کان الدین علی مقر ملیٍ او علی معسر او مفلس ای محکوم بافلاسه او علی جاحد علیه بینة وعن محمدؒ لا زکوٰۃ وھو الصحیح ذکرہ ابن ملك وغیرہ لان البینة قد لا تقبل او علم به قاض سیجئ ان المفتی به عدم القضاء بعلم القاضی فوصل الی ملکه لزم زکوٰۃ ما مضی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۷ کتاب الزکوٰۃ)[۱]

انعامی بانڈز پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے پاس ۵۰ ہزار روپے کے انعامی بانڈز ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر واجب ہے تو کب ادا کی جائے گی؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے دَین کی تین[۳] اقسام لکھی ہیں جس میں دَین وسط کی تعریف بانڈز پر صادق آتی ہے اس لیے کہ بانڈز خود مال نہیں بلکہ یہ اُس مال کی رسید ہے جو آپ کا حکومت یا کسی پرائیویٹ ادارے کے پاس قرض کی شکل میں موجود ہے اسلئے بانڈز کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن جب یہ بانڈز مالیت کی شکل اختیار کرکے آپ کے ہاتھ آجائے تو گذشتہ اور موجودہ سال سب کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو کان الدّین علی مقر ملیٍ او علی معسر او مفلس ای

---

[۱] قال الامام المرغینانیؒ: ولو کان الدّین علی مقر ملیٍ او معسر تجب الزکوٰۃ لامکان الوصول الیه ابتداءً الخ ــــ قال ابن الھمامؒ: تحته ففی الفتوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھماً ففیھا درھم۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۲۳ کتاب الزکوٰۃ)

محکوم یا فلاسہ او علی جاحد علیہ بینۃ .... فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضی ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۷ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

پرائز بانڈز زکوٰۃ میں دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کے پاس پرائز بانڈز ہوں اور وہ اُن کو زکوٰۃ میں دینا چاہے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ بانڈز خود مال نہیں بلکہ یہ اُس مال کی رسید ہے جو حکومت (بینک والوں) کے پاس آپ کی مالیت کی صورت میں موجود ہے جبکہ زکوٰۃ میں تملیک المال ضروری ہے اور زکوٰۃ کے ایک اہم شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اس لیے زکوٰۃ میں پرائز بانڈز دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم ناویًا الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم ...... جزء مال خرج النفعۃ فلو اسکن فقیرا دارہ سنۃ ناویًا لایجزیہ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۶ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

بینک اور انشورنس سے حاصل شدہ منافع پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بینک کے مختلف کھاتہ جات یا انشورنس سے جو منافع حاصل ہوتا ہے کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بینک یا دیگر سودی اداروں کی طرف سے جو منافع ملتا ہے وہ ربٰو (سود) ہے جو ازروئے شرع حرام ہونے کی بناء پر واجب التصدق ہے اس لیے اس حاصل شدہ منافع پر کوئی زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر یہ سود اصل مال کے ساتھ خلط ہوا ہو اور غالب حصہ حلال مال کا ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی، فقہی ذخائر میں اس کی نظیر یہ ہے کہ :۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : ولو خلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ

؎۱ لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ : لو کان الدّین علی مقر ملئ او معسر تجب الزکوٰۃ لامکان الوصول الیہ ۔ قال ابن الھمام تحت قولہ ..... ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھما ففیھا درھم ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۲۳ کتاب الزکوٰۃ)

؎۲ لما قال الامام ابو البرکات النسفیؒ : ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ ۔ (کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

فتجب الزکوٰۃ فیه ویورث عنه لأن الخلط استهلاك اذا لم یمکن تمییزہ عند ابی حنیفة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۹ باب زکوٰۃ الغنم)

پیشگی کرایہ کی رقم میں زکوٰۃ مالک پر ہے نہ کہ کرایہ دار پر

سوال:۔ آجکل بازاروں میں ایک عجیب رواج چلا ہے کہ بڑی بڑی مارکیٹوں کے مالک دوکاندار (کرایہ دار) سے پیشگی کرایہ لیتے ہیں، اس خطیر رقم سے مالکِ دوکان ہر ماہ اپنا کرایہ منہا کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی یعنی کون زکوٰۃ ادا کرے گا؟ مالکِ دوکان یا کرایہ دار؟

الجواب:۔ فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگی کرایہ لینے سے مالکِ دوکان اُس کرایہ کا مالک بن جاتا ہے، دوکاندار اُس سے مطالبہ نہیں کرسکتا، اس لیے اس مالیت کی زکوٰۃ بھی مالکِ دوکان ہی پر واجب ہے اور وہی ادا کرے گا، دوکاندار (کرایہ دار) پر واجب نہیں۔

لما قال الشیخ ابن الھمام: واما زکوٰۃ الاجرۃ المعجلة عن سنین فی الاجارۃ الطویلة التی یفعلها بعض الناس عقوداً ویشترطون الخیار الثلاثة ایام فی رأس کل شهر فتجب علی الآجر لانه ملکها بالقبض۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۱۲۱ کتاب الزکوٰۃ)[1]

زرِضمانت کی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ آجکل انگریزی قانون کے مطابق کوئی بھی عدالت جب کسی مجرم کو آزاد کرتی ہے تو اس سے زرِضمانت (کچھ نقد رقم) وصول کرتی ہے جو کہ حکومت کے خزانہ میں جمع ہوتی ہے، تو اس رقم کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کیلئے اہم شرط ملکیتِ تامہ ہے یعنی مالک مال کے رقبہ کا بھی مالک ہو اور اُس پر ہر وقت تصرف کرسکتا ہو یعنی اُس کے قبضہ میں ہو۔ یہاں زرِضمانت کی رقم اگرچہ اصلاً ضمانت جمع کرانے والے کی ملکیت ہے لیکن بطورِ ضمانت جمع کرنے کے بعد اُس

---

[1] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ذکر الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل فی الاجارۃ الطویلة التی تعارفها اهل البخاری ان الزکوٰۃ فی الاجرۃ المعجلة تجب علی الآجر لانه ملکه قبل الفسخ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ)

کے تصرّف اور قبضہ سے خارج ہو کر حکومت کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس میں ملکیتِ تامہ باقی نہ رہی اسلئے مالِ مرہونہ کی طرح اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : ولا فی مرھون بعد قبضه۔ قال ابن عابدینؒ : ای لا علی المرتھن لعدم ملك الرقبة ولا علی الراھن لعدم الید واذا استردہ الراھن لا یزکی عن السنین الماضية۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

رہن (گروی) پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن (گروی) رکھے، تو اس رہن کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ میں مالیت کا مِلکِ تام ہونا ضروری ہے کہ وہ شخص اس مال کا کلی مالک ہو، چونکہ رہن میں راہن کا مِلکِ تام نہیں ہے اس لیے کہ رہن اس کے ہاتھوں سے باہر ہے اور نہ مرتہن کو مِلکِ تام حاصل ہے اس لیے کہ اس کو مِلکِ رقبہ حاصل نہیں اسلئے رہن (گروی) کی مالیت کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں نہ راہن پر اور نہ مرتہن پر، تاہم جب رہن کسی ایک کا ہو جائے تو پھر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : ولا فی مرھون بعد قبضه۔ قال ابن عابدینؒ : تحت قوله ای لا علی المرتھن لعدم ملك الرقبة ولا علی الراھن لعدم الید واذا استردہ الراھن لا یزکی عن السنین الماضية۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : واطلق المِلك فانصرف الی الکامل وھو المملوك رقبة و یدا .... ومن موانع الوجوب الرھن اذا کان فی ید المرتھن لعدم ملك الید۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ)

؎۲ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : واطلق المِلك فانصرف الی الکامل وھو المملوك رقبة و یدا .... ومن موانع الوجوب الرھن اذا کان فی ید المرتھن لعدم ملك الید۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ)

کمیٹی کی رقم سے زکوٰۃ

سوال:۔ آجکل کاروباری اور عام لوگوں میں یہ رواج ہے کہ چند آدمی جمع ہو کر آپس میں ماہانہ کے حساب سے کچھ پیسے مقرر کرتے ہیں اور وقت مقررہ کے بعد بذریعہ قرعہ اندازی وہ جملہ رقم ایک شخص کو دے دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر جمع کرتے ہیں پھر اسی طرح بذریعہ قرعہ اندازی دوسرے شخص کو رقم دی جاتی ہے، حتیٰ کہ سب ممبروں کو اتنی ہی رقم مل جاتی ہے، تو جس کو یہ رقم اوّلاً مل گئی ہو اور اس پر سال گذر جائے تو کیا اس شخص کو جملہ رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی یا دوسروں کا قرض الگ کر کے باقی رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی، مثلاً بیس ہزار روپے کی کمیٹی ہے اور جملہ ممبران کی تعداد دس ہے اور اس بیس ہزار میں سے دو ہزار اس شخص کے اپنے ہیں اور باقی دوسرے ممبروں کے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اوّلاً مال سے قرض منہا کیا جائے گا اور قرض منہا کرنے کے بعد جو بھی مال باقی بچے اُسی کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی باقی ماندہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اوّلاً جس شخص کو بیس ہزار کی رقم ملی ہے اس میں سے صرف دو ہزار کی زکوٰۃ دینی ہوگی باقی اٹھارہ ہزار کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں۔

لما فی الهندیة:۔ قال اصحابنا رحمهم الله تعالیٰ کل دین له مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکوٰة من جهة العبا د یمنع وجوب الزکوٰة سواء کان الدّین للعباد کالقرض وثمن البیع وضمان المتلفات وارش الجرحة، الخ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۱۷۳ کتاب الزکوٰة الباب الاول فی تفسیرها، الخ) [1]

افیون کے کاروبار پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص افیون کا کاروبار کرتا ہے تو کیا اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ افیون سے چونکہ مہلک ترین نشہ آور چیز ہیروئن تیار کی جاتی ہے اسوجہ سے متاخرین اہل علم نے افیون کی کاشت اور اسکے کاروبار سے منع کیا ہے لیکن دوسری طرف اس کا استعمال ادویات میں بھی ہوتا ہے۔ اور بذاتِ خود یہ مالِ متقوم بھی ہے اس لئے فی الجملہ اس کی خرید و فروخت کی جائے تو جائز ہے اور

---

[1] لما قال العلامه برهان الدین المرغینانی ؒ:۔ ومن کان علیه دین یحیط بماله فلا زکوٰة علیه۔ وقال الشافعی تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا انه مشغول بحاجته الاصلیة فاعتبر معدوماً۔۔۔ وان کان ماله اکثر من دینه زکی الفاضل اذا بلغ نصاباً لفراغه عن الحاجة الاصلیة۔
(الهدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۱۸ کتاب الزکوٰة)

اس سے حاصل شدہ مال پر زکوٰۃ واجب ہے

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وصح بیع غیر الخمر مما مر ومفاده صحة بیع الحشیشة والافیون۔
قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله (وصح بیع الخمر) ای عنده خلافاً لهما فی البیع والضمان لکن الفتوٰی علیٰ قوله فی البیع وعلیٰ قولهما فی الضمان۔ (رد المحتار ج ۶ ص۴۶۵ کتاب الاشربہ) لہ

طویل المیعاد قرضوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ بنکوں سے طویل مدت کیلئے قرضے لیتے ہیں، کیا ایسے قرضے وجوب زکوٰۃ سے اسی طرح مانع ہیں جس طرح کہ دوسرے قرضے مانع ہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو رائے ہیں لیکن قاعدہ اور ظاہر کے لحاظ سے جس کو متاخرین فقہاء نے راجح بھی قرار دیا ہے وہ یہ کہ ایسے قرضہ جات مانع زکوٰۃ نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله او مؤجلا) عزاه فی المعراج الیٰ شرح الطحاوی وقال عند ابی حنیفةؒ لایمنع وقال الصدر الشهید لاروایة فیه ولکل من المنع وعدمه وجه زاد القهستانی عن الجواهر والصحیح غیر مانع
(رد المحتار ج۲ ص۲۶۱ کتاب الزکوٰۃ) ٢ہ

میت کے ترکہ سے زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی آدمی (جس پر کہ زکوٰۃ فرض تھی) بغیر ادائیگی زکوٰۃ کے مرجائے تو کیا بعد الموت اس کے ترکہ

لہ لما قال الشیخ المفتی کفایت اللہ الدهلویؒ :۔ افیون، چرس، بھنگ، کوکین، یہ تمام چیزیں پاک ہیں اور ان کا ادویات میں خارجی استعمال جائز ہے (البتہ) نشہ کی غرض سے ان کو استعمال کرنا ناجائز (اور حرام) ہے، مگر ان سب کی تجارت بوجہ فی الجملہ مباح الاستعمال ہونے کے مباح ہے۔
(کفایت المفتی جلد ۹ ص۱۱۵ چھٹا باب ماکولات ومشروبات)

٢ہ لما قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ :۔ مہر مؤجل جیسا کہ اب عموماً ہوتا ہے صحیح مذہب کے موافق مانع زکوٰۃ سے نہیں ہے، یعنی یہ دین مہر مؤجل روپیہ موجودہ سے وضع نہ کیا جاوے بلکہ تمام روپیہ سے زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ (فتاوٰی دار العلوم دیوبند جلد ۶ ص۴۶ پہلا باب، شرائط وصفت زکوٰۃ)

سے زکوٰۃ لی جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے جب نیت کرے تب زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ چونکہ مرنے کے بعد انسان نیت کرنے کے قابل نہیں ہوتا اس لیے اُس کے ترکہ سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، تاہم اگر مرتے وقت کسی کو وصیت کر جائے کہ میرے مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر زکوٰۃ ادا کرنا درست ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ : لو مات من علیہ الزکوٰۃ لا تؤخذ من ترکتہ لفقد شرط صحتہا وھو النیۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ) لہ

حکومت کا زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا

سوال :۔ اگر کوئی شخص خود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو کیا حکومت اس بات کی مجاز ہے کہ وہ زبردستی اس اس سے زکوٰۃ وصول کرے ؟

الجواب :۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے سے انکاری ہے یا اقرار کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو حاکمِ وقت کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس شخص سے زبردستی زکوٰۃ وصول کر کر کے فقراء میں تقسیم کرے۔

لما قال الامام ابو جعفر الطحاویؒ : لو امتنع عن زکوٰۃ مالہ فاخذھا الامام کرھا فوضعھا فی اھلھا اجزأت عنہ۔ (مختصر الطحاوی ص ۴۵ باب صدقۃ الغنم) ٢ہ

لہ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ۔ ولو مات فادّاھا وارثہ جاز۔ قال ابن عابدینؒ فی الجوھرۃ: اذا مات من علیہ زکوٰۃ او فطرۃ او کفارۃ او نذر لم تؤخذ من ترکتہ عندنا ...... وان اوصی تنفذ من الثلث۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۹ باب صدقۃ الفطر)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۳۳۳ باب صدقۃ الفطر۔

٢ہ لما قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ۔ تحت قولہ وشرط ادائہا نیۃ مقارنۃ ..... ومن امتنع عن اداء زکوٰۃ مالہ واخذھا الامام کرھاً منہ فوضعھا فی اھلھا اجزاءہ لان للامام لہ ولایۃ اخذ الصدقات فقام اخذہ مقام دفع المالک۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ۔

نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ صبی (نابالغ بچے) اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مکلف ہو یعنی عاقل و بالغ ہو، اس لیے فقہ حنفی کی تحقیق کے مطابق نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ مجنون میں شرط یہ ہے کہ وہ سال بھر مجنون رہتا ہو اور اس دوران اگر وہ کسی وقت بھی صحیح اور بالکل تندرست ہو جائے تو مالکِ نصاب ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنیؒ:۔ فلیس الزکوٰۃ علی صبی ومجنون اذا وجد منه الجنون فی السنة کلها۔ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۵۰ کتاب الزکوٰۃ)[1]

زمرد، جواہرات اور دیگر قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس ہیرے، زمرد اور دیگر قیمتی پتھر موجود ہوں مگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو کیا اس شخص پر ان جواہرات کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ تمام وہ قیمتی پتھر جو تجارت کی غرض سے اپنے پاس نہ رکھے ہوں ویسے شغلاً رکھے ہوں تو ان پتھروں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواهر الا ان تکون للتجارة۔[2]
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ قبیل باب السائمة)

---

[1] لما قال العلامة اکمل الدین البابرتیؒ:۔ ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ خلافاً للشافعی.... ولو افاق (المجنون) فی بعض السنة فهو بمنزلة افاقته فی بعض الشهر فی الصوم یعنی اذا کان مفیقاً جزء من السنة اولها وآخرها قل او کثر بعد ملك النصاب فلزمه الزکوٰۃ کما لو افاق فی جزء من شهر رمضان۔ (العنایة علی هامش فتح القدیر ج ۲ ص۱۱۵تا۱۱۷ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] وفی الهندیة: واما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰۃ فیها وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارة
(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۱۸۰ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة والعروض)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۵۱ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ الذهب۔

زیرِ مطالعہ کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بندہ ایک ہائی سکول میں اسلامیات کا اُستاد ہے، میرے پاس ایک لاکھ روپے سے زیادہ رقم کی کتابیں ہیں جو صرف مطالعہ کے لیے ہیں تجارت کے لیے نہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کتابوں کے مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً زکوٰۃ اُس مال پر واجب ہوتی ہے جو حوائجِ اصلیہ سے زائد ہو اور بہ نیت تجارت رکھا ہو، مسئولہ صورت میں چونکہ کتب خانہ برائے مطالعہ ہے تجارت کے لیے نہیں اس لیے یہ حوائجِ اصلیہ میں داخل ہو کر اس کی مالیت پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

قال فی الھندیۃ: منھا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ...... وکذا کتب العلم ان کان من اھلہ وآلات المحترفین۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرہ) [1]

زکوٰۃ کی نیت کے بغیر فقراء اور مساکین میں رقم کی تقسیم زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص بغیر نیتِ زکوٰۃ کے کافی رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کرے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ یہ شخص یہ عمل کئی سالوں سے کر رہا ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا مالِ زکوٰۃ کو الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت لازمی ہے، لہٰذا اگر بغیر نیتِ زکوٰۃ کے کوئی شخص خطیر رقم بھی فقراء کو دے دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ یہ شخص گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دوبارہ ادا کرے گا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وشرط صحۃ ادائھا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء ولو کانت المقارنۃ حکماً...... ولایخرج عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۱۲ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ طاھر بن عبدالرشید البخاریؒ:۔ رجلٌ لہٗ کتب العلم مایساوی مایتی درھم ان کانت مما یحتاج الیھا فی الحفظ والدراسۃ والتصحیح لایکون نصاباً وحل لہٗ اخذ الصدقۃ فقھا کان او حدیثاً او ادباً۔ الخ

(خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۴۰ الفصل السابع فی الکتب والعروض)

[2] لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولایجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ للاداء او مقارنۃ لعزل مقدار الواجب لان الزکوٰۃ عبادۃ فکان من شرطھا النیۃ۔ (الھدایہ ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہٗ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۴۱ کتاب الزکوٰۃ۔

حکومت کا اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ کاٹنا

سوال:۔ بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم پر زکوٰۃ کی کٹوتی میں حکومتی پالیسی یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقوم سے تو زکوٰۃ کاٹتی ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ سے نہیں کاٹتی، اور پھر اس رقم کو غریب عوام پر تقسیم کرتی ہے، جبکہ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ حکومتی زکوٰۃ سود ہے اور اس کو لینا جائز نہیں، تو کیا واقعی مذکورہ بالا طریقہ سے کاٹی گئی زکوٰۃ سود کے زمرے میں شمار ہوتی ہے؟

الجواب:۔ حکومتِ وقت شرعاً اس بات کی مجاز ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کرے چاہے وہ سیونگ اکاؤنٹ میں ہو یا کرنٹ اکاؤنٹ میں ہو، جب حکومت کو شرعاً یہ استحقاق حاصل ہے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعی زکوٰۃ ہے جس کا غریب عوام کے لیے لینا جائز ہے، البتہ حکومت کی یہ پالیسی غلط ہے کہ وہ سیونگ اکاؤنٹ سے تو زکوٰۃ لیتی ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ سے نہیں لیتی۔

وذکر الامام محمد بن حسن الشیبانیؒ:۔ کان ابوبکر اذا اعطی الناس اعطیاتهم یسأل الرجل هل عندك من مال قد وجبت فیه الزکوٰة فان قال نعم اخذ من عطائه زکوٰة ذلك المال وان قال لا سلّم الیه عطاءه قال محمدؒ وبهذا نأخذ وهو قول ابی حنیفةؒ

(مؤطا امام محمدؒ ص۱۷۱ باب الرجل یکون له الدین هل علیه فیه زکوٰة)[1]

سفراء مدارس کے لیے زکوٰۃ وصدقات کی رقوم سے حصہ لینا جائز نہیں

سوال:۔ بعض سفراء دینی مدارس کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں اور اس چندہ پر ایک مقررہ حصہ بطور کمیشن لیتے ہیں اور اس کے ساتھ دورانِ سفر اسی چندہ سے کھاتے پیتے بھی ہیں، کیا سفراء کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سفیر چندہ دہندہ کا وکیل ہوتا ہے، تملیک سے قبل اس کے لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کی رقوم سے کھانا پینا اور اپنا مقررہ حصہ وصول کرنا جائز نہیں، اور نہ ان کو عاملینِ زکوٰۃ پر قیاس کرنا درست ہے۔

---

[1] عن عائشة بنت قدامة عن ابیها انه قال کنت اذا جئتُ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) اقبض عطائی سألنی هل عندك من مال وجبت فیه الزکوٰة قال فان قلتُ نعم اخذ من عطائی زکوٰة ذلك المال وان قلتُ لا دفع الی عطائی۔

(مؤطا امام مالك ص۲۷۲ الزکوٰة فی العین من الذهب والورق)

لما قال العلامة اکمل الدین البابرتی رحمه الله :- العامل هو الذی یبعثه الامام لجبایة الصدقات۔ (العنایة علیٰ هامش فتح القدیر ج۲ ص۲۰۳ باب من یجوز دفع الزکوٰة ۔الخ) ۔[1]

سال گذر جانے کے بعد قرض مانع زکوٰۃ نہیں

سوال :- ایک شخص نے مکان بنانے کے لیے زمین خریدی جس کی بیع مکمل ہو چکی ہے لیکن مشتری نے ابھی تک بائع کو رقم ادا نہیں کی کہ مذکورہ رقم پر سال گذر گیا، تو کیا اس شخص پر ان پیسوں کی زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر مذکورہ رقم پر سال گذر جانے کے بعد زمین خریدی گئی ہو تو یہ قرض گذشتہ سال کی زکوٰۃ کے لیے مانع نہیں بلکہ موصوف کو زکوٰۃ دینا پڑے گی اور اگر سال گذر جانے سے قبل زمین خریدی اور اس کی قیمت مشتری کے ذمے قرض ہے تو یہ قرض مانع وجوب زکوٰۃ ہے، تاہم اگر موصوف کے پاس اس قرضہ کے علاوہ اور مال نصاب کو پہنچتا ہو تو اس کی زکوٰۃ لازم ہے۔

قال العلامة الکاسانی رحمه الله: ومنها ان لا یکون علیه دین مطالب به من جهة العباد عندنا فان کان فانه یمنع وجوب الزکوٰة بقدره حالا کان او مؤجلا...... فاما اذا استحق بعد الحول لا یسقط الزکوٰة لانه دین حادث الخ۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۶ کتاب الزکوٰة ۔فصل شرائط الفرضیة) ۔[2]

---

[1] لما قال الشیخ عزیز الرحمٰن رحمه الله : مد زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۱۳۶ (امداد المفتیین) باب مصارف الزکوٰۃ)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد سواء کان لله کزکوٰة۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تحته ۔ فلو کان له نصاب حال علیه حولان ولم یزکه فیهما لا زکوٰة علیه فی الحول الثانی وکذا لو استهلك النصاب بعد الحول ثم استفاد نصابا آخر وحال علیه الحول لا زکوٰة فی المستفاد لاشتغال خمسة منه بدین المستهلك ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۰ کتاب الزکوٰة مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة)

فوجی یونٹوں کے سرکاری فنڈز پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ فوج کی مختلف یونٹوں میں جوانوں کی فلاح و بہبود کے لیے فنڈز مختص ہوتے ہیں جن کو متعلقہ افسر صاحبان یونٹوں کے اندر رفاہی کاموں پر خرچ کرتے ہیں، تو کیا ان فنڈز پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ بظاہر یہ فنڈز کسی بھی یونٹ کی ملکیت نہیں بلکہ صرف استعمال کے لیے دیئے جاتے ہیں، اس لیے فوجی یونٹوں کے ذمہ ان فنڈز کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

لما فی الهندية: ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد واما اذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض او وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكوٰة۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔ الباب الاول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها) [۱]

نصاب سے کم سونے کے ساتھ نقدی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک عورت کے پاس چار تولے سونے کے زیورات اور ایک ہزار روپے نقد ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی چیز اس کی ملک میں نہیں ہے، کیا سال گذرنے کے بعد اس عورت پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کسی کے پاس چار تولے سونا اور ایک ہزار روپے نقد ہوں تو دونوں کو ملا کر ان کی قیمت اگر ۱/۲ ۵۲ تولے چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

لما فی الهندية: ولو ضم احد النصابين الى الآخر حتى يؤدى كله من الذهب او من الفضة لا بأس به لكن يجب ان يكون التقويم بما هو انفع

---

[۱] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفی رحمه الله: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی۔ قال ابن عابدينؒ۔ فقد ذكر فی البدائع من الشروط الملك المطلق قال وهو الملك يدًا ورقبة۔ (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۴ مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ كتاب الزكوٰة۔

للفقراء قدراً او رواجاً والا فليؤدى من كل واحد ربع عشرة، كذا فى محيط السرخسى۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۷۹ الباب الثالث فى زكوة الذهب والفضة والعروض فصل اول) ۱

عید کے موقع پر زکوٰۃ بطور عیدی دینا

سوال:۔ کیا عید کے موقع پر زکوٰۃ عیدی کے طور پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے ایک صاحب سے سنا ہے کہ اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

الجواب:۔ زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، اس لیے اگر عیدی دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ ہو بلکہ صرف عیدی کی نیت ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی تاہم اگر مال دیتے وقت یا اس کو علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفى رحمه الله: دفع الزكوة الى صبيان اقاربه برسم عيد او الى مبشر او مهدى الباكورة جاز۔ وقال ابن عابدين رحمه الله: قوله الى صبيان اقاربه اى العقلاء والا فلا يصح الا بالدفع الى ولى الصغير۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۷۰ باب المصرف، كتاب الزكوة) ۲

شوہر کے مقروض ہونے کی صورت میں بیوی سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی بیوی کے پاس چودہ تولے سونا زیورات کی صورت میں موجود ہے جو اس کی ذاتی ملکیت ہے جبکہ زید اتنا مقروض ہے کہ اس کا قرضہ

---

۱ قال العلامة الحصكفى رحمه الله: وقيمة العرض للتجارة تضم الى الثمنين لان الكل للتجارة وضعاً وجعلاً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۷ باب زكوة المال)
ومثله فى البحر الرائق ج۲ ص۲۳۳ باب زكوة المال۔

۲ قال العلامة ابن البزاز الكردرى رحمه الله: دفع ونوى الزكوة فيما يدفعه الى صبيان اقاربه عيدياً او لمن يهدى اليه الباكورة او يبشره بقدوم صديقه .... يجوز۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۸۶ الباب الثانى فى المصرف)
ومثله فى الهندية ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع فى المصارف۔

زیورات کی قیمت سے زیادہ ہے، تو اس صورت میں زید کی بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سونے کے زیورات چونکہ زید کی بیوی کی ملکیت ہیں لہٰذا بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے شوہر کے قرضے کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی..... نام الخ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۴ کتاب الزکوٰۃ) [1]

اسلحہ میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ زید کے پاس ایک پستول ۳۰ ہزار روپے کا اور ایک کلاشنکوف ۲۵ ہزار روپے کی ہے اس کے علاوہ زید کے پاس اور کچھ نہیں ہے، تو کیا زید پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پستول اور کلاشنکوف اگر اپنی حفاظت کے لیے ہو اور اس کے علاوہ زید کے پاس اور کوئی مال موجب زکوٰۃ وقربانی نہ ہو تو زید پر زکوٰۃ وقربانی واجب نہیں تاہم تجارت کی صورت میں دونوں واجب ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفارغ عن حاجته الاصلية۔ قال ابن عابدینؒ: وهی مایدفع الهلاك عن الانسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب..... ان المراد به نفس الحوائج فانه قال وليس فی دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل........ وسلاح الاستعمال الخ۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصاباً ملكاً تاماً وحال عليه الحول الخ۔ (الهداية ج ۱ ص۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ)

وَمثلهٗ فی الهندية ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی بیان تفسیرها الخ

[2] قال العلامة المرغینانیؒ: وليس فی دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ لانها مشغولة بالحاجة الاصلية وليست بنامية ايضاً۔ (الهداية ج ۱ ص۱۶۹ کتاب الزکوٰۃ)

وَمثلهٗ فی الهندية ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسيرها الخ۔

زکوٰۃ لینے والے کو بتائے بغیر زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کیا زکوٰۃ ادا کرتے وقت فقیر کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، یا یہ بتائے بغیر بھی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت صرف زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے، فقیر کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وشرط صحة ادائها نية مقارنة له اى اشار الى انه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة او قرضا تجزيه فى الاصح والى انه لو نوى الزكوٰة والتطوع وقع عنها عند الثانى لان نية الفرض اقوىٰ۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۱۱ كتاب الزكوٰة) [1]

افغان مہاجرین کو ملنے والی امداد میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ افغان مہاجرین بعض اسلامی اور یورپی ممالک میں سیاسی پناہ لیتے ہیں اور وہاں انہیں بطور امداد ماہوار اچھی خاصی رقم بھی ملتی ہے، تو کیا اُن کیلئے اس امدادی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ امداد افغان مہاجرین کو بصورتِ تملیک دی جاتی ہو جو نصابِ شرعی کے برابر ہو تو سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ دینا ضروری ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة الحصكفىؒ: وسببه اى سبب افتراضها ملك نصاب حولى تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد ...... وفارغ عن حاجته الاصلية نام ولو تقديرًا۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۷ كتاب الزكوٰة) [2]

---

[1] قال المرغينانىؒ: ولا يجوز اداء الزكوٰة الا بنية مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب لان الزكوٰة عبادة فكان من شرطها النية والاصل فيها الاقتران الا ان الدفع يتفرق فاكتفى بوجودها حالة العزل تيسيرًا كتقديم النية فى الصوم۔ (الهداية ج۱ ص۱۸۷ كتاب الزكوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوٰة ۔ الباب الاوّل۔

[2] قال المرغينانىؒ: الزكوٰة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابًا ملكًا تامًا وحال عليه الحول۔ (الهداية ج۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوٰة، الباب الاول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها۔

فارمی مرغیوں اور ان کی پیداوار میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ آجکل پولٹری فارموں میں مرغیاں چوزوں کی پیداوار کے لیے پالی جاتی ہیں جو تقریباً چھ ماہ بعد انڈے دینے لگتی ہیں جن سے خصوصی مشینوں کے ذریعے چوزے پیدا کیے جاتے ہیں، انڈوں کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک جاری رہتا ہے اس کے بعد جب یہ مرغیاں انڈے دینا کم کر دیتی ہیں تو انہیں بھی بیچ دیا جاتا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مرغیوں اور پیداوار دونوں سے دینا ہوگی یا صرف پیداوار سے؟

الجواب:۔ جب مرغیاں اور انڈے وغیرہ فروخت کردیئے جائیں تو جملہ سرمایہ میں حسبِ قاعدہ شرعی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال الحصکفیؒ: وشرطه حولان الحول..... وثمنية المال کالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة باصل الخلقة..... اونية التجارة فی العروض۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ صفہ کتاب الزکوٰۃ) ؎

فلور ملز اور ویگن سٹینڈ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید ایک سے زیادہ ویگن سٹینڈ کا مالک ہے اور ان کو ٹیکسی کے طور پر چلاتا ہے، اسی طرح ایک فلور ملز کا بھی مالک ہے، تو کیا ان دونوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نقدین (دراہم و دنانیر) کے علاوہ جو بھی چیز تجارت کی نیت سے خریدی گئی ہو کہ اس کو نفع پر بیچوں گا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ چونکہ فلور ملز اور ویگن سٹینڈ کرایہ پر چلانے کے لیے خریدی گئی ہے لہٰذا ان کی ذات میں زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ان کے اس منافع میں زکوٰۃ واجب ہے جو نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر

؎ قال العلامة المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت (ای من ای جنس کانت) اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق اوالذهب۔

(الهداية ج ۱ صـ۱۷۷ باب زکوٰۃ المال)

ومثله فی الهندية ج۱ صـ۱۷۹ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة والعروض۔

پورا سال گذر جائے۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: قید بکون العروض للتجارة لانها لو کانت للغلة فلا زکوٰة فیها لانها لیست للمبایعة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زکوٰة المال)[۱]

خالی سلنڈر اور مائع گیس میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:- میں نے مائع گیس کی ایجنسی سے پندرہ سو روپے فی سلنڈر کے حساب سے دس سلنڈر خریدے ہیں، اب یہ سلنڈر میری ملکیت بن گئے ہیں، چونکہ میں مائع گیس کا کاروبار کرتا ہوں اس لیے جب یہ سلنڈر (یعنی گیس کے برتن) خالی ہو جاتے ہیں تو ایجنسی والوں کو اپنے خالی سلنڈر دے کر ان سے بھرے ہوئے سلنڈر لے لیتا ہوں اور فی سلنڈر مائع گیس کے سو روپے ادا کر دیتا ہوں، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے زکوٰۃ ان سلنڈروں اور گیس دونوں کے حساب سے دینی ہوگی یا مائع گیس کی زکوٰۃ دینی ہوگی؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں خالی سلنڈروں میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ان کا صرف تبادلہ ہوتا ہے اور یہ تجارتی مال میں شامل متصور نہیں ہوتے اس لیے ان کو دوسرے آلاتِ حرفت پر محمول کیا جائے گا اور زکوٰۃ صرف گیس میں دینی ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدین: وکذلک آلات المحترفین ای سواء کانت مما تستهلک عینه فی الانتفاع کالقدوم والمبرد او تستهلک... قال وقوارير العطارين ولجم الخيل والحمير المشتراة... ان کان من غرض المشتری بیعها بها ففیها الزکوٰة والا فلا۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۹ کتاب الزکوٰة)[۱]

---

[۱] وفی الهندیة: ویشترط ان یمکن من الاستنماء بکون المال فی یده او ید نائبه فان لم یتمکن من الاستنماء فلا زکوٰة علیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۴ ومنها کون النصاب نامیًا)

ومثلہ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۷ کتاب الزکوٰة۔

[۲] وفی الهندیة: وآلات المحترقین کذا فی السراج لوهاج هذا فی الآلات التی ینتفع بنفسها ولا یبقی اثرها فی المعمول... وان لم یبق لذلک العین اثر فی المعمول کالصابون والحرض لا زکوٰة فیه کذا فی الکفایة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰة ومنها فراغ المال)

ومثلہ فی البزازیة ج۴ ص۸۴ کتاب الزکوٰة۔

زکوٰۃ میں قیمتِ فروخت کا اعتبار ہے

سوال :- آجکل بازار میں عموماً دو قسم کے نرخ ہوتے ہیں (۱) تھوک (۲) پرچون۔ تھوک کے نرخ میں مال کی قیمت کم ہوتی ہے اور پرچون کے نرخ میں عموماً زیادہ ہوتی ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کس نرخ کے حساب سے ادا کی جائے گی؟

الجواب :- دوکاندار جس نرخ پر بھی سامان فروخت کرتا ہو اُسی نرخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : وتعتبر القیمة یوم الوجوب۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۴ باب زکوٰۃ الغنم) [1]

زیورات کے موتیوں کا وزن نصاب میں شامل نہیں

سوال :- سونے کے زیورات میں جو نگ اور موتی لگے ہوتے ہیں زکوٰۃ دیتے وقت ان کے وزن کو بھی شامل نصاب کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- سونے کے زیورات کی زکوٰۃ کو بغیر نگ و موتیوں کے ادا کیا جائے گا یعنی ان وزن سونے کے وزن میں شمار نہیں ہوگا تاہم اگر یہ تجارت کے لیے ہوں تو پھر ان کی مالیت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

وفی الهندیة : واما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰۃ فیها وان کانت حلیا الا ان تکون للتجارة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض) [2]

مکان کے لیے زمین خرید کر فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :- زید نے تین سال پہلے مکان بنانے کے لیے ایک پلاٹ خریدا جس کی قیمت ۲ لاکھ روپے ہے تو اب اس پلاٹ پر

---

[1] وفی الهندیة : وان ادی القیمة تعتبر قیمتها یوم الوجوب لان الواجب احدهما۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۰ فصل فی الغنم۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ : لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواهر وان ساوت الفا اتفاقاً الا ان تکون للتجارة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۱۵ کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ ہے یا نہیں ؟ اور اگر زید اسے فروخت کردے تو پھر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ وہ قطعۂ زمین جو صرف مکان بنانے کے لیے خریدا گیا ہو اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ فروخت کردینے کی صورت میں جب اس کی قیمت نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتی ہو تو حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال العلامة الحصكفيؒ : واثاث المنزل ودور السكنى ونحوها وكذا الكتب وان لم تكن لاهلها اذا لم تنو للتجارة ، وقال ابن عابدينؒ واثاث المنزل الخ محترز قوله نام ولو تقديرًا وقوله ونحوها اى كثياب البدن لغير المحتاج اليها وكالحوانيت والعقارات۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص۸ كتاب الزكوٰة) [1]

خالص حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے پاس خالص حرام کا مال ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کسی کے پاس جمع شدہ مال خالص حرام ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے کہ مالک معلوم ہونے کی صورت میں مال کا واپس کرنا واجب ہے اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں مال خبیث ہے جو واجب التصدق ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ : (قوله لو كان الكل خبيثًا) فى القنية لو كان الخبيث نصابًا لايلزمه الزكوٰة لان الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه (الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۲۵ باب زكوٰة الغنم) [2]

---

[1] قال العلامة المرغينانيؒ : وليس فى دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة الخ لانها مشغولة بالحاجة الاصلية وليست بنامية۔ (الهداية ج ۱ ص۱۶۹ كتاب الزكوٰة)

ومثلهٗ فى الهندية ج ۱ ص۱۷۲ الباب الاوّل فى تفسيرها وصفتها وشرائطها۔

[2] قال العلامة ابن البزاز الكردريؒ : ولو بلغ المال الخبيث نصابًا لايجب فيه الزكوٰة لان الكل واجب التصدق۔ (فتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص۸۶ الباب الثانى فى المصرف)

ومثلهٗ فى البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۶ باب الركاز۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص کے پاس کچھ رقم پاکستانی کرنسی میں ہو اور کچھ رقم افغانی کرنسی میں ہو تو کیا ان دونوں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا کسی ایک قسم کی کرنسی سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

الجواب:- روپیہ اور سکہ افغانی ہو یا پاکستانی، اس میں نصابِ زکوٰۃ ۵۲½ تولے چاندی یا ۷½ تولے سونا کی قیمت ہے، اسی طرح دونوں ملکوں کی کرنسی نوٹوں کی قیمت جب اس نصاب کو پہنچے تو جتنا مال ہو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی عرض تجارة قیمة نصاب ---- من ذهب اوورق ---- مقوماً باحدهما ---- ولو بلغ باحدهما نصاباً وخمساً وبالآخر اقل قومه بالانفع للفقیر۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۱ باب زکوٰة المال) [1]

زیورات میں زکوٰۃ ہر سال واجب ہے

سوال:- کیا زیورات میں ہر سال زکوٰۃ دینا پڑے گی یا عمر بھر میں ایک ہی بار ادا کرنا کافی ہے، ہمارے یہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ اگر ہر سال زیورات سے زکوٰۃ دی جائے تو وہ جلد ہی اصل زر کھو بیٹھے گا، شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:- وجوبِ زکوٰۃ کا سبب نصاب پر سال کا گذر جانا ہے، جب سونے یا چاندی کے نصاب (چاہے وہ زیورات کی شکل میں ہو یا اپنی اصلی صورت میں) پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، تاہم اگر دوسرے سال نصابِ زکوٰۃ

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق اوالذهب ...... یقومها بما هو انفع للمساکین .... قال وتضم قیمة العروض الی الذهب والفضة حتی یتم النصاب ..... ویضم الذهب الی الفضة۔

(الهداية ج۱ ص۱۷۷، ۱۷۸ باب زکوٰة المال)

ومثلهٗ فی نور الایضاح للشرنبلالیؒ ص۱۵۶ کتاب الزکوٰة۔

۲/۱ ۷ تولے سونے اور ۲/۱ ۵۲ تولے چاندی سے کم رہ جائے تو اس سال کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، لیکن اگر ہر سال نصاب پورا ہو تو ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وشرطه ای شرط افتراض ادائها حولان الحول وهو فی ملكه۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۰ کتاب الزکوٰۃ) [1]

نفع پر موقوف تجارت کی نیت زکوٰۃ کے لیے عملی تجارت کی محتاج ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے ایک عدد فلائنگ کوچ چار لاکھ پچاس ہزار روپے میں اس نیت سے خریدی کہ اگر کہیں سے منافع ملا تو میں اس کو فروخت کر دوں گا، پھر اُس نے فلائنگ کوچ کو دو سال مزدوری پر چلایا، تو کیا اب ذات فلائنگ کوچ میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی چیز کو خریدتے وقت اگر یہ نیت کی گئی ہو کہ اگر منافع ملا تو اسے فروخت کر دوں گا، بعد میں اس چیز کو ذاتی فائدے مثلاً مزدوری کے لیے استعمال کیا تو وہ چیز اس وقت تک تجارت کی شمار نہ ہوگی جب تک عملاً اس میں تجارت جاری نہ ہو جائے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ذات فلائنگ کوچ کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: عن محمد فی رجل اشترٰی عبدًا للخدمة وهو ینوی ان اصاب ربحًا یبیعه لا زکوٰۃ فیه۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۰ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة الكاسانیؒ: اما الاول فنقول لاخلاف فی ان اصل النصاب وهو النصاب الموجود فی اول الحول یشترط له الحول لقول النبی صلی الله علیه وسلم لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیه الحول۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۳ فصل واما الشرائط التی ترجع)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج ۱ ص ۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامة الحصكفیؒ: لا یبقی للتجارة ما ای عبد مثلاً۔ قال ابن عابدینؒ: واشار بقوله مثلاً الی ان العبد غیر قید لكن الاولی ان یقول بعد فنوی استعماله لیعم مثل الثوب والدابة۔ قال الحصكفیؒ: اشتراه لها فنوی بعد ذلك خدمته ثم ما نواه للخدمة لا یصیر للتجارة وان نواه لها ما لم یبیعه الخ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۳ قبیل باب السائمة)

وَمِثْلُهٗ فی البدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۲ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل واما الشرائط۔

زکوٰۃ کی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

سوال:۔ یہاں ہمارے علاقے میں ایک شخص کہتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، کیا اس کی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی مقادیر منصوص ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، مثلاً دوسو روپے میں پانچ روپے اور سو روپے میں اڑھائی روپے صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد عفوت عن مائۃ شیٔ فاذا بلغت مائتین ففیہا خمسۃ دراھم۔

(جامع الترمذی ج ۱ ص۷۹ باب ما جاء فی زکوٰۃ الذھب والورق) [1]

صدقہ زکوٰۃ کی مد میں شمار نہیں ہوگا

سوال:۔ ایک شخص کے پاس کچھ نقد رقم تھی جس میں سے چار سو روپے اس نے صدقہ میں دے دیئے، کیا ازروئے شرع صدقہ کئے ہوئے چار سو روپے زکوٰۃ کی مد میں شمار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ جو رقم صدقہ میں دے دی گئی ہو اس سے فرض زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی دوبارہ دینا ضروری ہے۔

وفی الھندیۃ: فاذا نوی ان یؤدی الزکوٰۃ ولم یعزل شیئاً فجعل یتصدق

---

[1] عن ابی سعید ن الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی ما دون خمس ذود صدقۃ من الابل ولیس فیما دون خمس اواق صدقۃ ولیس فی ما دون خمسۃ اوسق صدقۃ۔ (الصحیح البخاری ج ۱ ص۱۹۴ باب زکوٰۃ الورق)

وعن انسٍ ان ابا بکر کتب لہٗ ھٰذا الکتاب ... وفی الرقۃ ربع العشر فان لم تکن الا تسعین ومائۃ فلیس فیہا شیٔ الّا ان یشاء ربہا۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص۱۹۶ باب زکوٰۃ الغنم)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص۱۷۶ باب زکوٰۃ المال۔

شیئًا فشیئًا الی اٰخر السنة ولم تحضره النیّة لم یجز عن الزکوٰة ـ
(الفتاوٰی الهندیة ج۲ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰة) [۱]

نقدرقم کی بجائے دوسری اشیاء زکوٰۃ میں دینا

سوال:- ایک شخص کی زکوٰۃ ستّر روپے بنتی ہے لیکن وہ زکوٰۃ میں نقدرقم کے بدلے میں اس کے برابر کوئی اور چیز ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ میں غرباء کی حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے جو چیز ان کے لیے مناسب ہو وہ انہیں دینا زیادہ مناسب ہے، تاہم اگر اس کے بدلے میں غیر ضروری چیز بھی دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: اما اذا ادّی من خلاف جنسه فالقیمة معتبرة اتفاقًا ـ (الدر المختار علی ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۲۳ باب زکوٰة الغنم) [۲]

پینے کا پانی زکوٰۃ میں دینا

سوال:- بعض علاقوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے یا سفر وغیرہ میں پانی کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے اگر کسی پیاسے یا مسافر کو پانی کی سخت ضرورت ہو تو کیا اسے زکوٰۃ میں پانی دینے سے

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وانّما تشترط النیة لدفع المزاحم فلمّا...... کما اذا دفع بلا نیة ثم حضرته النیة والمال قائم فی ید الفقیر فانه یجزئه وهو بخلاف ما اذا نوٰی بعد هلاکه ـ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۱۲ کتاب الزکوٰة ـ

[۲] قال العلامة الکاسانی رحمه الله: واما الذی یرجع الی المؤدی فمنها ان یکون مالًا متقومًا علی الاطلاق سواء کان منصوصًا علیه اولا من جنس المال الّذی وجبت فیه الزکوٰة اومن غیر جنسه ـ (بدائع الصنائع ج۲ ص۴۱، فصل واما الّذی یرجع الی المؤدی)
وَمِثْلُهٗ فی نور الایضاح للشرنبلالیؒ ص۱۵۷ کتاب الزکوٰة ـ

زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ان علاقوں میں پانی قیمتاً فروخت کرنے کا رواج ہو اور عموماً پانی کی وہاں خرید و فروخت ہوتی ہو تو اگر پیاسا اور مسافر آدمی فقیر اور مصرفِ زکوٰۃ ہو تو اُسے زکوٰۃ میں پانی دیا جا سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اما اذا ادّی من خلاف جنسہ فالقیمۃ معتبرۃ اتفاقاً۔ (الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۲۲ باب زکوٰۃ الغنم) [1]

زکوٰۃ کی رقم قسطوں میں ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ کے ایک ہزار روپے میں سے ۸۲۰ روپے مستحقین میں بانٹ دیتا ہے اور باقی ۱۸۰ روپے کسی مستحق زکوٰۃ غریب طالب علم کو ایک سال کے لیے ۱۵ روپے ماہوار کے حساب سے دینا چاہتا ہے، تو کیا رقم ماہانہ قسطوں میں دینے سے زکوٰۃ شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی غریب اور مستحق طالب علم کو ماہانہ اقساط کے حساب سے زکوٰۃ دینا اگرچہ جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی تاہم بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ یکمشت ادا کی جائے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وافتراضھا عمری ای علی التراخی وصححہ الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیہ الفتوٰی کما فی شرح الوھبانیۃ فیأثم بتاخیرھا بلا عذر۔ وقال ابن عابدینؒ وقد یقال المراد ان لا یؤخر الی العام القابل لما فی البدائع....اذا لم

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ: واما الذی یرجع الی المؤدی فمنھا ان یکون مالاً متقوماً علی الاطلاق سواء کان منصوصاً علیہ اولا من جنس المال الذی وجبت فیہ الزکوٰۃ او من غیر جنسہ والاصل ان کل مال یجوز التصدق بہ تطوعاً یجوز اداء الزکوٰۃ منہ ومالا فلا۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۴۲ فصل واما الذی یرجع الی المؤدّی)

ومِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۹ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ والعروض۔ الفصل الاوّل۔

يئود حتى مضى حولان فقد اساء واثم ۔ (الدر المختار على ہامش رد المحتار ج۲ ص۱۳ کتاب الزکوٰۃ) لہ

قرضہ وصولی کی اقساط شروع ہونے سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی گاڑی ۹۴ ہزار روپے ماہوار اقساط پر فروخت کی جبکہ معاہدہ کے مطابق اقساط چار سال بعد شروع ہوں گی، تو کیا ان چار سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوں گی یا جب قسطوں کی وصولی شروع ہو جائے تو اس وقت کا اعتبار ہوگا؟

الجواب:۔ زکوٰۃ جس طرح نقد مالیت پر واجب ہوتی ہے اسی طرح دینِ قوی پر بھی لازم ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں گاڑی فروخت کرنے کے بعد جب سال گذر جائے تو جملہ رقم پر زکوٰۃ دینا واجب ہو جائے گی چاہے اقساط شروع ہو چکی ہوں یا نہ۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا عجل زکوٰۃ سنین یجوز عند علمائنا الثلاثة خلافا لزفر۔ وفی شرح الطحاوی: انما یجوز التعجیل بشرائط ثلاثة - احدها ان یکون الحول منعقدا وقت التعجیل، والثانی ان یکون النصاب کاملا فی التی عجل عنه فی آخر الحول، والثالث ان لا یفوت اصله فیما بین ذلک۔

(تاتارخانیة ج۲ ص۲۵۳ باب التعجیل الزکوٰۃ) ٢ہ

لہ قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: ثم قیل هی واجبة علی الفور لانه مقتضی مطلق الامر وقیل علی التراخی لان جمیع العمر وقت الاداء ولهذا لا یضمن بهلاك النصاب بعد التفریط۔

(الهداية ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها۔

٢ہ قال العلامة الحصکفیؒ: ولو عجل ذو نصاب زکوٰته لسنین او لنصف صح لوجود السبب۔ قال ابن عابدینؒ: بان کان له ثلثمائة درهم دفع منها مائة درهم عن اثنتین عشرین سنة۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۹ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی فتاوی قاضیخان ج۱ ص۱۲۴ فصل فی تعجیل الزکوٰۃ۔

گاڑی حوائج اصلیہ میں داخل ہے

سوال:۔ ایک شخص کے پاس دس لاکھ کی گاڑی ہے تو کیا یہ شخص زکوٰۃ دیتے وقت اس گاڑی کی قیمت لگا کر اس کی بھی زکوٰۃ دے گا یا گاڑی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؟

الجواب:۔ ہر وہ مال جو آدمی کے حوائج اصلیہ میں داخل ہو چاہے وہ کتنا ہی قیمتی ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لیے موصوف صرف زائد از حوائج اصلیہ مال کی زکوٰۃ دے گا، گاڑی کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ لانها مشغولة بحاجته الاصلیة ولیست بنامیة۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ)[۱]

سامانِ تجارت میں اندازہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال:۔ میری بہت بڑی دوکان ہے جس میں ہزاروں اشیاء موجود ہیں تو اگر میں اندازہ لگا کر ان کی زکوٰۃ ادا کروں تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ تجارت کے جملہ سامان پر جب سال گذر جائے تو اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دینا لازمی ہے، بہتر یہ ہے کہ جملہ اشیاء گن گن کر ان کی قیمت لگائی جائے البتہ اگر شمار کیے بغیر اندازہ سے زکوٰۃ ادا کرنی ہو تو اندازہ زیادہ لگانا چاہیئے تاکہ زکوٰۃ مالِ تجارت کی قیمت سے کم ادا نہ ہو۔

لما فی الهندیة: الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصابا من الورق والذهب۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث)[۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ لانها مشغولة بالحاجة الاصلیة۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص۷۵۵ کتاب الزکوٰۃ قبیل شروط صحة اداء الزکوٰۃ۔

[۲] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصابا من الورق والذهب لقوله علیه السلام فیها یقومها فیؤدی من کل مائتی درهم خمسة دراهم۔

(الهدایة ج ۱ ص۱۷۷ باب زکوٰۃ المال، فصل فی العروض)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص۱۴۰ پانچواں باب (سامانِ تجارت کی زکوٰۃ)

قرض پر زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہے؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے ۲۰ بیس ہزار روپے ایک شخص پر قرض ہیں لیکن وہ اس سے منکر ہے اور میرے پاس کوئی تحریری ثبوت بھی نہیں اور نہ میرے پاس کوئی گواہ ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا میرے ذمہ اس قرض کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دین (قرض) کی وصولی کا ظاہری طور پر کوئی امکان نہ ہو تو یہ مالِ ضمار میں داخل ہے چونکہ مالِ ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق آپ پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر اُس قرضہ پر زکوٰۃ واجب ہے جو دَین قوی یا متوسط ہو، یعنی دائن کے پاس گواہ یا تحریری ثبوت ہو یا پھر مدیون (قرضدار) قرضہ کا اقرار کرتا ہو مگر ساتھ ہی دائن یعنی قرض دہندہ قرض کی وصولی پر قادر بھی ہو تب زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ بصورتِ دیگر یہ قرضہ مال ضمار کے حکم میں ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ، ودَین کان جحدہ المدیون سنین ولا بینۃ علیہ۔ قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ، (تحت قولہ ولا بینۃ علیہ) بل ولو کان علیہ بینۃ علی الصحیح۔ (الطحطاوی حاشیہ الدر المختار ج ا ص۳۹۳ کتاب الزکوٰۃ) [1]

صاحبِ نصاب نے زکوٰۃ ادا نہ کی اور پھر وہ مال مکان کی تعمیر میں خرچ کرنے کے باوجود زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی

سوال:۔ اگر کسی کے پاس مال نصاب سے بھی زیادہ ہو اور سال گذر جانے کے باوجود ابھی تک اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور پھر وہ سارا مال اس نے مکان کی تعمیر میں خرچ کر دیا ہو تو کیا اس شخص کے ذمے زکوٰۃ باقی ہے یا کہ ساقط ہو جائے گی؟

---

[1] لما قال العلامہ ابن نجیم المصریؒ:۔ وعن محمدؒ لا تجب الزکوٰۃ وان کان لہ بینۃ لان البینۃ قد لا تقبل والقاضی قد لا یعدل وقد لا یظھر بالخصومۃ بین یدیہ لمانع تیکون فی حکم الھالک وصححہ فی التحفۃ۔ کذا فی غایۃ البیان وصححہ فی الخانیۃ ایضاً۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۷ کتاب الزکوٰۃ۔

الجواب:۔ جب نصاب پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی لیکن اگر کسی شخص نے ابھی تک زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور سارا مال مکان کی تعمیر یا اور کسی ضرورت میں خرچ کیا تو اس کے ذمے زکوٰۃ دینا باقی ہے، مال کو اس طرح خرچ کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ البتہ اگر مال ہلاک یا تباہ ہو جائے جس میں مزکّی کا ہاتھ نہ ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط ہے۔

لما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: زکوٰۃ ذمہ پر ہے، خزانۃ الروایات میں عتابیۃ سے منقول ہے: اذا هلك النصاب بعد الحول تسقط الزکوٰۃ عنه وان استهلكه ضمن الزکوٰۃ فی ذمته والاستهلاك اخراج النصاب عن ملكه۔ (مجموعۃ الفتاویٰ دفارسی) ج۲ ص۳۰۴ کتاب الزکوٰۃ)[1]

قرضہ کی وصولی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ

سوال:۔ ایک بدمعاش پر میرا کچھ قرضہ ہے تحریری ثبوت کے باوجود وہ میرا قرضہ نہیں دیتا اور نہ میں اس کی وصولی پر قادر ہوں، تو کیا مجھ پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص کمزوری کی وجہ سے کسی بدمعاش قسم کے شخص سے اپنا قرضہ وصول نہیں کر سکتا ہو تو راجح یہ ہے کہ اس شخص پر اس قرضہ کی زکوٰۃ واجب نہیں تاہم جتنا وصول ہو جائے تو اس پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ ادا کرے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ، قلتُ وقد قدمنا اوّل الزکوٰۃ اختلاف التصحیح فیه ومال الرحمتی الی هٰذا وقال بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملاءته ولا یقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو منه بمنزلة العدم۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۹ کتاب الزکوٰۃ)[2]

حولانِ حول کے بعد شک گذرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

سوال:۔ کسی آدمی کو سال گذر جانے کے بعد شک ہوا کہ آیا میں نے

---

[1] قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: ولا الهالك بعد الوجوب۔ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: تحته..... وقید بالهلاك لانه لو استهلكه بعد الحول لا تسقط عنه لوجود التعدی۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۹،۲۱۸ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الغنم)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۴ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی الغنم۔

[2] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ودین کان جحده المدیون سنین ولا بینة علیه قال العلامۃ السید الطحطاویؒ تحت (قوله ولا بینة علیه) بل ولو کان علیه بینة علی الصحیح۔ (الطحطاوی حاشیہ الدر المختار ج۱ ص۳۹۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۳۳ کتاب الزکوٰۃ۔

ادا کی ہے یا نہیں تو اب اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اگر کسی کو شک پڑجائے کہ آیا اس نے زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں تو چونکہ زکوٰۃ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بخلاف صلوٰۃ کے اسلئے زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم: وفی الواقعات ولو شك رجل فی زکوٰۃ فلم یدر ازکی ام لا فانہ یعید فرق بین ھذا وبین ما اذا شك فی الصلوٰۃ بعد ذھاب الوقت اصلاھا ام لا والفرق ان العمر کلہ وقت لاداء الزکوٰۃ فصار ھذا بمنزلۃ شك وقع فی اداء الصلوٰۃ انہ ادی ام لا وھو فی وقتھا ولو کان کذلك یعید۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)[۱]

کیا ٹیکس زکوٰۃ کا متبادل ہوسکتا ہے

سوال:۔ حکومت جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے کیا اس ٹیکس کی وصولی سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامیہ میں زکوٰۃ ایک عبادت ہے جس کے لیے شرعًا حدود و مقادیر وغیرہ مقرر ہیں، بخلاف حکومتی ٹیکس کے کہ اس میں نہ مقدارِ مال مقرر ہے اور نہ یہ عبادت سمجھ کر لیا جاتا ہے اور نہ اس میں اسلام، بلوغ وعقل شرط ہے بلکہ یہ حکومت اُس فائدہ کا عوض لیتی ہے جو عوام الناس کو ریاست سے ملتا ہے اور نہ اس کے مصارف وہ ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، لہٰذا ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے موجودہ ٹیکس کو زکوٰۃ میں شمار نہیں کیا جاسکتا بلکہ مستقل زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابًا ملکًا تامًا وحال علیہ الحول اما الوجوب فلقولہ تعالیٰ واٰتوا الزکوٰۃ ولقولہ علیہ السلام ادوا زکوٰۃ اموالکم وعلیہ اجماع الأمۃ۔

(الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۱۳ کتاب الزکوٰۃ)[۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: ولو شك رجل فی الزکوٰۃ فلم یدر أزکی اولم یزك فانہ یعیدھا۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۱ مسائل شتّٰی)

ومثلہ فی الفتاویٰ السراجیۃ ص۲۶ باب نیۃ الزکوٰۃ وکیفیۃ الاداء۔

[۲] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: قولہ وشرط وجوبھا العقل والبلوغ والاسلام والحریۃ ای شرط افتراضھا لانھا فریضۃ محکمۃ قطعیۃ اجمع العلماء علی تکفیر جاحدھا الخ۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۷۳۸ کتاب الزکوٰۃ، شروط وجوب الزکوٰۃ۔

کپڑوں پر سونے یا چاندی کی کڑھائی میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ شادی بیاہ کے موقع پر بعض لوگ زنانہ کپڑوں پر سونے یا چاندی کے دھاگوں سے کڑھائی کرلیتے ہیں تو کیا سال گذر جانے کے بعد اس کڑھائی کی زکوٰۃ دینا بھی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کڑھائی کے لیے اگر خالص سونے یا چاندی کے دھاگے استعمال کیے جائیں تو اس صورت میں سال گذرنے کے بعد حساب کرکے زکوٰۃ دینا لازم ہے، البتہ اگر دھاگے خالص سونے یا چاندی کے نہ ہوں بلکہ ان دھاگوں کو صرف سونے یا چاندی کا پانی دیا گیا ہو تو صرف سونے چاندی کا رنگ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: لا یعتبر فی ھذا النصاب صفة زائدة علی کونه فضة فتجب الزکوٰة فیھا سواء کانت دراھم مضروبة او نقرة او تبرا او حلیا مصوغا او حلیة سیف او منطقة او اللجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرھا اذا کانت تخلص عند الاذابة اذا بلغت مائتی درھم وسواء کان یمسکھا للتجارة او للنفقة او للتجمل او لم ینو شیئاً۔

(البدائع الصنائع ج۲ ص۱۶ کتاب الزکوٰة۔ فصل: واما صفة ھذا النصاب) [1]

انسانی جسم کے بعض اعضاء پر سونے چاندی کا خول چڑھانے پر وجوبِ زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ بعض لوگ شوقیہ طور پر دانتوں پر سونے چاندی کا خول چڑھاتے ہیں یا پھر اندر سے کھوکھلے دانتوں کو سونے چاندی سے بھر دیتے ہیں۔ تو کیا ایسے لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زمانہ قدیم سے بعض مصالح اور حالات کی بناء پر سونے چاندی کو انسانی جسم کے بعض اعضاء پر استعمال کرنے کا رواج چلا آرہا ہے۔ سونے چاندی کے ان اعضاء کی دو قسمیں ہیں،

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: تجب الزکوٰة فی الذھب والفضة مضروباً او تبراً او حلیاً مصوغاً او حلیة سیف او منطقة او لجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرھا اذا کانت تخلص عن الاذابة سواء کان یمسکھا للتجارة او للنفقة او للتجمل او لم ینو شیئاً (البحر الرائق ج۲ ص۲۲۶ کتاب الزکوٰة باب زکوٰة المال) ومثلهٗ فی الھندیة ج۱ ص۱۷۸ الباب الثالث فی زکوٰة الذھب والفضة۔

ایک وہ اعضاء جو انسانی بدن میں بالکل پیوست ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے الگ کرنا مشکل ہوتا ہے اور الگ کرنے کی صورت میں سخت تکلیف ہوتی ہے گویا کہ وہ مصنوعی اعضاء انسانی جسم کے حقیقی اعضاء کی طرح ہو جاتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو الگ کرنا آسان ہوتا ہے اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ تو اول الذکر میں زکوٰۃ واجب نہیں اسلئے کہ شریعتِ مقدسہ نے مالِ نامی ہونے کی جو علت وجوبِ زکوٰۃ کے لیے بیان وہ یہاں مفقود ہے، اور ثانی الذکر قسم میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ اس میں نمو حکمی پائی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کا مال چوری ہو جائے تو

سوال:۔ ایک شخص نے اپنے جملہ مال سے زکوٰۃ کا مال جدا کر کے اپنے پاس رکھ لیا، ابھی اس نے وہ مال غرباء و مساکین میں تقسیم نہیں کیا تھا کہ چوری ہو گیا، تو کیا یہ شخص اب زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کا اپنے جملہ مال سے صرف جدا کرنا کافی نہیں بلکہ ادائیگی کے لئے کسی فقیر و مسکین کو تملیک کر دینا لازمی امر ہے بدون اس کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ کا مال چوری ہو گیا ہے جس میں تملیک کی شرط مفقود ہے اسلئے موصوف کیلئے زکوٰۃ کا دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: رجل عزل زكوٰة ماله ووضعها في ناحية بيته فسرقها سارق لا يقطع يده للشبهة وعليه ان يزكيها۔ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص۲۳۸ كتاب الزكوٰة۔ قبل الفصل السادس)[1]

❋ ❋ ❋

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (هي تمليك) خرج الاباحة (جزء مال) خرج المنفعة (عينه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولي خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقير) ولو معتوها (غير هاشمي ولا مولاه) اي معتقه (مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) فلا يدفع لاصله وفرعه (لله تعالىٰ) بيان لاشتراط النية۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۷، ۵۸ كتاب الزكوٰة۔

باب زکوٰۃ فی الاموال

(سونا چاندی اور تجارتی سامان میں زکوٰۃ کے احکام)

زکوٰۃ میں سونے کی کون سی قیمت معتبر ہے؟

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس سونا ہو تو اس میں کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ جبکہ مروجہ قیمت قیمتِ خرید سے کئی گنا زیادہ ہے۔

الجواب:۔ سونا ایسا مال ہے جس میں قدرتی طور پر نمو پائی جاتی ہے، اس لیے زکوٰۃ کے وجوب کے وقت اس سے مقررہ حصہ نکالا جاتا ہے لیکن قیمت ادا کرکے بھی ذمہ فارغ ہوسکتا ہے، اس لیے اس میں قیمتِ خرید کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ زکوٰۃ دینے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کرکے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الاداء..... و یقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الامصار الیه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) [1]

سونے کی مقررہ مقدار سے کم میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ۲½ تولے سونا ہے جو اگرچہ سونے کی مقدارِ نصاب سے کم ہے لیکن اس کی قیمت کے حساب سے ۵۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت سے اس کی قیمت زیادہ بنتی ہے کیا ایسی حالت میں اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

لما قال ابن عابدینؒ:۔ افاد ان وجوب الضم اذا لم یکن کل واحد منهما نصابا بان کان

---

[1] قال العلامة ابن الهمامؒ:۔ یقومها ای المالك فی البلد الذی فیه المال حتی لو کان بعث عبد التجارة الی بلد اخری لحاجة فحال الحول یعتبر قیمته فی ذلك البلد ولو کان فی مفازة تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الی ذلك الموضع کذا فی الفتاوی ثم قول ابی حنیفةؒ فیه انه تعتبر القیمة یوم الوجوب وعندهما یوم الاداء۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۶۱ باب زکوٰۃ المال فصل فی العروض)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۹ باب زکوٰۃ المال۔

اقل فاما اذا کان کل واحد منهما نصاباً تاماً ولم یکن زائداً علیہ لایجب الضم بل ینبغی ان یؤدی من کل واحد زکوٰتہ ولوضم احدھما الی الاٰخر حتی یؤدی کلہ من الذھب او الفضۃ فلا بأس بہ عندنا ولکن یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء رواجاً والا فیؤدی من کل واحد منھما ربع عشرہ۔ (منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۰ باب زکوٰۃ المال) [1]

میاں بیوی کے مشترکہ زیورات میں زکوٰۃ

سوال:۔ اگر عورت کو والدین نے جہیز میں کچھ زیورات بنا کر دیئے ہوں، اس کے علاوہ خاوند نے بھی کچھ زیورات بنا کر بیوی کو پہننے کے لیے دیئے ہوں، لیکن خاوند اور بیوی کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ خاوند نے جو زیورات بنائے ہیں وہ اسی کی ملکیت ہیں لیکن عورت کو پہننے کا حق حاصل ہے، کیا ایسی صورت میں عورت پر مجموعۂ زیورات کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کو خاوند کی طرف سے دیئے گئے زیورات عورت کی ملکیت ہوں اور مجموعہ زیورات شمار کرکے جب نصاب تک پہنچ جائیں پھر تو عورت ان کی زکوٰۃ ادا کرے گی، لیکن اگر خاوند نے زیورات عورت کو عاریۃً دیئے ہوں تو ایسی حالت میں مشترکہ زیورات سے عورت کا اپنا حصہ اگر نصاب تک پہنچتا ہو پھر عورت کے لیے اپنے حصہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے، اور اگر مشترکہ زیورات نصاب کو پہنچتے ہوں لیکن انفرادی طور پر خاوند اور بیوی کا حصہ نصاب سے کم ہو تو پھر کسی ایک پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضھا ملک نصاب حولی نسبۃ للحول لحولانہ علیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال فی الھندیۃ: ولوضم احد النصابین الی الاٰخر حتی یؤدی کلہ من الذھب او من الفضۃ لاباس بہ لکن یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء قدراً ورواجاً والا فیؤدی من کل واحد ربع عشرہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۹ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب الخ)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۳ باب زکوٰۃ المال)

[2] قال فی الھندیۃ، ومنھا کون المال نصاباً فلا زکوٰۃ فی اقل منہ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ۔

سونے چاندی کی مقدار میں علامہ عبدالحیؒ اور حضرت تھانویؒ کی عبارات میں تطبیق

سوال:۔ سونے اور چاندی کے نصاب میں اکابرین کی عبارتیں مختلف ہیں، حضرت تھانویؒ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے لیے نصاب ساڑھے سات تولہ اور چاندی کے لیے ساڑھے باون تولہ ہے، جیسا کہ "امداد الفتاویٰ" کی عبارات سے واضح ہے لیکن مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کا قول مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "اوزانِ شرعیہ" میں نقل فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحی رحمہ اللہ کے نزدیک سونے کا نصاب ساڑھے پانچ تولہ اور چاندی کا نصاب ۳۶ تولہ ۱/۲ ۵ ماشہ ہے، ان دونوں اکابرینؒ کی رائے میں سے کس کو اعتبار دینا مناسب ہے؟

الجواب:۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اوفق بالروایات ہے، آپ نے جس تولہ سے حساب کیا ہے ہمارے ہاں یہی نصاب مروج ہے، ممکن ہے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے تولہ کی مقدار میں اختلاف کر کے اُس تولہ کا حساب کیا ہو جو مروجہ تولہ سے زیادہ ہو اس لیے آپ نے کم حساب کیا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی حضرت تھانویؒ کی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ لما قال مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "اوزانِ شرعیہ" میں فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء کرام کی تحقیقات اس بارے میں متفاوت ہیں اور تفاوت بھی معمولی نہیں کیونکہ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے نزدیک چاندی کا نصاب چھتیس ۳۶ تولے اور ساڑھے پانچ ماشہ ہے اور سونے کا نصاب پانچ تولہ اور ڈھائی ماشہ ہے، اس تفاوت سے تمام احکام شرعیہ پر اثر پڑتا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ سونے کا نصاب شرعی بیس (۲۰) مثقال ہے اور ایک مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو اسی حساب سے سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہوگا اور چاندی کا نصاب دوسَو ۲۰۰ درہم ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک رتی کا پانچواں حصہ ہے تو اس حساب سے چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔[1]

---

[1] والتفصیل فی الاوزان الشرعیۃ للمفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے

سوال:۔ اگر زیورات استعمال کے لیے ہوں تو کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سونا چاندی زیورات کی شکل میں ہو یا ویسے ہر حالت میں زکوٰۃ واجب ہے گی، استعمال کے باوجود اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے بشرطیکہ وہ زیور نصاب تک پہنچتا ہو۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: وفی تبر الذهب والفضة وحليهما واوانيهما الزكوٰة۔ (الهداية ج ۱ ص۱۹۵ باب زكوٰة المال) [1]

سونے کی قیمت کو اعتبار نہیں

سوال:۔ ایک عورت کے پاس پانچ تولہ سونا ہے جو اُس کو خاوند نے حق مہر میں دیا ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد رقم یا چاندی وغیرہ نہیں، اگرچہ سونے کی یہ مقدار نصاب تک نہیں پہنچتی ہے کہ جس سے زکوٰۃ ادا ہو، لیکن سونے کی مروجہ قیمت کے اعتبار سے اس کی اتنی قیمت ضرور بنتی ہے کہ جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے۔ اس طریقہ سے اگر سونے کی قیمت کا حساب کیا جائے تو عورت صاحب نصاب بن سکتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں عورت صاحب نصاب شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب اس عورت کے پاس صرف سونا ہو تو اس میں قیمت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ نصاب کی رعایت ہوگی، سونے کا نصاب چونکہ ۷½ تولہ ہے اور ۵ تولہ اس سے کم ہے اسلئے یہ عورت صاحب نصاب نہیں۔

لما قال فی الهندية: ومنها كون المال نصابًا فلا تجب فی اقل منه۔

(الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔ الباب الاوّل) [2]

---

[1] قال الامام علاؤ الدين ابی بكر بن مسعود الكاسانی الحنفیؒ: فتجب الزكوٰة فيهما سواء كانت دراهم مضروبة او نقرة او تبرا او حليا مصوغا او حلية سيف او منطقة او لجام او سرج او الكواكب فی المصاحف والاوانی وغيرها۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۷ فصل اما صفة هذا النصاب)

وَمِثْلُهٗ فِی الهندية ج ۱ ص۱۷۸ باب الثالث فی زكاة الذهب والفضة والعروض۔

[2] قال العلامة الحصكفی رحمه الله: وَسَبَبُهٗ ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه عليه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۹ كتاب الزكوٰة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۲ كتاب الزكوٰة۔

سونا چاندی سے ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے

سوال:۔ ہم لوگ سونے کی زکوٰۃ اس طرح نکالتے ہیں کہ سونے کا حساب کرکے پہلے سال زکوٰۃ دیتے ہیں اس کے بعد پھر کسی بھی سال میں ہم زکوٰۃ نہیں نکالتے ہیں، آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر سال ایسے زیورات سے زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے ایک سال زکوٰۃ دینا کافی نہیں کیونکہ یہ ثمن خلقی ہیں خواہ جس طریقے سے آدمی کے پاس ہوں ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، کیونکہ سونا چاندی ایسی چیزیں ہیں جن میں نمو اور زیادت خود بخود آتی ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ واللازم فی مضروب کل منهما ومعموله ولو تبرًا او حلیًا مطلقًا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقة لانهما خلقًا اثمانًا فیزکیهما کیف کانا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۹۸ باب زکوٰة المال) لـه

حکومت کی طرف سے عائد جرمانہ کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص پر حکومت کی طرف سے کوئی جرمانہ واجب الادا ہو لیکن اس شخص کے پاس ادائیگی کے لیے کوئی رقم نہ ہو تو کیا اس کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم جرمانہ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی مجبور سے مالی تعاون کرنا بذاتِ خود بہت بڑی نیکی ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر یہ شخص غریب ہو تو بغیر کسی حیلہ کے اس کو زکوٰۃ کی رقم دے کر جرمانہ کے ادا کرنے میں مدد دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر یہ شخص صاحبِ نصاب ہو لیکن جرمانہ کی ادائیگی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو تو کسی شرعی حیلہ کے بغیر اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما قال الشیخ النظام رحمه الله:۔ ولو قضٰی دین الفقیر بزکوٰة ماله ان کان

لـه قال الامام برهان الدین المرغینانی رحمه الله:۔ وفی تبر الذهب والفضة وحلیهما واوانیهما الزکوٰة۔ (الهدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۶۳ باب زکوٰة المال۔ فصل فی الذهب)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۶/۱۷ فصل صفة النصاب۔

بامرہ یجوز وان کان بغیر امرہ لایجوز وسقط الدّین ۔

(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف) ؎۱

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ تجارت میں نقد اور قرض دونوں کا معاملہ ہوتا ہے اس لیے حولانِ حول کے بعد اگر کسی تاجر کے پاس نقد رقم کم اور قرض کی رقم زیادہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں کون سا مال معتبر ہوگا؟

الجواب :۔ تجارت کے کاروبار میں جملہ مالیت کا اعتبار ہوگا خواہ وہ مالک کے پاس نقدی کی شکل میں ہو یا اموالِ تجارت (یعنی جنس) کی صورت میں موجود ہو، یہاں تک کہ قرض بھی اس میں شمار ہو کر جملہ مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ تاہم اگر قرض سے زکوٰۃ کی ادائیگی وصولی پر موقوف رہے تو یہ بھی جائز ہے۔

قال زین الدین ابن نجیمؒ : قوی وهو بدل القرض ومال التجارة..... ففی القوی تجب الزکوٰة اذا حال الحول و یتراخی القضاء الی ان یقبض اربعین درهمًا ففیها درهم وکذا فیما زاد بحسابه ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مروجہ قیمت کا اعتبار

سوال :۔ اموالِ تجارت سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جس مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے اس میں اموالِ تجارت کی کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ کیونکہ

؎۱ قال العلامة ابن الهمام رحمه الله:۔ ویحمل هذا ان یکون بغیر اذن الحی اما اذا کان باذنه وهو فقیر فیجوز عن الزکوٰة علی انه تملیك منه والعاقد یقبضه بحکم النیابة عنه ثم یصیر قابضًا لنفسه ۔ وفی الغایة نقلاً من المحیط والمفید لوقضی بها دین حی او میت بامره جاز ومعلوم ارادة قید فقیر المدیون ......وقضی دین حی او میتٍ بغیر اذن الحی لایجوز ۔

(فتح القدیر ج۲ ص۲۰۸ باب من یجوز دفع الصدقة الیه ۔ الخ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف ۔

؎۲ وفی الهندیة :۔ و (قوی) وهو مایجب بدلاً عن سلع التجارة اذا قبض اربعین زکی لما مضی کذا فی الزاهدی ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال ۔

اشیاء کی قیمت خرید ایک ہوتی ہے جبکہ گاہک کو دوسری قیمت پر دی جاتی ہے۔

الجواب:۔ اموالِ تجارت کی قیمت لگانے میں مقامی قیمت کا اعتبار ہوگا پھر قیمت میں تفاوت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مارکیٹ کی موجودہ قیمت کو اعتبار دیا جائے گا، کیونکہ یہی اس کی مالیت کا معیار ہے۔

لما قال فی الهندیة :۔ ویقومها المالك فی البلد الذی فیه المال حتی لو بعث عبداً للتجارة الی بلدٍ اٰخر فحال الحول تعتبر قیمته فی ذٰلك البلد ولو كان فی مفازة تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الی ذٰلك الموضع. (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۱۸۰ كتاب الزكوٰة ۔الباب الثالث فی زكوٰة الذهب والعروض ۔ الفصل الثانی فی العروض) [۱]

کاروبار کی جگہ کے فقراء زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں

سوال:۔ اگر کسی شخص کا کاروبار ایک جگہ ہو اور رہائش دوسری جگہ ہو تو کہاں کے فقراء اُسکی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں، کیا اس میں رہائش کا اعتبار ہوگا یا کاروبار کی جگہ کا؟

الجواب:۔ فقہاءِ کرام کی عبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاروبار کی جگہ کے فقراء ترجیحی سلوک کے مستحق ہیں۔

لما فی الهندیة : ویكره نقل الزكوٰة من بلدٍ الی بلدٍ إلّا ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیها من اهل بلده ...... ثم المعتبر فی الزكوٰة مكان المال حتی لو كان هو فی بلدٍ وماله فی بلدٍ اٰخر یفرق فی موضع المال ۔ (الفتاوٰی الهندیہ ج ۱ ص۱۹۰ كتاب الزكوٰة الباب السابع فی المصارف) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : (تحت قوله: ویقوم فی البلد الذی المال فیه) فلو بعث عبداً للتجارة فی بلدٍ اٰخر یقوم فی البلد الذی فیه العبد۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۸۶ باب زكوٰة الغنم)
وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص ۲۲۹ باب زكوٰة فی الاموال۔

[۲] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : (تحت قول وكره نقلها) ای من بلدٍ الی بلدٍ اٰخر لان فیه رعایة حق الجوار فكان اولیٰ والمتبادر منه ان الكراهة تنزیهیة تامل فلو نقلها جاز لان المصرف مطلق الفقراء ویعتبر فی الزكوٰة مكان المال۔
(رد المحتار ج ۲ ص۳۵۳ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فی المراقی الفلاح ص۳۹۲ باب المصرف۔

مالِ مضاربت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص نے دوسری کاروباری آدمی کو مضاربت پر کچھ رقم دی ہے، رب المال دوسرے مال سے زکوٰۃ ادا کرتا رہتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو مال اس نے مضاربت پر دیا ہے کیا اس کی زکوٰۃ رب المال پر ہے یا مضارب پر یا دونوں پر؟

الجواب: مضاربت کی صورت میں جب تک فائدہ نہ ہو تو مضارب کے پاس رقم امانت ہوتی ہے اور مال رب المال کا شمار ہوتا ہے اس لیے زکوٰۃ رب المال کے ذمہ واجب ہے لیکن اگر اس میں یعنی فائدہ ہو کر مضارب کا حصہ بھی اتنا ہو کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو تو پھر ہر ایک پر اپنے حصے کی زکوٰۃ کی ادائگی واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وإن تعدد النصاب تجب اجماعاً ویتراجعان بالحصص وبیانه فی الحاوی فان بلغ نصیب احدهما نصاباً زکاه دون الاخر.... واعلم ان الدیون عند الامام ثلاثة قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوتها اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درهماً من الدّین القوی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۴/۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [1]

مسجد کے لیے جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ

سوال: ایک شخص مسجد کا متولی ہے اس نے اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کرائی، اب متولی کا ارادہ یہ ہے کہ یہ قرضہ لوگوں سے وصول کروں، تو کیا متولی مذکور لوگوں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر سکتا ہے تاکہ قرضہ ختم ہو جائے؟

الجواب: مسجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جا سکتی کسی شرعی حیلہ کے بغیر مسجد میں زکوٰۃ کی رقم لگانا بے جا ہے [2]، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما قال فی الهندیة: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب الزکوٰة۔ الباب السابع فی المصارف) [2]

---

[1] قال فی الهندیة: الخلیطان فی المواشی کغیر الخلیطین فان کان نصیب احدهما یبلغ نصاباً وجبت الزکوٰة علی الذی یبلغ نصیبه نصاباً دون الآخر وان کان احدهما ممن تجب علیه الزکوٰة دون الآخر فانها تجب علی من تجب علیه اذا بلغ نصیبه نصاباً۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب الزکوٰة۔ الباب الثالث فی زکوٰة۔ مسائل شتّی)
وَمِثْلُهُ فی المراقی الفلاح ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰة۔

[2] لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ باب المصرف)
وَمِثْلُهُ فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۵ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ

مسجد کی رقم پر تجارت کرنا اور اس میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مسجد کے لیے جمع شدہ رقم میں ایک شخص اس نیت سے تجارت کرے کہ مسجد کی آمدنی میں ترقی ہو، تو از روئے شرع یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ چندہ دہندگان یا ان کے معتمد علیہ کی اجازت سے اس رقم پر تجارت کرنا جائز ہے، تاہم اگر یہ رقم متولی کو نہ دی گئی ہو تو یہ رقم چندہ دہندگان کی ملکیت سے نہیں نکلتی، تو ایسی صورت میں چندہ دینے والے کی اجازت سے تجارت کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور مسجد کی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت ضروری ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔

لما قال ابن عابدین رحمہ اللہ: وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی قولہ ملک نصاب فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

جن اشیاء کے خریدنے میں تجارت کا ارادہ نہ ہو اُن میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:۔ اگر کسی نے کوئی چیز ذاتی استعمال کے لیے خریدی اور اُس وقت یہ ارادہ کیا کہ یہ چیز جب مہنگی ہو جائے گی تو اس کو فروخت کر دوں گا، تو کیا یہ چیز اموالِ تجارت میں شمار ہوگی اور حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اموالِ تجارت میں خریداری کے وقت تجارت کی نیت ضروری ہے، جہاں کہیں نیت نہ ہو تو پھر ان چیزوں کا شمار اموالِ تجارت میں نہیں ہوگا۔ مذکورہ صورت میں چونکہ خریداری کے وقت تجارت کی نیت قطعی نہیں اس لیے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ:۔ او اشتریٰ شیئاً للقنیۃ ناویاً انہ وجد ربحاً باعہ لا زکوٰۃ علیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۴ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ:۔ واما الشرائط التی ترجع الی المال فمنہا الملک فلا تجب الزکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک وھٰذا لان فی الزکوٰۃ تملیکاً والتملیک فی غیر الملک لا یتصور۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۵۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال الشیخ ابن الہمامؒ: فلو اشتریٰ عبداً مثلاً للخدمۃ ناویاً بیعہ ان وجد ربحاً لا زکوٰۃ فیہ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۶۶ فصل فی العروض)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۱ کتاب الزکوٰۃ۔

کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ذاتی مطالعہ کے لیے کتابیں موجود ہیں، قیمت کا اعتبار کیا جائے تو ان کی مالیت لاکھوں روپے سے بھی زائد بنتی ہے، کیا ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب:۔ کتابوں پر اُس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب وہ تجارت کے لیے ہوں، ذاتی کتب میں تجارت کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اموالِ تجارت میں شمار مشکل ہے، اس لیے ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما فی الھندیة: ومنھا فراغ المال عن حاجته الاصلیة..... وکذا کتب العلم ان کان من اھله وآلات المحترفین۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔الباب الاول) ؎۱

گاڑیوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ایک گاڑی ہے جو مزدوری کیلئے استعمال ہوتی ہے اُس کی آمدنی سے عموماً یہ شخص دوسری گاڑی خریدتا ہے یوں اُس کے پاس سال بھر کی کمائی سے کئی گاڑیاں جمع رہتی ہیں لیکن نقد رقم سے تہی دست رہتا ہے کیا اس شخص پر گاڑیوں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی گاڑی یا دوسرے ذرائع محنت و مزدوری کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ان سے حاصل شدہ آمدنی کے حساب سے حولانِ حول کے بعد اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی بصورتِ مذکورہ میں جب نقد رقم نہ ہو اور گاڑی تجارت کی نیت سے نہیں خریدی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تاہم اگر یہ حیلہ زکوٰۃ کے وجوب سے بچنے کیلئے کیا جاتا ہو تو اس شخص کے گنہگار ہونے میں کوئی شک نہیں۔

لما قال العلامه جلال الدین الخوارزمیؒ:۔ واما آلات الصناع الذین یعملون بھا وظروف الامتعة للتجارة لاتجب فیه الزکوٰۃ لانھا لیست بمعدة للتجارة۔ (الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج۲ ص۱۷۰ باب زکوٰۃ الاموال فصل فی العروض) ؎۲

؎۱ قال سید احمد الطحطاویؒ: عن حاجته الاصلیه...... وکتب العلم لاھلھا فاذا کان عندہ دراھم اعدھا لھذہ الاشیاء وحال علیھا الحول لاتجب فیھا الزکوٰۃ وکتب العلم لغیر اھلھا لیست من الحوائج الاصلیة وان کان الزکوٰۃ لاتجب علیٰ صاحبھا بدون نیة التجارة۔ (حاشیة الطحطاوی ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الشامی ج۲ ص۸ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ لما قال فی الھندیة: ولو اشتریٰ قدوراً من صفر یمسکھا ویواجرھا لاتجب فیھا الزکوٰۃ کما لاتجب فی بیوت الغلة۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضة والعروض۔الفصل الثانی فی العروض)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زکوٰۃ المال۔

پلاٹ کی خرید وفروخت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ عموماً زمین سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جاتا ہے لیکن ایک آدمی پلاٹ یا عمارت کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے ایسی حالت میں اس کی تمام تر مالیت جائیداد غیر منقولہ ہوتی ہے تو اس صورت میں حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :۔ پراپرٹی کے کاروبار کی صورت میں جائیداد غیر منقولہ اپنی اصلی حالت سے ہٹ کر اموالِ تجارت کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے، اس لیے اس کے ساتھ دیگر اموالِ تجارت جیسا معاملہ ہوگا کہ حولانِ حول کے بعد قیمت لگا کر زکوٰۃ واجب ہوگی، تاہم اس میں کاروباری انعقاد ہونے کی حیثیت کا تعین خریداری کے وقت کا ہوگا جس کے لیے اسی وقت تجارت کی نیت ضروری ہے ورنہ بعد ازاں کاروبار کی نیت کرنے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔

لما قال ابن نجیمؒ :۔ واما الدلالة فھی ان یشتری عیناً من الاعیان بغرض التجارة او یواجر دارہ التی للتجارة بعرض من العروض فیصیر للتجارة وان لم ینو التجارة صریحاً لکن ذکر فی البدائع الاختلاف فی بدل منافع عین معدة للتجارة ففی کتاب الزکوٰة من الاصل انہ للتجارة بلا نیة وفی الجامع ما یدل علی التوقف علی النیة فکان فی المسئلة روایتان ومشائخ بلخ کانوا یصححون روایة الجامع لان العین وان کانت للتجارة لکن قد یقصد ببدل منافعھا المنفعة فیؤاجر الدابة لینفق علیھا والدار للعمارة فلا تصیر للتجارة مع التردد الا بالنیة ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰة) [1]

اسلحہ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ علاقہ غیر میں رہنے والے اکثر لوگ اپنے ساتھ اسلحہ رکھتے ہیں اور اسلحہ کی قیمت مقدارِ نصاب سے بہت زیادہ ہوتی ہے، تو کیا اس اسلحہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ جو اسلحہ مال وجان کے تحفظ کے لیے رکھا جائے اگرچہ وہ قیمت کے لحاظ سے مقدارِ نصاب سے بہت زیادہ ہو تو حوائجِ اصلیہ میں داخل ہو کر اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ : او فی عرض تجارة قیمتہ نصاب الجملة صفة عرض وھو ھنا ما لیس بنقد وھو م (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۹۸ کتاب الزکوٰة)

ومِثلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰة ۔

اگر تجارت کی غرض سے رکھا گیا ہو تو پھر اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

قال علی ابن ابی بکر الفرغانیؒ: ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) [1]

گدھے اموالِ تجارت میں ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے

سوال:۔ ہمارے پاس کچھ گدھے ہیں جن سے ہماری غرض صرف کاروبار کا چلانا ہے، کیا ان گدھوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ ایک مُردار شے ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

الجواب:۔ گدھوں کی زکوٰۃ کے بارے میں شریعتِ مقدسہ نے کوئی واضح حکم نہیں دیا ہے اسلئے گدھوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر گدھے تجارت کیلئے رکھے ہوں جیسا کہ سوال سے مستفاد ہے تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ لازم ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ:۔ ولا شئ فی البغال والحمیر لقولہ علیہ السلام لم ینزل علی فیھما شئ والمقادیر تثبت سماعاً الا ان یکون للتجارۃ لان الزکوٰۃ حینئذ تتعلق بالمالیۃ کسائر اموال التجارۃ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۹۱ فصل فی الخیل) [2]

اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس کچھ رقم ہے اور اس نے ابتداء سال سے اس میں تجارت شروع کی اور سال کے آخر میں اس نے کچھ منافع حاصل کیا، تو کیا حولانِ حول کے بعد اصل رقم یا منافع پر الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی یا دونوں پر ایک ساتھ؟

الجواب:۔ اگر کسی نے اوّل سال کی کسی تاریخ سے تجارتی کاروبار شروع کیا اور سال کے

---

[1] وفی الھندیۃ:۔ ومنھا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ فلیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرھا الخ)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج۱ ص۱۱۹ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) لا فی (بغال وحمیر) سائمۃ اجماعاً لیست للتجارۃ (فلو لھا فلا کلام) لانھا من العروض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۲ باب زکوٰۃ الغنم)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۵۸ فصل الخامس فیما تجب فیہ الزکوٰۃ۔

آخر میں اس نے کوئی نفع حاصل کیا تو اس میں اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر سال کی ابتداء اور انتہاء میں نصاب پورا ہو تو دورانِ سال ناقص ہونے سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، سال کے آخر میں تمام مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ:۔ ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسه ضمه الیه وزکٰوة۔ (الهدایة ج ۱ ص۱۹۳ فصل فی الغنم) له

ضرورت کے لیے خریدی گئی زمین پر تجارت کی نیت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے کچھ زمین گھر کی تعمیر کیلئے خریدی اور نصف تعمیر کے بعد تجارت کی نیت کرلی، اب تعمیر پر زکوٰۃ کب سے واقع ہوگی؟ ابتداءً یا بوقتِ نیت؟

الجواب:۔ جو زمین گھر کی تعمیر کے لیے خریدی جائے اور دورانِ تعمیر اگر تجارت کی نیت کرلی تو قبل النیت خرچ کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ نہیں، کیونکہ تجارت میں نیت بوقتِ عقد معتبر ہوتی ہے اور بعد نیت جو رقم خرچ کی گئی ہے باقی اموال سے ملاکر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ:۔ لا یبقی للتجارة ما ای عبد مثلاً اشتراه لها فنوی بعد ذٰلك خدمته ثم ما نواه للخدمة لا یصیر للتجارة وان نواه لها مالم یبعه بجنس ما فیه الزکٰوة والفرق ان التجارة عمل فلا تتم بمجرد النیة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۷۲ کتاب الزکٰوة) ۲ه

ذاتی استعمال کیلئے خریدی گئی مشین کو نفع پر فروخت کرنے میں زکوٰۃ

سوال:۔ اگر کسی شخص نے ایک مشین ذاتی استعمال کیلئے

له وفی الهندیة: ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالاً من جنسه ضمه الی ماله وزکٰوة۔ الخ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۱۷۵ فصل منها حولان حول علی المال)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۲ فصل فی الغنم۔

۲ه قال الامام فخر الدین القاضیخانؒ:۔ اشتری خادماً للخدمة وهو ینوی انه لو اصاب ربحاً یبیعه فحال علیه الحول لا زکٰوة فیه۔ (الفتاوٰی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۲۵۱ کتاب الزکٰوة)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۹ کتاب الزکٰوة۔

خریدی ہو لیکن کوئی نفع آور صورت دیکھ اس کو فروخت کر دے تو کیا اس میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص گذشتہ ایام سے صاحبِ نصاب ہو تو حولانِ حول کے بعد مشین کی قیمت اور منافع جملہ منافع شمار کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی ورنہ حولانِ حول کے بغیر اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رح :۔ وَسَبَبُهٗ ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

کراکری کے سامان میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کی دوکان میں کھانے پینے کے برتن، پکانے کی دیگیں اور دوسرے ایسی چیزیں ہوں جو اجتماعی طور پر دعوت اور دیگر پروگراموں میں استعمال ہوتی ہوں، ایسے برتن عموماً کرایہ پر دیئے جاتے ہیں۔ از روئے شرع ایسے شخص کی آمدنی میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ کیا برتن، ٹینٹ اور دیگوں کی قیمت سے بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ؟

الجواب:۔ برتنوں، دیگوں اور کراکری ٹینٹ وغیرہ کی قیمت میں زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ان اشیاء سے جو کمائی حاصل ہو جائے اور نصاب کو پہنچ جائے تو حولانِ حول کے بعد اس نفع میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ولو اشتری قدوراً من صفرٍ یمسکها ویواجرها فلا تجب فیها الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الغلة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والعروض۔ الفصل الثانی فی العروض) [2]

---

[1] قال ابن نجیم رحمه الله :۔ والمراد بکونه حولیاً ان یتم الحول علیه وهو فی ملکه لقوله علیه السلام لا زکوٰۃ فی مالٍ حتی یحول علیه الحول قال فی الغایة سمی حولاً لان الاحوال تحول فیه۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل۔

[2] قال العلامة جلال الدین الخوارزمی رحمه الله :۔ واما آلات الصناع الذین یعملون بها وظروف للتجارة لا تجب فیه الزکوٰۃ لانها لیست بمعدة للتجارة کما لا تجب فی بیوت الغلة۔ (الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج۲ ص۱۷۰ فصل فی العروض)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ باب زکوٰۃ المال۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کو اپنے مالِ تجارت میں نقصان ہوا اور مال میں کمی آئی اور سال کے بعد مذکورہ مال میں اضافہ ہوا، اب وہ زکوٰۃ کس طریقے سے ادا کرے گا؟

الجواب:۔ حولانِ حول کے بعد اصل مال اور منافع کو جمع کر کے جب مقدارِ نصاب ہو تو مجموعہ سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی خواہ منافع ہو یا نقصان، اور رأس المال جب مقدارِ نصاب سے زائد ہو تو باوجود خسارہ کے زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔

قال العلامة الشرنبلالیؒ:۔ وشرط وجوب ادائها حولان الحول علی النصاب الاصلی واما المستفاد فی اثناء الحول فیضم الی مجانسه ویزکی بتمام الحول الاصلی سواءً استفید بتجارة او میراث۔ (مراقی الفلاح ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

تجارت کے لیے مکانات میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ مکانات، دوکانیں اور پلاٹ تجارت کی نیت سے خرید کر ان کا کاروبار کرتے رہتے ہیں، ممکن ہے بسا اوقات کچھ وقت کے لیے رہنے کا فائدہ بھی حاصل کریں لیکن عموماً پیشِ نظر اس میں تجارت ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ ادارے قائم کرتے ہیں، ایسی حالت میں ان مکانات اور دوکانوں کی قیمت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ منقولہ جائیداد کی طرح غیر منقولہ جائیداد کا کاروبار بھی معاشرہ کے اہم معاملات میں سے ہے، اگرچہ غیر منقولہ جائیداد بذاتِ خود نمو سے عاری ہونے کی وجہ سے وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہیں، یہی وجہ ہے کہ رہن سہن یا کرایہ کے لیے بنائے ہوئے مکانات اور دوکانوں پر زکوٰۃ نہیں، لیکن جب یہی جائیداد کاروباری منڈی میں منتقل ہو کر خریدتے وقت باقاعدہ تجارت کی نیت کی گئی ہو تو پھر اموالِ تجارت کے حکم میں ہو کر اس کی قیمت میں حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہے گی۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله:۔ وسواء کان مال التجارة عروضاً او عقاراً او شیئاً مما یکال او یوزن لان الوجوب فی اموال التجارة تعلق بالمعنی وهو المالیة والقیمة

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: وشرط کمال النصاب ولو سائمة فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۲ فصل فی زکوٰۃ الغنم)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۲۲ فصل فی الغنم۔

وهذه الاموال كلها في هذا المعنى جنس واحد۔ (البدائع الصنائع ج۲ ص۲۰/۲۱ فصل اموال التجارة) [1]

اجارہ کیے ہوئے کان میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کی پتھر کی کان ہے جو اجارہ کی ہے لیکن اس کے جملہ ٹیکس بھی حکومت کو ادا کرتا ہے اور کان والوں کو بھی فی من کچھ رقم دیتا ہے، تو آیا یہ شخص کل آمدنی سے زکوٰۃ ادا کرے گا یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم کی زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب:۔ اس شخص کے دیگر اموال پر جب حولانِ حول ہو جائے تو اس کان سے خارج شدہ جواہرات کی زکوٰۃ ادا کرے گا بشرطیکہ جواہرات فروخت شدہ ہوں اور اگر فروخت شدہ نہ ہوں تو اس میں زکوٰۃ دینا واجب نہیں اور ٹیکس ادا کیے بغیر زکوٰۃ دی جائے گی۔

لما قال ابن الهمامؒ اخرج ابن ابی شیبة عن عکرمةؒ: لیس فی حجر اللؤلؤ ولا حجر الزمرد زکوٰة الا ان یکون للتجارة۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۸۵ باب المعادن والرکاز) [2]

کارخانہ کی زمین اور مشینوں پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال:۔ میں ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں، صنعت کے لیے میں نے صابن کا ایک کارخانہ لگایا ہوا ہے جس کی کافی زمین ہے اور اس میں مشینیں بھی ہیں، تو کیا مجھ پر کارخانہ کی زمین اور مشینوں کی زکوٰۃ لازم ہے؟

الجواب:۔ صنعتی آلات و وسائل جب تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ کسب کے لیے ہوں تو اُن کی ذات پر زکوٰۃ لازم نہیں اگرچہ وہ زمین یا مشینری لاکھوں کروڑوں روپے کی ہی کیوں نہ ہو بلکہ اس کی آمدنی پر زکوٰۃ لازم ہے، البتہ اگر زمین یا آلات تجارت کی غرض سے ہوں تو پھر

---

[1] قال فی الهندیة: الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰة۔ الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض۔ الفصل الثانی فی العروض)
ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۶۵، ۱۶۶ فصل فی العروض۔

[2] قال ابن نجیمؒ: (تحت قوله لا رکاز دار حرب وفیروزج ولؤلؤ وعنبر) ای لا خمس فی هذه الاشیاء اما الاول فلانه حجر مضیء یوجد فی الجبال وقد ورد فی الحدیث لا خمس فی الحجر ونحوه الیاقوت والجواهر کما قدمناه من کل جامد لا ینطبع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۶ باب الرکاز)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۵ کتاب الزکوٰة۔ الباب الخامس فی المعادن والرکاز۔

ان کی ذات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولا فی ثیاب البدن..... وکذلك آلات المحترفین۔ قال ابن عابدینؒ: ای سواء کانت مما لا تستھلك عینه فی الانتفاع کالقدوم والمبرد او تستھلك۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

آٹے کی مشین اور ٹرک وغیرہ کی قیمت میں زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ اگر کسی نے ٹرک یا گاڑی وغیرہ مزدوری کے لیے خریدے ہوں اور ایسا ہی آٹا پیسنے کی مشین کمائی کے لیے خریدی ہو، کیا حولانِ حول کے بعد آٹے کی مشین اور ٹرک وغیرہ کی قیمت لگا کر اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نقد اور اجناس میں تجارت کی نیت ضروری ہے، ایسی صورت میں نصاب پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہے گی، اس کے علاوہ جو آلات یا گاڑی وغیرہ محنت و مزدوری کے لیے ہوں اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ٹرک اور آٹا پیسنے کی مشین چونکہ آلاتِ مزدوری ہیں اس لیے ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ حولانِ حول کے بعد ان کی آمدنی اگر نصاب تک پہنچتی ہو تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔

قال علی ابن ابی بکر الفرغانیؒ:۔ ولیس فی دور السکنی..... زکوٰۃ..... وآلات المحترفین لما قلنا۔ (الھدایة ج ۱ ص ۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

؎۱ قال الدکتور وھبة الزحیلی:۔ ولا زکوٰۃ باتفاق المذاھب علی الحوائج الاصلیة...... وآلات المحترفین لانھا مشغولةٌ بالحاجة الاصلیة ولیست بنامیة اصلاً۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۷۳۶ المبحث الثانی سبب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الھدایة ج ۱ ص ۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ وفی الھندیة: ومنھا فراغ المال عن حاجته الاصلیة فلیس فی دور السکنی..... وکذا کتب العلم ان کان من اھله وآلات المحترفین کذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاوی الھندیة ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی ردالمحتار ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ۔

زمین کا کرایہ (ٹھیکہ) پیشگی دینے میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے زمین کرایہ پر لی ہے اور دو تین سال کا کرایہ پیشگی مالکِ زمین کو دے دیا ہے۔ اس پیشگی کرایہ پر جو زکوٰۃ ہے وہ زمین کے مالک پر ہوگی یا متاجر پر؟

الجواب:۔ کرایہ دار نے جو رقم پیشگی دی ہے اگر زمین کی اُجرت کے طور پر دی ہے تو زکوٰۃ مالکِ زمین پر ہوگی اور اگر بطور قرض دی ہو تو زکوٰۃ کرایہ دار پر ہوگی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب عند قبض اربعین درھماً من الدَّین القوی کقرض و بدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درھماً یلزمہ درھم۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [1]

قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ کس طرح ادا ہوگی

سوال:۔ آجکل ایسے پتھر پائے جاتے ہیں جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں، تو کیا ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

الجواب:۔ قیمتی پتھروں مثلاً زمرد وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں اگر تجارت کیلئے ہوں تو پھر ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما فی الھندیۃ:۔ ولا شیٔ فیما یخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمك وفیھا ایضاً ولا شیٔ الا ان یکون للتجارۃ فان کان للتجارۃ فحکمھا حکم العروض۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۵،۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الخامس فی المعادن والرکاز) [2]

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: قسّم ابوحنیفۃؒ الدَّین علیٰ ثلاثۃ اقسام قوی وھو بدل القرض ومال التجارۃ۔ الخ۔ ففی القوی تجب الزکوٰۃ اذا حال الحول ویتراخی القضاء الیٰ ان یقبض اربعین درھماً ففیھا درھم وکذا فیما زاد بحسابہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۷)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۳۸ فصل السادس فی الدیون ومسائلھا۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا زکوٰۃ فی اللاٰلی والجواھر وان ساوت الفاً اتفاقاً الا ان تکون للتجارۃ والاصل ان ماعدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیۃ التجارۃ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح ص۳۹۱ کتاب الزکوٰۃ۔ قبیل باب المصرف۔

زیورات کے نگینہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر زیورات کی مجموعی تعداد دس تولہ ہو لیکن اس میں دو تولہ قیمتی پتھر اور جواہر بھی ہوں جو کہ بطور نگینہ زیورات میں استعمال ہوں، تو کیا اس صورت میں مجموعی طور پر دس تولہ زیورات کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نگینہ منہا کر کے بقیہ زیورات سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

الجواب:۔ نگینہ خواہ قیمتی پتھر کا ہو یا موتی کا ہو اُس میں بذاتِ خود زکوٰۃ واجب نہیں، اسلئے سونے (زیورات) سے اس کو منہا کر کے اصل سونے سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی سونے کی مقدار (وزن) میں اس کا شمار نہیں ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ:۔ واما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰۃ فیها وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارة۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۵۱ باب زکوٰۃ الذهب)[۱]

قدرتی خزانہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ قدرتی خزانہ پانے کی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بیت المال کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خمس یعنی ۱/۵ حصہ حکومت کو ملے گا اور بقیہ ۴/۵ حصے اس شخص کے پاس رہے گا جس کو خزانہ ملا ہے، خزانہ ملتے وقت اس میں زکوٰۃ واجب نہیں تاہم حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی۔

لما قال الشیخ النظامؒ: مایخرج من المعادن ثلاثه منطبع بالنار ومائع وما لیس بمنطبع ولا مائع اما المنطبع کالذهب والفضة والحدید والرصاص والنحاس والصفر ففیه الخمس۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۴ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الخامس فی المعادن والرکاز)[۲]

---

[۱] قال فی الهندیة: واما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰۃ فیها وان کانت حلیاً الا ان تکون للتجارة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث، الفصل الثانی فی العروض)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۳ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ولنا قوله علیه السلام وفی الرکاز الخمس وهو من الرکز فاطلق علی المعدن ولانها کانت فی ایدی الکفرة فحوتها ایدینا غلبةً فکانت غنیمةً وفی الغنائم الخمس۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۸۰ باب المعادن والرکاز)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۲ باب الرکاز۔

۴½ تولہ سونا اور ۴۰۰۰ روپے نقد پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص کے پاس ۴½ تولہ سونا اور تقریباً ۴۰۰۰ روپے کا سامان زائد از ضرورت موجود ہے اور اس پر ۴۰۰۰ روپے قرض بھی ہے، تو کیا اس شخص پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وہ شخص جس کے پاس ۷½ تولہ سونا یا ۵۲½ تولہ چاندی یا اسکی قیمت کا سامان ضروریاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہے اور اگر دو تین اشیاء ہوں مذکورہ اشیاء میں سے تو پھر جو چیز سونا، چاندی میں سے انفع للفقراء ہو تو اسی نصاب سے تینوں یا دوتوں کو قیمتاً ضم کر کے نصاب بنا لیا جائے، اب اگر اس شخص پر قرضہ بھی ہو تو جملہ قیمت سے قرضہ منہا کر کے باقی مال اگر نصاب تک پہنچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ ۴½ تولہ سونا اور سامان کی قیمت تقریباً ۱۴، ۱۵ ہزار روپے بنتی ہے اور اگر اس میں سے ۴ ہزار روپے کا قرضہ منہا کیا جائے تو بھی باقی مال نصاب تک پہنچتا ہے اسلئے اس شخص پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله واليسار) بان ملك مائتي درهم او عرضاً يساويها غير مسكنه وثياب اللبس او متاع يحتاجه الى ان يذبح الأضحية و لم له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصاباً۔ (رد المحتار ج۵ ص۲۱۹ كتاب الاضحية)

قال الامام ابو حنيفةؒ: يضم احدهما الى الآخر باعتبار القيمة۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۹ كتاب الزكوٰة)

سائیکل اور گھڑی وغیرہ ضروریات میں داخل ہیں

سوال: اگر کسی شخص کے پاس اڑھائی تین ہزار کی سائیکل اور ایسے ہی ایک قیمتی گھڑی بھی ہو، تو کیا ان اشیاء کی مجموعی قیمت نصاب کو پہنچ کر مالک کو غنی کے حکم میں قرار دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: موجودہ معاشرہ اور حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اشیاء حوائجِ اصلیہ میں داخل ہیں اس لیے ان کے مالک کو صاحبِ نصاب قرار نہیں دیا جا سکتا ہے بلکہ بعض اشخاص کی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر موٹر سائیکل بھی ان کے لیے ضروریات میں داخل مانا گیا ہے اس لیے اگر یہ شخص غریب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

قال علي ابن ابي بكر المرغينانيؒ: ولا يجوز دفع الزكوٰة الى من يملك نصاباً من اي مال كان، الى ان قال ويجوز دفعها الى من يملك اقل من ذلك وان كان صحيحاً مكتسباً لانه فقير۔ الخ (الهداية ج۱ ص۲۰۷ باب مصارف الزكوٰة)

باب زکوٰۃ السّوائم

(چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ کے احکام)

بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس بیس۲۰ بھیڑ بکریاں ہوں اور ان کے ساتھ ان کے تیس۳۰ بچے بھی ہوں، اب ان بچوں پر تو سال نہیں گذرا جبکہ بیس۲۰ بھیڑ بکریوں پر سال گذر چکا ہے، اس حالت میں زکوٰۃ کس وقت ادا کی جائے گی۔

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں چونکہ چالیس۴۰ بھیڑ بکریوں پر سال نہیں گذرا ہے بلکہ بیس۲۰ پر سال گذرا ہے اور بقیہ (تیس۳۰ بچوں) پر سال پورا نہیں گذرا، اس لیے اُس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی جب تک چالیس۴۰ پر سال نہ گذر جائے۔

لما قال فی الهندیة:۔ لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمة صدقة فاذا كانت اربعین سائمة وحال علیه الحول ففیها شاة الی مائة وعشرین۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۸ کتاب الزکوٰۃ۔الباب الثانی۔الفصل الرابع فی زکوٰۃ الغنم)[۱]

مویشیوں کے دودھ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی اپنے گھاس سے مویشی پال کر دودھ فروخت کرتا ہے، اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بذاتِ خود اس رقم میں زکوٰۃ واجب نہیں تاہم حولانِ حول کے بعد تکمیلِ نصاب سے زکوٰۃ لازم ہوگی۔

لما قال الشیخ النظام رحمه الله:۔ ومنها كون المال نصاباً فلا تجب فی اقل منه۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔الباب الاوّل)

وقال ایضاً: (ومنها حولان الحول علی المال) العبرة فی الزکوٰۃ

---

[۱] قال الامام برهان الدین المرغینانی رحمه الله:۔ لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمة صدقة فاذا كانت اربعین سائمة وحال علیها الحول ففیها شاة۔
(الهدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۳۵ فصل فی الغنم)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۶ باب زکوٰۃ المال۔فصل فی الغنم۔

للحول القمری۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۷۵ الباب الاول) لے

چراگاہ کی اُجرت دینے سے زکوٰۃ متاثر نہیں ہوتی

سوال:۔ ایک آدمی کی ملکیت میں متعدد گائیں اور بھینسیں ہوں، سال کے اکثر حصہ میں یہ جانور چرتے ہوں لیکن جہاں پر یہ حیوانات چرتے ہیں اس کے لیے باقاعدہ سالانہ کچھ رقم ادا کرنا پڑتی ہے، اب جواب طلب بات یہ ہے کہ کیا رقم کی ادائیگی کے وقت یہ حیوانات سائمہ شمار ہوں گے یا غیر سائمہ؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے حیوانات میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے جو "سائمہ" کا ذکر کیا ہے تو ان حیوانات پر یہ حقیقت صادق آتی ہے، اس لیے ماہانہ یا سالانہ رقم کی ادائیگی سے یہ حیوانات "سائمہ" کے حکم سے نہیں نکلتے، لہٰذا سال کے اکثر حصہ میں چرنے کی وجہ سے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وشرعاً المکتفیۃ با لرعی المباح ذکرہ الشمنی فی اکثر العام لقصد الدر والنسل ذکرہ الزیلعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۵ باب السائمۃ) ٢ـه

اتحاد مرعیٰ ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص کے پاس ساٹھ بکریاں ہوں اور اس نے ان کے لیے دو نوکر رکھے ہوئے ہوں، جن میں سے ایک نوکر تیس بکریاں ایک جگہ اور دوسرا نوکر تیس بکریاں دوسری جگہ چراتا ہے، تو کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ ہمارے نزدیک نصاب پر حولانِ حول کے بعد مرعیٰ کا ایک ہونا ضروری نہیں، جب ساٹھ بکریاں ایک شخص کی ملکیت ہوں تو الگ الگ مقامات پر چرنے کے باوجود

لـه قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وَسَبَبُہٗ ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی نسبۃ للحول لحولانہ علیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ۔ مطلب فی احکام المعتوہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ۔

٢ـه قال ابن نجیم رحمہ اللہ:۔ ہی التی تکتفی بالرعی فی اکثر السنۃ بیان للسائمۃ بالمعنی الفقہی لان اسم السائمۃ لایزول بالعلف الیسیر ولانہ لایمکن الاحتراز عنہ قید بالاکثر لافادۃ انّہٗ لو علفہا نصف الحول فانہا لاتکون سائمۃ فلا زکوٰۃ فیہا لوقوع الشک فی السبب۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ باب صدقۃ السوائم)

وَمِثْلُہٗ فی الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۲۱ باب زکوٰۃ الخیل۔

اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال فی الهندية :- الخليطان فی المواشی کغير الخليطين ...... اسباب الملك......

وسواء كانت فی مرعیٰ واحد اوفی مراعی مختلفة فان کان نصيب احدهما يبلغ نصاباً ونصيب الآخر لا يبلغ نصاباً وجبت الزكوٰة علی الذی يبلغ نصيبه نصاباً دون الآخر۔

(الفتاویٰ الهندية ج ا ص۱۸۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثالث، مسائل شتّیٰ) ؎۱

گائے اور بھینس کی زکوٰۃ کے نصاب میں فرق ہے یا نہیں

سوال:- گائے اور بھینس کی نصاب زکوٰۃ میں کتنی تعداد ہے جس کو پہنچکر ان میں زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، اور کیا گائے اور بھینس دونوں ایک شمار ہوں گے یا علیحدہ علیحدہ؟

الجواب:- گائے اور بھینس میں نصاب زکوٰۃ کم از کم تیس ہیں بشرطیکہ وہ سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ میں مفت کا چارہ کھاتی ہوں اور اس پر ایک سال کا بچہ یا بچی جو دوسرے سال میں داخل ہو زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانی رحؒ :- ليس فی اقل من ثلثين من البقر صدقة فاذا كانت ثلثين سائمة وحال عليها الحول ففيها تبيع اوتبيعة وهی التی طعنت فی الثانية الجواميس والبقر سواء (الهداية ج ا ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی البقر) ؎۲

؎۱ قال ابن الهمام رحمه الله :- فی الوجوب الجمع بين الاملاك المتفرقة اذا المراد الجمع والتفريق فی الاملاك لا الامكنه الا ترى ان النصاب المفرق فی امكنة مع وحدة الملك تجب فيه ومن ملك ثمانين شاة ليس للساعی ان يجعلها نصابين بان يفرقها فی مكانين فمعنیٰ لا يفرق بين مجتمع انه لا يفرق الساعی بين الثمانين مثلاً۔

(فتح القدير ج۲ ص۱۲۹ باب صدقة السوائم۔ فصل فی الابل)

ومثله فی الخانية علی هامش الهندية ج ا ص۲۴۸ فصل فی صدقة الحملان والفصلان۔

؎۲ لما قال العلامة الحصكفی رحؒ :- نصاب البقر والجاموس ولو متولدًا من وحشٍ واهلية بخلاف عكسه ...... ثلاثون سائمة غير مشتركة وفيها تبيع لانه يتبع امه ذو سنة كاملة اوتبيعة انثاه۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۰ کتاب الزکوٰۃ۔ باب زکوٰۃ البقر)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل فی نصاب البقر۔

بکریوں میں زکوٰۃ کا نصاب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بکریوں کی تعداد نصابِ زکوٰۃ میں کتنی ہے جن میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب:۔ بھیڑ بکریوں کی تعداد جب چالیس تک پہنچ جائے اور سائمہ بھی ہوں تو سال گذرنے کے بعد اُن میں ایک بکری بطورِ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله:۔ ليس في اقل من اربعين من الغنم السائمة صدقة فاذا كانت اربعين سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة۔

(الهداية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔فصل في الغنم)[1]

بھینسوں کا نصابِ زکوٰۃ

سوال:۔ احادیثِ مبارکہ میں گائے، اُونٹ، بکری وغیرہ کا نصابِ زکوٰۃ تو مقرر ہے مگر بھینس کا نہیں، تو شرعاً بھینسوں کا نصابِ زکوٰۃ کتنا ہے؟

الجواب:۔ بھینس نصابِ زکوٰۃ میں گائے کی طرح ہے یعنی جتنا نصاب گائے کا ہے (تیس گائے) اتنا ہی نصاب بھینسوں کا بھی ہے، اسی طرح اگر دونوں مخلوط ہوں تب بھی یہی ایک نصاب ہوگا یعنی دونوں کا نصاب ایک ہی شمار کیا جائے گا۔

لما قال العلامة ابن نجيم:۔ (قوله والجاموس كالبقر) لان اسم البقر يتناولها اذ هو نوع منه فيكمل نصاب البقر بها وتجب فيه زكاتها وعند الاختلاط تؤخذ الزكوٰة من اغلبها الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۵ كتاب الزكوٰة، باب صدقة البقر)[2]

---

[1] لما قال العلامه عالم بن العلاء الانصاريؒ:۔ وليس في اقل من الاربعين من الغنم صدقة فاذا كانت اربعين وفي الكافي سائمة غير مشتركة ففيها شاة الى مائة وعشرين۔

(الفتاوى التاتارخانيه ج۲ ص۲۳۲ كتاب الزكوٰة۔الفصل الاول في صدقة السوائم)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸ كتاب الزكوٰة ،فصل في نصاب الغنم۔

[2] وفي الهندية: والجاموس كالبقر وعند الاختلاط يجب ضم بعضها الى بعض لتكميل النصاب ثم تؤخذ الزكوٰة من اغلبها ان كان بعضها اكثر من بعض۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۸ كتاب الزكوٰة۔الفصل الثالث في زكوٰة البقر)

وَمِثْلُهٗ في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۴۳ كتاب الزكوٰة ۔ باب زكوٰة البقر۔

گھر میں پالے ہوئے جانوروں میں زکوٰۃ

سوال:۔ اگر کوئی شخص جانوروں کی دیکھ بھال گھر میں ہی کرتا ہو لیکن یہ جانور تجارت کے لیے ہوں تو کیا ان جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور بغرض تجارت رکھے جائیں چارے وغیرہ کا بندوبست گھر میں کرے یا باہر چراگاہ میں، مگر وہ جانور بمنزلہ سامانِ تجارت ہو کر سال گذرنے کے بعد ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اُن کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب تک پہنچتی ہو۔

لما قال العلامة برهان المرغينانيؒ:۔ الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق والذهب، لقوله علیه السلام فیها یقومها فیؤدی من کل مائتی درهم خمسة دراهم، الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۷۷ کتاب الزکوٰة، فصل فی العروض) [۱]

تجارت کے لیے جانوروں میں سونا چاندی کا نصاب معتبر ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص تجارت کیلئے گائے یا بیل رکھتا ہو اور ان کی تعداد تیس ۳۰ سے کم ہو تو کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور تجارت کی نیت سے پالے جائیں تو اس میں جانوروں کا نصابِ زکوٰۃ ضروری نہیں بلکہ جب ان جانوروں کی قیمت ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونے کی قیمت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چاہے جانوروں کی تعداد نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتی ہو یا نہ۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ الزکوٰة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق والذهب لقوله علیه السلام فیها یقومها فیؤدی من کل مائتی درهم خمسة دراهم۔ (الهدایة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰة فصل فی العروض) [۲]

---

[۱] لما قال العلامة ابن نجیمؒ:۔ (قوله ولا فی العلوفة والعوامل)..... والمراد بنفی الزکوٰة عن العلوفة زکوٰة السائمة لانها لو کانت للتجارة وجبت فیها زکوٰة التجارة۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۸ کتاب الزکوٰة فصل فی الغنم)

[۲] لما قال العلامة ابن نجیمؒ:۔ قوله و فی عروض تجارة بلغت نصاب ورق او ذهب.....ای یجب ربع العشر فی عروض التجارة اذا بلغت نصاباً من احدهما۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۲۸ کتاب الزکوٰة۔ باب زکوٰة المال)

زکوٰۃ میں جانور کی بجائے اس کی قیمت دینا

سوال:۔ اگر کوئی شخص جانوروں کی زکوٰۃ میں جانور کی جگہ اس کی قیمت دیدے تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں فقہ حنفی کی رو سے بعینہٖ اُسی چیز کا دینا ضروری نہیں بلکہ اس کی جگہ قیمت بھی دی جاسکتی ہے بلکہ بسا اوقات قیمت دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ:۔ ویجوز دفع القیمة فی الزکوٰة والکفارة وصدقة الفطر وَالْعُشْرِ وَالنَّذْرِ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۱ کتاب الزکوٰة۔ باب فی الغنم)۔[۱]

گدھوں میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ بعض علاقوں میں زیادہ تر گدھے پالے جاتے ہیں تو کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ گدھے یا خچر ایسے جانور ہیں جن کی زکوٰۃ کے لیے شارع علیہ السلام نے کوئی حکم جاری نہیں فرمایا اس لیے ان میں زکوٰۃ نہیں، تاہم اگر تجارت کی غرض سے رکھے گئے ہوں تو پھر زکوٰۃ واجب ہے۔

لما قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولا شئ فی البغال والحمیر لقوله علیه السلام لم ینزل عَلَیَّ فیھما شئ والمقادیر تثبت سماعًا الّا ان تکون للتجارة لان الزکوٰة حینئذٍ تتعلق بالمالیة کسائر اموال التجارة۔ (الهدایه ج ۱ ص ۱۷۳ کتاب الزکوٰة، فصل فی الخیل)۔[۲]

ڈیری فارم کی بھینسوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میرا ایک ڈیری فارم ہے جس میں تیس چالیس بھینسیں رکھی ہیں جن کے چارہ وغیرہ کا

---

[۱] قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ویجوز دفع القیم فی الزکوٰة عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعُشر والنذر۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰة فصل فی الخیل)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۳۷ کتاب الزکوٰة۔ باب زکوٰة الخیل۔)

[۲] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ (قوله ولا فی الحمیر والبغال) لقوله علیه السلام لم ینزل عَلَیَّ فیھما شئ والمقادیر تثبت سماعًا الّا ان تکون للتجارة لان الزکوٰة حینئذٍ تتعلق بالمالیة کسائر اموال التجارة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۷ کتاب الزکوٰة، فصل فی الغنم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الزکوٰة۔ الفصل الخامس فیما لا تجب فیه الزکوٰة۔

انتظام بیں فارم ہی میں اپنے خرچہ سے کرتا ہوں، تو کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور گھر میں پالے جاتے ہوں اور ان کے لیے چارہ وغیرہ بھی قیمتاً لیا جاتا ہو اور باہر چراگاہ میں چرتے ہوں لیکن سال کا کم حصہ، تو ایسے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں، لہٰذا آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ اگر ان بھینسوں کو صرف دودھ کے لیے پال رکھا ہو اور ان کے دودھ کو فروخت کیا جاتا ہو تو اس صورت میں دودھ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اُس رقم پر پورا سال گذر جائے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ:۔ ولیس فی العوامل والعلوفة صدقة ...... ثم السائمة هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر الحول حتیٰ لو اعلفها نصف الحول او اکثر کانت علوفة لان القلیل تابع للاکثر۔ (الهدایة ج۱ ص۱۷۴ کتاب الزکوٰة، فصل فی الخیل) [۱]

گائے بیل اور دودھ کی ذاتی ضرورت کے لیے رکھی ہوئی بھینسوں میں زکوٰۃ

سوال:۔ میں ایک کاشتکار آدمی ہوں میرے پاس کچھ بیل ہیں جو ہیں تے ہل چلانے کے لیے رکھے ہوئے ہیں اور دو بھینسے (سنڈے) رہٹ چلانے کے لیے اور کچھ گائے بھینسیں دودھ کی ذاتی ضروریات کے لیے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بچے بھی ہیں، تو کیا میرے ذمے ان جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو جانور کسی عمل (ہل یا رہٹ وغیرہ) کے لیے رکھے جائیں اُن میں شرعاً زکوٰۃ نہیں اور جو جانور دودھ یا بچوں کے لیے پالے جاتے ہوں تو اُن میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ سال کا اکثر حصہ چراگاہ میں مفت کا چارہ کھاتے ہوں اور نصاب تک بھی پہنچتے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ولیس فی العوامل والحوامل والعلوفة

---

[۱] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ (قوله هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر السنة بیان للسائمة بالمعنی الفقهی ...... قید بالاکثر لافادة انه لو علفها نصف الحول فانها لا تکون سائمة فلا زکوٰة فیها لوقوع الشك فی السبب۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰة۔ باب صدقة السوائم)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۴۸ کتاب الزکوٰة۔ باب زکوٰة الخیل۔

صدقة خلافا لمالك له ظواهر النصوص ولنا قوله عليه السلام ليس في الحوامل والعوامل ولا في البقرة المثيرة صدقة ۔ (الهداية ج۱ ص۱۷۲ كتاب الزكوٰة۔ فصل في الخيل) [۱]

سوال:۔ ہمارے ملک (افغانستان) میں اکثر لوگ

بھیڑوں کے ساتھ ان کے بچے بھی نصاب میں شمار ہوں گے

بھیڑیں پالتے ہیں جن میں بسا اوقات بڑی بھیڑوں کی تعداد کم ہوتی ہے جو نصاب تک نہیں پہنچ سکتی تو کیا بڑی بھیڑوں کے ساتھ اُن کے چھوٹے بچے بھی نصاب میں شمار کیے جائیں گے یا نہیں؟

الجواب:۔ جانوروں کے نصابِ زکوٰۃ میں بڑے جانوروں کے ساتھ ان کے چھوٹے بچے بھی شمار کیے جائیں اور جب نصاب کو پہنچیں تب اُن میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ:۔ ولا في حمل وفصيل ولد الناقة وعجول ولد البقرة...... الا تبعًا لكبير ولو واحدًا۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۳ كتاب الزكوٰة، باب زكوٰة الغنم) [۲]

گھوڑوں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میں نے سواری کے لیے ایک گھوڑا پال رکھا ہے، تو کیا میرے ذمے اُس گھوڑے کی زکوٰۃ شرعًا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں جو گھوڑا سواری کے لیے رکھا جائے وہ وجوبِ زکوٰۃ سے خارج ہے یعنی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لہٰذا آپ پر بھی اس گھوڑے کے

---

[۱] لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله:۔ (قوله ولا في العلوفة والعوامل) للحديث ليس في الحوامل والعوامل والعلوفة صدقة ولان السبب هو المال النامي۔ الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۱۸ كتاب الزكوٰة، فصل في الغنم)
وَمِثْلُهُ فِي الهندية ج۱ ص۱۷۸ كتاب الزكوٰة، الفصل الخامس فيما لا زكوٰة فيه۔

[۲] لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله:۔ وليس في الفصلان والعجاجيل والحملان صدقة عند ابي حنيفةؒ الا ان يكون معها كبار وهذا اخر اقواله وهو قول محمدؒ۔
(الهداية ج۱ ص۱۷۳ كتاب الزكوٰة، فصل في الخيل)
وَمِثْلُهُ فِي البحر الرائق ج۲ ص۲۱۷ كتاب الزكوٰة، فصل في الغنم۔

زکوٰۃ واجب نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله :۔ وليس في دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوٰة لانها مشغولة بالحاجة الاصلية۔ (الهداية ج۱ ص۱۶۶ كتاب الزكوٰة) [1]

اونٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب

سوال:۔ ہمارے علاقے میں لوگ اونٹ زیادہ پالتے ہیں تو شرعاً کتنے اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور کتنی واجب ہے؟

الجواب:۔ اسلام کے قانونِ زکوٰۃ کے مطابق جب اونٹ سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ میں چرتے ہوں اور اُن پر پورا سال گذر جائے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے بشرطیکہ جب اونٹوں کی تعداد کم ازکم پانچ ہو جائے تو ان میں ایک بکری واجب ہو جائے گی۔

لما قال العلامة برهان الدين :۔ قال ليس في اقل من خمس ذود صدقة فاذ بلغت خمساً سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة الى تسع ،الخ۔

(الهداية ج۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوٰة۔فصل في الابل) [2]

صرف نصف سال چراگاہ میں چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے پاس تقریباً پچاس گائے بھینسیں ہیں جن کو میں سال کے چھ ماہ اپنے گاؤں کے بیلے میں چراتا ہوں اور چھ ماہ اپنے گھر سے چارہ وغیرہ دیتا ہوں، کیا مجھ پر ان مویشیوں کی زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مویشیوں میں وجوبِ زکوٰۃ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مویشی سائمہ

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله :۔ ليس في دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة لانها مشغولة بحاجة الاصلية وليست بنامية۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ كتاب الزكوٰة)

ومثلهٗ في عزيز الفتاوىٰ ج۱ ص۳۴۸ كتاب الزكوٰة۔

[2] لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري رحمه الله :۔ قال محمد رحمه الله وليس فيما دون الخمس من الابل السائمة زكوٰة وفي الخمس شاة۔ (الفتاوىٰ التاتارخانية ج۲ ص۲۱۹ كتاب الزكوٰة۔الفصل الاول في صدقة السوائم)

ومثلهٗ في بدائع الصنائع ج۲ ص۱۹ كتاب الزكوٰة۔باب نصاب الابل۔

ہوں اور سائمہ ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ میں چرتے ہوں۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق چونکہ آپ اپنے مویشیوں کو نصف سال اپنے گھر سے چارہ کھلاتے ہیں اور نصف سال باہر بیسلہ میں چراتے ہیں، اس لیے ان مویشیوں پر سائمہ کی تعریف صادق نہیں آتی، لہٰذا آپ پر ان مویشیوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: باب السائمة (هي) الراعية وشرعًا المتكفية بالرعي) المباح ذكره الشمني (في أكثر العام لقصد الدر والنسل) ذكره الزيلعي وزاد في المحيط (والزيادة في السمن) ليعم المذكور فقط لكن في البدائع لو اسامها للحم فلا زكوٰة فيها .... (فلو علفها) نصفه لا تكون سائمة) فلا زكوٰة فيها للشك في الموجب. اهـ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۵، ۲۷۶ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

✵ ✵ ✵

---

[۱] لما قال العلامة عبد الرحمٰن بن محمد الكليبولي الشهير بداماد افندی: (السائمة التي تكتفي بالرعي) الرعي بالكسر الكلاء وبالفتح مصدر..... (في أكثر الحول) فان علفها نصف الحول او اكثر فليست بسائمة لأن اربابها لابد لهم من العلف ايام الثلج والشتاء فاعتبر الاكثر ليكون غالبًا۔ (مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر ج ۱ ص ۲۹۲ باب زكوٰة السوائم)

ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص ۸۳۴ كتاب الزكوٰة۔ الخطب الخامس زكوٰة الحيوان والانعام۔

باب العشر
(عشر کے احکام ومسائل)

چشمہ کے پانی سے سیرابی کی صورت میں عُشر کا حکم

سوال:۔ جو زمینیں چشموں سے سیراب ہوتی ہیں ان میں عُشر کا کیا حکم ہے؟ ان میں عُشر ہوگا یا نصف عشر؟

الجواب: چشموں سے سیراب ہونے والی زمینوں میں عشر دینا واجب ہوگا کیونکہ اس میں مؤنت اور محنت کم ہوتی ہے اور عشر کا دارومدار مؤنت اور محنت پر ہے۔

لما قال فی الهندیة: ثم ماء العشر ماء المیزاب التی حفرت فی ارض العشر وماء العین التی تظهر فی ارض العشر وکذلك ماء السماء وماء البحار العظام عشری۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰة۔ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار) [1]

عُشر کس جگہ کے حساب سے واجب ہوتا ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص نے ٹماٹر کی فصل کاشت کی ہو مگر نرخ کی کمی کی وجہ سے اپنے شہر میں کوئی قبول نہ کرتا ہو تو اس صورت میں اگر یہ شخص وہ ٹماٹر فروخت کے لیے کسی دوسرے شہر لے جائے تو یہ آدمی عُشر کس جگہ کے حساب سے دے گا؟

الجواب:۔ اگر اپنے شہر میں جنس سے زکوٰۃ ادا کرے تو فبہا ونعمت، ورنہ دوسرے شہر میں فروخت کرتے وقت متعلقہ شہر میں جنس کی قیمت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الامصار الیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰة الغنم) [2]

---

[1] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ: ثم الماء العشری ماء السماء والآبار والعیون والبحار التی لا تدخل تحت ولایة احد۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۱۹۹ باب زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۳ باب العشر۔

[2] قال فی الهندیة: ویقومها المالك فی البلد الذی فیه المال حتی لو بعث عبداً للتجارة الی بلدٍ آخر فحال الحول تعتبر قیمته فی ذلك البلد ولو کان فی مفازةٍ تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الی ذلك الموضع۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۰ کتاب الزکوٰة۔ الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض)

ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی نصف عُشر کا وجوب

سوال:۔ آبپاشی کے لیے اگر ٹیوب ویل استعمال ہوتا ہو جس میں زمیندار کو بجلی کے بل کے علاوہ مزید کچھ اخراجات بھی کرنے پڑتے ہیں، اس صورت میں آمدنی پر عُشر واجب ہوگا یا نصف عُشر؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق جس کھیت کی زراعت میں آبپاشی کے لیے بوجھ اٹھانا پڑے تو اس میں نصف عشر واجب ہوگا، جبکہ ٹیوب ویل سے آبپاشی کی صورت میں مالی بوجھ کسی سے مخفی نہیں اس لیے اس میں نصف عشر واجب ہے۔

لما فی الهندیة: وما سقی بالدولاب والدالیة ففیه نصف العُشر وان سقی سیحًا وبدالیةٍ یعتبر اکثر السنة فان استویا یجب نصف العُشر۔ (الهندیه ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰة۔ الباب السادس فی زکوٰة الزروع والثمار) [1]

ائمہ مساجد کو دی گئی سیری کی آمدنی میں عشر یا نصف عشر کا وجوب

سوال:۔ بعض علاقوں میں سادات یا ائمہ مساجد کو قوم کچھ زمین دیتی ہے جس کو عرف میں سیری کہا جاتا ہے، بسا اوقات یہ زمین مالکانہ حقوق کے طور پر دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ تو ائمہ مساجد کی ملکیت متصور ہوگی، لیکن جو سیری مساجد کے لیے وقف ہو اور ائمہ مساجد اس میں کاشت کریں تو اس میں عُشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ زمین سے عُشر کی ادائیگی کے لیے مالک ہونا شرط نہیں بلکہ زمین کی آمدنی جس کے لیے ہو اُس پر عُشر یا نصف عشر واجب ہے۔ ائمہ مساجد سیری سے جو آمدنی لیتے ہیں اس میں عُشر یا نصف عشر واجب رہے گا۔

لما فی الهندیة: وکذا ملك الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاراضی الموقوفة ویجب فی ارض الماذون والمکاتب۔ (الفتاوی الهندیه ج۱ ص۱۸۵ کتاب الزکوٰة۔ الباب السادس فی زکوٰة الزروع والثمار) [2]

---

[1] قال الشیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: وما سقی بغربٍ اودالیةٍ اوسانیةٍ ففیه نصف العشر الدالیة الدولاب والسانیة البعیر الذی یستقی به الماء۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۵۳ باب العشر)

ومِثلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۸ باب العشر۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: وکذا ملك الارض لیس بشرطٍ للوجوب لوجوبه فی الارض الموقوفه۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۷ باب العشر)

ومِثلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۵۳ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

آئندہ سال کا عُشر پیشگی دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص امسال عُشر ادا کرتے وقت آئندہ سال کا عُشر بھی ادا کر دے، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ عُشر یا نصف عُشر چونکہ پیداوار پر واجب ہوتا ہے، آئندہ سال کا عُشر پیشگی دینا قبل الوجوب ادائیگی کے مترادف ہے جس سے ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی۔

ووقته وقت خروج الزرع وظهور الثمر عند ابی حنیفة فلو عجل عشر ارضه قبل الزرع لایجوز ولو عجل بعد الزراعة بعد النبات فانه یجوز ولو عجل بعد الزراعة قبل النبات فالاظهر انه لایجوز ولو عجل عشر الثمار ان کان بعد طلوعها یجوز وان کان قبل طلوعها لایجوز فی ظاهر الروایة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰة الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار) [1]

قومی اخراجات منہا کیے بغیر عشر واجب ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں لوگوں کا یہ رواج ہوتا ہے کہ زمین کی آمدنی میں گاؤں کے لوہار، حجام یا دیگر کسب گروں کو ایک مخصوص حصہ دیتے ہیں۔ تو کیا عشر ان قومی یا علاقائی اخراجات کو منہا کیے بغیر ہی عشر ادا کیا جائے گا یا ان کا حصہ نکال لینے کے بعد؟

الجواب:۔ عُشر یا نصف عُشر تمام آمدنی میں واجب ہے مذکورہ اخراجات بھی زمین کی آمدنی ہیں، اس لیے اس کا عُشر یا نصف عشر ادا کرنا واجب ہے اور ان اخراجات کو منہا کیے بغیر ہی عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال الشیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: وقال محمد اذا حصدت وصارت فی الجرین وفا ئدته فیما اذا اکل منه شیئًا بعد ما صار جریشًا او اطعم غیره منه بالمعروف فانه یضمن عشر ما اکل واطعم عند ابی حنیفةؒ وزفرؒ ... وان اکل منها بعد بلغت الحصاد قبل ان حصد ضمن عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ۔ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۵۱ باب زکوٰة الزرع والثمار) [2]

---

[1] قال العلامة جلال الدین الخوارزمیؒ: ثم اختلفوا فی وقت الوجوب فوقت الوجوب عند ابی حنیفة یکون عند ظهور الثمرة وعند ابی یوسفؒ الوجوب عند الادراک وعند محمد یکون عند استحکامه۔ (الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج ۲ ص۱۹۱/۱۹۲ باب زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی البدائع الصنائع ج ۲ ص۵۴ فصل زکوٰة الزرع والثمار۔

[2] قال ابن نجیمؒ: واما رکنه فالتملیک کالزکوٰة وشرائط الاداء ما قدمناه فی الزکوٰة ..... وان استهلکه غیر المالک اخذ الضمان منه وادی عشره وان استهلکه المالک ضمن عشره وصار دینًا فی ذمته۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۷ باب العشر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰة۔

حکومت کا عُشر اور زکوٰۃ وصول کرنا

سوال:۔ حکومت عوام سے جو عُشر اور زکوٰۃ وصول کر کے تقسیم کرتی ہے تو کیا اس سے مالک کی ذمہ داری فارغ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حکومت کے واسطہ سے زکوٰۃ اور عُشر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مروجہ نظام زکوٰۃ کی خامیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا کسی پر مخفی نہیں کہ عموماً زکوٰۃ اصل مصرف میں خرچ نہیں ہوتی بلکہ سیاسی وابستگی اور پارٹی تعلقات کی بنیاد پر عموماً غیر مستحقین کو دی جاتی ہے، اس لیے اس کو دیکھتے ہوئے کہ زکوٰۃ ضائع ہو رہی ہے اس پر اکتفاء کرنا دانشمندی نہیں بلکہ دوبارہ اعادہ کرنا بہتر ہے۔

لما قال العلامة صدر الشریعۃ: وان اخذ واالزکوٰۃ المذکورۃ قال صرفوا الیٰ مصارفہا وھی مصارف الزکوٰۃ فلا اعادۃ علی الملاک وان لم یصرفوا الیٰ مصارفہا فعلیہم الاعادۃ (شرح الوقایۃ ج ۱ ص۲۸۰ کتاب زکوٰۃ الاموال)[1]

پاکستانی زمین کی شرعی حیثیت

سوال:۔ پاکستان کی جو زمین ہے (خواہ اس کا تعلق کسی بھی صوبے سے ہو) ہموار ہو یا پہاڑی، از روئے شریعت اس میں عُشر یا نصف عشر واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز پاکستان بننے سے پہلے یا بعد جن لوگوں کو زمین ملی ہے اس میں عُشر کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ہمارے ملک کی زمین خواہ وہ پاکستان بننے سے قبل کسی کو ملی ہو یا بعد میں، تمام پر حکومت کی طرف سے مالکانہ قبضہ تسلیم کر کے جملہ مالکانہ تصرفات کا اختیار دے دیا گیا ہے، اس لیے مسلمانوں کی ملکیت تسلیم ہونے کے بعد یہ زمین عشری ہے خراجی زمین نہیں۔[2]

---

[1] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابہا ان صرف الماخوذ فی محلہ الآتی ذکرہ والا یصرف فیہ فعلیہم فیما بینہم وبین اللہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۸۸ باب زکوٰۃ الغنم)
وَمِثْلُہٗ فی السراجیۃ ص۲۶ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] وللتفصیل فلیراجع الی الکتاب المسمّیٰ "بالقول الماضی فی الاحکام الاراضی" للعلامۃ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

قرض مانع وجوبِ عشر نہیں

سوال:- اگر زمیندار پر کچھ قرض ہو تو کیا مقروض ہونے کے باوجود زمین کی آمدنی سے عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا قرض مانع وجوبِ عشر ہے؟

الجواب:- عشر کا وجوب زمین کی آمدنی پر ہے اس میں غنا یا مالکِ نصاب ہونا ضروری نہیں ہے اسلیے مقروض ہونے کے باوجود عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال الامام برهان الدين المرغيناني: قال ابوحنيفة رحمه الله في قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقي سيحًا او سقته السماء۔ (الهداية على مد فتح القدير ج ۲ ص ۱۸۶ باب زكوة الزروع والثمار) [1]

مالیہ یا آبیانہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا

سوال:- فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عشر اور خراج دونوں ایک زمین سے نہیں لیے جائیں گے، لیکن اگر حکومت زمیندار سے آبیانہ یا مالیہ کے نام پر ٹیکس وصول کرتی ہے تو کیا اس سے عشر ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- فی زمانہ حکومتی ٹیکس دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) آبیانہ جو کہ پانی کے عوض لیا جاتا ہے (۲) زرعی ٹیکس، جو کہ پیداوار پر لگایا جاتا ہے۔ اول الذکر یعنی آبیانہ چونکہ اُس پانی کے عوض میں حکومت وصول کرتی ہے جس کا وہ انتظام کرتی ہے، اس لیے اس صورت میں بوجہ اخراجات اور محنت ومشقت عشر (دسواں حصہ) کے بجائے نصف عشر (بیسواں حصہ) لازم ہوگا۔

قال العلامة ابن عابدين: لان العلة في العدول عن العشر الى نصفه في مستقي غرب ودالية هي زيادة الكلفة كما علمت وهي موجودة في شراء الماء۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۸ باب العشر) [2]

---

[1] قال ابی بکر بن علی بن محمد: قال ابو حنيفة في قليل ما اخرجته الارض وكثيرا العُشر حد القليل الصاع ومادونه لا شئ فيه وقيل حده نصف الصاع والمراد بالارض هنا العُشر وفيه اشارة الى انه لايلتفت الى المالك سواء كان بالغًا او صبيًا او مجنونًا او عبدًا او كانت الارض وقفًا على الرباطات او المساجد او المدارس۔

(الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۱۵۳ باب زكوة الزرع والثمار)

ومِثلُهٗ في الهندية ج ۱ ص ۱۸۶ كتاب الزكوٰة۔ الباب السادس في الزروع والثمار۔

[2] قال الشيخ المفتي عزيز الرحمٰن: نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے نصف عُشر واجب ہوتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۱۷۲ چھٹا باب عشر)

جبر و تشدد سے لیے ہوئے عُشر کا اعادہ بہتر ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص سے حکمران یا کوئی ظالم بادشاہ جبر و تشدد سے عشر وصول کرے تو کیا اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی سے بصورتِ ظلم وستم جبراً عشر وصول کیا جائے تو مالک پر عشر کا اعادہ لازم نہیں۔ چونکہ یہ عُشر عموماً حکمرانوں کی عیاشیوں کی نذر ہو جاتا ہے اور کسی ایسی جگہ میں اس کا خرچ ہونا یقینی نہیں جو شریعت نے بطور مصارف متعین کی ہو، اس لیے از روئے احتیاط دوبارہ ادائیگی بہتر ہے تاکہ مالک خود اپنی مرضی سے غرباء میں تقسیم کر کے اطمینان حاصل کرے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحؒ: واذا اخذ الخوارج الخراج وصدقة السوائم لایثنی علیہم وافتوا بان یعیدوھا دون الخراج الخ وقیل اذا نوی بالدفع التصدق علیہم سقط عنہ وکذا مادفع الی کل جائر لانہم بما علیہم من التبعات فقراء والاول احوط۔ (الہدایۃ ج ۱ ص۱۷۵ فصل فی الخیل)[1]

سرکاری محصول سے عشر پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:۔ اگر کسی زمین پر حکومت کی طرف سے محصول مقرر ہو جو مقررہ وقت پر ادا کیا جاتا ہے، کیا اس سے عشر پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ حکومت محصول وغیرہ عشر کی نیت سے نہیں لیتی اور نہ صحیح مصرف پر خرچ کرتی ہے اور نہ صحیح طریقہ کار عشر جمع کرنے کے لیے موجود ہے، اس لیے سرکاری طور پر محصول ادا کرنے سے عُشر ساقط نہیں ہوتا اور نہ ذمہ فارغ ہوتا ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفی رحؒ: اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابہا ان صرف الماخوذ فی محلہ الاٰتی ذکرہ وان لا یصرف فیہ فعلیہم فیما بینہم وبین اللہ

---

[1] قال علاؤالدین الحصکفی رحؒ: اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابہا ان صرف الماخوذ فی محلہ الاٰتی ذکرہ وان لا یصرف فیہ فعلیہم فیما بینہم وبین اللہ اعادۃ غیر الخراج۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۸۹ باب زکوٰۃ الغنم۔

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۳ باب زکوٰۃ الغنم۔

اعادة غيرالخراج ۔ الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۸ باب زکاة الغنم) ؎۱

موقوفہ زمین کی آمدنی میں عشر کا حکم

سوال:۔ کسی مدرسہ و مسجد یا دوسرے اداروں کے لیے موقوفہ زمین کی آمدنی میں عشر اور نصف عشر کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ایسی زمین کی ملکیت شخصی نہیں ہوتی ؛

الجواب:۔ وجوبِ عشر میں زمین کی ملکیت شرط نہیں بلکہ ماخرج من الارض کا مالک ہونا شرط ہے، جو چیز زمین سے حاصل ہو جائے اور جس کی ملکیت اس میں ہو تو اس مالک پر عشر دینا لازم ہے۔ اگر موقوفہ زمین میں اہلِ وقف کاشت کرتا ہو تو اس پر عشر دینا لازم ہے۔ اگر اہلِ وقف کے سوا کسی دوسرے شخص نے کاشت کی ہو تو اس میں اجارہ اور مزارعت کے اقسام کا حکم جاری ہوگا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویجب مع الدین وفی ارض صغیر و مجنون و مکاتب و ماذون و وقف ۔۔۔ قال العلامہ ابن عابدینؒ (تحت قولہ ووقف) افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکہ وعدمہ سواء ۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر) ؎۲

کرایہ پر دی ہوئی زمین پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مزروعہ زمین اگر کرایہ پر دے دی جائے جو زراعت کے علاوہ کسی اور مصرف میں بھی استعمال کی جاسکتی ہو تو کیا مالکِ زمین پر عُشر واجب ہوگا یا زکوٰۃ لازم ہوگی؟

الجواب:۔ مزروعہ زمین اگر کرایہ پر دے دی گئی ہو تو اگر اس کا کرایہ مقدارِ نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی عُشر نہیں، اگر مقدارِ نصاب سے

؎۱ قال العلامة الکاسانیؒ: واما سلاطین زماننا الذین اذا اخذوا الصدقات والعشور والخراج لایضعونها مواضعها ..... فاما الزکوٰة والصدقات فانهم لایضعونها فی اهلها وقال ابوبکر الاسکاف ان جمیع ذلك یسقط ویعطی ثانیًا الخ ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۶ فصل واما بیان من له المطالبة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۱۹۳ فصل فی الغنم ۔

؎۲ وفی الهندیة: وکذا ملك الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاراضی الموقوفة ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۵ باب السادس فی زکاة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۶ باب العشر ۔

کم ہو اور مالک بھی صاحبِ نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ : الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصاباً ملکاً تاماً وحال علیہ الحول۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الزکوٰۃ) لہ ۱

غصب پر عُشر کا وجوب

سوال :- کسی کی زمین پر غاصبانہ قبضہ سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے اُس پر عُشر کے وجوب کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ غاصب ادا کرے گا یا اصل مالک ؟

الجواب :- عُشر کے وجوب کے لیے زمین کا مملوکہ ہونا ضروری نہیں بلکہ آمدنی کی ملکیت ضروری ہے، اس لیے مغصوبہ زمین سے جو آمدنی غاصب کے پاس جمع ہو تمام سے عُشر کی ادائیگی غاصب پر ضروری ہے تاہم عشر کی ادائیگی سے آمدنی حلال نہیں ہوتی، البتہ اگر غاصب نے تمام آمدنی مالک کو واپس کر دی تو پھر مالک پر اس کا عشر واجب ہوگا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وان غصب عشریۃ فزرعھا ان لم تنقصھا الزراعۃ فلا عشر علی المالک، وان نقصتھا فالعشر علی المالک کانہ آجرھا بالنقصان۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۳ باب العشر) لہ ۲

مشترکہ مال کی عارضی تقسیم مسقطِ زکوٰۃ نہیں

سوال :- ہم چار بھائیوں کا کل سرمایہ ۱۸۰ بھیڑ بکریاں ہیں اور تمام زمین سے صرف ۲۰ من گندم ہوتی ہے، کیا ہم بھائیوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مشترکہ مال کو اگر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ دار صاحبِ نصاب بنتا ہو تو ہر ایک پر اپنے حصے کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ چونکہ بکریوں میں شرعی نصاب چالیس۴۰ بکریاں ہیں چونکہ

لہ ۱ وفی الہندیۃ : ومنھا کون المال نصاباً فلا تجب فی اقل منہ ھکذا فی العینی شرح الکنز۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۳۵ کتاب الزکوٰۃ۔

لہ ۲ قال العلامۃ زین الدین ابن نجیمؒ : وفی الارض المغصوبۃ علی الغاصب ان لم تنقصھا الزراعۃ وان نقصتھا فعلی رب الارض۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۷ باب العُشر)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۸۷ باب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار۔

تقسیم کے بعد ہر بھائی نصاب کا مالک بنتا ہے اس لیے ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے۔

قال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ التمرتاشی الحنفیؒ: نصاب الغنم ضأناً او معزاً اربعون وفیہا شاۃ و فی مائۃ واحدی وعشرین شاتان و فی مائتین و واحدۃ ثلاث شیاۃ و فی اربعمائۃ اربع شیاۃ۔ (متن الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۱ باب فی الغنم) [1]

ناقابلِ کاشت زمین میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ناقابلِ کاشت زمین پر نہ عشر واجب ہے اور نہ زکوٰۃ واجب ہے جبکہ قابلِ کاشت زمین میں عشر واجب ہے لیکن جو آدمی بنک میں ایک لاکھ روپے جمع کراتا ہے اور بنک کی طرف سے اُس پر سالانہ منافع دیا جاتا ہے، تو جس طرح اصل زمین پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر ہے اسی طرح بنک میں جمع کردہ ایک لاکھ روپیہ پر زکوٰۃ لازم نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اس کے ذریعے حاصل شدہ منافع پر زکوٰۃ ادا کی جانی چاہیئے، شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اصل رقم اور منافع دونوں میں زکوٰۃ لازمی ہے اور اس رقم کا زمین پر قیاس غلط ہے کیونکہ یہ رقم خود ثمن ہے اور زمین خود ثمن نہیں ہے، اثمانِ رائجہ مالِ تجارت میں داخل ہیں اور زمین مال نامی نہیں لہٰذا اس میں زکوٰۃ لازمی ہے:

لما قال علامۃ کاسانیؒ: فان کانت اثماناً رائجۃً او کان یمسکہا للتجارۃ یعتبر قیمتہا فان بلغت قیمتہا مائتی درہم من ادنی الدراہم التی تجب فیہ الزکوٰۃ وھی التی الغالب علیہا الفضۃ تجب فیہ الزکوٰۃ و الا فلا، وان لم تکن اثماناً رائجۃً ولا معدۃً للتجارۃ فلا زکوٰۃ فیہا۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۷ فصل الاثمان المطلقۃ) [2]

---

[1] وفی الہندیۃ: لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمۃ صدقۃ فاذا کانت اربعین سائمۃ و حال علیہا الحول ففیہا شاۃ الی مائۃ وعشرین۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۸ فصل الرابع فی زکوٰۃ الغنم)

وَمِثۡلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۷ فصل فی الغنم۔

[2] وقال الشیخ نظام: الدراہم اذا کانت مغشوشۃ فان کان الغالب ھو الفضۃ ...... فینظر ان کانت رائجۃً او نوی التجارۃ اعتبرت قیمتہا فان بلغت نصاباً من ادنی الدراہم التی تجب فیہا الزکوٰۃ وھی التی غلبت فضتہا وجبت فیہا الزکوٰۃ والا فلا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۷۹ کتاب الزکوٰۃ الثالث فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ)

سال کے بعد بچ جانے والے غلہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس کافی غلہ ہے، اس میں پچیس ۲۵ من گندم پر پورا سال گذر گیا، اس میں زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب گندم برائے تجارت نہ ہو تو اس میں زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اس میں نمو نہیں پائی جاتی اور گندم سے جب عشر ادا کر دیا گیا ہو تو دوبارہ سال گذرنے سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

لما قال ابن نجیمؒ: وخرج ایضاً ما اذا دخل من ارضہ حنطۃ تبلغ قیمتھا قیمۃ نصاب ونوی ان یمسکھا ویبیعھا فامسکھا حولاً لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما فی المیراث۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

عشر کا وجوب بائع پر ہے یا مشتری پر؟

سوال:۔ اگر مالک نے کھیت کسی ٹھیکیدار پر فروخت کر کے اس کے حوالے کیا تو زمین کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کس کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگر فصل تیار ہونے کے بعد فروخت کی جائے تو عشر کی ذمہ داری بائع پر ہے لیکن کچی فصل کے فروخت کی صورت میں عشر مشتری کے ذمہ واجب ہوگا۔

لما قال فی الھندیۃ: واذا باع الارض العشریۃ وفیھا زرع قد ادرک مع زرعھا او باع الزرع خاصۃ فعشرہ علی البائع دون المشتری ولو باعھا والزرع بقل ان قصلہ المشتری فالعشر یجب علی البائع ولو ترکہ حتی ادرک فعشرہ علی المشتری۔ (الھندیۃ ج۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ولا تصح نیۃ التجارۃ) لانھا لا تصح الا عند عقد التجارۃ فلا تصح فیما ملکہ بغیر عقد کارث ونحوہ کما سیاتی ومثلہ الخارج من ارضہ لان الملک یثبت بالنیت اولا اختیار لہ فیہ ونوقض فیہ قال فی البحر وخرج ای بقید العقد ما اذا دخل من ارضہ حنطۃ تبلغ قیمتھا نصاباً ونوی ان یمسکھا ویبیعھا فامسکھا حولاً لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما فی المیراث۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۷۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فا لعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۳۳ باب العشر)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۶، ۵۷ فصل شرائط الفریضۃ۔

پہاڑوں کی آمدنی میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ پہاڑوں کے خودرو درختوں میں پھل دار درخت بھی ہوتے ہیں جیسے اخروٹ اور چلغوزی وغیرہ، اگرچہ ان کی مالیت کافی ہوتی ہے کیا اس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پہاڑوں میں خودرو درختوں سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے تو جس کو یہ پھل وغیرہ ملیں اس پر عشر واجب رہے گا۔

لما قال فی الهندیة : وما یجمع من ثمار الاشجار التی لیست بمملوکة کاشجار الجبال یجب فیها العشر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰة الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار) [1]

مزارعت میں عشر کا وجوب

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زمین کسی کاشتکار کو مزارعت پر دی ہوئی ہے، آمدنی تو مالکِ زمین اور کاشتکار حسبِ معاہدہ آپس میں تقسیم کرتے ہیں لیکن عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کس پر واجب ہے؟

الجواب:۔ مروجہ مزارعت میں عموماً آمدنی مالکِ زمین اور کاشتکار پر مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم ہوتی ہے کسی ایک کے زیادہ فائدے کا قطعی علم نہیں ہوتا ہے اس لیے ہر ایک پر اپنے اپنے حصہ سے عشر یا نصف عشر کا ادا کرنا لازم ہے۔ اس میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مجموعی آمدنی سے مشترکہ طور پر عشر ادا کیا جائے یا تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے حصہ کی آمدنی سے ادا کرے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ : ویفتی بقولهما نأخذ وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۳۴ باب العشر) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله کن ایجب العشر فی ثمرة جبل او مفازة ان حماه الامام) ویجب العشر ولو کان الشجر غیر مملوک ولم یعالجه احد۔۔۔۔ فان ثمر الجبال مباح لایجوز منع المسلمین عنه۔ وقال ابو یوسف رحمه الله لاشی فیما یوجد فی الجبال لان الارض لیست مملوکة ولهما ان المقصود من ملکها النماء وقد حصل۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۵ باب العشر)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۴ ص۹۱ الباب الثالث فی العشر والخراج والجزیة۔

[2] وفی الهندیة : وفی المزارعة علی قولهما العشر علیهما بالحصة۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۶ باب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۷ باب العشر۔

پھل وغیرہ تیار ہونے سے قبل فروخت ہونے پر عشر کا مسئلہ

سوال:۔ ہمارے علاقے میں سیب وغیرہ کے باغات بکثرت ہیں جو کہ پھل ظاہر ہونے کے بعد خرید لیے جاتے ہیں پھر پھل کی پختگی تک یہ سیب وغیرہ مالکوں کے باغات میں چھوڑ دیتے ہیں، جب پک کر تیار ہو جاتے ہیں تو یہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں، کیا ان باغات کا عشر مالک پر واجب ہے یا مشتری پر؟

الجواب:۔ پھلوں میں اس وقت عشر واجب ہوتا ہے جب یہ درختوں میں ظاہر ہو جائیں اور پک جانے تک فساد وغیرہ سے محفوظ رہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی الجوهرة واختلفوا فی وقت العشر فی الثمار والزرع - فقال ابوحنیفةؒ وزفرؒ یجب عند ظهور الثمرة والامن علیها من الفساد۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۳۱ باب العشر)

لیکن مروجہ بیوع فاسدہ ہیں اور بیع فاسدہ قبل القبض مفید للملک نہیں ہوتا لہٰذا عشر بائع پر ہوگا اور اگر بائع نے مشتری کو قبضہ دیا ہو تو پھر مشتری پر ہوگا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولو بعده فعلی البائع۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۳۳ باب العشر) [1]

کسی دوسری جگہ فصل کو فروخت کرنے کی صورت میں عشر کی ادائیگی کا مسئلہ

سوال:۔ اگر فصل کسی دوسری جگہ بھیج کر فروخت کی جائے جہاں اس کی قیمت زیادہ ہو، تو عشر کس حساب سے ادا کیا جائے گا؟ کیونکہ مقامی طور پر اس کی قیمت کم ہوتی ہے۔

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ فصل سے علی الفور عشر ادا کیا جائے تاکہ ذمہ جلد فارغ ہو، لیکن اگر کسی نے فصل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر لی جہاں پر وہ زیادہ قیمت پر فروخت ہوئی تو جملہ قیمت کے اعتبار سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا، کرایہ یا محصول وغیرہ جملہ آمدنی سے کاٹنا جائز نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویقوم فی البلد الذی المال فیه۔ وفی ردالمحتار، فلو بعث

---

[1] وفی الهندیة: ولو باعها والزرع بقل ان فصله المشتری فی الحال یجب علی البائع ولو ترکه حتی ادرك فعشره علی المشتری۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوة الزرع والثمار) ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵۵ فصل واما شرائط الفرضیة۔

عبداً للتجارة فی البلد الذی فیہ العبد۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۲۸٦ باب زکوٰۃ الغنم)

ایضاً قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ بلا رفع مؤنت ای یجب العشر فی الاول ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ نحو ذلک۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۲۸ باب العشر) [۱]

فصل فروخت کرنے کی صورت میں عشر کس پر واجب ہے

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنے کھیت کی فصل کاٹنے سے قبل کسی دوسرے شخص پر فروخت کردے تو فصل کاٹنے کے بعد عشر کی ادائیگی کس کے ذمہ ہوگی۔

الجواب:۔ اگر کسی نے اپنی فصل پختگی سے قبل فروخت کی ہو اور فصل مشتری کی ملکیت میں کمال تک پہنچ جائے تو عشر کی ادائیگی مشتری پر لازم ہے، البتہ اگر فصل پک جانے کے بعد فروخت کی جائے تو عشر بائع پر واجب رہے گا۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۳ باب العشر) [۲]

اجارہ پر دی ہوئی زمین میں عشر کس پر واجب ہے

سوال:۔ اگر زمین اجارہ پر دی جائے یعنی مالکِ زمین کاشتکار سے یہ طے کرلے کہ مجھے فی کنال یا فی جریب مثلاً پانچ سو روپے یا پانچ من غلہ سالانہ دے کر تم جس طرح چاہو زمین کو استعمال کرسکتے ہو، اب اس صورت میں جو آمدنی حاصل ہوگی تو اس کا عشر کس پر

---

[۱] قال العلامۃ ابن الہمامؒ: ویقوم فی المالک فی البلد الذی فیہ المال حتی لو بعث عبداً للتجارۃ الی بلد اخری لحاجۃ فحال الحول تعتبر قیمتہ فی ذلک البلد۔ الخ (فتح القدیر ج۲ ص۱٦۸ فصل فی العروض)

وایضاً قال ولا یحتسب فیہ اجر العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحارس وغیرہ ذلک۔ (فتح القدیر ج۲ ص۱۹۴ باب زکوٰۃ الزرع والثمار)

ومثلہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض۔ والبحر الرائق ج۲ ص۲۳۸ باب العشر۔

[۲] وفی الہندیۃ، ولو باعہا والزرع بقل ان فصلہ المشتری فی الحال یجب علی البائع ولو ترکہ حتی ادرک فعشرہ علی المشتری۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۷ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار)

ومثلہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵۷ فصل واما شرائط الفرضیۃ۔

واجب ہوگا؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر مالکِ زمین پر ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک کاشتکار پر ہے، عام فقہاء صاحبینؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن عابدینؒ نے اس میں یوں تفصیل نقل کی ہے کہ اگر زمین کا اجارہ اجرِ مثل کے برابر ہو یعنی جیسی زمین ہو اسی کی مناسبت سے اجرۃ مقرر کیا ہو تو عشر مالکِ زمین پر ہوگا اور اگر اجارہ میں اجرۃ اجرِ مثل سے کم مقرر کیا ہو تو عشر کاشتکار پر ہوگا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ عرفِ عام پر چھوڑا جائے اگر علاقے کے رواج کے مطابق مالکِ زمین پر عشر ہو تو عشر مالکِ زمین سے لیا جائے گا اور اگر کاشتکار پر ہو تو کاشتکار پر لازم ہوگا، چونکہ ہمارے علاقے میں کاشتکار کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اسلئے صاحبینؒ کے قول کی رُو سے کاشتکار کو ادا کرنا ہوگا۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمُستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما ناخذ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۴ باب العشر)[۱]

سوال:۔ اگر ایک آدمی نے اپنی زمین میں شفتل (چارا) کاشت کیا ہو، اگر یہ بار بار کاٹا جائے تو کیا ہر بار عشر ادا کرنا ہوگا یا ایک دفعہ کافی ہے؟

شفتل (چارے) میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: شفتل کاشت کرنے سے چونکہ زمین کا استغلال پایا جاتا ہے اس لیے اس میں عُشر یا نصف عُشر کی ادائیگی ضروری ہے، پھر چونکہ یہ بار بار کاٹا جاتا ہے اس لیے اس کی مجموعی آمدنی کا حساب کرکے عشر ادا کیا جائے گا ورنہ ہر بار ادا کرنا ہوگا۔

لما قال ابی بکر بن علی بن محمدؒ: اما اذا اتخذ ارضه مقصبةً اوشجرةً اومنبتاً للخشیش وساق الیه الماء ومنع الناس منه یجب فیه العشر۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۳ باب زکوٰۃ الزرع والثمار)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة: ولو آجر ارضاً عشریة کان العشر علی الاجر عند ابی حنیفةؒ وعندهما علی المستاجر۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۸۷ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۳۷ باب العُشر۔

[۲] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله الا فیما لا یقصد) ...... وان المدار علی القصد حتی لو قصد به ذٰلک وجب العُشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۷ باب العشر)

گنے میں عشر کا حکم

سوال:۔ گنے سے اگر گڑ تیار کیا جائے تو اس سے تو عُشر یا نصف عُشر دیا جائے گا اور اگر گنا شوگر ملز میں فروخت کیا جائے تو اس میں عشر کا کیا طریقہ کار ہوگا؟

الجواب:۔ گنا زمین کی مستقل آمدنی ہے اسلئے اس میں عشر یا نصف عشر کی ادائیگی ضروری ہے، تاہم اگر گنا مل پر فروخت ہو تو قیمت سے عشر ادا کیا جائے گا ورنہ گڑ بنانے کے بعد اس کی جنس یا قیمت سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔ یہ یاد رہے کہ قیمت سے عشر ادا کرنے کی صورت میں خرچہ شدہ رقم منہا کرنا جائز نہیں بلکہ کل قیمت سے عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال الشیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: واما قصب فهو ثلثة انواع قصب السکر وقصب الذریرة والقصب الفارسی قصب السکر وقصب الذریرة فیهما العشر۔

(الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۵۳ باب زکوٰة الزرع والثمار) [1]

گڑ یا اس کی قیمت سے عشر ادا کرنا جائز ہے

سوال:۔ گنے سے گڑ تیار کرنے کی صورت میں کیا زمیندار گڑ سے عشر ادا کرے گا یا گڑ کی قیمت سے؟ جبکہ دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

الجواب:۔ چاہی یا سیرابی زمین سے نصف عشر اور بارانی زمین سے عشر ادا کیا جائے گا اور گڑ یا اس کی قیمت دونوں سے عشر ادا کرنا جائز ہے، مثلاً بیس من گڑ میں سے ایک من گڑ یا اس کی قیمت بطور عشر دینا لازمی ہے، اور بارانی زمین کے بیس من گڑ یا اسکی قیمت دینا ہوگی۔ (مرتب)

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر علی القولین لان المؤنة تکثر فیه وتقل فیما یسقی بالسماء او سیحا وان سقی سیحا او بدالیة فالمعتبر اکثر السنة کما مر فی السائمة۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص۱۹۰ باب زکوٰة الزرع والثمار) [2]

---

[1] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ: اما قصب السکر وقصب الذریرة ففیهما العشر لانه یقصد بهما استغلال الارض بخلاف السعف والتبن لان المقصود الحب۔

(الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص۱۹۰ باب زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۲۷ باب العشر۔

[2] قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علی بن محمدؒ: وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر الدالیة الدولاب والسانیة البعیر الذی یستقی به الماء۔ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۵۴ باب زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۲۸ باب العشر۔

مونگ پھلی میں عشر کا بیان

سوال :۔ مونگ پھلی جو کہ اکثر بارانی زمین میں ہوتی ہے اور اس کی فصل کو پانی کی بھی خاص ضرورت نہیں ہوتی تو کیا اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ چونکہ یہ فصل عموماً بارانی زمین کی پیداوار ہوتی ہے اس لیے اس میں عشر واجب رہے گا۔

لما قال فی الهندية : ويجب العشر عند ابی حنيفةؒ فی كل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعير والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول والرياحين والاوراد والرطاب وقصب السكر والذريرة والبطيخ والخيار والقثاء والباذنجان والعصفر واشباه ذلك مما له ثمرة باقيه او غير باقيه قل او كثر...... ولا تحسب اجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار واجرة الحافظ وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الارض نصفاً او عشراً۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة۔ الباب السادس فی زكوٰة الزرع والثمار)[۱]

تمباکو کا عشر کب ادا کیا جائے گا؟

سوال :۔ تمباکو کا عشر سبز پتوں سے دینا ہوگا یا ان کی قیمت سے؟ جبکہ تمباکو کو بھٹی میں پکانے پر کافی خرچہ آتا ہے تو آیا سبز پتوں سے عشر ادا کرنا ہوگا یا بھٹی میں پک جانے کے بعد عشر دینا ہوگا؟

الجواب :۔ شریعت مقدسہ میں عشر اصل میں اُس پیداوار سے دینا ہے جو زمین سے حاصل ہوئی ہو، تاہم اگر قیمت دینا چاہے تو پہلے عشر علیحدہ کر کے پھر علاقے کی مروجہ قیمت لگا کر مساکین کو دے دی جائے، اور اگر پکنے سے قبل عشر ادا نہ کیا گیا تو پکنے کے بعد تمام تمباکو سے عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا اور اس میں سے خرچہ منہا نہیں ہوگا۔

لما قال الامام برهان الدين المرغينانیؒ : قال ابو حنيفةؒ فی قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقی سيحاً او سقته السماء۔ (الهداية علی صدر الفتح القدير ج ۲ ص۱۸۶ باب زكوٰة الزرع والثمار)[۲]

---

[۱] قال الامام برهان الدين المرغينانیؒ : وكل شیء اخرجته الارض مما فيه العشر لا يحتسب فيه اجر العمال ونفقة البقر۔ (الهداية علی صدر فتح القدير ج ۲ ص۱۹۴ باب زكوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۸ باب العشر۔

[۲] قال الشيخ ابی بكر بن علی بن محمدؒ : قال ابو حنيفة فی قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر الا القليل الصاع ومادونه لا شی فيه وقيل حده نصف صاع والمراد بالارض هنا العشرية۔

(الجوهرة النيرة ج ۱ ص۱۵۳ باب زكوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی الخانية علی هامش الهندية ج ۱ ص۲۷۲ كتاب الزكوٰة فصل فی العشر۔

گھر کے اندر پھل دار درختوں میں عشر واجب نہیں

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے گھر میں کچھ پھل دار درخت ہوں تو کیا ان کے پھلوں میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ گھر کے اندر اگر پھل دار درخت یا سبزی وغیرہ ہو تو ان میں عشر واجب نہیں کیونکہ یہ گھر کے تابع شمار ہوں گے۔

لما قال طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل فی دارہ شجرۃ مثمرۃ لاعشر فیہا وان کانت البلدۃ عشریۃ بخلاف ما اذا کانت فی الاراضی۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۴۷ الفصل العاشر فی العشر والخراج) [1]

مزروعہ زمین کے اردگرد پھل دار درختوں میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ اگر زمین میں باقاعدہ زراعت ہوتی ہو اور اس کے اردگرد پھل دار درخت ہوں جن سے کافی پھل اور آمدنی حاصل ہوتی ہو تو کیا اس آمدنی میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زمین قابلِ زراعت ہو اور مستقل باغ نہ ہو تو مزروعہ زمین کے حکم میں ہو کر اس کے درختوں کی آمدنی میں عشر واجب نہیں۔

لما قال الامام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب: والبستان ما یحوطہ حائط فیہ نخیل متفرقۃ یمکن الزراعۃ وسط الاشجار وان کانت الاشجار ملتفۃ لایمکن الزراعۃ فی وسطہا فہی کرم ولیس فی الاشجار التی علی المسناۃ شیٔ۔ (البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۴ ص۹۱ الباب الثالث فی العشر والخراج) [2]

درختوں کے پتوں میں عشر کا حکم

سوال:۔ اگر کسی علاقہ میں درختوں کے پتے فروخت کیے جاتے ہوں تو کیا ان کی آمدنی میں عشر یا نصف العشر

---

[1] قال فی الہندیۃ: ولو کان فی دار رجل شجرۃ مثمرۃ لاعشر فیہا۔
(الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۶ کتاب الزکوٰۃ، الباب السادس فی زکوٰۃ الزروع والثمار)

[2] قال فی الخلاصۃ الفتاوٰی: والبستان کل محوط فیہ اشجار متفرقہ یمکن زراعۃ ما وسط الاشجار ولیس فی اشجار التی علی المسناۃ شیٔ فان کانت الاشجار ملتفۃ لایمکن زراعۃ ارضہا فہی کرم۔
(خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۴۶ الفصل العاشر فی العشر والخراج)
ومثلہٗ فی الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۵۳ باب العشر۔

واجب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب: عشر کے وجوب کے لیے استنماء کا قصد اور نیت کرنا شرط ہے، چونکہ درختوں کے پتے مقصود بالزرع نہیں ہوتے اس لیے ان کی آمدنی میں عشر واجب نہیں ہے۔ قال ابن نجیمؒ: وان یکون الخارج منها مما یقصد بزراعة نماء الارض الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۳۴ باب العشر)
البتہ اگر زمین کا تیار کرنا اور درخت لگانا اس لیے ہو کہ مقصود بالزراع ہو تو پھر ان کے پتوں میں عشر واجب ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: اما الحطب والقصب والحشیش لا تستنبت فی الجنان عادة بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر۔ (الهداية ج۱ ص۱۸۴ باب زکوٰة الزرع والثمار) ^۱

بھوسہ میں عشر واجب نہیں

سوال: بسا اوقات غلہ سے بھوسے کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، کیا ایسی صورت میں بھوسہ میں عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب: جس مقصد کے لیے فصل بوئی جاتی ہو یعنی جو مقصود بالزرع ہو تو عشر اس سے ادا کیا جائے گا، اس کے علاوہ ضمنی طور پر جو چیز حاصل ہو اگرچہ اس کی قیمت زیادہ ہو اُس میں عُشر یا نصف عشر واجب نہیں۔ چونکہ گندم اور مکئی کی کاشت سے مقصود غلہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بھوسہ یا گھاس میں عشر واجب نہیں۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: اما الحطب والقصب والحشیش لا تستنبت فی الجنان عادة بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر۔
(الهداية ج۱ ص۱۸۴ باب زکوٰة الزرع والثمار) ^۲

---

^۱ قال ابن عابدینؒ: فلو استنمی ارضه بقوائم الخلاف واما اشبهه او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذلك ویبیعه کان فیه العشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ مطلب مهم فی حکم اراضی مصر والشام، باب العشر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

^۲ قال العلامة الحصکفیؒ: الا فیما لا یقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی (وحشیش) وتبن وسعف الخ حتی لو اشتغل ارضه بها یجب العشر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۱۸۶ باب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

سبزیوں میں عشر کا وجوب

سوال:۔ بعض سبزیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے سال بھر رہنے کا امکان نہیں ہوتا اور وہ جلدی خراب ہو جاتی ہیں، کیا زمین سے ایسی سبزیوں کے حاصلات پر عشر یا نصف عشر واجب رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر یا نصف عشر کے وجوب کیلئے زمین کی آمدنی میں کسی مدت کیلئے باقی رہنا ضروری نہیں، اسلئے وہ آمدنی جو زمین سے حاصل ہو اُس میں عشر یا نصف عشر واجب رہے گا، اگرچہ یہ محدود وقت کے لیے کھانے کی صلاحیت رکھتی ہو، موجودہ دور میں تو ان سبزیوں کا بڑے بڑے گوداموں کے ذریعے کافی عرصے تک محفوظ رہنا کوئی بعید امر نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله بلا شرط نصاب و بقاء) فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعًا وقیل نصفه وفی الخضراوات التی لا تبقی هذا قول الامام وهو الصحیح۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ باب العشر) [1]

افیون میں عُشر کے وجوب کا مسئلہ

سوال:۔ کیا افیون کی آمدنی سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ افیون متعدد مُضر اشیاء کا مادہ ہے اسلئے اس کی زراعت اور تجارت سے علی سبیل التمول احتراز ضروری ہے، تاہم اگر تداوی کیلئے ہو تو پھر اس کی کاشت اور کاروبار جائز ہے۔ زمین سے آمدنی کے وقت نیت چونکہ مقصود بالزراع کی ہوتی ہے اسلئے آمدنی میں عشر کی ادائیگی لازمی امر ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: قال ابو حنیفةؒ فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر سواء سقی سیحا او سقته السماء الا القصب والحطب والحشیش۔ (الهدایه ج ۱ ص۲۰۱ باب زکوٰة الزروع والثمار) [2]

---

[1] قال العلامة ابو بکر الکاسانیؒ: فاما کون الخارج مما له ثمرة باقیة فلیس بشرط لوجوب العُشر بل یجب سواء کان الخارج له ثمرة باقیة او لیس له ثمرة باقیة وهی الخضراوات کالبقول والرطاب والخیار والقثاء والبصل والثوم ونحوها۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار۔

[2] وفی الهندیة: ویجب العُشر عند ابی حنیفةؒ فی کل ما تخرجه من الحنطة ... وشباه ذلك مما له ثمرة باقیة او غیر باقیة قلّ او کثر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۶ باب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص۲۹۱ باب العشر۔

مقروض پر بھی عشر واجب ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص مقروض ہو تو کیا اس پر عشر کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟ یا کہ قرض مسقطِ عشر ہے؟

الجواب:۔ قرض اگرچہ وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے لیکن وجوبِ عشر سے مانع نہیں، مقروض ہونے کے باوجود بھی عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویمنع الدّین وجوب العشر وخراج وکفارة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶ کتاب الزکوٰۃ) ۱؎

رفاہِ عامہ کے کاموں پر عشر کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ کیا عشر کی رقم کو رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ عشر کا تعلق صدقاتِ واجبہ سے ہے جس میں غیر کی تملیک شرط ہے، چونکہ رفاہِ عامہ کے کاموں میں غیر کی تملیک نہیں پائی جاتی اس لیے رفاہِ عامہ کے کاموں میں عشر کی رقم نہیں لگائی جا سکتی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ھی تملیك خرج الاباحة فلو اطعم یتیما ناویا الزکوٰة لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم..... جزء مال خرج المنفعة عینه الشارع۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۶ کتاب الزکوٰۃ) ۲؎

شہد میں عشر واجب ہے یا زکوٰۃ؟

سوال:۔ میں نے شہد کی مکھیاں پال رکھی ہیں جن سے شہد کا کاروبار کرتا ہوں، کیا اس میں عشر واجب ہے یا زکوٰۃ؟

الجواب:۔ فقہاءِ کرام نے مطلقاً شہد میں عشر کا قول کیا ہے اس میں شہد کی پالتو یا جنگلی مکھیوں کی کوئی قید نہیں، اس لیے آپ پر اس شہد میں عشر ادا کرنا لازمی ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ثم انما یجب العشر فی العسل اذ کان فی ارض العشر

۱؎ قال العلامة ابن نجیمؒ، وقید المصنف بالزکوٰة لان الدّین لا یمنع وجوب العشر والخراج ویمنع صدقة الفطر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۶ کتاب الزکوٰۃ)

۲؎ قال العلامة ابن نجیمؒ: ھی تملیك المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملك من کل وجه لله تعالیٰ لقوله تعالیٰ: وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ۔ والایتاء ھو التملیك ومرادہ تملیك جزء من ماله وھو ربع العشر او ما یقوم مقامه۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

فاما اذا کانت فی ارض الخراج فلا شئ فیہ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۶۲ قبل فصل مقدار الواجب) [1]

تاہم اگر مکھیاں خراجی زمین میں رکھی گئی ہوں تو عشر لازم نہیں۔

کیا مچھلیوں میں عشر واجب ہے

سوال: حضرت مفتی صاحب! ہم نے قابلِ کاشت زمین میں سے کچھ حصہ پر مچھلیاں پالنے کے لیے ایک تالاب بنایا ہوا ہے جس میں مچھلیاں پال کر فروخت کرتے ہیں، تو اس قطعہ زمین میں عشر کس طرح ادا کیا جائے گا، مچھلیوں سے یا ان کی قیمت سے؟

الجواب: عشر کے لیے زمین ہی کی پیداوار ہونا شرط ہے، مچھلیاں چونکہ زمین کی پیداوار نہیں اس لیے ان میں عشر نہیں، البتہ اگر مچھلیاں تجارت کی نیت سے پالی جاتی ہوں اور جب وہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قال الشیخ ابی عبیدؒ: ان لا یأخذ من السمک شیئاً حتی یبلغ مائتی درھم فاذا بلغ مائتی درھم تخذ منہ الزکوٰۃ۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۳۴۸) [2]

کافر حکمران کا مسلمانوں سے ٹیکس یا عشر وصول کرنا

سوال: اگر ایک مسلمان کاشتکار سے کافر بادشاہ ٹیکس یا عشر وصول کرے تو کیا اس کا عشر ادا ہو جائے گا یا دوبارہ دینا ضروری ہے؟

الجواب: کافر حکومت کو مسلمانوں سے خراج وغیرہ لینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے کافر حکومت جب کسی مسلمان زمیندار سے عشر یا ٹیکس وصول کرے تو اس سے عشر ادا نہ ہوگا

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: یجب العشر فی عسل وان قل ارض غیر الخراج ولو غیر عشریۃ کجبل ومفازۃ بخلاف الخراجیۃ لئلا یجتمع العشر والخراج۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۵ باب العشر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۶ باب زکاۃ الزرع والثمار۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا فی عین قیر ای زفت نفط دھن یعلو الماء مطلقاً ای فی ارض عشر اوخراج ولکن فی حریمھا الصالح للزراعۃ من ارض الخراج خراج لا فیھا لتعلق الخراج بالتمکن من الزراعۃ واما العشر فیجب فی حریمھا العشری ان زرعہ والا لا لتعلقہ بالخارج۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ولا فی عین قیر) لانہ لیس من انزال الارض انما ھو عین فوارۃ کعین الماء فلا عشر فیھا ولا خراج۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۳۱ باب العشر)

مسلمان پر دوبارہ عشر دینا لازمی ہے۔

لما قال العلامۃ عبد الغفور الہمایونی السندی: واما آنچہ حکام نصاریٰ می گیرند پس در ادا خراج محسوب نمی گردد لان الکافرین لیس لھم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین والمؤمنین وایضاً لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی المسلمون الیھم مالاً بنیۃ الخراج لایخرجون عن عھدتہ لانھم لیسوا بمقاتلین لاھل الحرب ولا دافعین اعداء الاسلام عنھم و عن دارھم بل ھم اھل الحرب واعداء المسلمین والاسلام اعاننا اللہ تعالیٰ علیھم والمصرف للخراج المقاتلون لاھل الحرب ورافعوا الاعداء عن دار الاسلام۔ الخ

(سراج الہند فی تحقیق خراج السند بحوالہ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۲۸ باب العشر) لہ

فرنیچر اور کھیلوں کے سامان کیلئے کاشت شدہ درختوں میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ ہمارے علاقے میں لوگ بعض درختوں کو فرنیچر، کھیلوں کے سامان اور دیگر اشیاء کی بناوٹ کے لیے کاشت کرتے ہیں، کیا ان میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ خود درختوں میں عشر نہیں لیکن جب درختوں کی ذات ہی کو مقصد بنایا جائے تو اس میں عشر واجب ہے۔

کما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: المراد ما لا یقصد بہ استغلال الارض غالباً کالتبن نعم لو قصد الاستغلال بشئ منھا کما اذا اتخذ الجنان مقصبۃ ومشجرۃ۔

(بحوالہ جدید فقہی مباحث ج ۹ ص ۲۳۲) ؎۲

لہ قال العلامۃ الشیخ اشرف العلی التھانوی رحمہ اللہ: عشر و خراج از حقوق شرعیہ است پس چنانکہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست ہمچنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد

(امداد الفتاویٰ جلد ۲ ص ۶۵ باب العشر)

؎۲ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ حتی لو اشغل ارضہ بہا یجب بہا العشر) فلو استنمی ارضہ بقوائم الخلاف وما اشبھہ او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذٰلک و یبیعہ کان فیہ العشر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۷ باب العشر مطلب فی حکم اراضی مصر والشام)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۶ باب زکوٰۃ الزرع والثمار۔

ایک ہی رقم سے عشر اور زکوٰۃ دونوں ادا کرنا

سوال:- اگر کوئی شخص پیداوار سے عشر ادا کرکے پھر اس کو فروخت کر دے تو کیا اُس پر اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس شخص کے پاس نقدی کا نصاب بھی ہے؟

الجواب:- اگر یہ شخص پہلے سے صاحبِ نصاب ہو اور اس نے ابھی تک نصاب کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور یہ رقم زکوٰۃ کی ادائیگی سے قبل صاحبِ نصاب کے ہاتھ آجائے تو اس رقم کی زکوٰۃ بھی لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: اکان لہ طعام فادی عشرہ ... اوکان لہ ارض فادی خراجہا.... ثم باعہا یضم الی ثمنہا اصل النصاب۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۲۱، فصل شرائط التی ترجع الی الحال)۔[1]

ذاتی استعمال کیلئے کاشت کردہ سبزی میں عشر واجب ہے

سوال:- اگر کوئی زمیندار اپنے ذاتی استعمال کے لیے سبزی وغیرہ کاشت کرے تو اُس پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- عشر ہر اُس پیداوار پر واجب ہوتا ہے جو زمین سے نکلے چاہے اپنی ذات کے لیے کاشت کی جائے یا تجارت کے لیے، اس لیے ذاتی استعمال کے لیے کاشت کی ہوئی سبزی میں بھی عشر واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: واما وقتہ فوقت خروج الزرع وظہور الثمر عند ابی حنیفۃؒ وعند ابی یوسفؒ وقت الادراک۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۷ باب العشر)[2]

خودرو پودوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال:- ہماری زمین میں قدرتی گھاس اور خودرو پودے بکثرت ہیں ہم اس کی

---

[1] قال الشیخ الدکتور وہبۃ الزحیلی: واما المستفاد فی اثناء الحول من جنس المال غیر النتاج والارباح فیضم الیہ ویزکی معہ عند الحنفیۃ تیسیراً علی المزکی۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۷۴۲، البحث الثانی سبب الزکوٰۃ الخ)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویؤخذ العشر عند الامام عند ظہور الثمرۃ وبدو صلاحہا۔ .... (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۱ باب العشر)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۸۶/۱۸۷ باب زکوٰۃ الزرع والثمار۔

حفاظت کرتے ہیں اور دوسروں کو اُس میں آنے جانے سے روکتے ہیں، تو کیا اس میں عشر واجب ہے؟

الجواب:۔ خودرو گھاس میں اگرچہ عشر واجب نہیں لیکن جب اس کی حفاظت کرکے اس کو ذریعۂ آمدنی بنایا جائے تو پھر عشر واجب ہے۔

لما فی الهندیة: فلا عشر فی الحطب والحشیش..... ولو کان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر کذا فی محیط السرخسیؒ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۶ باب زکوٰة الزرع والثمار)[1]

جدید طریقۂ کاشت کے عشر پر اثرات

سوال:۔ آج کے جدید طریقۂ کاشت میں زراعت پر کافی خرچہ آتا ہے جیسے کھاد، ادویات وغیرہ، تو کیا ان اخراجات کی وجہ سے عشر پر کوئی اثر پڑے گا؟ یعنی کامل عشر نصف میں تبدیل ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ادویات وکھاد پر خرچ ہونے والی رقم منہا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین کی پیداوار پر اخراجات زیادہ ہوتے ہوں تو اُس پیداوار میں بیسواں حصہ عشر واجب ہوگا اور جس زمین پر اخراجات کم ہوتے ہوں تو دسواں حصہ عشر لازم ہوگا لیکن اخراجات کو منہا کرنا جائز نہیں لہٰذا جدید طریقۂ کاشت پر اخراجات زیادہ آنے کے باوجود منہا کرنا جائز نہیں، البتہ عشر بیسواں حصہ کے حساب سے ادا کرنا ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وتجب فی مسقی سماء وسیح بلا شرط نصاب وبقاء وحولانِ حول الخ..... ویجب العشر ویجب نصفه فی سقی غرب ودالیة لکثرة المؤنة۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله لکثرة المؤنة) علة لوجوب نصف العُشر فیما ذکر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ تا ۳۲۸ باب العشر، مطلب فی حکم ارضی مصر والشام)[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله حتی لو اشغل ارضه بها یجب العشر) فلو استنمیٰ أرضه بقوائم الخلاف و ما اشبهه او بالقصب أو الحشیش وکان یقطع ذٰلک و یبیعه کان فیه العشر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۷ باب العشر مطلب مهم فی حکم اراضی مصر والشام)

وَمِثْلُهُ فی الفقه الاسلامی ادلته ج ۲ ص۸۰۵ المطلب الرابع زکوٰة الزروع والثمار۔

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ویجب نصف العشر فیما سقی کالدوالی (النواعیر) النواضح..... وسبب التفرقة واضح وهو کثرة المؤنة فی ارض السقی وخفتها فی ارض البعل کما هو الفرق بین الماشیة المعلوفة والسائمة الخ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص۸۱۳ المطلب الرابع زکوٰة الزروع والثمار۔ خامساً مقدار الواجب وصفته۔

فصل مقصودہ پر عشر واجب ہے

سوال:۔ ہمارے علاقے میں مکئی وغیرہ کثرت سے کاشت کی جاتی ہے اور اس سے کاشتکار کے پیشِ نظر اناج نہیں بلکہ چارا ہوتا ہے جو جانوروں کے لیے انتہائی کارآمد شے ہے تو مقصود بالذات فصل ہوتی ہے نہ کہ اناج، اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ اناج اور فصل دونوں میں عشر ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک میں عشر ادا کر دیا جائے تو دوسرے میں عشر نہیں ہے، مسئلہ ہذا واضح فرما کر ثواب دارین حاصل کریں؟

الجواب:۔ مکئی کے دانوں میں عشر واجب ہے اس کے گھاس (ٹانٹوں) میں عشر واجب نہیں، البتہ باجرہ اور جوار جو کہ بطور گھاس کاشت کی جاتی ہو دانہ مقصود نہ ہو تو اسکے دس گٹھوں میں سے ایک گٹھا عشر دینا واجب ہوگا، اسی پر وہ سب چیزیں قیاس کی جاسکتی ہیں جن میں مقصود گھاس ہوتی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ، الّا فیما لایقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف الخ حتی لو اشتغل ارضه بها یجب العشر۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۸ باب العُشر)

البتہ اگر صرف ٹانٹے کاٹ کر فروخت کرنے ہوں یا جانوروں کو کھلانے ہوں تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ، قال فی الفتح غیر انه لوفصله قبل انعقاد الحب وجب العُشر فیه لانه صار هو المقصود فلو استنمٰی ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذلك ویبیعه کان فیه العشر کذا فی البدائع (رد المحتار ج۲ ص۵۸ باب العشر)[1]

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ، ومنها ان یکون الخارج من الارض مما یقتصد بزراعته نماء الارض وتشتغل الارض به عادة......... حتی قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة وفی شجرة الخلاف التی یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انهٗ یجب فیها العُشر لان ذلك غلة وافرة۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۱۸۳ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

بائع کا مشتری کو کچھ رقم چھوڑ دینے پر عشر کا حکم

سوال:۔ زید نے عمرو سے بچاس ہزار روپے میں باغ خریدا اب زید کو اس باغ میں نقصان ہو گیا ہے اور زید نے عمرو کی منت سماجت کر کے دس ہزار روپے معاف کرا لیے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کو عشر بچاس ہزار روپے میں سے دینا ہوگا یا چالیس ہزار کے حساب سے؟

الجواب:۔ عشر پیداوار کی اس رقم کے مطابق واجب ہوتا ہے جس پر بیع ہو چکی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں عمرو نے اصل ثمن سے دس ہزار روپے چھوڑ دیئے ہیں اس لیے زید چالیس ہزار روپے کا عُشر ادا کرے گا، کیونکہ عمرو نے بیع میں جو کمی کی ہے وہ اصل بیع یعنی عقد کے ساتھ ملحق ہوگی گویا کہ بیع چالیس ہزار روپے پر ہی ہوئی ہے۔

لما فی الھندیۃ: حط بعض الثمن صحیح ویلتحق باصل العقد عندنا کالزیادۃ سواء بقی محلا للمقابلۃ وقت الحط اولم یبق محلا کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۳ ص۱۷۳ کتاب البیوع، الباب السادس عشر فی الزیادۃ فی الثمن)[1]

جنگلات میں عُشر واجب نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوات، ہزارہ اور کوہستان وغیرہ کے پہاڑوں پر گھنے جنگلات کی کثرت ہے جن میں سے بعض عوام کی اور بعض حکومت کی ملکیت ہیں، تو کیا عوامی جنگلات میں پورا عُشر واجب ہے یا نصف؟ یا سرے سے عُشر واجب ہی نہیں ہے؟

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: والزیادۃ فیہ والحط منہ ای من الثمن ویلتحقان باصل العقد عندنا وعندزفر لا یلتحقان .... ولنا انھما بالحط والزیادۃ یغیران العقد من وصف مشروع الی وصف مشروع وھو کونہ رابحًا اوخاسرًا اوعدلًا ولھما ولایۃ الرفع فاولی ان یکون لھما ولایۃ التغیر فصار کما اذا سقط الخیار اوشرطاہ بعد العقد واذا صح یلتحق بالعقد لان وصف الشئ یقوم بہ لا بنفسہ بخلاف حط الکل لانہ تبدیل لاصلہ لا تغییر لوصفہ۔

(البحر الرائق ج۶ ص۱۱۹ فصل فی بیان التصرف فی المبیع والثمن الخ)

الجواب:- جنگلات کے ان درختوں میں عُشر نہیں ہے تاہم فروختگی کی صورت میں سال گذرنے پر ان کی قیمت پر حسبِ ضابطہ زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: وکذا لا عشر فیما ھو تابع للارض کالنخل والاشجار لانہ بمنزلۃ جزء الارض لانہ یتبعھا فی البیع الخ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۳۸ باب العُشر) ؎۱

بارانی اور چاہی زمین میں عشر کا حکم

سوال:- ایک شخص مثلاً زید کی زمین کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے لیکن امسال برسات کے موسم میں بارشوں کی کثرت کی وجہ سے کنواں چلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، تو کیا زید حسبِ سابق نصف عُشر ادا کرے گا یا پورا عُشر ادا کرے گا؟

الجواب:- عُشر کا تعلق چونکہ پانی سے ہے اور فصل جس پانی سے بھی سیراب ہوتی ہو اُس کے مطابق عُشر واجب ہوگا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ فصل بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اور کنواں چلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی اس لیے اس فصل میں پورا عشر واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنھر بلا شرط نصاب.... ولو سقی سیحاً وبآلۃ اعتبر الغالب ولو استویا فنصفہ وقیل ثلاثۃ وقیل اربعۃ ۔ (الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۵ باب العُشر) ؎۲

؎۱ وفی الھندیۃ: ولا عُشر فیما ھو تابعٌ للارض کالنخل والاشجار۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزروع والثمار)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیۃ۔

؎۲ قال العلامۃ الکاسانیؒ: وعن انس رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فیما سقتہ السماء والعیون وکان بعلا العُشر وما سقی بالرشاء ففیہ نصف العُشر ولان العُشر وجب مؤنۃ الارض فیختلف الواجب بقلۃ المؤنۃ وکثرتھا ولو سقی الزرع فی بعض السنۃ سیحاً وفی بعضھا بآلۃ یعتبر فی ذلک لان للاکثر حکم الکل کما فی السوم فی باب الزکوٰۃ۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۶۲ فصل واما بیان مقدار الواجب)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۱ ص۱۸۲ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

عشر میں حولانِ حول شرط نہیں

سوال:۔ زید کی ایک ہزار روپے کی افیون کی فصل ہوئی تھی تو اس نے سو روپے عُشر ادا کر کے افیون اپنے پاس رکھ لی جو کہ پورا ایک سال اس کے پاس پڑی رہی، تو کیا سال گذرنے پر اس افیون میں دوبارہ عُشر یا زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک فصل میں صرف ایک بار عُشر ادا کیا جائے گا، بار بار سال گذرنے سے عشر واجب نہیں ہوتا اور اگر فصل بار بار اُگتی ہو تو ہر بار عشر واجب ہوگا تاہم اگر فصل فروخت کی جائے اور اس کے بدلے میں نقد رقم مل جائے اور اس رقم پر سال گذر جائے تو ضابطۂ زکوٰۃ کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله وحولان حول حتّٰی لو اخرجت الارض مرارًا وجب فی کل مرّة لاطلاق النصوص عن قید الحول ولان لعشر فی الخارج حقیقةً فیتکرر بتکرره۔ رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۲ ص۳۲۹ باب العشر[1]

پھل پکنے سے پہلے بیع کی صورت میں عُشر مشتری پر ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اگر کوئی شخص اپنے باغ کو پھل آنے سے پہلے کسی دوسرے آدمی پر فروخت کر دے اور پھل پکنے تک مشتری بائع سے درختوں پر رہنے کی اجازت بھی لے لے تو پھل پکنے کے بعد عشر بائع پر واجب ہوگا یا مشتری ادا کرے گا؟

الجواب:۔ عُشر ہر اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کی ملکیت میں فصل پیدا ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں پھل مشتری کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے اس لیے اس کا عشر دینا بھی اسی کے ذمے ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعُشر علی المشتری

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: والحول لیس بشرط لوجوب العشر حتّٰی لو اخرجت الارض فی السنة مرارًا یجب العُشر فی کل مرّة لان نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶۲ فصل واما شرائط المحلیة)

ومثله فی الهدایة ج۱ ص۱۸۳ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

ولو بعدہٗ فعلی البائع ۔ قال ابن عابدینؒ: قوله ولو باع الزرع ......تتمّ هذا اذا باع الزرع وحده وشمل ما اذا باعه وترکه المشتری باذن البائع حتی ادرك فعندهما عشره علی المشتری...... ولو فيها زرع لم يبلغ فعلی المشتری بكل حال۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۴ باب العشر) [1]

وجوبِ عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں

سوال:۔ ہم نے کچھ بنجر زمین قابلِ کاشت بنائی ہے جس میں سالانہ ۲ دو فصلیں ہوتی ہیں، تو کیا اس طرح کی زمین سے بھی عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت میں بھی آپ پر عشر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ وجوبِ عشر کے لیے ملکیتِ زمین شرط نہیں ہے۔

لما فی الهندیة: وکذا ملك الارض ليس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاراضی الموقوفه۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۸۵ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار) [2]

لکڑیوں میں عشر نہ ہونے کی علت کی وضاحت

سوال:۔ کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ حطب (لکڑیوں) میں عشر واجب نہیں ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ گھاس، لکڑی اور پانی انسانوں میں مشترک ہے لیکن آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ باقاعدہ کھیتوں کے کناروں یا پانی کے نالوں پر درخت لگائے جاتے ہیں اور لوگوں کو آگ جلانے کے لیے یا مکان کی تعمیر وغیرہ کے لیے درخت کاٹنے

---

[1] وفی الهندية: ولو باعها والزرع ان فصله المشتری فی الحال يجب علی البائع ولو ترکه حتی ادرك فعشره علی المشتری کذا فی شرح الطحاوی۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۸۷ الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار)

[2] قال العلامة ابن عابدينؒ: قوله ووقف افادان ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه يجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکه لها وعدمه سواء۔ (رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۲ ص۴۹ باب العشر)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵۶ فصل واما شرائط الفرضية۔

سے منع کیا جاتا ہے، تو کیا اس صورت میں بھی عُشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاءِ کرام نے درختوں میں عُشر واجب نہ ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ درخت زمین کے تابع ہیں، لہٰذا اس علت کے باعث کسی بھی صورت میں عُشر واجب نہیں ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: وکذا الاعشر فیما ھو تابع للارض کالنخل والاشجار لانه بمنزلة جزء الارض لانه یتبعها فی البیع الخ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۳۸ باب العشر) لہ

فروخت کرنے کی نیت سے اگائے ہوئے بیج (پنیری) پر عشر کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے میں مرچ، پیاز، ٹماٹر، بینگن وغیرہ کا بیج (پنیری) کاشت کیا جاتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد اسے باقاعدہ فصل حاصل کرنے کے لیے دوسرے کھیت میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے بیج (پنیری) کچھ لوگ تو صرف اپنے لیے کاشت کرتے ہیں اور بعض لوگ فروخت کرنے کے لیے کاشت کرتے ہیں، تو کیا ایسے بیج سے عُشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی چیز کے اگانے اور کاشت کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت سے نفع اٹھایا جاتا ہو یعنی آمدنی کی غرض سے کاشت کیا جاتا ہو تو اس میں عُشر ہے اور اگر فروخت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے کھیت کے لیے برائے فصل کاشت کیا گیا ہو تو پھر جب یہ فصل کامل ہو جائے تو اس میں سے عشر ادا کیا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: قوله الا فیما لا یقصد الخ اشار الی ان ما اقتصر علیه المصنف کالکنز وغیره لیس المراد به ذاته بل لکونه من جنس ما لا یقصد به اشتغال الارض غالباً وان المدار علی القصد

لہ قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعته نماء الارض وتشتغل الارض به عادة فلا عُشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیة)

ومثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰة الزروع والثمار۔

حتیٰ لو قصل به ذلك وجب العشر کما صرح به بعده ۔
(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص۵۰ باب العشر) لے

فصل کے بار بار اُگنے پر عُشر کا حکم

سوال :۔ جوار، باجرہ وغیرہ کی فصل کئی بار اُگتی ہے تو کیا ہر بار اس سے عُشر دینا واجب ہے یا ایک بار ہی دینا کافی ہے؟

الجواب :۔ عشر کا تعلق فصل کے اُگنے کے ساتھ ہے چاہے وہ ایک بار آگے یا بار بار، ہر مرتبہ اس سے عشر ادا کیا جائے گا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جوار، باجرہ وغیرہ زمین سے جتنی بار بھی اُگے اتنی بار عشر دینا واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وحولان حول حتیٰ لو اخرجت الارض مراراً وجب فی کل مرة لاطلاق النصوص عن قید الحول ولان العشر فی الخارج حقیقةً فیتکرر بتکرره الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۹ باب العشر) ۲ے

درختوں اور لکڑیوں میں عشر و زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال :۔ زید نے اپنے کھیت سے کچھ درخت کاٹے جن کی قیمت تخمیناً چار ہزار روپے ہے جس میں ایک ہزار روپے اس نے مزدوری میں دیدیئے، اب زید باقی رقم میں عشر ادا کرے گا یا زکوٰۃ، اور کس حساب سے ادا کرے گا۔

الجواب :۔ اگر زید نے یہ درخت کھیت میں بقصد فصل بوئے تھے تو پھر ان

لے قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان یکون الخارج من الارض مما یقتصد بزراعته نماء الارض وتشتغل الارض به عادةً۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیة)
ومثلهٗ فی الهدایة ج ۱ ص۱۸۴ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

۲ے قال العلامة الکاسانیؒ: والحول لیس بشرط لوجوب العشر حتیٰ لو اخرجت الارض فی السنة مراراً یجب العشر فی کل مرة لان نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولان العشر فی الخارج حقیقة فیتکرر الوجوب بتکرار الخارج۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص۶۲ فصل واما شرائط المحلیة)
ومثلهٗ فی الهدایة ج ۱ ص۱۸۳ باب زکوٰة الزروع والثمار۔

درختوں کی کل قیمت یعنی چار ہزار روپے میں عشر واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله الا فیما لا یقصد ..... ان المدار علی القصد حتی لو قصد به ذلک وجب العشر کما صرح به بعد ۵۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص۵۰ باب العشر)

اور اگر یہ درخت کھیت کے تابع تھے اور بقصد فصل نہیں تھے تو پھر ان میں عشر واجب ہے نہ زکوٰۃ۔

لما فی الہندیۃ: ولا عشر فیما ھو تابع للارض کالنخل و الاشجار۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۱۸۶ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار) لـہ

اجارہ کی نقد رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- اجارہ اگر نقد رقم پر ہوا ہو مثلاً فی جریب ایک ہزار روپے، یہ اجارۂ زمین تو مال ہے، اب اس رقم پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی یا عُشر؟

الجواب:- اجارہ کی یہ رقم دوسری آمدنی کے تابع ہو کر سال بھر گذرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی عُشر نہیں، البتہ اس زمین سے فصل حاصل کرنے والے پر عُشر واجب ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: والعُشر علی المؤجر کخراج موظف وقال علی المستأجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما نأخذ. وقال ابن عابدینؒ، قال فی فتح القدیر لھما ان العشر منوط بالخارج وھو للمستأجر.... فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولھما فی ذٰلک۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص۵۵ مطلب ھل یجب العُشر علی المزارعین فی اراضی السلطانیۃ) ۲ـہ

لـہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ومنھا ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعتہ نماء الارض وتشتغل الارض بہ عادۃ فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی. (بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۸ فصل واما شرائط المحلیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج ۱ ص۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

۲ـہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولو آجر الارض العشریۃ فعشر الخارج علی المؤجر عندہٗ وعندھما علی المستأجر وجہ قولھما ظاہر لما ذکرنا ان العشر یجب فی الخارج والخارج ملک المستأجر فکان العُشر علیہ کالمستعیر الخ۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۶ فصل واما شرائط الفرضیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی النتف فی الفتاوی ج ۱ ص۱۲۰ المعاملۃ فی الاراضی العشریۃ۔

عشر فی الفور واجب ہے یا علی التاخیر؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک زمیندار آدمی بہت زیادہ مقروض ہے، جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو اس کا عشر اسی وقت ادا نہیں کرتا بلکہ ایک کاپی پر لکھ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ قرض خواہ بہت تنگ کر رہے ہیں اس لیے پہلے قرضہ ادا کرتا ہوں، کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے جبکہ میری ساری فصل بھی قرضہ کی مقدار سے کم ہے، جب خدا تعالیٰ قرضہ سے نجات دے دیں گے تو پھر یہ سب عشر ادا کروں گا۔ تو کیا از روئے شرع اس زمیندار کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں عشر کی ادائیگی علی الفور واجب ہے اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص محض مقروض ہونے کی وجہ سے عشر دینے میں تاخیر کرے گا تو اس عمل سے گنہگار ہو جائے گا، کیونکہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (سورۃ ...) جبکہ احادیث میں بھی عشر کی جلد از جلد ادائیگی کا حکم وارد ہوا ہے۔

لما فی الهندية: ولا يأكل شيئاً من طعام العشر حتى يؤدي عشره۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۷ باب العشر)

تاہم اگر وہ عشر کا مال اپنے قرض میں دیدے تو اس سے اس کا قرضہ تو ادا ہو جائے گا مگر عشر اس کے ذمہ قرض رہے گا، اور اگر زندگی میں ادا نہ کیا ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔

(کما فی القاضی خان علی هامش الهندية ج۱ ص۲۷۶)

اسی طرح الدر المختار میں بھی یہ تصریح ہے کہ: ولذا كان للإمام أخذه جبراً ويؤخذ من التركة ويجب مع الدين في أرض صغير الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۲۶ باب العشر)

نہری و بارانی پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں عشر کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کسی زمین کو نہری اور بارانی پانی سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار پر عشر کس حساب سے واجب ہوگا؟ کیا اس زمین کی پیداوار میں بارانی پانی سے سیرابی کے حساب سے عشر واجب ہوگا یا نہری پانی کے حساب سے؟ برائے مہربانی تفصیلی جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- جو زمین ذو مختلف الانواع پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں وجوبِ عشر کے لیے اکثریت کا اعتبار ہوگا، مثلاً ایک فصل کو اگر پانچ بار آبپاشی کی ضرورت ہے تو تین بار جس پانی سے اسے سیراب کیا جائے عشر اس کے حساب سے دیا جائے گا یعنی ایک فصل کی آبیاری تین بار نہری یا کنوئیں کے پانی سے کی گئی اور دو بار بارانی پانی سے تو اس کی پیداوار میں نصف العشر کے حساب سے عشر ادا کیا جائے گا اور اگر تین بار بارانی پانی سے سیراب کی گئی ہو تو پورا عشر لازم ہوگا۔ البتہ اگر اس زمین کو دونوں قسم کے پانی سے مساوی طور پر سیراب کیا جائے تو فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نظراً للفقراء کی وجہ سے نصف العشر کے حساب سے عشر ادا کیا جائے گا۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ :۔ وان سقی بعض السنة بالة والبعض بغیرها فالمعتبر اکثر کما مر فی السائمة والعلوفة وان استویا یجب نصف العشر نظراً للفقراء کما فی السائمة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۶ باب العشر)

امارتِ اسلامیہ جبراً عشر وصول کر سکتی ہے

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے، وہ یہ کہ کیا امارتِ اسلامیہ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی سے زبردستی عشر وصول کرے؟ برائے مہربانی جواب باحوالہ عنایت فرمائیں؟

الجواب :- عشر چونکہ زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اموال ظاہری کی طرح ہے اسلئے اگر کوئی شخص خود عشر ادا نہ کرتا ہو تو امارتِ اسلامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے زبردستی عشر وصول کرے اور اس وصولی سے اگر چہ اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ثواب نہیں ملے گا، تاہم اگر اپنے اختیار سے عشر ادا کرے تو اجر و ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : لهذا جاز ان یأخذه جبراً ویسقط عن صاحب الارض الا انه لا ثواب له الا اذا ادی اختیاراً۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۳ باب العشر) [۱]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ ،ولولا حول لانه فیه معنی المؤنة ولذا كان للامام اخذه جبراً ويؤخذ من التركه۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله اخذه جبراً) ویسقط عن صاحب الارض كالوادی بنفسه الا انه اذا ادی بنفسه یثاب ثواب العبادة واذا اخذه الامام یکون له ثواب ذهاب ماله فی وجه الله۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۲۶ باب العشر)

نابالغ کی مملوکہ زمین میں عشر کا مسئلہ

سوال :- کیا نابالغ بچوں کی مملوکہ زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ کیا عشر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط ہے جس طرح زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کا بالغ ہونا شرط لازم ہے؟

الجواب :- زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اگرچہ مزکی (زکوٰۃ دینے والے) کا بالغ ہونا ضروری ہے مگر عشر کا معاملہ اس سے الگ ہے، عشر زمین کی پیداوار پر لاگو ہوتا ہے اس میں مالک کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لیے صورتِ مسئولہ میں نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، مالک کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ :- واما العقل والبلوغ فلیسا من شرائط الوجوب حتی یجب العشر فی ارض الصبی والمجنون لان فیہ معنی المؤنۃ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۳ باب العشر) [1]

خودرو گھاس میں عشر کے وجوب کا حکم

سوال :- بعض علاقوں میں ایک خاص قسم کا گھاس ہوتا ہے جسے لوگ جانوروں کے لیے چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، بعض لوگ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے پانی دیتے ہیں تاکہ سوکھ نہ جائے۔ اس مقصد کے لیے اپنی زمین کا کچھ حصہ مخصوص کر دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس گھاس سے منع بھی کرتے ہیں، کیا ایسی گھاس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :- عشر زمین کی ہر اس پیداوار میں واجب ہے جو مقصود ہو، چاہے اس کی کاشت کی جائے یا از خود پیدا ہو جائے، چونکہ خودرو گھاس عموماً مقصودِ اصلی نہیں ہوتا

---

[1] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : ویؤخذ من الترکۃ ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب ومأذون ووقف وتسمیتہ زکوٰۃ۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ تحت قولہ (وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب) من مدخول العلۃ فلا تشترط فی وجوبہ العقل والبلوغ والحریۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر)

ومثلہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۵ الباب السادس فی زکوٰۃ الزرع والثمار۔

اس لیے اس میں عشر واجب نہیں، لیکن جب اس کی حفاظت کی جائے، اس کو بروقت پانی دیا جائے، اور دوسروں کو اس سے منع کیا جائے تو پھر اس صورت میں وہ گھاس مقصودی ہو جاتا ہے جس کی طرف حکم شرعی متوجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر واقعی اس قسم کے گھاس کے لیے زمین مخصوص کر کے اس میں گھاس کی نشو و نما کی جاتی ہو تو پھر اس میں عشر واجب ہے، بصورتِ دیگر کوئی عشر نہیں۔

لماقال العلامة الحصكفيؒ: (الافيما) لا يقصد به استغلال الارض (نحو حطب وقصب) فارسي (وحشيش) وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمي و اشنان وشجر قطن و باذنجان وبزر بطيخ وقثاء وادوية كحلية وشونيز حتى لو اشتغل ارضه بها يجب العشر۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۷ باب العشر) [1]

فتاوی ہندیہ اور دُرِّ مختار کی عبارت وشجر القطن سے پیدا ہونے والے شبہ کا ازالہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض کتب فقہ مثلاً الدر المختار اور ہندیہ وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شجر قطن (کپاس کے پودے) میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تو کیا واقعی کپاس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے؟ جبکہ کپاس آجکل ہمارے کی بہت اہم پیداوار ہے، برائے مہربانی فقہ حنفی کی روشنی میں ہماری اس اُلجھن کو دور فرمائیں؟

الجواب:- احناف کے ہاں عشر زمین کی ہر اس پیداوار میں واجب ہے جو مقصودی ہو، کپاس چونکہ مقصودی پیداوار ہے اس لیے اس میں زکوٰۃ بالاتفاق واجب ہے، البتہ مقدار نصاب میں احناف کے ہاں اختلاف ہے۔

---

[1] لماقال العلامة ابن نجيم المصريؒ رحمه الله: وعلى هذا كل ما لا يقصد به اشتغال الارض لا يجب فيه العشر مثل السعف و التبن۔ اھ

وقال فيه ايضًا: انما استثنى الثلاثة لأنه لا يقصد بها استغلال الارض غالبًا حتى لو اشتغل بها ارضه وجب العشر۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۵ باب العشر)

ومثله في الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۶ الباب السادس في زكوة الزرع والثمار۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ، قال ابو یوسفؒ فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیہ العشر اذا بلغت قیمتہ خمسۃ اوسق من ادنیٰ ما یوسق۔ الخ قال محمدؒ: ویجب العشر اذا بلغ الخارج خمسۃ اعداد من اعلیٰ ما یقدر بہ نوعہ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۸۴ باب العشر)

وقال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ، ویجب فی العصفر والکتان وبزرہ لان کل واحد منھما مقصود فیہ ثم اختلفا فیما لا یوسق کالزعفران والقطن فاعتبر ابو یوسفؒ قیمتہ ادنیٰ ما یوسق کالذرۃ واعتبر محمد خمسۃ اعداد من اعلیٰ ما یقدر بہ نوعہ فاعتبر فی القطن خمسۃ احمال کل حمل ثلاث مائۃ من۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۵ باب العشر)

اور جہاں تک درمختار اور ہندیہ کی عبارات کا تعلق ہے تو وہاں شجرہ قطن یعنی کپاس کے پودے کی نفی ہے کپاس کی نہیں، اس لیے کہ اس کی پیداوار میں مقصود اصلی کپاس ہوتی ہے اس کا پودا نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وشجرۃ قطن) اما القطن نفسہ ففیہ العشر کما مر۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۳۲۷ باب العشر) [1]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ بلا شرط نصاب وبقاء فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاً وقیل نصفہ وفی الخضراوات التی لا تبقیٰ وھذا قول الامام وھو الصحیح کما فی التحفۃ وقالا: لا یجب الا فیما لہ ثمرۃ باقیۃ حولاً بشرط ان یبلغ خمسۃ ان کان فما یوسق والوسق ستون صاعاً کل صاع اربعۃ امناء والا فحتی یبلغ قیمۃ نصاب من ادنی الموسوق عند الثانی واعتبر عند الثالث خمسۃ امثال مما یقدر بہ نوعہ ففی القطن خمسۃ احمال وفی العسل افراق وفی السکر امناء وتمامہ فی النھر۔
(ردالمحتار ج ۲ ص۳۲۶ باب العشر)

نہری زمین میں عشر اور نصف عشر کا مسئلہ

سوال:۔ ایسی نہری زمین جس کی نہر کے کھودنے، اصلاح اور دیکھ بھال پر محنت اور رقم خرچ کرنی پڑتی ہو کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

الجواب:۔ سوال میں مذکورہ نہری زمین کے بارے میں دو مختلف اور متضاد رائیں ملتی ہیں، اوّل یہ کہ سوال میں مذکور جیسی زمین میں عشر لازم ہوگا، اور اس کے مقابلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے۔ درج ذیل کتابوں کی عبارات اپنے اطلاق وصراحت سے رائے اوّل کا ثبوت دے رہی ہیں:۔

(۱) دُرِّمختار میں ہے: ویجب ای العُشر فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنھر ویجب نصفه فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیة ای دولاب لم۔ (ج ۲ ص۵۳ تا ۵۵ باب العشر)
یعنی جو زمین مطر و نہر سے سیراب ہوئی ہو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور غرب ودالیہ سے سیراب کی جاتی ہو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہوگا۔

(۲) کنز الدقائق علیٰ ہامش البحر الرائق میں ہے: یجب فی عسل ارض العشر ومسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالیة۔ (ج ۲ ص ۲۳۶، ۲۳۸ باب العشر)
یعنی عشری زمین کے شہد اور مطر و نہر سے سیراب کی گئی زمین کی پیداوار میں عشر لازم ہے اور وہ زمین جو غرب ودالیہ سے سیراب کی جاتی ہو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے۔

(۳) بدائع الصنائع میں ہے: فما سقی بماء السماء او سقی سیحا ففیه عشر کامل وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر۔ (ج ۲ ص۶۲ باب العشر)
یعنی جو زمین باران ونہر سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں عُشر اور جو غرب ودالیہ اور سانیہ سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عُشر لازم ہے۔

(۴) فتاویٰ الہندیہ میں ہے: وما سقی بالدولاب والدالیة ففیه نصف العُشر وان سقی سیحا وبدالیة یعتبر اکثر السنة فان استویا یجب نصف العشر۔ (ج ۱ ص۱۸۶ الباب العشر)
یعنی جو زمین دولاب و دالیہ سے سیراب کی گئی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے (اور جو نہر و مطر سے سیراب کی گئی ہو تو اس کی پیداوار میں عُشر لازم ہے) اور جس زمین کو دونوں قسم کا پانی دیا گیا ہو تو پھر ان میں سے جو پانی زیادہ دیا گیا ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا،

البتہ مساوات کی صورت میں نصف عشر لازم ہوگا۔

(۵) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے: سوال نمبر ۲۶۳: ایک قطعہ زمین جو پہاڑ کے پانی سے سیراب ہوتا ہے مگر محنت ومشقت سے بند باندھ کر سیراب کیا جاتا ہے، تو شرعاً اس میں عشر واجب ہے یا نصف عشر؟ الجواب: عشر واجب ہے کیونکہ مسقی سماء وسیح میں عشر واجب ہوتا ہے، کذا فی الدرالمختار۔ انتہی ملخصاً۔ (ج ۶ ص ۱۶۴ باب العشر کتاب الزکوٰۃ)

نیز فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہی ہے: سوال: نہری زمینوں میں عشر ہے یا نصف عشر؟ الجواب: نہری زمینیں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ کما فی الدرالمختار: ویجب نصفه فی مسقی غرب ودالیه وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تاباه الخ فقط (ج ۶ ص ۱۶۷ باب العشر)

اس جواب سے بطور مفہوم مخالف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس نہری زمین کے پانی کا محصول نہ لیا جاتا ہو اُس میں پورا عشر واجب ہوگا اور مفہوم مخالف نصوص میں اگرچہ معتبر نہیں لیکن روایاتِ فقہیہ میں معتبر ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی)

(۶) الفقه علی المذاهب الاربعه میں ہے: وحکم زکوٰۃ الزروع والثمار هو انه یجب فیها العشر اذا کانت خارجة من ارض تسقی بالمطر والسیح والماء الذی یسیح علی الارض من المصارف ونحوها ونصف العُشر اذا کانت خارجة من ارض تسقی بالدلاء ونحوها۔ (ج ۱ ص ۶۱۶ باب العشر)

وفیه ایضاً: وانما یجب نصف العشر ان سقی بالآلات فان سقی بالمطر اوالسیح فالعُشر ولو اشتری المطر ممن نزل بارضه وانفق علیه حتی اوصله لارضه من غیر آلة رافعة ففیه العشر ایضاً۔ (ج ۱ ص ۶۲۲ باب العشر)

(ترجمہ) بارش ونہر وغیرہ سے جو زمین سیراب کی جاتی ہے تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور جو زمین دلاء ونحوھا سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوگا۔

نیز الفقه علی المذاهب الاربعه میں ہے کہ جو زمین آلات کے ذریعہ سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوگا اور بارش ونہر وغیرہ سے سیراب ہونے کی صورت میں عُشر واجب ہوگا، لہٰذا اگر کسی شخص نے بارش کا پانی خرید کر محنت وخرچے سے بغیر آلہ رافعہ کے

اپنی زمین تک پہنچا دیا تو اس کی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہو گا۔

(۷) امداد الفتاویٰ میں ہے: الجواب فی رد المحتار ویجب ای العشر فی مسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالیه وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه ولو سقی سیحا او بالة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة ارباعه اه۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے تو بیسواں حصہ پیداوار کا دے اور اگر مفت کے پانی سے کرتا ہے تو کنوئیں سے آبپاشی کرتے میں بھی بیسواں حصہ دے اور نہر سے کرنے میں دسواں حصہ دے جبکہ زمین عشری ہو یعنی کسی کافر سے نہ لی گئی ہو۔ (جلد ۲ ص۵۸ باب العشر-کتاب الزکوٰۃ)

اور ایضاً امداد الفتاویٰ میں ہے: سوال، بہشتی زیور حصہ سوم ص۳۹ میں ہے اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے فقط بارش کے پانی سے پیداوار ہو گئی یا ندی اور دریا کے کنارے پر ترائی میں کوئی چیز بوئی اور بے سینچے پیدا ہو گئی، تو ایسے کھیت میں جتنی پیداوار ہوئی ہے اس کا دسواں حصہ خیرات کرنا واجب ہے، اور اگر کھیت کو رہٹ چلا کر کے یا کسی اور طریقہ سے سینچا ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ خیرات کرے۔ فقط۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہری اور بارانی کھیت میں دسواں حصہ واجب ہے اور چاہی میں بیسواں۔ اور علاج القحط والوباء میں مرقوم ہے: اگر بارانی ہو تو دسواں حصہ اور اگر چاہی ہو یا نہری ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ علاج القحط میں نہری زمین کا حکم صراحتاً بیسواں حصہ مرقوم ہے اور عربی کتابوں میں سے بھی نہری کا حکم دسواں حصہ معلوم ہوتا ہے۔ کما فی القدوری: العشر واجب سواء سقی سیحا او سقته السماء۔ ازیں سواء اس عرضداشت کے جواب سے ممتاز فرمانا۔ (۱) سینچنے سے کیا مراد ہے (۲) گرستی کا اسباب، گرستی کے کیا معنی ہیں؟

الجواب: کچھ تعارض نہیں ہے، جس نہری میں دسواں حصہ لکھا ہے وہ وہ ہے جس میں سینچنا یعنی آبپاشی کرنا اور قیمت دینا نہ پڑے، چنانچہ بہشتی زیور کی پہلی عبارت میں اس کی تصریح ہے اور جس نہری میں بیسواں حصہ لکھا ہے مراد اس سے وہ ہے جس میں آبپاشی کرنا پڑے یا پانی کی قیمت دینا پڑے الخ (جلد ۲ ص۶۱ کتاب الزکوٰۃ۔ باب العشر) اور بہشتی زیور کی اس عبارت "اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے" الخ

کا ترجمہ "جنتی کالے" میں یہ لکھا گیا ہے: "طریقہ دادہ چہ کہ دا زمکہ بارانی وہ یا د سیلند دریاب وغیرہ نہ اوبہ کیدہ او ابوراویستوخہ حاجت نہ وہ نو پہ بیدا وار کنبے ئے لسمہ حصّہ خیرات ورکول واجب دی إلیٰ قولہ او کہ پتہ ارتی وو یا پہ بلہ شخہ طریقہ اوبہ کیدہ نو بیا شلمہ دہ" اس ترجمہ سے معلوم ہوا کہ سینچنے کا معنیٰ ہے کہ پانی کو کسی چیز (آلہ) کے ذریعے نکال کر زمین کو دیا جائے۔

(۸) خیر الفتاویٰ میں ہے: (سوال) چترال میں گرمیوں کے موسم میں برف کا پانی ندیوں اور وادیوں میں بہتا ہے، لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں اور اپنی اراضی کو پانی دیتے ہیں یہ نہریں کہیں ایک فرلانگ لمبی کہیں ایک میل کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ بعض جگہ تقریباً بیس دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں پھر اس نہر میں پانی جاری کرنے کے بعد تقریباً ڈیڑھ (۱½) ماہ تک دو آدمی نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے، اب اس پانی سے جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عُشر ہوگا یا نصف عُشر۔ درمختار وغیرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عُشر ضروری ہے جبکہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی۔ (سائل: مولوی فضل مولیٰ، چترال)

الجواب: آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا، چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور پھر دو ماہ تک اس سے سیرابی ہوتی رہے تو اسے مؤنت کبیرہ قرار نہیں دیا جا سکتا، خصوصاً جبکہ آپ کے یہاں سابقہ تعامل بھی عشر ہی کا ہے وتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنھر۔ معلوم ہوا کہ نہر سے سیراب شدہ فصل پر عشر ہوگا اور اس کی عمومی صورت یہی ہوتی ہے کہ نالی کاٹ کر لائی جاتی ہے۔ (جلد ۱ ص۴۴۵، ۴۴۶ باب العشر)

(۹) شرح التنویر میں ہے: ولو سقی سیحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة ارباعه۔ (ج۲ ص۵۵ باب العشر) یعنی جو فصل نہر سے سیراب ہونے کے ساتھ آلہ (رافعہ) کے ذریعہ بھی سیراب کی جاتی ہو تو اس صورت میں غالب کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی زیادہ پانی سیح (کالنھر) کا دیا گیا ہو تو عشر لازم ہوگا اور اگر زیادہ پانی آلہ رافعہ سے دیا گیا ہو تو نصف عشر لازم ہوگا اور مساوات کی صورت میں نصف عشر لازم ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عشر کا تین چوتھائی لازم ہے۔

اور رائے اوّل کی تائید فقہاء کی اس تعبیر و یجب نصفہ فی مسقی غرب و دالیہ (یعنی جو زمین غرب و دالیہ سے سیراب ہوتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عُشر لازم ہے) سے بھی ہو رہی ہے، کیونکہ یہ تعبیر صاف طور سے بتا رہی ہے کہ نصف عشر کے لزوم میں اُس خرچ و مؤنت کا اعتبار ہے۔ جو پانی دینے اور زمین کو سیراب کرنے کے وقت لازم آتا ہے اور جو اس سے پہلے آیا ہو اُس کا نصف عشر میں دخل نہیں ہے، ورنہ پھر فقہاء اس تعبیر "و یجب نصفہ فی مسقی غرب و دالیہ" کی جگہ یہ تعبیر فرماتے "و یجب نصفہ فی مسقی البئر" یعنی جو زمین کنوئیں سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر لازم ہے، مگر فقہاء نے پہلی تعبیر کو اختیار فرمایا ہے جس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار اُس خرچ اور مؤنت کا ہے جو پانی دینے اور زمین کے سیراب کرنے کے وقت آتا ہے اور جو خرچ و مؤنت اس سے پہلے آتا ہے وہ معتبر نہیں ہے ۔۔۔ نیز اس رائے کی تائید اس حدیث سے بھی ہو جاتی ہے:

عن عبد اللہ ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ)

(ترجمہ) "حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ زمین جو آسمان (بارش کے پانی) یا چشمہ سے سیراب ہوتی ہو یا عاثور سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ لازم ہے اور وہ زمین جو کنوئیں سے کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ لازم ہے"۔۔۔ اور حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے کہ عاثور نہر جیسا ایک گڑھا ہوتا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے جس سے فصل سیراب کی جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل کتابوں سے رائے ثانی کا ثبوت ملتا ہے:۔

(۱) احسن الفتاوٰی میں ہے: "چہ می فرمایند علماء دین و مفتیانِ شرع متین کہ در دیار مایان کاریز دفنا تہا ہستند کہ از مزرعہ تا منبع آب مثلاً دوازدہ ہزار بغل فاصلہ دارد و ہر سال کار و زحمت میخواہد کہ اگر کار کردہ نشود آبش خشک شود و خرچ و مصرف کارش باندازہ ای میباشد کہ نصف بلکہ دو حصہ محصول پیداوارش بکارکنان صرف میشود، دریں صورت عشر واجب شود یا نصف عُشر؟ مسئلہ مذکورہ بالا بالتحقیق و بحوالۂ کتاب و باب تحریر فرمودہ رفع اشتباہ فرمایند و اجر دارین حاصل فرمایند؟"

الجواب باسم ملہم الصواب:۔ دریں صورت نصف عشر واجب است قیاساً علی الغرب

والدالية۔قال فی الشامیة تحت قوله (وقواعدنا لاتاباه) لان العلّة فی العدول عن العشر الیٰ نصفه فی مستقی غرب ودالیه هی زیادة الکلفة کما علمت وهی موجودة فی شراء الماء۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵ باب العشر) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم
(ج ۲ ص ۳۳۶ باب العشر)

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں اس سوال کے جواب میں ہے کہ نصف عشر کا کیا معنیٰ ہے؟ میں عُشر دوں یا نصف؟ الجواب: نصف عُشر بیسواں حصہ ہے اور یہ فرق پانی کی قیمت وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی اراضی عشریہ میں اصل عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دینا واجب ہے لیکن اگر زمین کو پانی دینے میں مزدوری زیادہ صرف ہوئی اور مشقت ہوئی اور خرچ بڑھ گیا تو بجائے عُشر کے نصف عشر دینا واجب ہو جاتا ہے۔
لہٰذا احتیاط رائے اوّل میں ہے کہ عُشر لازم ہوگا کیونکہ زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کم دینے میں عدم فراغ ذمہ کا خطرہ ہے۔

میت کے مال میں وجوب عُشر

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہم کاشتکار لوگ ہیں، اپنی اور دوسروں کی زمینوں میں کھیتی باڑی کرتے ہیں، چند دن قبل میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، انتقال سے پہلے انہوں نے کچھ زمین میں گندم کاشت کی جو ان کی زندگی میں ہی پختہ ہو گئی تھی، اب ہم نے اس کی کٹائی وغیرہ مکمل کی ہے۔ تو کیا ان کے اس مال پر عُشر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عُشر محاصلِ اراضی کا وظیفہ ہے اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق آپ کے والد مرحوم کی کاشت کردہ اراضی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔
لماقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لذا لو مات من علیه العشر والطعام قائم یؤخذ منه بخلاف الزکوٰة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۳ باب العشر) [1]

✿ ✿

[1] لماقال العلامة الحصکفیؒ: یؤخذ من الترکة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۶ باب العشر)